تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف:۔ اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

مَن یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیرًا یُفَقِّہْہُ فِی الدِّین (الحدیث)

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد پنجم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رِضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ○ جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر ۷۶۵۷۳۱۴

1

کتاب ــــــــــــ فتاوٰی رضویہ جلد پنجم

تصنیف ــــــــــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ــــــــــــ (۱) حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم، ہری پور ہزارہ

(۲) حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ــــــــــــ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

تخریج و تصحیح ــــــــــــ (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام و سرپرستی ــــــــــــ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیب فہرست ــــــــــــ حافظ محمد عبدالستار سعیدی

کتابت ــــــــــــ محمد شریف گل کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پروف ریڈنگ ــــــــــــ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

پیسٹنگ ــــــــــــ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری

صفحات ــــــــــــ ۶۹۲

اشاعت ــــــــــــ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ / ستمبر ۱۹۹۳ء

مطبع ــــــــــــ یوسف عمر پرنٹرز 12 اے اندرون بھاٹی گیٹ لاہور

ناشر ــــــــــــ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ــــــــــــ روپے

ملنے کے پتے

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خزائنِ علمیہ و ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں منصۂ شہود پر لانے کے لئے مخدوم اہلسنت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیرِ سرپرستی "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے جو ادارہ چند سال قبل قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو تدریجاً طے کرتے ہوئے سرعت رفتاری سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ مکمل چار خوبصورت مجلدات میں آپ تک پہنچ چکی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ عنایت وفیضان سے پانچویں جلد پیشِ خدمت ہے۔ اس جلد میں باب الاذان والاقامۃ تک عربی و فارسی عبارات کا اردو ترجمہ معروف قلمکار، ادیبِ شہیر، پیرِ طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم مدیر ماہنامہ جامِ عرفان و مہتمم دار العلوم ربانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ اور باقی تمام عبارات کا ترجمہ فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری دامت برکاتہم العالیہ ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ سمن آباد لاہور نے کیا ہے۔ مفتی صاحب متعدد کتابوں کے مصنف ومترجم ہیں۔

یہ جلد آغاز کتاب الصلوٰۃ سے لے کر فتاوٰی رضویہ جلد ثانی قدیم کے اخیر تک پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۰۰ سوالوں کے علاوہ مندرجہ ذیل مستقل عنوانات کو مبحث بنایا گیا ہے:

(۱) کتاب الصلوٰۃ

(۲) باب الاوقات

(۳) اماکن الصلوٰۃ (نماز کن جگہوں میں جائز ہے)

(۴) باب الاذان والاقامۃ

علاوہ ازیں پیشِ نظر جلد میں ابحاثِ نفیسہ و نکاتِ لطیفہ پر مشتمل پانچ گرانقدر رسائل بھی شامل ہیں جن کو دیکھنے سے امام احمد رضا بریلوی کی محدثانہ شان پُورے جوبن اور کامل عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اس جلد میں شامل رسائل کے نام یہ ہیں:

(۱) جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ
معراج سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نماز پڑھنے کا طریقہ

(۲) حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین ۱۳۱۳ھ
دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا شرعی حکم۔ الهاد الکاف اور نوٹ متعلق معیار الحق

(۳) منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ
اذان میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا نامِ نامی سُن کر انگوٹھے چُومنے کا مدلل بیان

(۴) نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ ۱۳۳۳ھ
اقامت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی سُن کر انگوٹھے چُومنے کا مدلل بیان اور منکرین کا رَد

(۵) ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ
دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق

○

۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
۲؍ ستمبر ۱۹۹۳ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

نوٹ:۔ اس جلد میں شامل رسالہ حاجز البحرین میں متعدد مقامات پر معیار الحق کی عبارات نقل کی گئی ہیں۔ ان عبارات کی تلاش کے لیے معیار الحق مطبوعہ مکتبہ نذیریہ کا نسخہ پیش رہا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نسخہ مذکورہ میں اعلحضرت کی نقل کردہ عبارتوں میں تحریف کی گئی ہے۔ ان کی صرف ایک مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اسی جلد کے صـ۲۲۶ پر عبارت "صلی الظهر والعصر شوذکب" میں والعصر کا لفظ کاٹ لیا ہے۔ معیار الحق نسخہ مذکورہ کا صـ۲۷۹ ملاحظہ ہو۔

فہرست مضامین

باب الاوقات

باب الاذان والاقامة ۳۶۱

2/2

☆ ☆ ☆

فہرست ضمنی مسائل

وضو

جنائز

حظر و اباحت

طب

توقیت

فوائد فقہیہ

رسم المفتی

عقائد و کلام

تاریخ و تذکرہ

رَدِّ بدمذہباں

حدیث و اصولِ حدیث

اسماء الرجال

فضائل ومناقب

فوائد اصولیہ

طبیعیات

ہندسہ وریاضی

متفرقات

کتاب الصلوٰۃ

مسئلہ (۲۴۹) از اوجین مکان میرخادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملا یعقوب علی خاں ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز پنجگانہ میں کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی ہے اور اگلے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اُن کی امتوں پر بھی یہی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا خاصہ ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

الحمد للہ وحدہ، والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔

اللہ ہی کے لیے تعریف ہے جو اکیلا ہے اور صلاۃ وسلام اس ہستی پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اس کے آل و اصحاب پر جو اس کے ہاں بہت مکرم ہیں۔ (ت)

نماز پنجگانہ اللہ عزّوجل کی وہ نعمت عظمٰی ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی امت کو

نہ ملی، بنی اسرائیل پر دو ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار رکعتیں دو صبح دو شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی۔ سنن نسائی شریف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم حدیث معراج مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں

ثم ردت الی خمس صلوات، قال، فارجع الی ربك فاسألہ التخفیف فانہ فرض علی بنی اسرائیل صلاتین فما قاموا بھما[1] یعنی پھر پچاس نمازوں کی پانچ رہیں موسٰی علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی کہ حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائی تھیں وہ انھیں بھی بجا نہ لائے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

وردان بنی اسرائیل کلفوا برکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی۔ قیل، ورکعتین عند الزوال، فما قاموا بما کلفوا بہ[2]۔

روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں رات کو پڑھنے کا مکلف بنایا گیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ دو رکعتیں زوال کی بھی تھیں مگر وہ اس پر کاربند نہ رہ سکے۔ (ت)

اور امتوں کا حال خدا جانے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ پانچوں اُن میں کسی کو نہ ملیں علماء نے بے خلاف اس کی تصریح فرمائی، مواہب شریف بیان خصائص امت مرحومہ میں لکھا:

ومنھا مجموع الصلوات الخمس، ولم تجمع لاحد غیرھم[3]۔

اور ان خصوصیات میں سے پانچ نمازوں کا مجموعہ بھی ہے کیونکہ اُمت مسلمہ کے علاوہ کسی اور اُمت کے لیے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (ت)

شرح زرقانی مقصد معراج مقدس میں زیر حدیث مذکور نسائی لکھا:

ھذا ھو الصواب، وما وقع فی البیضاوی انہ فرض علیھم خمسون صلاۃ فی الیوم و اللیلۃ، فقال السیوطی، ھذا غلط، ولم یفرض علی بنی اسرائیل خمسون صلاۃ قط بل ولا خمس صلاۃ، ولم تجمع الخمس

یہی درست ہے اور جو بیضاوی میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، تو سیوطی نے کہا کہ یہ غلط ہے، ان پر پچاس نمازیں کبھی بھی فرض نہیں کی گئی تھیں بلکہ ان پر تو پانچ نمازیں بھی فرض نہیں تھیں، پانچ صرف اس امت کےلیے

---

[1] سنن النسائی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۷۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۴۲

[3] المواہب اللدنیۃ المقصد الرابع خصائص تعلق بالصلوٰۃ، المکتب الاسلامی، بیروت ۲/۱۱۷

الا لهذه الامة، وانما فرض علٰی بنی اسرائیل صلاتان فقط، کما فی الحدیث[1]۔ جمع کی گئی ہیں۔ بنی اسرائیل پر تو صرف دو نمازیں فرض تھیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (ت)

لمعات شیخ محقق دہلوی و شرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی میں ہے، مجموع ھذہ الخمس من خصوصیاتنا[2] (ان پانچ نمازوں کا مجموعہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ ت) اشعۃ اللمعات میں ہے، مجموع خمس اوقات مخصوص ایں اُمت ست[3] (پانچ اوقات کا مجموعہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ ت) تیسیر و سراج المنیر شروح جامع صغیر میں زیرِ حدیث وصلوا خمسکم (اور پڑھو اپنی پانچ نمازیں۔ ت) لکھا: اضافھا الیھم لانھا لو تجتمع لغیرھم[4] (اپنی کہہ کر) پانچ نمازوں کو امت کی طرف اس لیے منسوب کیا ہے کہ کسی اور اُمت کے لیے یُوں جمع نہیں کی گئیں۔ ت) بلکہ یہ معنی خود ارشادِ حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت۔ ابن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد و بیہقی سنن میں بسند حسن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

ع[5] فان قلت الم تذکر بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتقوا اللہ وصلوا خمسکم[6] فانه حدیث صحیح رواہ الترمذی وحسنه وصححه و ابن حبان والحاکم عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنه ولقد احتجوا به علی الاختصاص قال العلامة الزرقانی حجة ذلک قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتقوا اللہ وصلوا خمسکم فاضافتها الیھم تعطی ذلک[7] اھ وقد نقلت کلام العزیزی والمناوی فما معنی ھذا الترقی۔

فان قلت (اگر یہ اعتراض ہو کہ) کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عالی یاد نہیں رہا اتقوا اللہ وصلوا خمسکم (اللہ سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں ادا کرو) کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے اسے روایت کرکے حسن و صحیح قرار دیا۔ ابن حبان اور حاکم نے ابو امامہ باہلی سے روایت کیا اور علماء نے اس سے اختصاص پر استدلال کیا۔ علامہ زرقانی کہتے ہیں اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں ادا کرو۔ نماز کی اضافت اس امت کی طرف کرنا، اس خصوصیت کا فائدہ دیتی ہے۔ میں نے عزیزی اور مناوی کا کلام نقل کر دیا ہے تو اس ترقی کا کیا معنی!

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب فی المقصد الخامس تخصیصہ علیہ السلام بخصائص المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۴۱

[2] لمعات التنقیح الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۲/۲۳۱

[3] اشعۃ اللمعات " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷

[4] السراج المنیر شرح جامع صغیر تحت حدیث "اتقوا اللہ وصلوا خمسکم" مطبوعہ مطبعہ ازہریہ مصر ۱/۳۰۷

[6]، [7] شرح الزرقانی، مقصد رابع۔ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۴ و ۴۲۵

نے نمازِ عشا کی نسبت فرمایا :

اعتموا بھذہ الصلوٰۃ فانکم فضلتم بھا علی سائر الامم ولم تصلھا امۃ قبلکم[1]۔

اس نماز کو دیر کرکے پڑھو کہ تم اس سے تمام امتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہ پڑھی۔ (ت)

پر ظاہر کہ جب نمازِ عشا ہمارے لیے خاص ہے تو پانچوں کا مجموعہ بھی ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا۔ رہا ہمارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کے سوا کسی نبی کو یہ پانچوں نہ ملنا، علماء اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی میں ایک باب وضع فرمایا :

باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس ولم تجمع لاحد[2]۔

یعنی وہ باب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کے مجموعے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختص ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول بلی ولکن لی فی کونہ حجۃ فی المقام مقال فان امر الاضافات اوسع من ھذا تقول ربکم ونبیکم بل فی آخر نفس الحدیث تدخلوا جنۃ ربکم وزاد فی روایۃ عند الخلعی وحجوا بیت ربکم وایضا نحو التخصیص باعتبار اھل الزمان وایضا قد ثبت خصوصنا فیھا بوجوہ کما یاتی فلا یدل علی خصوص نفس الخمس ولو بالجمع واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

اقول (میں کہتا ہوں) کیوں نہیں، لیکن اس حدیث کو اختصاص پر دلیل بنانے میں مجھے اعتراض ہے کیونکہ اضافتوں کا معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ تم کہتے ہو رَبُّکُمْ وَنَبِیُّکُمْ (تمہارا رب اور تمہارا نبی) بلکہ اس حدیث کے آخر میں ہے تدخلوا جنۃ ربکم (اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے) اور خلعی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے وحجوا بیت ربکم (اور اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔ ان مثالوں میں اضافت موجود ہے مگر اختصاص نہیں کیونکہ رب صرف مخاطبین کا نہیں سارے جہان کا ہے) نیز خصوصیت باعتبار اہلِ زمانہ کے بھی ہوسکتی ہے علاوہ ازیں ہماری خصوصیت دیگر وجوہ کی بنا پر ثابت ہے جیسا کہ آرہا ہے پس اس حدیث سے ان پانچوں نمازوں کی خصوصیت اجتماعی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب وقت العشاء الآخرۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان آفتاب عالم پریس ۱/ ۶۱

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

امام محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں بعض علماء سے ناقل هذه الصلوات تفرقت فی الانبیاء وجمعت فی هذه الامۃ (یہ نمازیں باقی انبیاء کو متفرق طور پر عطا کی گئیں اس اُمت کے لیے جمع کردی گئیں۔ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں، لم تجمع لاحد غیرھم من الانبیاء والامم[2] (اس امت کے علاوہ باقی انبیاء اور اُمتوں میں سے کسی کے لیے یہ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ت) اُسی میں ہے:

ولا یعارضه قول جبریل فی حدیث المواقیت حین صلی الخمس بالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: هذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلك، لان المراد، کما قال الرافعی، انه وقتهم اجمالا، وان اختص کل منهم بوقت[3]۔

اور اس کے معارض نہیں ہے جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور آپ سے پہلے انبیاء کا بھی۔ حدیث مواقیت کے مطابق جبریل نے یہ بات اُس وقت کہی تھی جب انھوں نے رسول اللہ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں ـــــ عدم تعارض کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوقات دیگر انبیاء کو اجمالی طور پر ملے تھے، انفرادی طور پر تو ہر نبی کو ان میں سے کچھ وقت دیے گئے تھے۔(ت)

لمعات وشرح ابن حجر مکی میں ہے:

واللفظ للاول، قوله هذا وقت الانبیاء من قبلك، یدل بظاهره علی ان الصلوات الخمس کانت واجبة علی الانبیاء علیهم الصلاة والسلام، والمراد التوزیع بالنسبة الی غیر العشاء، اذ مجموع هذه الخمس من خصوصیاتنا، واما بالنسبة الیهم فکان

اور لفظ لمعات کے ہیں ـــ جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور پہلے انبیاء کا بھی، بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پانچ نمازیں پہلے انبیاء پر واجب تھیں لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ عشاء کے علاوہ باقی نمازیں دیگر انبیاء پر تقسیم کی گئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کا مجموعہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ باقی انبیاء کو تو عشاء

عہ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وستاتی تخریجاتہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کی تخریجات آگے آرہی ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/ ۴۴۴

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵/ ۴۴۵

ماعدا العشاء متفرقا فیھم، کما جاء فی الاخبار[1]

کے علاوہ باقی نمازیں متفرق طور پر ملی تھیں، جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ (ت)

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الصلوات الخمس لم تجتمع لغیرہ ولغیر امتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولا لنبی قبلہ، فانما الانبیاء قبلہ کانت لھم صلاۃ موافقۃ لبعض ھذہ، دون مجموعھا۔[2]

پانچ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے علاوہ کسی اُمت کے لیے جمع نہیں کی گئیں، نہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے۔ پہلے انبیاء کو جو نمازیں ملی تھیں تو ان میں سے ہر نبی کی نماز ان اوقات میں سے کسی ایک وقت کے ساتھ مطابقت رکھتی تھی، مجموعی طور پر پانچ نمازیں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔ (ت)

اقول مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے کوئی دلیل صحیح صریح اس پر نہ پائی

وکل ما ذکروہ فلا یفید المدعی، او معارض بما ھو اصح واقوی، کما فصلنا ذلك فی تحریر مستقل لنا فی ھذا المقال، کتبناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بعد ورود ھذا السؤال، ملخصہ انھم احتجوا علی ذلك باحادیث و اٰثار، **منھا** حدیث صحیح مسلم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی خبر الاسراء فاعطی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثا، اعطی الصلوات الخمس، واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ، وغفر لمن لم یشرك باللہ من امتہ شیئا المقحمات[3] فانہ ظاھر فی اختصاصھا بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ سب باتیں جو علماء نے ذکر کی ہیں اثباتِ مدعی کے لیے مفید نہیں ہیں، یا زیادہ صحیح اور قوی روایات سے معارض ہیں یہ بات ہم نے اس موضوع پر اپنی ایک مستقل تحریر میں مفصل طور پر بیان کی ہے جو اس سوال کے آنے پر لکھی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء نے پانچ نمازوں کے مجموعے کا اس امت کے ساتھ مختص ہونے پر چند احادیث و آثار سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم کی ہے جو واقعہ معراج کے بارے میں عبد اللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کی امت کے ہر اس شخص کی مغفرت جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پانچ نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص ہیں۔ (ت)

[1] لمعات التنقیح مواقیت الصلوٰۃ الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ معارف علمیہ لاہور ۲/ ۲۳۱

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الاسراء مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان ۲/ ۲۵۷

[3] الصحیح لمسلم باب فی قول اللہ تعالٰی ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور ۱/ ۹۷

قلت، وذلک لانہ کان محل الاکرام الخاص فینبغی اختصاص الخمس ایضاً بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالباقیین۔

قال فی نسیم الریاض (فاعطی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثا) من الفضائل المخصوصۃ بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] اھ۔

اقول: لک ان تقول بعد تسلیم لزوم الخصوص فی کل عطاء یعطی فی مقام الاختصاص، لایلزم الخصوص من کل وجہ، فقد کانت الصلاۃ فریضۃ علی الانبیاء صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم وفی کل دین الٰہی، کما قال تعالٰی فی سیدنا اسمٰعیل علٰی ابنہ الکریم وعلیہ الصلاۃ والتسلیم، وکان یأمر اھلہ بالصلٰوۃ والزکٰوۃ وکان عند ربہ مرضیا[2]۔ وقال عزوجل عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام، واوصانی بالصلٰوۃ والزکٰوۃ مادمت حیّا[3]۔ وفی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاخیر فی دین لا صلٰوۃ فیہ[4] وقد کانت اوقات صلاتھم ھی ھذہ الاوقات، لقول جبریل علیہ الصلاۃ والسلام ھذا وقتک ووقت الانبیاء من قبلک[5]۔

میں کہتا ہُوں: ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موقعہ اکرام خاص کا تھا اس لیے پانچ نمازیں بھی آپ کےلئے خاص ہونی چاہئیں جس طرح باقی دو چیزیں آپ کے لئے خاص ہیں۔ نسیم الریاض میں ہے (پس دی گئیں رسول اللہ کو تین چیزیں) یعنی اُن فضائل میں سے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اھ (ت)

میں کہتا ہُوں تم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اختصاص کے موقعہ پر جو چیزیں دی جائیں ان میں ہر ایک کا خاص ہونا ضروری ہے۔ تاہم ہر لحاظ سے خاص ہونا تو کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ نمازیں تمام انبیاء پر اور ہر دینِ الٰہی میں فرض تھیں جس طرح اللہ تعالٰی سیدنا اسمٰعیل ــــ ان کے کریم بیٹے پر اور ان پر صلٰوۃ وسلام ہو ــــ کے بارے میں فرماتا ہے "وہ حکم دیا کرتا تھا اپنے اہلِ خانہ کو نماز اور زکٰوۃ کا" اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھا" اور اللہ عزوجل نے اپنے بندے عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے" اور حکم دیا ہے مجھے اللہ تعالٰی نے نماز اور زکٰوۃ کا، جب تک میں زندہ رہوں" اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو اور پہلے انبیاء کے اوقاتِ نماز وہی تھے جو ہمارے ہیں کیونکہ جبریل نے کہا ہے کہ یہ وقت ہے

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الاسراء مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۲/ ۲۵۶
[2] القرآن سورہ مریم ۱۹ آیت ۵۵ ۔ [3] القرآن سورہ مریم ۱۹ آیت ۳۱
[4] سنن ابی داوٗد باب ماجاء فی خبر الطائف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۲
نوٹ: جو حدیث مجھے ملی ہے اس میں لفظ لاصلٰوۃ فیہ کی جگہ "لارکوع فیہ" ہے واللہ تعالٰی اعلم نذیر احمد سعیدی
[5] مشکوٰۃ المصابیح، باب المواقیت، مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۹

وصرف الفرض الی اجتماع الخمس قد یأباہ ظاھر اللفظ، اذلواریدھذاالقال اعطی الصلوات خمسا، او اعطی خمس صلوات۔ ومع ذلک اذا صرف الی وصف فحینئذ نقول بموجبہ، فالخمس علی ھذہ الصفۃ لم تکن لاحد قبلنا، فان اللہ تعالٰی خصنا بالاذان والاقامۃ والبسملۃ والتامین[1] الذی ماحسدتنا الیھود علی شیئ ماحسدتنا علیہ وعلی السلام، وجعل نصف کما تصف الملٰئکۃ عند ربھا، وجعل لنا الارض مسجدا وطھورا۔ ونقول: خصصنا بان امضی فریضتہ وخفف عن عبادہ، فھی خمس، وھی خمسون، تفضلا من ربنا تبارک وتعالٰی ببرکۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ومنھا[2] حدیث ابن جریر والبزار وابی یعلی عن ابی ھریرۃ والبیھقی عنہ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنھما، فیہ قولہ

آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء کا۔ اور عبداللہ ابن مسعود کے قول اعطی الصلوٰۃ الخمس کا یہ مطلب نکالنا کہ آپ کو اجتماعی طور پر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی تو عبداللہ ابن مسعود یُوں کہتے اعطی الصلوٰۃ خمسا یا یہ کہتے اعطی خمس صلوات[2] (جبکہ انہوں نے اعطی الصلوت الخمس کہا ہے) بایں ہمہ اگر فرضیت کو کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا ہی ہے تو اس کے مطابق ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح کی پانچ نمازیں ہم پر فرض کی گئی ہیں اس طرح ہم سے پہلے کسی پر فرض نہیں کی گئیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اذان، اقامت، بسم اللہ اور آمین کہنے کے ساتھ مختص کیا ہے جبکہ آمین اور سلام پر جتنا یہودی ہمارے ساتھ حسد کرتے تھے اتنا کسی اور چیز میں نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہم صفیں بناتے ہیں جس طرح ملائکہ اپنے رب کے رُوبرو صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے ہمارے لئے

---

[1] رواہ البخاری فی الادب المفرد وابن ماجۃ بسند صحیح عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ غفرلہ

[1] اسے امام بخاری نے الادب المفرد اور ابن ماجہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ام المومنین کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الادب المفرد، باب فضل السلام، حدیث ۹۸۸ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۲۵۶

[2] اعطی الصلوت خمسا، اعطی خمس صلوت، اعطی الصلوت الخمس، ان جملوں کے مفہوم میں جو فرق ہے اس کو اُردو ترجمے میں واضح کرنا ممکن نہیں ہے، مختصراً آپ یہ سمجھ لیں کہ پہلی دو عبارتیں پانچ کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہیں یعنی پانچ نمازیں آپ کے ساتھ خاص ہیں جبکہ تیسری عبارت، جو کہ حدیث میں بھی وارد ہے، تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی۔ (دائم)

عزوجل لنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین ذکر ما اعطی الانبیاء السابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم من الفضائل : اعطیتك ثمانیۃ اسھم ، الاسلام والھجرۃ[2] والجہاد[3] والصلاۃ[4] والصدقۃ[5] وصوم رمضان[6] والامر[7] بالمعروف والنھی[8] عن المنکر۔ قال الزرقانی (والصلاۃ) ای مجموع الصلوات الخمس (والصدقۃ) الزکاۃ (وصوم رمضان) وفیہ حجۃ لاحد القولین فی اختصاصہ بالامۃ المحمدیۃ الخ[1]۔

تمام رُوئے زمین کو مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنایا ہے'یا یہ کہیں گے کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اس شرف کے ساتھ مختص کیا ہے کہ اپنے مقرر کردہ فرائض اپنی جگہ پر رکھے اور بندوں سے تخفیف بھی کردی، اب پڑھی پانچ جاتی ہیں اور ثواب کے اعتبار سے پچاس ہوجاتی ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہم پر اللہ تعالٰی کا انعام ہے۔ اور ان ہی میں سے وہ حدیث ہے جو ابن جریر' بزّار اور ابویعلی نے ابوہریرہ سے اور بیہقی نے ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فضائل کا ذکر کیا جو اللہ تعالٰی نے انبیائے سابقین کو عطا فرمائے تھے تو اللہ عزوجل نے اپنے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے آپ کو آٹھ حصے عطا کئے ہیں: (۱) اسلام (۲) ہجرت (۳) جہاد (۴) نماز (۵) صدقہ (۶) رمضان کے روزے (۷) امر بالمعروف (۸) نہی عن المنکر۔ زرقانی نے (اس کی شرح کرتے ہوئے) کہا (اور نماز) یعنی پانچ نمازوں کا مجموعہ۔ (اور صدقہ) یعنی زکوٰۃ اور (رمضان کے روزے) اس میں دلیل ہے دو میں سے ایک قول کے لیے یعنی اس قول کے لئے کہ رمضان امتِ محمدیہ کے ساتھ خاص ہے الخ (ت)

قلت : ای وقد ذکر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکل نبی ما خص بہ من الکرامات، فالمحل قاض بان یجاب بما خص بہ من جلائل الفضائل۔ **اقول** : نعم ، لابد للخصوص من وجہ ، اما مطلقا فلا ، فقد کان الجہاد فی الامم السابقۃ قال تعالٰی وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر[2] الاٰیۃ

میں نے کہا (دلیل اس بناء پر ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نبی کی وہ عظمت ذکر کی تھی جو اس کے ساتھ مختص تھی۔ تو موقعہ کا تقاضا یہی تھا کہ جواباً ایسے عظیم فضائل کا بیان کیا جاتا جو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص تھے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں)، ہاں، خصوصیت کے لئے کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے ورنہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) مطلقاً اس اُمت کے ساتھ خاص نہیں ہیں

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب ، المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۲۰-۱۲۱

[2] القرآن ۳/۱۴۶

الی قولہ، والامر بالمعروف والنہی عن المنکر، ویستحیل نفیہما عن الانبیاء السابقین، علیہم الصلاۃ والسلام، فما کانوا یبعثون الا لھذا۔ وقد انجی اللہ تعالٰی قوما کانوا ینہون اصحاب السبت معذرۃ الٰی ربہم ولعلہم یرجعون، ولم تزل الصدقۃ فی الامم، وتقدم قولہ تعالٰی وکان یأمر اھلہ بالصلٰوۃ والزکٰوۃ[1] فانما المراد لم یعطوا علی صفۃ اعطی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، احلت لہ الغنائم ولم تحل لاحد قبلہ، والصدقۃ تؤخذ من اغنیائنا وترد علی فقرائنا، وامرنا بالمعروف ونہینا عن المنکر باعلی وجوہہ وھو الجہاد، وامر الجہاد فی شرعنا اقوی منہ فی سائر الشرائع۔ قالہ الرازی عن القفال۔ فکذلک خصصنا فی الصلاۃ باشیاء لم یعطہن احد قبلنا، وللہ الحمد۔

کیونکہ جہاد پہلی اُمتوں میں بھی تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے "کتنے ہی نبی تھے کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے لڑائی کی"۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو حدیث میں مذکور اس قول کی طرف" اور اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا" حالانکہ ان کاموں کا انبیاء سابقین میں نہ پایا جانا محال ہے کیونکہ وُہ تو بھیجے ہی انہی کاموں کے لئے جاتے تھے اور (اسی نہی عن المنکر کی وجہ سے) اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کو نجات دے دی تھی جو اصحابِ سبت کو شکار کرنے سے منع کرتے تھے تاکہ اپنے رب کے رُوبرو اپنا عذر پیش کر سکیں اور اس لئے کہ اس طرح شائد اصحاب سبت غلط کام سے باز آجائیں۔ صدقہ و زکوٰۃ کا حکم اُمتوں میں ہمیشہ رہا ہے۔ اللہ تعالٰی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ تو درحقیقت مراد یہ ہے کہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) اس طرح باقی انبیاء کو نہیں دی جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ مثلاً جہاد میں حاصل ہونے والی غنیمت رسول اللہ کے لئے حلال کردی گئی، حالانکہ اس سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھی۔ اسی طرح صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور فقراء کو دیا جاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے اس کو آگ جلادیا کرتی تھی یونہی ہمارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اعلیٰ درجے کا ہے یعنی جہاد کے ذریعے سے کیونکہ جہاد کا معاملہ ہماری شریعت میں بنسبت باقی شریعتوں کے زیادہ قوی ہے، یہ بات رازی نے قفال سے نقل کی ہے، بعینہٖ اسی طرح ہمیں نماز میں بھی بعض اشیاء کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو ہم سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں (یعنی اذان اقامت وغیرہ) (وللہ الحمد)

ومنھا ما نقل الامام الفقیہ ابو اللیث السمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی فی تنبیہ الغافلین عن کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰی

امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میں نے توریت مقدس کے کسی مقام میں پڑھا

---

[1] القرآن ۱۹/۵۵

عنہ قال: قرأت فی بعض ما انزل اللہ تعالٰی علی موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام یا موسٰی! رکعتان یصلیھما احمد وامتہ، وھی صلاۃ الغداۃ، من یصلیھما غفرت لہ ما اصاب من الذنوب من لیلہ ویومہ ذلک ویکون فی ذمتی۔ یا موسٰی! اربع رکعات یصلیہا احمد وامتہ، وھی صلاۃ الظھر، اعطیھم باول رکعۃ منہا المغفرۃ، وبالثانیۃ اثقل میزانھم، وبالثالثۃ اوکل علیھم الملئکۃ یسبحون ویستغفرون لھم، وبالرابعۃ افتح لھم ابواب السماء، ویشرفن علیھم الحور العین۔ یا موسٰی! اربع رکعات یصلیہا احمد وامتہ، وھی صلاۃ العصر، فلایبقی ملک فی السمٰوٰت والارض الا استغفر لھم، ومن استغفر لہ الملئکۃ لم اعذبہ۔ یا موسٰی! ثلاث رکعات یصلیہا احمد وامتہ حین تغرب الشمس، افتح لھم ابواب السماء۔ لایسألون من حاجۃ الا قضیتہا لھم۔ یا موسٰی! اربع رکعات یصلیہا احمد وامتہ حین یغیب الشفق، ھی خیر لھم من الدنیا وما فیہا یخرجون من ذنوبھم کیوم ولدتھم امھم۔ یا موسٰی! یتوضؤ احمد وامتہ کما امرتھم، اعطیتھم بکل قطرۃ تقطر من الماء جنۃ عرضہا کعرض السماء والارض۔ یا موسٰی! یصوم احمد وامتہ شھرا فی کل سنۃ، وھو شھر رمضان،

اے موسٰی! فجر کی دو رکعتیں احمد اور اس کی اُمت ادا کرے گی جو انہیں پڑھے گا اُس دن رات کے سارے گناہ اُس کے بخش دُوں گا اور وہ میرے ذمّہ میں ہوگا۔ اے موسٰی! ظہر کی چار رکعتیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی انہیں پہلی رکعت کے عوض بخش دُوں گا اور دوسری کے بدلے ان کا پلّہ بھاری کردوں گا اور تیسری کے لیے فرشتے مؤکل کروں گا کہ تسبیح کریں گے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے، اور چوتھی کے بدلے اُن کے لیے آسمان کے دروازے کشادہ کردُوں گا، بڑی بڑی آنکھوں والی حُوریں اُن پر مشتاقانہ نظر ڈالیں گی۔ اے مُوسٰی! عصر کی چار رکعتیں احمد اور ان کی اُمت ادا کرے گی تو ہفت آسمان و زمین میں کوئی فرشتہ باقی نہ بچے گا سب ہی ان کی مغفرت چاہیں گے اور ملائکہ جس کی مغفرت چاہیں میں اسے ہرگز عذاب نہ دُوں گا۔ اے موسٰی! مغرب کی تین رکعت ہیں انہیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی آسمان کے سارے دروازے ان کے لیے کھول دُوں گا، جس حاجت کا سوال کریں گے اسے پُورا ہی کردوں گا۔ اے موسٰی! شفق ڈوب جانے کے وقت یعنی عشاء کی چار رکعتیں ہیں پڑھیں گے انہیں احمد اور ان کی اُمت، وہ دنیا وما فیہا سے اُن کے لیے بہتر ہیں وہ انہیں گناہوں سے ایسا نکال دیں گی جیسے اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہُوئے۔ اے موسٰی! وضو کرے گا احمد اور اسکی اُمت جیسا کہ میرا حکم ہے میں انہیں عطا فرماؤں گا ہر قطرے کے عوض کہ آسمان سے ٹپکے ایک جنت جس کا عرض آسمان و

اعطیھم بصیام کل یوم مدینۃ فی الجنۃ ، و
اعطیھم بکل خیر یعملون فیہ من التطوع اجر
فریضۃ ، واجعل فیہ لیلۃ القدر ، من
استغفر منھم فیہا مرۃ واحدۃ نادما صادقا
من قلبہ ، ان مات من لیلۃ او شھرہ اعطیتہ اجر
ثلثین شھیدا ۔ یاموسٰی ان فی امۃ محمد رجالا
یقومون علی کل شرف یشھدون بشھادۃ ان
لا الٰہ الا اللہ ، فجزاؤھم بذٰلک جزاء
الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام ، ورحمتی
علیھم واجبۃ ، وغضبی بعید منھم ،
ولا احجب باب التوبۃ عن واحد منھم
ما داموا یشھدون ان لا الٰہ الا اللہ اھ[۱] ۔

زمین کی چوڑائی کے برابر ہوگا۔ اے موسٰی! ایک مہینے کے
ہر سال روزے رکھے گا احمد اور اس کی اُمت اور وہ
ماہِ رمضان ہے میں عطا فرماؤں گا اسکے ہر دن کے روزے
کے عوض جنت میں ایک شہر اور عطا کروں گا اس میں نفل کے
بدلے فرض کا ثواب اور اس میں لیلۃ القدر کروں گا جو
اس مہینے میں شرمساری و صدق سے ایک بار استغفار کریگا
اگر اسی شب یا اس مہینے بھر میں مرگیا اسے تیس۳۰ شہیدوں
کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اے موسٰی! امتِ محمدیہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ ہر شرف پر قائم ہیں
لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہیں تو ان کی جزا اس کے
عوض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب ہے اور میری
رحمت ان پر واجب اور میرا غضب ان سے دور اور
ان میں سے کسی پر بابِ توبہ بند نہ کروں گا جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتے رہیں گے اھ (فقیر محمد حامد رضا غفرلہ)

سرونا ھا تماما ، جالما فیھا من النفائس ،
رزقنا اللہ تعالٰی الحظ الاوفی منھا بمنہ
وکرمہ ، وجاہ حبیبہ قاسم نعمہ صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، اٰمین ۔

اس روایت میں ذکر کئے گئے نفیس انعامات سے محبت
کی بنا پر ہم نے اس کو تمام بیان کردیا ہے ، اللہ تعالٰی
اپنے احسان و کرم سے اور نعمتیں تقسیم کرنے والے
اپنے محبوب کی عزت کے صدقے ہمیں ان انعامات سے
کامل حصہ نصیب فرمائے ۔ آمین! (ت)

اقول: ان تم الاحتجاج بہ علی
الاختصاص ، دل علی خصوص کل من
الخمس ، لا کل الخمس ، فانہ قال فی
کل ، یصلیہا احمد وامتہ صلی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں: اگر اس روایت سے اختصاص
پر استدلال مکمل مان لیا جائے تو یہ اس پر دلالت کریگا
کہ پانچ میں سے ہر ایک نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
خاص ہے ، نہ کہ پانچ کا مجموعہ ، کیونکہ اس روایت میں

---

[۱] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۰۴

علیہ وسلم، وقد ذکر فیہا الوضوء، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ہذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبلی، فلیکن المقصود بالذکر عطاؤہم مارتب علیہا من الفضائل۔

ہر نماز کے ساتھ یہ آیا ہوا ہے کہ اس کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ادا کرے گی، نیز اس روایت میں وضو کا بھی ذکر ہے حالانکہ وضو کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کے مذکورہ فضائل صرف امتِ محمدیہ کو عطا کئے جائیں گے۔ (ت)

ومنہا اثر الامام العیشی، مروی الامام الطحاوی، وسیاتی الکلام علیہ۔ ونحوہ ماذکر فی الحلیۃ عن بعضہم، قال: ہذہ الصلوات تفرقت فی الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وجمعت فی ہذہ الامۃ، فذکر الفجر لاٰدم والظہر لابرٰہیم والعصر لسلیمٰن والمغرب لعیسٰی علیہم الصلاۃ والسلام، ثم قال: واما العشاء فخصصت بہا ہذہ الامۃ اھ۔

اور ان میں سے امام عیشی کا وُہ اثر ہے جسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس پر کلام عنقریب آرہا ہے۔ اسی اثر کے مطابق ہے وہ جو حلیہ میں بعض علماء سے مذکور ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ نمازیں باقی انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر ملی تھیں اور اس امت کے لیے جمع کردی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید ذکر کیا ہے کہ فجر آدم علیہ السلام کے لئے تھی، ظہر ابراہیم علیہ السلام کے لیے، عصر سلیمان علیہ السلام کے لیے، اور مغرب عیسٰی علیہ السلام کے لیے۔ پھر انہوں نے کہا کہ جہاں تک عشاء کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ یہ اُمت مخصوص کی گئی ہے اھ (ت)

اقول: توجیہ الاستدلال انہ وان ذکر اختصاص ہذہ الامۃ، لکن لم یقل من بین سائر الامم، ولم یذکر ان نبیا اصلاہا، کما ذکر فی سائرہا،

میں کہتا ہوں: (بعض علماء کی اس عبارت سے) استدلال کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے اگرچہ ذکر تو اتنا ہی کیا ہے کہ نماز عشاء اس امت کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ نہیں کہا کہ "باقی اُمتوں میں سے"

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء فصل ثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۷
۲؎ شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی ای الصلوٰۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰
شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع فیما فضل اللہ بہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۳۲۴

فالظاهر التخصیص بھذہ الامۃ مطلقا، اعنی بالنظر الی الامم والانبیاء جمیعا، وقد بدا الکلام ایضا بذکر الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وھذہ الامۃ فھو المتبادر ھھنا ایضا، لا قصر المقابلۃ علی الامم دون الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام۔

نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ یہ نماز کسی اور نبی نے بھی پڑھی تھی، جیسا کہ باقی نمازوں میں یہ بیان کیا ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ یہ اُمت مطلقاً اس نماز کے ساتھ مخصوص ہے بنسبت باقی اُمتوں کے بھی اور انبیاء کے بھی (یعنی یہ نماز اس سے پہلے نہ کسی اُمت نے پڑھی نہ کسی نبی نے) نیز اس عبارت کی ابتداء میں اس امت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر ہے تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے (کہ اس امت کا عشاء کے ساتھ اختصاص بنسبت باقی انبیاء کے بھی ہے) یہ نہیں کہ صرف اُمتوں کی بنسبت ہو اور انبیاء کی بنسبت نہ ہو۔ (ت)

اقول: ویغنی عن الکلام علیہ ما یاتی فی کلام ابن عائشۃ رحمہ اللہ تعالٰی۔

میں کہتا ہوں اس پر جرح کے لیے وہ بحث کافی ہے جو عنقریب ابن عائشہ رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام میں آرہی ہے۔

ومنھا حدیث سیدنا معاذ الصحیح العارف العشاء، انکم فضلتکم بھا علی سائر الامم[1]، احتج بہ الامام الجلیل الجلال السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی الخصائص الکبری علی کون العشاء لم یصلھا احد قبلہ[2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اور ان میں سے حضرت معاذ کی صحیح حدیث ہے جو گزرچکی ہے، اس میں عشاء کے بارے میں ہے کہ تمہیں اس کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس حدیث سے امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے نہیں پڑھی۔ (ت)

اقول: سبحٰن من لا یزل المقابلۃ ھھنا بیننا وبین سائر الامم، فکیف دل علی انتفائھا عن سائر الانبیاء سوی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم، واعجب منہ ان ذکر العلامۃ الزرقانی

میں کہتا ہوں: پاک ہے وہ ذات جس سے لغزش نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں تقابل، ہمارے اور باقی اُمتوں کے درمیان ہے۔ اس سے یہ کس طرح ثابت ہُوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی نے بھی نہیں پڑھی۔ اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

[2] " " " " " " " " " " " " "

تحت قول العیشی الآتی ، اول من صلی العشاء الآخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، مانصہ ، وعورض بما فی شرح المسند (ای للامام الرافعی الشافعی) ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام اھ ۔ ثم استدرک بقولہ ، لکن یؤید خبر الطحاوی (ای اثر العیشی) حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ اھ[1] ۔

کہ عنقریب علامہ عیشی کا جو قول آرہا ہے کہ پچھلی عشاء سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اس کے ذیل میں علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ اس قول کا معارضہ کیا گیا ہے اس روایت سے جو مسند کی شرح میں ہے (یہ شرح امام رافعی شافعی کی ہے) کہ عشاء یونس علیہ السلام کے لیے تھی اھ ۔ پھر علامہ زرقانی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے کہا ہے : " لیکن طحاوی کی خبر (یعنی عیشی کے اثر) کی تائید کرتی ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ۔ (ت)

اقول : لیت شعری ، من این جاء التأیید ، ولا تعرض فیہ بذکر الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ؟ قال ، فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، فضلتم بہا ، یعارض روایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام[2] ۔

میں کہتا ہوں کاش میری سمجھ میں آسکے کہ تائید کس طرح کرتی ہے جبکہ حدیث معاذ میں انبیاء کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے ۔ زرقانی نے مزید کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اس کے ذریعے سے تم کو فضیلت دی گئی ہے ، معارض ہے اس روایت سے کہ عشاء یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تھی (ت)

اقول : انما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بہا علی سائر الامم ، وای تعارض بین النفی عنہم والثبوت لبعض الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ۔

میں کہتا ہوں : نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو باقی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اگر باقی اُمتوں کے لیے یہ نماز ثابت نہ ہو (جیسا کہ حدیثِ معاذ کا تقاضا ہے) اور بعض انبیاء کے لیے ثابت ہو (جیسا کہ شرح مسند میں ہے) تو اس میں کیا تعارض ہے ؟ (ت)

ومنہا قال الامام السیوطی فی

اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۵

[2] " " " " " " ۵/۴۲۶

اباب المزبور، اخرج البخاری عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال، اعتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء حتی ابھار اللیل، ثم خرج فصلی، فلما قضی صلاتہ قال لمن حضرہ، ابشروا من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ غیرکم۔ اوقال ماصلی ھذہ الساعۃ احد غیرکم[1]۔ اھ **قلت**: واخرجہ مسلم ایضاً[2]۔

اسی باب مذکور میں کہا ہے کہ بخاری نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے لیے اتنا اندھیرا کیا کہ رات اچھی طرح تاریک ہوگئی پھر آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا: "تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالٰی کی تم پر یہ نعمت ہے کہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس وقت نماز پڑھ رہا ہو"۔ یا آپ نے یوں فرمایا: "تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے اس وقت نماز پڑھی ہو"۔ اھ میں نے کہا: یہ روایت مسلم نے بھی بیان کی ہے۔ (ت)

ومنھا قال رحمہ اللہ تعالٰی، واخرج احمد والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال، اخر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلاۃ العشاء، ثم خرج الی المسجد فاذا الناس ینتظرون الصلاۃ، فقال، اما انہ لیس من اھل ھذہ الادیان احد یذکر اللہ تعالٰی ھذہ الساعۃ غیرکم[3]۔ اھ

اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احمد اور نسائی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء میں تاخیر کی، پھر مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "سنو! موجودہ ادیان کے پیروکاروں میں سے تمہارے سوا کوئی بھی نہیں ہے جو اس وقت اللہ تعالٰی کو یاد کر رہا ہو" اھ (ت)

اقول: وانت تعلم ان لیس فی شیئ منھا ما یدل علی مدعاہ، من ان العشاء لم یصلھا نبی قبل نبینا صلی اللہ

میں کہتا ہوں: تم جانتے ہی ہو کہ ان حدیثوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو امام سیوطی کے اس مدعٰی کے لیے دلیل بن سکے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴
[2] صحیح لمسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۹
[3] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

تعالیٰ علیہ وعلی الانبیاء وبارک وسلم، بل لا تصریح
فیہ بنفی ان صلاھا احد ممن قبلنا من سائر
الامم؛ بل ولا نفی ان صلاھا اللیلۃ احد
سوانا؛ انما فیہ نفی صلاۃ غیرنا تلک الساعۃ،
فیجوز ان یکون الناس صلوا عاجلین، فانما
نفی الانتظار لا نفس الصلاۃ۔ و مثلہ
ما للبخاری و مسلم عن ابن عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہما، لیس احد من اھل الارض،
زاد مسلم، اللیلۃ، ینتظر الصلاۃ غیرکم۔[1]
ولھما عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ
عنہا، وفیہ، ماینتظرھا احد من اھل
الارض غیرکم۔[2] **بل** اخرجہ احمد والبخاری
ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن انس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفیہ قولہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قد صلی الناس
وناموا، وانکم فی صلاۃ ما انتظرتموھا۔[3]
ونحوہ لاحمد وابی داود والنسائی و
ابن ماجۃ من حدیث ابی سعید الخدری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فھذا وجہ۔ **والثانی**
ان یکون المراد نفی ان یصلیھا غیرنا من
اھل الزمان مطلقا، ویؤیدہ ما للبخاری

علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی، بلکہ اس میں تو یہ
بھی نہیں کہ ہمارے علاوہ سابقہ اُمتوں میں سے کسی نے
نہیں پڑھی، بلکہ اس میں یہ بھی نہیں کہ آج رات ہمارے
سوا کسی نے نہیں پڑھی، اس روایت میں تو صرف اتنا ہے
کہ ہمارے سوا کسی نے اس وقت نہیں پڑھی۔ ہوسکتا ہے
باقی لوگوں نے اس سے پہلے پڑھ لی ہو۔ اسی کے مطابق
بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے
مروی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں تمہارے سوا کوئی نہیں
ہے جو ـــــ مسلم نے "آج رات" کا اضافہ کیا ہے
ـــــ نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ اور بخاری و مسلم نے ام المومنین
رضی اللہ عنہا سے یُوں روایت کی ہے کہ زمین پر بسنے
والوں میں سے تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا
انتظار کر رہا ہو، بلکہ احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ
نے جو روایت بیان کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
فرمان بھی ہے کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سو چکے ہیں
اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے ہو نماز میں
ہی ہوتے ہو۔ اسی طرح کی روایت احمد، ابوداؤد، نسائی
اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی
کی ہے۔ یہ تو ایک توجیہ ہوئی (کہ تخصیص "اس وقت" کے
اعتبار سے ہے)۔ دُوسری توجیہ یہ ہے کہ تخصیص اس
زمانے کے تمام لوگوں کے اعتبار سے ہے۔ اور حدیث کی

---

[1] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹
[2] " " " " "
[3] " " " " "

والنسائی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ ولا تصلی یومئذ الا بالمدینۃ، فان الیہود کانوا بخیبر والشام وغیرھما اکثر مما کانوا بالمدینۃ الکریمۃ، فلو کانت عندھم تصلیت بغیرھا ایضا۔

مراد یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے تمہارے سوا ایسے لوگ کہیں نہیں پائے جاتے جو عشاء کی نماز پڑھتے ہوں۔ اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری و نسائی نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ ان دنوں یہ نماز صرف مدینے میں پڑھی جاتی تھی۔ اگر یہودی یہ نماز پڑھتے ہوتے تو مدینہ کی بنسبت خیبر اور شام وغیرہ میں یہودیوں کی تعداد زیادہ تھی تو چاہئے تھا کہ ان مقامات میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی (حالانکہ مدینہ کے سوا کہیں نہیں پڑھی جاتی تھی) (ت)

اقول: ولا تخالف بین الوجھین، فان الکافر لا صلاۃ لہ، فانما اثبت صلی اللہ علیہ وسلم لھم الصورۃ اذقال، صلی الناس وناموا، وام المؤمنین نفت المعنی۔

میں کہتا ہوں، دونوں توجیہوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ کافر (اگر صورۃً نماز پڑھے بھی تو حقیقۃً اس) کی نماز نہیں ہوتی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سو چکے ہیں، صوری نماز کے لحاظ سے ہے جبکہ ام المؤمنین حقیقی نماز کی نفی کر رہی ہیں۔ (ت)

والثالث ان المراد لم تفرض علی غیرنا فلا ینتظرھا ولا یصلیہا احد غیرنا، لا من اھل الزمان ولا من امم مضت، وھو الذی صرح بہ فی حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ فھذا قصوی ما یستفاد منہ، ولیس لہ ملحظ اصلا الی نفیہا عن سائر الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ (تخصیص باعتبار فرضیت کے ہے) چونکہ یہ نماز ہمارے علاوہ کسی پر فرض نہیں کی گئی، نہ موجودہ زمانے کے لوگوں پر، نہ سابقہ امتوں پر، اس لیے ہمارے سوا اس کا کوئی انتظار بھی نہیں کرتا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی کی تصریح کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی کچھ اُس سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ رہا باقی انبیاء سے اس نماز کی نفی کرنا تو اس کی طرف اس حدیث میں کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ (ت)

بعض احادیث میں صاف تصریح آئی کہ حضرت ابرہیم و اسمٰعیل علیہما الصلاۃ والتسلیم نے منٰی میں پانچوں نمازیں پڑھیں،

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۳

فقد اخرج ابن سعد ان ابراھیم و اسمٰعیل اتیا منی فصلیا بھا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والصبح[1]

ابن سعد نے تخریج کی ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام منیٰ کو آئے تو وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں پڑھیں۔ (ت)

اگر اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہو جب تو قول تخصیص ضعیف ہو ہی جائے گا ورنہ قیام دلیل کی حاجت ضرور؛

فان الخصائص لا تثبت الا بنص صحیح کما نصوا علیہ قاطبۃ، منھم خاتم الحفاظ فی فتح الباری، والقسطلانی فی المواھب، و الزرقانی فی شرحہ، وغیرھم فی غیرھا۔

کیونکہ خصوصیات، نص صحیح کے بغیر ثابت نہیں ہوتیں، جیسا کہ سب نے تصریح کی ہے۔ مثال کے طور پر خاتم الحفاظ نے فتح الباری میں، قسطلانی نے مواہب میں، زرقانی نے اس کی شرح میں اور دیگر علماء نے دوسری کتابوں میں۔ (ت)

ہاں اگر کسی صحیح حدیث صریح بے معارض سے ثابت ہو جائے کہ عشاء جس طرح ہمارے سوا کسی امت نے نہ پڑھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے بھی نہ پڑھی تو بیشک اختصاص مجموعہ پنجگانہ بھی ثابت ہو جائیگا بعض علماء نے اس کی بھی تصریح فرمائی، امام جلال الدین سیوطی نے باب مذکور خصائص میں بعد عبارت مسطورہ فرمایا:

وبانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلی العشاء ولم یصلھا نبی قبلہ[2]

اور اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور آپ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی۔ (ت)

امام ابن حجر مکی و شیخ محقق کے اقوال گزرے کہ انبیائے سابقین میں نمازیں منقسم ہونے سے عشاء کو استثناء کرلیا **اقول** مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس پر بھی کوئی دلیل نہ پائی سوا اس اثر مقطوع کے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام عبید اللہ بن محمد ابن عائشہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا:

اول من صلی العشاء الاخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]

سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھی۔

وکل ما تمسکوا بہ سوی ذلک، اعنی الاحادیث الثلثۃ الاخیرۃ فلا مساس لہ بما ھنالک

اور آخری تین حدیثوں کے علاوہ علماء نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے تو ان کا زیر بحث مسئلے سے

---

[1] شرح الزرقانی المواہب بحوالہ ابن سعد المقصد الرابع خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ المصر ۴۳۶/۵

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۰۴/۲

[3] شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۰/۱

کما علمت۔

کچھ تعلق نہیں ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ (ت)

یہ امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع سے بلکہ طبقہ عاشرہ میں اتباع تبع تابعین سے ہیں ۲۲۸ھ میں انتقال فرمایا کما فی الحلیۃ والتقریب[1] وغیرھما (جیسا کہ حلیہ اور تقریب وغیرہ میں ہے۔ت)

اور خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وُہ حدیث صحیح کہ جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دو روز حضور کی امامت کی ایک دن پانچوں نمازیں اول وقت، دوسرے دن آخر وقت پڑھیں، پھر حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ سے عرض کی:

ھذا وقت الانبیاء من قبلک[2]۔

یہی وقت حضور سے پہلے انبیاء کے تھے۔

رواہ ابوداود وسکت علیہ، والترمذی وحسنہ، واحمد وابن خزیمۃ والدارقطنی والحاکم، وصححہ ابن عبدالبر وابوبکر بن العربی۔

اس کو ابوداؤد نے بیان کرکے سکوت اختیار کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ احمد، ابن خزیمہ، دارقطنی اور حاکم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ابن عبدالبر اور ابوبکر بن عربی نے اس کو صحیح کہا ہے۔(ت)

اس کے صاف معارض ہے کہ اُس سے روشن طور پر مستفاد کہ یہ پانچوں وقت اگلے انبیاء کے تھے اگرچہ متفرق ہوں نہ مجموع، کسی وقت کے استثناء کی اس میں بو بھی نہیں نہ ایسا استثناء بے دلیل مساوی قابل احتمال۔

اقول: والعجب من ابن حجر، کیف یقول بالتوزیع ثم یستثنی العشاء، فانی یصح التوزیع للجمیع۔

اور ابن حجر پر حیرت ہے کہ وُہ ایک طرف تو سب نمازوں کی تقسیم کے قائل ہیں۔ پھر ان سے عشاء کی استثناء بھی کرتے ہیں، تو سب کی تقسیم کیسے ہُوئی؟ (ت)

ظاہراً اسی لیے شیخ محقق قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں اُس سے رجوع فرماکر ترک کیا حیث قال (چنانچہ وُہ کہتے ہیں۔ت):

ایں وقت نماز پیغمبران ست کہ پیش از تو بودہ اند کہ ہرکدام از ایشاں بعضے اوقات داشتند اگرچہ مجموع اوقات مخصوص ایں امت است[3] فافھم انتہی۔

یہ وقت ان پیغمبروں کی نماز کے ہیں جو آپ سے پہلے گزرے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو، ان میں سے بعض اوقات ملے تھے، اگرچہ پانچ کا مجموعہ اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ اسکو سمجھو۔(ت)

---

[1] تقریب التہذیب مطبوعہ دار نشر کتب اسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۲۷

[2] سنن ابی داؤد اول کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/ ۵۶

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت، الفصل ثانی مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۷

بلکہ بعض روایات واحادیث میں حضرت یونس وحضرت موسٰی کلیم اللہ علٰی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کا نمازِ عشاء پڑھنا صراحۃً منقول کما سیاتی ذکرہ (جیسا کہ اس کا ذکر آرہا ہے۔ت) اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلاۃ والسلام کا پڑھنا اوپر گزرا بلکہ امام ابواللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں بروایت سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ناقل کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واما صلاۃ العتمۃ فانہا الصلاۃ التی صلاھا[عہ] المرسلون قبلی۔[1]

نمازِ عشاء وہ نماز ہے کہ مجھ سے پہلے پیغمبروں نے پڑھی۔ (ت)

صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ لاجرم امام قاضی ناصر الدین بیضاوی شرح مصابیح میں فرماتے ہیں:

ان العشاء کانت تصلیہا الرسل نافلۃ لھم ولم تکتب علی امھم کالتہجد وجب علی نبینا دوننا۔[2]

پہلے رسول عشاء کی نماز اضافی طور پر پڑھتے تھے مگر ان کی اُمتوں پر فرض نہیں تھی، جس طرح تہجد کی نماز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی مگر ہم پر واجب نہیں ہے۔ (ت)

اسی طرح علامہ زرقانی امام ہروی وغیرہ سے ناقل،

اذ قال بعد ما قدمنا عنہ، من معارضۃ اثر العیشی بخبر الرافعی، ثم الاستدراک بحدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ، مانصہ" وجمع الھروی وغیرہ بان المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلاھا مؤخرالھا

زرقانی سے ہم پہلے نقل کرچکے ہیں کہ انھوں نے عیشی کے اثر کو رافعی کی خبر سے معارض قرار دیا ہے۔ پھر اس پر حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ سے استدراک کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا ہے کہ ہروی وغیرہ نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عشاء کو

عہ ھکذا ھو مثبت فی نسختی التنبیہ فاللہ تعالٰی اعلم ولتراجع النسخ ۱۲ منہ (م)

میرے پاس موجود تنبیہ الغافلین کے نسخہ میں عبارت اسی طرح ہے اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے دوسرے نسخوں کو دیکھ لینا چاہیے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۰۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ مصر ۵/۴۲۶

الی ثلث اللیل أو نحوہ ، اما الرسل فکانوا یصلونہا عند اول مغیب الشفق[1] اھ وغرضنا فیما سلموا من ثبوت العشاء لغیر نبینا من الانبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ والثناء ۔ اما ما حاول من الجمع ، **فاقول اولاً** : ان کان المراد الجمع بین حدیث فضلتم بہا و روایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ، کما یدل علیہ ذکرہ بعد ما قال ان قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بہا یعارض روایات العشاء لیونس ، فقد علمت ان لا تعارض بینہما حتی یحتاج الی الجمع ۔ او بین الروایۃ واثر العیشی ، کما یدل علیہ زیادہ لفظ "نفسہ" بعد لفظ اثر الطحاوی فیما یأتی ، فما ابعدہ جمعا ، فان الاثر صریح فی نفی المطلق دون المقید بالتاخیر فانہ فی سیاق بیان من صلی الصلوات غیر معترض لاقسام الاوقات ، فذکر لکل من الاربع من صلاھا ، وقال فی العشاء : اول من صلاھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، فاین ھذا مما تریدون !

تہائی رات یا اس کے لگ بھگ تک مؤخر کرکے پڑھا ہے۔ جبکہ پہلے گزر جانے والے رسول شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیا کرتے تھے اور اس نقل سے ہماری غرض صرف یہ بتانا ہے کہ ہروی وغیرہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء کے لیے بھی عشاء تسلیم کرلی ہے' رہی ان کی تطبیق ، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ تطبیق اگر اُن روایتوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کے ذریعے تمہیں فضیلت دی گئی ہے ۔ اور دوسری میں ہے کہ عشاء یونس علیہ السلام کے لیے تھی ، جیسا کہ سباق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تطبیق زرقانی نے مذکورہ دو روایتوں کے بعد بیان کی ہے — تو (یہ تطبیق فضول ہے کیونکہ) تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ ان دو روایتوں میں تعارض ہی نہیں ہے کہ تطبیق کی ضرورت پڑے ۔ اگر یہ تطبیق روایت اور عیشی کے اثر کے درمیان ہے — جیسا کہ طحاوی کے عنقریب آنے والے اثر میں طحاوی کے ساتھ "نفسہ" کا لفظ بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے — تو یہ فہم سے بہت بعید تطبیق ہے کیونکہ اثر میں صراحتاً مطلق عشاء کی نفی ہے نہ کہ (تہائی رات تک) تاخیر سے مقید عشاء کی ، کیونکہ اثر کے سیاق کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ نمازیں کس کس نبی نے پڑھی تھیں ، قطع نظر اس سے کہ پہلے وقت میں پڑھی تھیں یا مؤخر کرکے ، چنانچہ اثر میں چار نمازوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انہیں ہمارے نبی کے علاوہ باقی انبیاء نے بھی پڑھا ہے۔ کہاں یہ بات اور کہاں وہ جو تم لوگ چاہتے ہو (کہ مراد تہائی رات تک مؤخر کرکے پڑھنا ہے)۔ (ت)

---

[1] شرح المواہب اللدنیہ ومنہا مجموع الصلوٰۃ الخمس المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۶

وثانیا: کیفما کان، ھذا حامل الوحی الامین علیہ الصلٰوۃ والسلام صلی الخمس یومین، فعجل مرۃ واخر اخری، ثم قال، ھذا وقت الانبیاء من قبلک[1]، فمن این ان اول من اخرھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم؟ قال، ویدل لذلک (ای لما ادعی من الجمع) بل یصرح بہ قولہ اثر الطحاوی نفسہ، العشاء الاٰخرۃ[2] اھ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو صورت بھی ہو، بہرحال حامل وحی جبریل امین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن پانچ پانچ نمازیں پڑھائیں، پہلے دن ہر وقت کے بالکل ابتدائی حصے میں اور دوسرے دن ہر وقت کے انتہائی حصے میں، پھر کہا کہ یہ آپ سے پہلے انبیاء کا بھی وقت ہے (پھر یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنے سے مختص تھے) زرقانی نے کہا کہ اس پر (یعنی اس تطبیق پر کہ تہائی رات تک مؤخر کرنا مراد ہے) دلالت کرتی ہے بلکہ صراحت کرتی ہے یہ چیز کہ طحاوی نے خود اپنے اثر میں العشاء الآخرۃ (آخری عشاء) ترکیب استعمال کی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کا آخری حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے مختص ہے)۔ (ت)

اقول: یا سبحٰن اللہ! بل لا دلالۃ فیہ اصلا، فضلا عن التصریح، فان العشاء الاٰخرۃ ھی العشاء مطلقا دون التی اخرت۔ تسمی الاٰخرۃ نظرا الی العشاء الاولی وھی المغرب، علیہ تظافر محاورات الحدیث۔ وفصل القول ما لاحمد ومسلم والنسائی عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یؤخر العشاء الاٰخرۃ[3]۔ واعظم منہ ما للترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں: اے سبحان اللہ! صراحت تو کیا، یہ ترکیب اس پر دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ "عشاء آخرۃ" مطلق عشاء کو کہتے ہیں نہ کہ اس عشا کو جو مؤخر کی گئی ہو۔ اس کو آخرہ اس بنا پر کہتے ہیں کہ عشاء اولٰی مغرب کو کہتے ہیں۔ اس پر حدیث کے بہت سے محاورات شاہد ہیں۔ اور احمد، مسلم، نسائی کی یہ روایت تو اس میں قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے کہ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ آخری عشاء کو مؤخر کیا کرتے تھے"۔ اس سے بھی زیادہ اصح وہ روایت ہے جو ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] سنن ابی داؤد اول کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۵۶/۱

[2] شرح الزرقانی علی المواھب ومنہا مجموع الصلوات الخمس مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۶/۵

[3] سنن نسائی کتاب المواقیت ما یستحب من تاخیر العشاء " مکتبہ سلفیہ لاہور ۶۳/۱

عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، ان اول وقت العشاء الاٰخرۃ حین یغیب الافق[1]. فالمقطوع بہ ان لا اثر لھذہ الدلالۃ فی الکلام، ولو ارادہ لقال "اول من اخر العشاء" وھذا ظاھر جدًا۔

نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آخری عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے"۔ بہرحال اس کلام میں "عشاء آخرہ" کا تاخیرِ عشاء پر دلالت کرنا قطعی طور پر بے نشان ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آثر کے الفاظ یہ ہوتے "سب سے پہلے جس نے عشاء مؤخر کی" اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔ (ت)

بالجملہ اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نمازِ عشاء ہم سے پہلے کسی اُمت نے نہ پڑھی نہ کسی کو پانچوں نمازیں ملیں اور انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ظاہرًا راجح یہی ہے کہ عشاء ان میں بھی بعض نے پڑھی تو اثر مذکور امام طحاوی سے اجتماعِ خمس کو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہمارے حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے خاص ثابت کرنا جس کا مدار اسی نفیِ عشاء عن سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پر تھا تام التقریب نہیں کہ جب ہر نماز کسی نہ کسی نبی سے ثابت تو ممکن کہ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے کبھی یا ہمیشہ پانچوں بھی پڑھی ہوں اگرچہ کسی اُمت نے نہ پڑھیں یہاں تک کہ مغرب کی اولیت سیدنا عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے لیے مانیے جیسا کہ قول دوم و سوم میں آتا ہے جب بھی وُہ احتمال مندفع نہیں ممکن کہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے پانچوں پڑھی ہوں اور اس میں حکمت یہ ہو کہ وُہ دنیا کی نظرِ ظاہر میں بھی صاحبِ صلوات خمس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُمتی ہو کر زمین پر تشریف لانے والے ہیں اگرچہ حقیقۃً تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے حضور نبی الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کے اُمتی ہیں انھیں نبوت دی ہی اس وقت ہے جب انھیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُمتی بنالیا ہے جس پر قرآنِ عظیم ناطق اور ہمارے رسالہ تجلی الیقین بانّ نبینا سید المرسلین میں اُس کی تفصیل فائق وللہ الحمد۔ غرض یہاں دو مطلب تھے ایک یہ کہ اجتماعِ خمس ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا یہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں خود ارشادِ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت دوسرے یہ کہ پانچوں نمازوں کا اجتماع انبیاء میں بھی صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ باعتمادِ علمائے کرام مانا جائے گا اگرچہ ہم اُس پر دلیل نہ پائیں کہ آخر کلماتِ علماء کا انطباق واتفاق بے چیزے نیست ہمارا دلیل نہ پانا دلیل نہ ہونے پر دلیل نہیں۔

اقول شاید نظرِ علماء اس طرف ہو کہ جب حدیث صحیح سے ثابت کہ اللہ عزوجل نے اس نعمتِ جلیلہ وفضیلتِ جلیلہ سے اس اُمتِ مرحومہ کو تمام اُمم پر تفضیل دی اور قطعًا ہمارے جس قدر فضل ہیں سب ہمارے آقا و مولٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ میں ہیں تو مستبعد ہے کہ ہم تو اس خصوص نعمت سے سب اُمتوں پر فضیلت پائیں اور ہمارے مولٰی

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۲

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر یہ تخصیص واختصاص نہ ہو اس تقدیر پر یہی حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولالۃً اس دعوے کی بھی مثبت ہوگی۔

اما حدیث السیدین ابرٰهیم واسمٰعیل، علی ابنهما الکریم ثم علیهم الصلاۃ و التسلیم، فلعله لم یثبت اذ لو ثبت لما رأینا تظافر کلماتهم علٰی خلافه، علٰی انی **اقول**، الاختصاص بجهة الافتراض، اما هما صلی اللہ تعالٰی علی ابنهما ثم علیهما وبارك وسلم، فصلیا بمنی ما کتب اللہ تعالٰی علیهما و تنفلا فی بقیة الاوقات، فمن قبل وقوعها فی هذه الاوقات، عبر عنها باسماء هذه الصلوات، واللہ تعالٰی اعلم بالخفیات۔ هذا غایة ما عندی فی توجیه المرام۔

رہی دو سرداروں یعنی ابراہیم واسمٰعیل — ان کے کریم بیٹے پر پھر ان دونوں پر صلوٰۃ وسلام ہو — والی حدیث، تو شاید وہ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی کیونکہ اگر ثابت ہوتی تو اتنی کثرت سے علماء کے اقوال اس کے خلاف نہ ہوتے — علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ خصوصیت، فرضیت کے اعتبار سے ہے (یعنی پانچ نمازیں فرض صرف رسول اللہ پر ہوئیں) ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر ان میں سے جو فرض ہوں گی وہ انہوں نے بطور فرض منٰی میں پڑھی ہوں گی اور باقی اوقات میں نفل ادا کیے ہوں گے، لیکن وہ نفل چونکہ واقع انہی پانچ اوقات میں ہوئے تھے اس لیے ان کی تعبیر نمازوں کے ناموں سے کر دی گئی۔ اور اللہ ہی پوشیدہ باتوں کو بہتر جاننے والا ہے۔ اس مقصد کی زیادہ سے زیادہ توجیہ میرے خیال میں یہی ہوسکتی ہے۔ (ت)

اقول مگر استبعاد مذکور کا جواب واضح ہے کچھ عجب نہیں کہ مولیٰ عزوجل بعض نعمتیں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے اگلی اُمتوں میں نبی کے سوا کسی کو نہ ملتی ہوں مگر اس امت مرحومہ کے لیے اُنہیں عام فرما دے جیسے کتاب اللہ کا حافظ ہونا کہ اُمم سابقہ میں خاصۂ انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء تھا اس اُمت کے لیے رب عزوجل نے قرآن کریم حفظ کے لیے آسان فرما دیا کہ دس دس برس کے بچے حافظ ہوتے ہیں اور ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فضل ظاہر ہے کہ اُن کی اُمت کو وُہ ملا جو صرف انبیاء کو ملا کرتا تھا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ باقی رہا سوال کا دوسرا جُز کہ کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار قول ہیں:

اوّل: قول امام عبید اللہ بن عائشہ ممدوح کہ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہُوئی انہوں نے دُو رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہُوئی۔ اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام سَو برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کیے گئے انھوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہُوئی۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہُوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری

پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

رواہ کما ذکرنا الامام الطحاوی قال، حدثنا القاسم بن جعفر قال سمعت بحر بن الحکم الکیسانی قال سمعت اباعبدالرحمٰن بن محمد ابن عائشۃ یقول، فذکرہ[1]۔

جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے مطابق اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے کہ قاسم ابن جعفر نے بحر ابن حکم کیسانی سے، اس نے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن محمد ابن عائشہ سے سُنا ــــ اس کے بعد سابقہ روایت بیان کی ہے۔ (ت)

دوم قول امام ابوالفضل کہ سب سے پہلے فجر کو دو رکعتیں حضرت آدم، ظہر کو چار رکعتیں حضرت ابراہیم، عصر حضرت یونس، مغرب حضرت عیسٰی، عشاء حضرت موسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔ ذکرہ الامام الزندوستی فی روضتہ قال سألت ابا الفضل فذکرہ (اس کو امام زندوستی نے اپنی روضہ میں ابوالفضل کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ کہا میں نے ابوالفضل سے پُوچھا تو انہوں نے یہ ذکر کیا۔ ت) یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اُس کا خلاصہ لکھیں امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو رکعتیں ظہر و عصر و عشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور بھی افادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جنّت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انھوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہوئے، جب صبح چمکی دو رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکیِ شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انھوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل۔ زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رضائے مولٰی سبحٰنہ، وتعالٰی کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئیں کہ مولٰی تعالٰی ہمیں قتلِ نفس پر قدرت

عہ لفظ الکتاب فامرنا بذلک لانہ تعالٰی وفقنا علی ابلیس کما وفقہ لذبح الولد وانجانا من الغم کما انجاہ وفدانا من النار کما فداہ ورضی عنا

کتاب (یعنی روضہ) کی عبارت یوں ہے "تو ہمیں ظہر کی چار رکعتوں کا حکم دیا گیا کیونکہ ہمیں بھی اللہ تعالٰی نے شیطان کے مقابلے کی توفیق عطا فرمائی جس طرح (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰

دے جیسی اُنھیں ذبحِ ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود و نصارٰی کو ہمارا فدیہ کرکے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔

نمازِ عصر سب سے پہلے یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی کہ اس وقت مولٰی تعالٰی نے انھیں چار ظلمتوں سے نجات دی: ظلمتِ لغزش، ظلمتِ غم[1]، ظلمتِ دریا، ظلمتِ شکمِ ماہی۔ یہ اُن کے نفل تھے ہم پر فرض ہُوئی کہ ہمیں مولٰی تعالٰی ظلمتِ گناہ و ظلمتِ قبر و ظلمتِ قیامت و ظلمتِ دوزخ سے پناہ دے۔

مغرب سب سے پہلے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی[2]، پہلی اپنے سے نفیِ الوہیت، دوسری اپنی ماں سے نفیِ الوہیت، تیسری اللہ عزوجل کے لیے اثباتِ الوہیت کے لیے۔ یہ ان کے نفل ہم پر فرض ہُوئے کہ روزِ قیامت ہم پر حساب آسان ہو، نار سے نجات ہو، اُس بڑی گھبراہٹ سے پناہ ہو۔ **اقول** اور مقام سے مناسب تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما رضی عنہ اھ[1] **اقول**: وما ذکرت احسن من ستۃ وجوہ لا تخفی علی المتأمل ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کی توفیق بخشی اور ہمیں بھی غم سے نجات دی جیسے ان کو دی تھی اور (یہود و نصارٰی کو جہنم میں) ہمارا فدیہ بنایا جس طرح ان کے لیے (جنتی دُنبے کو اسمٰعیل علیہ السلام کا) فدیہ بنایا اور ہم سے بھی اللہ تعالٰی راضی ہوا جیسے کہ ان سے ہوا اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) ان الفاظ کی نسبت میری ذکر کردہ عبارت چھ وجوہ سے زیادہ عمدہ ہے اور یہ وجوہ سوچنے والے پر مخفی نہیں ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الذی فی الکتاب وظلمۃ اللیل[3] **اقول** ان کانت تذھب بالنہار فقد ذھبت قبل العصر والافلا اثرلہا ولذا ابدلتہا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

کتاب میں (ظلمتِ غم کی بجائے) "ظلمتِ لیل" مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ظلمتِ لیل مراد ہو تو نہار کی وجہ سے ظلمتِ لیل ختم ہوجاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ رات کا اندھیرا وقت عصر سے پہلے ہی ختم ہوچکا ورنہ لازم آئیگا کہ نہار کا کوئی اثر ہی نہ ہو اسی لئے میں نے اس کو ظلمتِ غم سے بدلا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[2] الذی فی الکتاب اول من صلی المغرب تطوعا شکرا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام حین خاطبہ اللہ تعالٰی بقولہ أانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ وکان ذلک بعد غروب الشمس[3] الخ **اقول** المعروف ان ھذا الخطاب یوم الحساب الا تری الی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

کتاب میں یُوں ہے کہ سب سے پہلے مغرب کی نماز بطور شکرانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پڑھی جب ان کو اللہ تعالٰی نے یوں مخاطب کیا تھا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ اور یہ خطاب غروبِ شمس کے بعد ہوا تھا، میں کہتا ہُوں مشہور تو یہ ہے کہ یہ خطاب روزِ حساب ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے جواب میں عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ جب تُو نے مجھے پُورے طور پر اٹھا لیا تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] و [2] و [3] روضۃ العلماء للزندوستی

یہ تھا کہ "ُن فرماتے کہ ہم اپنی خودی اور فخرِ آبا سے باہر آکر اللہ عزوجل کے لیے خاص متواضع ہوں۔

سب سے پہلے عشاء موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بھول گئے۔ بی بی کا غم، اولاد کی فکر، بھائی پر اندیشہ، فرعون سے خوف، جب وادیِ ایمن میں رات کے وقت مولٰی تعالٰی نے اِن سب فکروں سے انھیں نجات بخشی، چار نفل شکرانے کے پڑھے ہم پر فرض ہوئی کہ اللہ تعالٰی ہمیں بھی راہ دکھائے ہمارے بھی کام بنائے ہمیں اپنے محبوبوں سے ملائے دشمنوں پر فتح دے آمین!

سوم قول بعض علماء کہ فجر آدم، ظہر ابراہیم، عصر سلیمان، مغرب عیسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی اور عشا خاص اس اُمت کو ملی کما تقدم عن الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ ت)

چہارم وُہ حدیث کہ امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم، ظہر داوٗد، عصر سلیمٰن، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے ذکرہ عنہ الزرقانی فی شرح المواھب والحلبی تماما فی الحلیۃ[1] قال واورد فی ذلك خبرا (اس کو زرقانی نے شرح مواہب میں رافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور حلبی نے حلیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، حلبی نے کہا کہ رافعی نے اس سلسلے میں ایک روایت پیش کی ہے۔ ت) غرض نمازِ صبح میں چاروں متفق ہیں باقی چار میں اختلاف۔

اقول فقیر کی نظر میں ظاہراً قول اخیر کو سب پر ترجیح کہ اول تو وہ حدیث ہے ولا اقل اثر صحابی یا تابعی سہی اقوال علمائے مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی خصوصاً ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

بل **اقول** عسی ان یکون ما ذکر الامام ابوالفضل بمعزل عما نحن فیہ، فانہ انما ذکر التطوعات، والکلام فی المکتوبات، لا ایقاع نفل فی ھذہ الاوقات، فانہ ثابت فی جمیع الساعات۔ فی المعالم عن جعفر بن سلیمٰن قال سمعت ثابتا یقول، کان داوٗد نبی اللہ علیہ الصلاۃ والسلام قد جزأ ساعات اللیل والنھار علی اھلہ، فلم تکن تأتی ساعۃ من ساعات اللیل والنھار

لیکن میں کہتا ہوں، ایسے لگتا ہے کہ امام ابوالفضل نے جو کچھ کہا ہے وہ زیرِ بحث مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے نوافل کا ذکر کیا ہے جبکہ بحث فرائض سے ہو رہی ہے۔ ان اوقات میں نوافل ادا کرنا بحث سے خارج ہے کیونکہ نوافل تو ان اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت ادا کیے جا سکتے ہیں۔ معالم میں جعفر ابن سلیمٰن سے منقول ہے کہ میں نے ثابت کو کہتے سنا ہے کہ اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام نے رات اور دن کی گھڑیوں کو اپنے اہلِ خانہ پر نماز کے لیے تقسیم کر رکھا تھا

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الاوانسان من اٰل داود قائم یصلی[1] اھ۔ تورات اور دن کی گھڑیوں میں کوئی ایسی گھڑی نہیں ہوتی تھی جس میں آلِ داود کا کوئی فرد نماز نہ پڑھ رہا ہو۔(ت)

معہذا اُن سب اقوال میں کہیں کہیں گرفت ضرور ہے اوّل نے صاف تصریح کی کہ عشاء انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم میں کسی نے نہ پڑھی اور سوم کا بھی یہی مفاد کہ صدر کلام میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا ہے اور اُمتوں سے موازنہ مقصود نہیں کما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ت) تو یہ اطلاق تخصیص اپنے عموم پر ہے جس طرح اشعہ وغیرہا کی عبارتوں میں تھا نہ بلحاظ امم۔ اور ہم اوپر بیان کرچکے کہ یہ ظاہر دلائل کے خلاف و قول مرجوح ہے۔ اول و دوم نے عصر کو عزیر و یونس علیہما الصلاۃ والسلام کی طرف نسبت کیا حالانکہ حضرت سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا عصر پڑھنا روشن ثبوت سے ثابت۔ قال تعالٰی:

ووھبنا لداؤد سلیمٰن نعم العبد انہ اواب ○[2] اذعرض علیہ بالعشی الصفنٰت الجیاد ○[3] فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ○[4]

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھا بندہ ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، جب اس کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اچھی چیز کی محبت نے اپنے رب کی یاد سے غافل کردیا۔(ت)

علماء فرماتے ہیں یہ نماز نمازِ عصر تھی، جلالین میں ہے:

عن ذکر ربی ای صلاۃ العصر[5]۔ (اپنے رب کی یاد سے مراد نمازِ عصر ہے۔ ت)

مدارک میں ہے:

غفل عن العصر وکانت فرضا فاغتم[6]۔ عصر سے غافل ہوگئے تھے اور وہ ان پر فرض تھی اس لیے غمزدہ ہوگئے۔(ت)

اور سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ یونس و عزیر علیہم الصلاۃ والسلام سے مقدم ہے تو اولیت صلاۃ عصر ان دونوں صاحبوں کے لیے کیونکر ہوسکتی ہے۔ نسیم الریاض میں زیرِ حدیث ماینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن زیرآیۃ "وقلیل من عبادی الشکور" مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۸۵
[2] القرآن ۳۸/ ۳۰ [3] القرآن ۳۸/ ۳۱ [4] القرآن ۳۸/ ۳۲
[5] تفسیر جلالین زیرآیت مذکور مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۸۰
[6] تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک التنزیل زیرآیت مذکور مطبوعہ دارالکتاب العربی البیروت ۴/ ۳۱

(کسی کے لیے یہ کہنا روا نہیں ہے کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہُوں۔ ت) ہے :

ھو من ولد بنیامین بن یعقوب علیھم الصلاۃ والسلام، وکان بعد سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام[1] اھ وفیہ فی فصل حکم عقد قلب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یونس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کما فی مرأۃ الزمان، کان بعد سلیمٰن نبی اللہ، علیہ الصلاۃ والسلام[2]۔

یونس، بنیامین ابن یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے بعد تھے اھ نسیم الریاض ہی کی اس فصل میں، جس کا عنوان ہے حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مرأۃ الزمان کے حوالے سے مذکور ہے کہ یونس علیہ السلام اللہ کے نبی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تھے۔ (ت)

یہ تو یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت تصریح تھی اور حضرت عزیر کا سیدنا سلیمان علیہما الصلاۃ والسلام کے بعد ہونا خود ظاہر کہ اُن کا واقعہ موت وحیات کہ قرآن عظیم میں مذکور بعد اس کے ہوا کہ بخت نصر بیت المقدس کو ویران کرگیا تھا اور احادیث سے ثابت کہ بیت المقدس کی بناء داود علیہ الصلاۃ والسلام نے شروع اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے ختم فرمائی تو سلیمان وعزیر علیہما الصلاۃ والسلام میں صدہا سال کا فاصلہ تھا، معالم التنزیل میں ہے :

قال الذی قال ان المار کان عزیرا : ان بختنصر لما خرب بیت المقدس واقدم سبی بنی اسرائیل ببابل، کان فیھم عزیر ودانیال وسبعۃ الاف من اھل بیت داود علیھم الصلاۃ والسلام، فلما نجا عزیر من بابل ارتحل علی حمار لہ[3]۔ الخ

جس نے کہا ہے کہ گزرنے والے عزیر تھے، اس نے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو برباد کردیا اور بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے آیا تو ان میں عزیر اور دانیال کے علاوہ داوَد علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھنے والے سات ہزار افراد بھی تھے۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے عزیر کو نجات دی اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہوکر سفر کے لیے نکلے۔ الخ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۳
[2] " " " " " " " " " "
[3] تفسیر معالم التنزیل زیر آیت اوکالذی مرعلی قریۃ مطبوعہ مصطفے البابی مصر ۱/ ۲۷۷

اُسی میں ہے :

یعملون لہ مایشاء من محاریب کان مما عملوا لہ بیت المقدس ، ابتدأہ داود علیہ الصلوۃ و السلام ، فلما توفاہ اللہ تعالی استخلف سلیمٰن علیہ الصلوۃ والسلام ، فبنی المسجد بالرخام والجواھر واللاٰلیٔ والیواقیت ، فلم یزل بیت المقدس علی مابناہ سلیمٰن علیہ الصلوۃ والسلام ، حتی غزاہ بخت نصر ، فخرب المدینۃ ونقض المسجد[1] اھ ملتقطا۔

(بناتے تھے اس کے لیے جو وُہ چاہتا تھا یعنی محراب وغیرہ) جنوں نے جو کچھ ان کے لیے بنایا ان میں ایک بیت المقدس بھی تھی جس کی ابتداء داؤد علیہ السلام نے کی تھی ، ان کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے مسجد کو سنگ رخام ، ہیروں ، موتیوں اور یاقوتوں سے بنوایا ، یہ مسجد مدتوں اسی طرح برقرار رہی جس طرح سلیمان علیہ السلام نے بنوائی تھی تا آنکہ بخت نصر اس پر حملہ آور ہوا ، اس نے شہر برباد کر دیا اور مسجد گرا دی اھ ملتقطا (ت)

بخلاف قول چہارم کہ اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں تو ظاہر اُوہی مرجح و قرین قیاس اور حقیقتِ حال کا علم مولٰی سبحٰنہ کے پاس واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن ، آیت یعملون لہ مایشاء الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۸۴-۲۸۵

جمان التاج فی بیان الصلٰوۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ

(تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۵۰ از ریاست رام پور بزریہ ملاظریف گھیر عبد الرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ عبد الرؤف خاں ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

بگرامی خدمت فیض درجت جناب مولٰنا بحر العلوم صاحب زادکرمہٗ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نبوت قبل شبِ معراج جو دو وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی ؕ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ؕ لاسیما علی صاحب المعراج

اللہ ہی کی حمد ہے اور وہ کافی ہے اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، مصطفٰے پر اور ان کے آل و اصحاب

---

[1] تفسیر معالم التنزیل زیر آیت مذکورہ مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۵/ ۸۵ - ۲۸۴

المصطفیٰ وآلہ وصحبہ المقیمین الصلاۃ و العدل والوفاء۔

پر جنہوں نے نماز کو اور عدل و وفا کو قائم کیا۔ (ت)

الجواب

پیش از اسراء دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبل غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔

فی الدرالمختار اول کتاب الصلوٰۃ الصلاۃ فرضت فی الاسراء، وکانت قبلہ صلاتین، قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ شمنی[1] اھ۔

درمختار کی کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں ہے کہ نماز (باقاعدہ طور پر) معراج میں فرض ہوئی تھی، اس سے پہلے صرف دو نمازیں تھیں، ایک طلوع سے پہلے دوسری غروب سے پہلے۔ شمنی اھ (ت)

وفی المواھب، من المقصد الاول، قبیل ذکر اول من اٰمن، قال مقاتل: کانت الصلاۃ اول فرضھا رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی، لقولہ تعالٰی وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار۔ قال فی فتح الباری، کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء یصلی قطعًا، وکذلک اصحابہ؛ ولکن اختلف ھل افترض قبل الخمس شیئ من الصلاۃ ام لا؛ فقیل ان الفرض کان صلاۃ قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا۔ والحجۃ فیہ قولہ تعالٰی وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا انتہی[2]۔

اور مواہب کی فصل اوّل میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے، اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقیناً پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔ (ت)

وقال النووی: اوّل ماوجب الانذار والدعاء الی التوحید، ثم فرض اللہ تعالٰی

اور نووی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ڈر سنانا اور توحید کی طرف بلانا فرض کیا گیا، پھر اللہ تعالٰی

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۸
[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ وسلم مطبوعۃ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۴

من قیام اللیل ماذکرہ فی اول سورۃ المزمل ثم نسخہ بما فی آخرھا ثم نسخہ بایجاب الخ بایجاب الصلوۃ والخمس لیلۃ الاسراء بمکۃ[1]۔ اھ مافی المواھب

نے قیامِ لیل فرض کردیا جس کا سورۃ مزمل کی ابتداء میں ذکر ہے پھر اسکو منسوخ کردیا اس حکم سے جو سورۃ مزمل کے آخر میں ہے، پھر اس کو بھی منسوخ کردیا اور اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ نمازیں فرض کردیں۔ اھ مواہب کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

وفی شرحھا للعلامۃ الزرقانی من المقصد التاسع، ذھب جماعۃ الی انہ لم تکن قبل الاسراء صلاۃ مفروضۃ الا ماوقع الامربہ من صلاۃ اللیل بلا تحدید۔ وذھب الحربی الی ان الصلاۃ کانت مفروضۃ، رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی۔ وردہ جماعۃ من اھل العلم[2]۔ اھ

اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی نے نویں مقصد میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہیں تھی، صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھا مگر اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔ اور حربی کی رائے یہ ہے کہ نماز معراج سے پہلے بھی فرض تھی۔ دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو۔ لیکن حربی کی رائے کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے رد کیا ہے (ت)

وفیھما من المقصد الخامس فی الاسراء، عند ذکر صلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالانبیاء ببیت المقدس، (قد اختلف فی ھذہ الصلاۃ) ھل ھی الشرعیۃ المعروفۃ او اللغویۃ؟ وصوّب الاول لان النص یحمل علٰی حقیقۃ الشرعیۃ، مالم یتعذر۔ وعلی ھذا اختلف (ھل ھی فرض) ویدل علیہ کما قال النعمانی حدیث انس عند ابی حاتم المتقدم قریبا للمصنف۔ (او نفل؟ واذا قلنا انھا فرض، فای صلاۃ ھی؟ قال بعضھم الاقرب انھا الصبح'

اور مواہب و زرقانی کے پانچویں مقصد میں جو کہ معراج کے بیان میں ہے ــــ جہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باقی انبیاء کو نماز پڑھانا مذکور ہے، وہاں لکھا ہے (اس نماز میں اختلاف پایا جاتا ہے) کہ آیا اس کی مشروعیت وہی معروف مشروعیت ہے یا لغوی مشروعیت مراد ہے؟ پہلا قول درست قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ممکن ہو نص کو اپنی شرعی حقیقت پر محمل کیا جاتا ہے۔ مشروعیت معروفہ مراد لینے کے بعد اس میں اختلاف ہے (کہ کیا یہ فرض ہے) اور جیسا کہ نعمانی نے کہا ہے ــــ اس پر انس کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم کے ہاں پائی جاتی ہے اور

---

[1] المواھب اللدنیہ مقصد اول، اول امر الصلوۃ، المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۱، ۲۱۲

[2] شرح الزرقانی علی المواھب المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۳۲۳

ویحتمل ان تکون العشاء) والاحتمالان، کما قال الشامی، لیسا بشیئ: سواء قلنا صلی بھم قبل العروج اوبعدہ لان اول صلاۃ صلاھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الخمس مطلقا، الظھر بمکۃ باتفاق۔ ومن حمل الاولیۃ علی مکۃ فعلیہ الدلیل۔ قال، والذی یظھر انہا کانت من النفل المطلق، اوکانت من الصلاۃ المفروضۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل لیلۃ الاسراء۔ وفی فتاوی النووی مایؤید الثانی اھ باختصار۔[1]

تھوڑا سا پہلے مصنف نے بھی ذکر کی ہے (یا نفل ہے؟ اگر ہم کہیں کہ فرض ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ وُہ صبح کی نماز ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہو) اور دونوں احتمال ــــ جیسا کہ شامی نے کہا ہے ــــ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ نماز آسمانوں پر جانے سے پہلے پڑھائی تھی یا بعد میں، کیونکہ پانچ نمازوں میں مطلقًا پہلی نماز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی وُہ بالاتفاق ظہر کی نماز تھی جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی تھی۔ اور جو شخص اس روایت کو مکہ کے ساتھ مختص کرے تو اس پر دلیل لازم ہے۔ شامی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی نفلی نماز تھی یا ان نمازوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر شبِ معراج سے پہلے فرض تھیں اور فتاوٰی نووی سے دوسری شق کی تائید ہوتی ہے۔ (ت)

اقول: وفی الاستدلال بقولہ عز اسمہ وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا[2] نظر، فان تتمۃ الاٰیۃ ومن اٰناء اللیل فسبح واطراف النہار لعلک ترضٰی[3]، فان حمل التسبیح علی الصلاۃ لقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کل تسبیح فی القراٰن صلاۃ[4] اخرجہ الفریابی عن

میں کہتا ہُوں، اللہ عزاسمہٗ کے اس فرمان سے استدلال کرنا کہ تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے، محلِ نظر ہے کیونکہ آیت مکمل اس طرح ہوتی ہے" اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کہو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم راضی ہوجاؤ"۔ اب اگر تسبیح سے مراد نماز لی جائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قرآن

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۶۳

[2] القرآن سورۃ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۳۰

[3] " " "

[4]

سعید بن جبیر وان کان ربما یفید الاستثناء
من کلیتہ علی ما **اقول** قولہ جل ذکرہ،
کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ[1]، وقولہ تعالٰی
فلولا انہ کان من المسبحین ۝ للبث فی بطنہ
الی یوم یبعثون[2] ۝ فان الظاھر ان المراد بہ
ماذکر عنہ ربہ عزوجل بقولہ فنادی
فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک
انی کنت من الظّٰلمین[3] ۝ بہ فسرہ سعید بن
جبیر، ارشد تلامذۃ ابن عباس، الراوی
عنہ تلک الکلیۃ۔ وقد قال الحسن البصری،
کما فی المعالم: ماکانت لہ صلاۃ فی
بطن الحوت؛ ولکنہ قدم عملا صالحا[4]۔ اھ
بید ان ابن عباس ھھنا ایضا مشی علی
اصلہ فقال رضی اللہ تعالٰی عنہ، من
المسبحین، من المصلین[5]۔ ویکون المعنی
حینئذ ماقال الضحاک، انہ شکر اللہ تعالٰی
لہ طاعتہ القدیمۃ[6]، کما فی المعالم ایضا۔
فعلی ھذا الحمل واخذ الامر للوجوب،
تدل الآیۃ باٰخرھا علی فرضیۃ اکثر من

میں تسبیح سے ہر جگہ نماز مراد ہے۔ ابن عباس کا یہ قول
فریابی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ
ابن عباس کے اس کلیے سے استثناء کا فائدہ دیتی
ہیں وہ آیات جو میں بیان کر رہا ہوں، اللہ جل ذکرہ
فرماتا ہے، "ہر (پرندہ) اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے"۔
اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے "اگر وہ (یونس) تسبیح کہنے والوں
میں سے نہ ہوتا تو یوم بعث تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا"
کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس تسبیح سے مراد وہی تسبیح ہے
جو اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام سے یوں حکایت
کی ہے "پس پکارا اس نے اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں تیرے سوا
تو پاک ہے بیشک میں ظلم کرنے والوں میں تھا" سعید ابن جبیر جو کہ ابن عباس کے
بہترین شاگردوں میں سے ہیں اور ان سے مندرجہ بالا کلیہ کے راوی ہیں انہوں نے
یہی تفسیر بیان کی ہے۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ انہوں نے مچھلی کے
پیٹ میں نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ اس سے پہلے ایک صالح عمل تھا اھ البتہ
ابن عباس یہاں بھی اپنے اصول پر رواں رہے ہیں اور تسبیح کہنے
والوں میں سے ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نماز
پڑھنے والوں میں سے ہونا۔ اس صورت میں ——
جیسا کہ ضحاک نے کہا ہے —— اس آیت کا مطلب یہ
ہوگا کہ اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام کو اس اطاعت

---

[1] القرآن سورہ النور ۲۴ آیت ۴۱
[2] القرآن سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۴۳
[3] " سورۃ الانبیاء ۲۱ " ۱۴۴
[4] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین (تفسیر سورہ صافات) مصطفی البابی مصر ۶/ ۳۷
[5]
[6] معالم التنزیل مع الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین الخ مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۳۷

صلاتین ، الا ان یقال ، لم یقصد الحصر ، بدلیل ان قیام اللیل کان فریضۃ من قبل قطعا ، ولکن یبقی قولہ تعالٰی و اطراف النہار ، وحملہ علی المذکورتین یستلزم التکرار ۔

(اور نماز وغیرہ) کے صلے میں نجات دی تھی جو وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے کرتے رہے تھے ۔ معالم میں بھی اسی طرح ہے ۔ بہرحال اگر "فسبح بحمد ربك" میں تسبیح سے مراد نماز لی جائے اور امر کو وجوب کے لیے قرار دیا جائے تو آیت کا آخری حصہ دو سے زیادہ نمازوں کے فرض ہونے پر دلالت کرے گا ۔ اس کا یہ جواب تو دیا جا سکتا ہے کہ دو میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ رات کی نماز بھی بالیقین پہلے سے فرض تھی ، لیکن اس صورت میں اللہ تعالٰی کا یہ فرمان " اور دن کے اطراف میں " بغیر کسی مفہوم کے رہ جاتا ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے والی دو نمازیں لی جائیں تو تکرار لازم آئے گی (کیونکہ ان کا ذکر آیت کی ابتداء میں ہو چکا ہے) ۔ (ت)

اما استدلال مقاتل بقولہ تعالٰی و سبح بحمد ربك بالعشی والابکار[1] ۔ **فاقول** اضعف ، واضعف ، بل لیس بشیئ اصلا ، فان الاٰیۃ من سورۃ حم المؤمن ، وقد تاُخر نزولہا عن سورۃ بنی اسرائیل النازلۃ بخبر الاسراء ، بزمان طویل ، فقد روی ابن الضریس فی فضائل القراٰن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ، فی حدیث ترتیب نزول السور ، قال : کان اول ما نزل من القراٰن اقرأ باسم ربك ، ثم ن ، فذکر الحدیث الی ان قال ، ثم بنی اسرائیل ، ثم یونس ، ثم ھود ، ثم یوسف ، ثم الحجر ، ثم الانعام ، ثم الصّٰفّٰت ، ثم لقمان ، ثم سبا ، ثم الزمر ، ثم حم المؤمن[2] ۔ الحدیث ۔ فکیف یستدل بہا علی ایجاب صلاۃ قبل الاسراء ؟ لاجرم ان

رہا مقاتل کا استدلال اللہ تعالٰی کے اس فرمان سے " اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور صبح سویرے " ۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ضعیف ہے اور بہت ہی ضعیف ہے ، بلکہ سرے سے بیکار ہے ، کیونکہ یہ آیت سورہ حم مومن کی ہے اور اس کا نزول سورہ بنی اسرائیل سے ، جس میں معراج کا ذکر ہے ، طویل زمانے کے بعد ہوا ہے ۔ چنانچہ ابن ضریس نے فضائل قرآن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورتیں نازل ہونے کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ " قرآن میں سب سے پہلے سورہ اقرأ باسم ربک نازل ہوئی ، پھر نٓ ۔ ابن ضریس نے یہ روایت پوری بیان کی ہے یہاں تک کہ کہا ہے پھر بنی اسرائیل ، پھر یونس ، پھر ہود ، پھر یوسف ، پھر حجر ، پھر انعام ، پھر صٰفّٰت ، پھر لقمان ، پھر سبا ، پھر زمر ، پھر حم مومن ـــــ آخر تک ۔ تو پھر حم مومن کی آیت سے

---

[1] القرآن سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۵۵
[2] فضائل القرآن لابن الضریس

فسرها ترجمان القرآن رضی اللہ تعالٰی عنہ بالصلوات الخمس[1]، کما فی المعالم ـ وقد یستدل بما روی ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث الاسراء واتیانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیت المقدس "لم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر، ثم اذن مؤذن واقیمت الصلاۃ" قال، فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام بیدی فقدمنی فصلیت بھم، فلما انصرفت، قال لی جبریل، اتدری من صلی خلفک؟ قلت، لا، قال، صلی خلفک کل نبی بعثہ اللہ ـ وھو الحدیث المشار الیہ فی کلام الزرقانی عن الامام النعمانی ـ

کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی نماز فرض تھی (جبکہ اس وقت تک وُہ سورۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی)، اسی لیے ترجمان القرآن رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر پانچ نمازوں سے کی ہے۔ جیسا کہ معالم میں ہے۔ اور کبھی استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث سے جو ابن ابی حاتم نے انس رضی اللہ عنہ سے واقعۂ معراج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں آنے کے بارے میں روایت کی ہے (اس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا) ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے، پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ ہمارا امام کون بنتا ہے، تو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نے سلام پھیرا تو جبریل نے مجھ سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ جبریل نے کہا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالٰی نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف زرقانی کے کلام میں نعمانی کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے (ت)

اقول: ولعل مطمح نظر المستدل وقوع الاذان والاقامۃ فانھما من خصائص الفرائض **اولاً**، فلان الاذان والاقامۃ المعروفین ماشرعا الا بالمدینۃ، والاسراء قبل الھجرۃ ولذا قال الزرقانی فی تفسیر الحدیث، اذن مؤذن، ای اعلم بطلب الصلاۃ، فاقیمت الصلوۃ، ای تھیؤ لھا وشرعوا فیھا، فلا یرد ان الاذان والاقامۃ انما

میں کہتا ہوں کہ شاید دلیل پیش کرنے والے کا مطمح نظر یہ ہو کہ اس نماز میں اذان واقامت ہوئی تھی اور یہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لیکن اس پر اعتراض ظاہر ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ معروف اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہُوئی تھی، جبکہ معراج ہجرت سے پہلے ہُوا تھا۔ اسی لیے زرقانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہُوئے "ایک مؤذن نے اذان کہی" کے یہ معنی

[1] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیرآیت فلولا انہ کان من المسبحین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶/ ۹۸
[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۶۲

شرعا بالمدینة والاسراء کان بمکة[1] اھ ما ثانیاً فلان تخصیصهما بالفرائض انما عرف بعد ما شرعا للامة، اما قبل ذلك فای دلیل علیه؟ واما ثالثاً، وهو القاطع، فلان الاسراء انما کان باللیل، وقد علمنا ان صلاة اللیل کانت فریضة قبل فرض الخمس، فما یدریك لعلها هی - وبه یظهر الجواب عما عسی ان یتعلق به متعلق، مما روی مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه فی حدیث الاسراء "وحانت الصلاة فاممتهم[2]".

بیان کیے ہیں کہ اس نے نماز کے لیے طلب کیے جانے سے ان کو آگاہ کیا"، اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس کے لیے تیار ہوگئے اور اس میں شروع ہوگئے، اس لیے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان و اقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکہ میں ہُوا تھا۔ ثانیاً، اس لیے کہ اذان و اقامت کا فرائض کے ساتھ مخصوص ہونا تو اُمت کے لیے ان کے مشروع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے۔ مشروعیت سے پہلے تخصیص پر کون سی دلیل ہے؟ ثالثاً، اس لیے ــ اور یہ اعتراض استدلال کی جڑ کاٹنے والا ہے ـــ کہ معراج رات کو ہوئی تھی اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ رات کی نماز، پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی فرض تھی، تو کیا پتا، ہوسکتا ہے یہ وہی رات کی نماز ہو! اسی سے اس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا ہے جس کو ہوسکتا ہے کوئی مستدل بطور دلیل پیش کرے یعنی مسلم کی وُہ روایت جو ابوہریرہ سے حدیث معراج میں مروی ہے (کہ رسول اللہ نے فرمایا) اور نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ (ت)

تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازیں پڑھتے۔ نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورۂ مزمل شریف سے ثابت اور اُس کے سوا اور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل، حدیث میں ہے:

کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحی والعصر، فکان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم واصحابه اذا صلوا اٰخر النهار، تفرقوا فی الشعاب فصلوها فرادی[3].

فرضیت پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ کرام جب آخر روز کی نماز پڑھتے گھاٹیوں میں متفرق ہوکر تنہا پڑھتے۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۵۷
[2] الصحیح لمسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۶
[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حدیث ۲۳، ترجمہ عزّہ بنت ابی تجراۃ مطبوعہ دار صادر بیروت لبنان ۴/۳۶۴

رواه ابن سعد وغيره عن عزيزة بنت ابی تجراة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکرہ فی ترجمتہا من الاصابۃ ۔

اس کو ابن سعد وغیرہ نے عزیزہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ بات اصابہ میں عزیزہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں مذکور ہے ۔ (ت)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں اور ان کی جمع و تلفیق کی حاجت نہیں بلکہ نماز شروع روز شریف سے مقرر و مشروع ہے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اوّل بار جس وقت وحی اُتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہُوئی اُسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اُسی دن بہ تعلیمِ اقدس حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھی، دُوسرے دن امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورۂ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے ۔

فقد اخرج احمد و ابن ماجۃ والحارث فی مسندہ وغیرھم عن اسامۃ بن زید عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فی اول ما اوحی الیہ، فاراہ الوضوء والصلاۃ، فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفۃ من ماء فنضح بہا فرجہٗ[1]۔ وفی سیرۃ ابن اسحٰق، وسیرۃ ابن ھشام، والمواھب اللدنیۃ من المقصد الاول، وکتاب الخمیس، وافضل القری لقراء ام القری للامام ابن حجر المکی، ثم حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید ابی السعود الازھری، ثم حاشیۃ الدر للعلامۃ السید احمد الطحطاوی، وھذا لفظ القسطلانی، مزیدا من الزرقانی (قد روی) مرّضہ لان لہ طرقا لاتخلو من مقال؛ لکنہا متعددۃ یحصل باجتماعہا

تخریج کی ہے احمد اور ابن ماجہ نے اور حارث نے اپنی مُسند میں اور دیگر محدثین نے اسامہ ابن زید سے، وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، جب وضوء سے فارغ ہُوئے تو چُلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔ سیرت ابن اسحٰق میں، سیرت ابن ہشام میں، مواہب لدنیہ کے کتاب الخمیس میں، ابن حجر مکی کی افضل القری لقرار ام القریٰ میں، سید ابو السعود ازہری کے حاشیہ کنز میں، سید احمد طحطاوی کے حاشیہ درمختار میں مذکور ہے — اور الفاظ قسطلانی کے ہیں جن میں اس کی شرح زرقانی سے اضافہ کیا گیا ہے — (روایت کی گئی ہے) بصیغۂ مجہول اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے جتنے طریقے بھی ہیں وہ اعتراض سے خالی نہیں ہیں، لیکن چونکہ متعدد ہیں اس لیے ان کے اجتماع سے قوت

---

[1] مُسند امام احمد بن حنبل حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۶۱

القوة (ان جبريل بدا له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) وهو باعلى مكة، كما عند ابن اسحٰق، اى بجبل الحراء، كما فى الخميس (فى احسن صورة واطيب رائحة فقال، يا محمد! ان الله يقرئك السلام ويقول لك، انت رسولى الى الجن والانس فادعهم الىٰ قول لا اله الا الله، ثم ضرب برجله الارض فنبعت عين ماء فتوضأ منها جبريل) زاد ابن اسحٰق، ورسول الله ينظر اليه، ليريه كيف الطهور الى الصلاة (ثم امره ان يتوضأ، وقام جبريل يصلى، وامره ان يصلى معه) زاد فى رواية ابى نعيم عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، فصلى ركعتين نحو الكعبة (فعلمه الوضوء والصلاة ثم عرج الى السماء ورجع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، لايمر بحجر ولا مدر ولا شجر الا وهو يقول، السلام عليك يا رسول الله! حتى اتى خديجة، فاخبرها، فغشى عليها من الفرح، ثم امرها فتوضأت، وصلى بها كما صلى به جبرئيل) زاد فى رواية، وكانت اول من صلى (فكان ذلك اول فرضها) اى تقديرها ركعتين[1] اهـ وله تمام سيأتى. واخرج الطبرانى عن ابى رافع رضى الله تعالىٰ عنه، قال، صلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه

حاصل ہوجاتی ہے (کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے) جبکہ آپ مکّہ کے بالائی حصّہ میں تھے ــــ جیسا کہ سیرت ابن اسحٰق میں ہے، یعنی کوہ حرا پر تھے ــــ جیسا کہ خمیس میں ہے (اچھی صورۃ اور عمدہ خوشبو میں اور کہا: "اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ انسانوں اور جنوں کی طرف میرے رسول ہیں اس لئے انہیں دعوت دیں کہ وہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہیں پھر جبریل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور جبریل نے اس سے وضو کیا) ابن اسحٰق نے اضافہ کیا ہے کہ" اور رسول اللہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو نماز کے لیے طہارت کا طریقہ بتائے (پھر آپ سے کہا کہ آپ بھی وضو کریں۔ پھر جبریل نماز پڑھنے لگے اور رسول اللہ کو کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں) ابو نعیم نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جبریل نے قبلہ رُخ ہوکر دو رکعتیں پڑھیں (چنانچہ وضو اور نماز سکھانے کے بعد جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور رسول اللہ گھر کی طرف واپس ہوئے تو راستے میں جس پتھر، ڈھیلے یا درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ کہتا " السلام علیک یا رسول اللہ" یہاں تک کہ آپ خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہیں فرطِ مسرت سے غشی آگئی۔ پھر رسول اللہ نے انھیں بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ نے اُن کو بھی اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے

---

[1] شرح الزرقانی المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۳

وسلم، اول یوم الاثنین، وصلت خدیجۃ اٰخرہ، وصلی علی یوم الثلثاء[1]۔ آپ کو پڑھائی تھی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خدیجہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والی ہیں (تو یہ نماز کی پہلی فرضیت تھی) یعنی اس کا اندازہ تھا (دو رکعتیں) اھ اس روایت کا باقی حصہ عنقریب آئے گا۔ اور طبرانی نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے ابتدائی حصے میں پہلی نماز پڑھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے آخری حصے میں اور علی رضی اللہ عنہ نے منگل کے دن۔ (ت)

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے،

اقول ملاحظہ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وُہ نماز اسی انداز کی تھی اُس میں **طہارتِ ثوب** بھی تھی قال تعالٰی فی سورۃ المدثر، وثیابك فطھر[2] (اللہ تعالٰی نے سورۂ مدثر میں فرمایا ہے "اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو"۔ ت) **وضو** بھی تھا کما تقدم اٰنفا (جیساکہ ابھی گزرا ہے۔ ت) **استقبالِ قبلہ** بھی تھا،

کما مر من حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، وروی ابن اسحٰق فی سیرتہ قال: حدثنی عبداللہ ابن نجیح المکی عن اصحابہ، عطاء ومجاھد وعمن روی ذلك، فساق حدیث اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفیہ، فجعلت امشی رویدا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یصلی یقرؤ القراٰن، حتی قمت فی قبلتہ مستقبلہ، ما بینی وبینہ الاثیاب الکعبۃ۔ قال، فلما سمعت القراٰن رق لہ قلبی[3]۔ الحدیث۔

جیساکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ ابن نجیح مکی نے اپنے ساتھیوں عطا اور مجاہد سے اور کچھ لوگوں سے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کے بعد ابن اسحٰق نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں آہستہ آہستہ چلتا جارہا تھا اور رسول اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی تلاوت کر رہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کے سامنے آپ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہوگیا، میرے اور آپ کے درمیان کعبے کے غلاف کے سوا کوئی حائل نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن سُنا تو میرا دل اس کے لیے نرم ہوگیا۔ الحدیث (ت)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبیداللہ ابن ابی رافع حدیث ۹۵۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۳۲۰
[2] القرآن سورہ المدثر ۷۴ آیت ۴
[3] سیرت ابن اسحٰق

تکبیر تحریمہ بھی تھی قال تعالٰی ؛ و ربك فكبر[1] (اور اپنے رب کی تکبیر کہہ۔ ت) وقال عزاسمہ فی سورۃ الاعلٰی النازلۃ قدما، و ذکر اسم ربہ فصلّٰی ۰ (اور اللہ تعالٰی نے سورۂ اعلٰی میں، جو پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے کہا ہے "اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی"۔ ت) قیام بھی تھا، قال تعالٰی :

یایھا المزمل ۰ قم الیل[3] الاٰیات الٰی قولہ جل ذکرہ ان ربك یعلم انك تقوم ادنٰی من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معك[4]۔

اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو" اور اس کے بعد کی آیتیں، اس آیت تک "بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کبھی دو تہائی رات سے کم قیام کرتا ہے کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات۔ اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہے۔ (ت)

قرأت بھی تھی۔

قال تعالٰی فی سورۃ المزمل فاقرؤا ماتیسر من القراٰن[5] وقال الزرقانی تحت ما تقدم من قول مقاتل رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی، یحتمل انہ کان یقرؤ فیھما بما اتاہ من سورۃ اقرء ، حتی نزلت الفاتحۃ[6]۔

اللہ تعالٰی نے سورۂ مزمل میں فرمایا ہے: "پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہو سکے"۔ اور مقاتل کا جو قول پہلے گزرا ہے کہ دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں رات کی فرض تھیں، اس کے تحت زرقانی نے کہا ہے "ممکن ہے کہ نزولِ فاتحہ سے پہلے رسول اللہ ان رکعتوں میں سورۃ اقرأ کی وہ آیات پڑھتے ہوں جو نازل ہو چکی تھیں۔ (ت)

رکوع بھی تھا،

علی خلف فیہ ، کما سیأتی ، وقد تظافرت الاحادیث الحاکیۃ عما قبل الاسراء بصلاۃ

لیکن اس میں اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ اور جن احادیث میں معراج سے پہلے نماز پڑھنے کا

---

[1] القرآن سورۂ مدثر ۷۴/ آیت ۳
[2] القرآن سورۃ الاعلٰی ۸۷/ آیت ۱۵
[3] القرآن سورۂ مزمل ۷۳/ آیت ۱
[4] القرآن ۷۳/ ۲۰
[5] " " " / "
[6] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۲۷۳

رکعات اور کعتین، منها ما تقدم انفا من حدیث ابی نعیم فصلی رکعتین، و من حدیث غیرہ فکان ذٰلك اول فرضها رکعتین، وانما سمیت رکعة للرکوع۔

بیان ہے، ان میں بکثرت رکعات یا دو رکعتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ابھی ابو نعیم کے حوالے سے گزری تھی کہ نماز پڑھی دو رکعتیں۔ اور ابو نعیم کے علاوہ ایک دوسرے محدث کی روایت کہ ابتداء میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں۔ اور رکعت کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس میں رکوع پایا جاتا ہے۔ ت)

سجود بھی تھا،

کمافی حدیث ایذاء ابی جہل وغیرہ من الکفرۃ، لعنهم اللہ تعالٰی، حین صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند الکعبۃ، فرمقوا سجودہ، فالقوا علیہ ماالقوابہ فی قلیب بدر ملعونین۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔ والحدیث معروف فی الصحیحین وغیرھما عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفیہ من قول الکفار "یجئ بہ ثم یمهلہ حتی اذا سجد وضع بین کتفیہ؛ قال: فانبعث اشقاھم فلما سجد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضعہ بین کتفیہ، وثبت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ساجدًا[1]۔ الحدیث۔ وقد قال تعالٰی فی سورۃ اقرأ، واسجد واقترب ۝

جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابو جہل اور دیگر کفار لعنهم اللہ کی ایذا رسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وُہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑیاں وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کرکے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ کوئی جاکر اوجھڑیاں لائے پھر محمد کو اتنی مہلت دے کہ وہ سجدے میں چلا جائے، اس وقت اس کے شانوں کے درمیان اوجھڑیاں رکھ دے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں سے جو بہت بدبخت تھا وہ اس کام کے لیے تیار ہوگیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑیاں آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدے میں پڑے رہے۔ الحدیث۔ اور اللہ تعالٰی نے سورۃ اقرأ میں فرمایا ہے: "اور سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو"۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب المرأۃ تطرح علی المصلی شیئا من الاذٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۴

جماعت بھی تھی،

کما تقدم من حدیث البعث ، ولفظہ عن ابن اسحٰق ، ثم قام بہ جبرئیل فصلی بہ ، وصلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بصلاتہ ، (الی ان قال فی خدیجۃ) صلے بھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کما صلی بہ جبرئیل ، فصلت بصلاتہ[1] - اھ وقد قال تعالٰی وطائفۃ من الذین معک[2] واخرج الشیخان عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما فی حدیث مجیئ الجن الیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اول البعث ، انھم اتوہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر[3] ، قال الزرقانی المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیھا قبل طلوع الشمس الخ[4]

جیسا کہ بعث والی حدیث گزری ہے اور اس کے الفاظ ابن اسحٰق کے ہاں اس طرح ہیں "پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اور آپ کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی (یہاں تک کہ خدیجہ کے بارے میں کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے رسول اللہ کو پڑھائی تھی چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نماز پڑھی۔ اھ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہے" بخاری و مسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتداءِ وحی کے دوران رسول اللہ کے پاس جنات کے آنے کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ جب جنات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ زرقانی نے کہا ہے کہ فجر کی نماز سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے الخ۔ (ت)

جہر بھی تھا،

قال تعالٰی قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قراٰنا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ[5] ، وقد کانوا سمعوہ صلی اللّٰہ تعالٰی

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سُنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف

---

[1] سیرت ابن اسحٰق

[2] القرآن ۴/۱۰۲

[3] صحیح البخاری زیرِ آیت قل اوحی الی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۳۲

[4] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول ذکر الجن مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/۳۴۹

[5] القرآن ۷۲/۱-۲

علیه وسلم فی صلاۃ الفجر، کما تقدم، ومرّ حدیث ابن اسحٰق فی اسلام امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه، وروی ابن سنجر فی مسنده عنه رضی اللہ تعالٰی عنه "خرجت اتعرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قبل ان اسلم، فوجدته قد سبقنی الی المسجد، فقمت خلفه، فاستفتح سورۃ الحاقۃ، فجعلتُ اتعجّب من تألیف القرآن، فقلت: هو شاعر کما قالت قریش، فقرأ انه لقول رسول کریم ○ وما هو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ○ فقلت: کاهن، علم ما فی نفسی، فقرأ ولا بقول کاهن قلیلا ما تذکرون ○ الی اٰخر السورۃ، فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع"[1] اقول: لکن ذکر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما فی حدیثه المذکور نزول الحاقۃ بعد بنی اسرائیل بسبع وعشرین سورۃ، وجعلها من اواخر ما نزل بمکۃ، ولا یظهر الجمع بان بعضها نزل قدیما فسمعه عمر قبل ان یسلم وتأخر نزول الباقی، واعتبر ابن عباس بالاکثر، فان امیر المؤمنین یقول فی هٰذا الحدیث، ان صح، فاستفتح سورۃ الحاقۃ، ویذکر الاٰیات من اواخرها، ثم یقول الی اٰخر السورۃ، فاللہ

رہنمائی کرتا ہے" اور جنات نے رسول اللہ کی یہ قرآت نمازِ فجر میں سُنی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اور ابن اسحٰق کی روایت بھی گزر چکی ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنے مسند میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں "اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ کا سامنا کرنے کے لیے گھر سے نکلا تو آپ اُس وقت مسجد کو جاچکے تھے میں جا کر ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، انھوں نے سورۃ الحاقہ شروع کی تو میں قرآن کی تالیف وترتیب پر حیران رہ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص شاعر ہے، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی" اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو" میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہے کہ اس کو میرے دل کی بات معلوم ہوگئی، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی" نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ـــ سورۃ کے آخر تک ـــ چنانچہ اسلام میرے دل میں پُوری طرح گھر کر گیا۔ **اقول** (میں کہتا ہُوں)، لیکن ابن عباس نے اپنی مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ الحاقہ کا نزول اس وقت ہُوا جب سورۂ بنی اسرائیل کے بعد ستائیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں اور ابن عباس نے الحاقہ کو ان سورتوں میں شمار کیا ہے جو مکّہ کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں (پھر حضرت عمر نے الحاقہ کی آیات اسلام لانے سے پہلے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مقصد اول اسلام عمر فاروق مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۳۲۲

تعالٰی اعلم؛ بل قال مجاھد فی قولہ تعالٰی فاصدع بما تؤمر ھو الجھر بالقراٰن[1]۔ حکاہ فی المواھب من المقصد الاول، قال؛ قالوا وکان ذلك بعد ثلث سنین من النبوۃ، قال الزرقانی، تبرأ منہ لجزم الحافظ فی سیرتہ بان نزول الاٰیۃ کان فی السنۃ الثالثۃ[2]۔

کس طرح سُن لی تھیں، جبکہ وہ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور اس وقت یہ سورت نازل ہی نہیں ہُوئی تھی) اور یہ تطبیق کرنا غیر ظاہر ہے کہ ہوسکتا ہے اس کا کچھ حصہ پہلے نازل ہوا ہو اور حضرت عمر نے اس کو سُن لیا ہو اور باقیماندہ زیادہ تر حصہ بعد میں نازل ہوا ہو اور حضرت ابن عباس نے اکثر باقیماندہ حصے کے نزول کو ملحوظ رکھا ہو۔ غیر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اسلامِ عمر والی) یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "پس شروع کی رسول اللہ نے سورۃ الحاقہ، پھر سورۃ کے آخری حصّے کی چند آیات ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "سورت کے آخر تک" (یعنی اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سورت شروع سے آخر تک اس وقت نازل ہو چکی تھی پھر مندرجہ بالا تطبیق کیسے ظاہر ہوسکتی ہے؟) پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بلکہ مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا "(اے نبی!) جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اس کا اعلان کرو"۔ اس سے مراد قرآن کو جہراً پڑھنا ہے۔ یہ بات مواہب کے مقصدِ اول میں مذکور ہے۔ صاحبِ مواہب نے کہا: "کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال گزرنے کے بعد نازل ہُوئی"۔ اس کی شرح میں زرقانی نے کہا ہے کہ ("کہتے ہیں" کہہ کر) ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حافظ نے اپنی سیرت میں بالیقین ظاہر کیا ہے کہ یہ آیت نبوت کے تیسرے سال کے دوران نازل ہُوئی تھی۔ (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول و ارکان میں اسی نمازِ مستقر کے موافق نظر آتی ہے بلکہ حدیث مذکور بلفظ مواہب میں بعد فکان ذلك اول فرضھا رکعتین (ابتدا میں نماز کی دو رکعتیں فرض ہُوئی تھیں۔ ت) کے فرمایا:

ثم ان اللہ تعالٰی اقرھا فی السفر کذلك و اتمھا فی الحضر[3]۔

پھر اللہ تعالٰی نے سفر میں دو رکعتیں برقرار رکھیں اور حضر میں (چار) مکمل کردیں۔ (ت)

شرح زرقانی میں ہے:

اقرھا ای شرعھا علی ھیأۃ ما کان

"برقرار رکھیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو رکعتوں کو

---

[1] المواہب اللدنیہ الجہر بالدعوۃ، المکتب الاسلامی بیروت۔ ۱/۲۲۲ و ۲۲۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی از مقصد اول مطبعہ العامرہ مصر ۱/۲۸۷

[3] المواہب اللدنیہ اول امر الصلوۃ المکتب الاسلامی بیروت۔ ۱/۲۱۱

یصلیہا[1] قبل۔

اسی طرح مشروع قرار دے دیا جس طرح آپ پہلے سے پڑھتے تھے۔ (ت)

قبل اس سے ظاہر یہ کہ پیش از معراج دو رکعتیں اسی طرح کی تھیں جیسی اب ہیں مگر بعض علماء فرماتے ہیں معراج سے پہلے رکوع اصلاً نہ تھا نہ اس شریعت میں نہ اگلے شرائع میں رکوع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت مرحومہ کے خصائص سے ہے کہ بعد اسراء عطا ہوا بلکہ معراج مبارک کی صبح کو جو پہلی نماز ظہر پڑھی گئی اُس تک رکوع نہ تھا اُس کے بعد عصر میں اُس کا حکم آیا اور حضور وصحابہ نے ادا فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم مسند بزار ومعجم اوسط طبرانی میں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی حدیث اسی معنی کو مفید امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرکوع فی الصلاۃ۔ ذکر جماعۃ من المفسرین فی قولہ تعالٰی وارکعوا مع الراکعین، ان مشروعیۃ الرکوع فی الصلاۃ خاص بھذہ الملۃ، وانہ لارکوع فی صلاۃ بنی اسرائیل ولذا امرھم بالرکوع مع امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قلت: وقد یستدل لہ بما اخرجہ البزار والطبرانی فی الاوسط عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال، اول صلاۃ رکعنا فیھا صلوۃ العصر فقلت یارسول اللہ ماھذا؟ قال: بھذا امرت۔ ووجہ الاستدلال انہ صلی قبل ذلک صلاۃ الظھر، وصلی قبل فرض الصلوات الخمس قیام اللیل وغیر ذلک، فکون الصلاۃ السابقۃ بلارکوع قرینۃ لخلو صلاۃ الامم السابقۃ منہ[2] اھ۔

باب، اس بیان میں کہ رسول اللہ نماز میں رکوع کے ساتھ مختص ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اللہ تعالٰی کے فرمان "اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نماز میں رکوع کا ہونا اس اُمت کے ساتھ خاص ہے، اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اسی لیے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع کریں۔ اور اس پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی، تو ہم نے کہا: "یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے"۔ استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تھی، اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے قیام لیل بھی کرتے تھے، کچھ اور نوافل بھی پڑھتے تھے، تو ان تمام نمازوں میں رکوع کا نہ ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی اُمتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اھ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۳-۲۷۴

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرکوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۰۵

شرح زرقانی مقصد خامس میں ہے :

الرکوع من خصائص الامۃ، وما صلاۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء کان لارکوع فیہ؛ وکذا ظھر عقب الاسراء، واول صلاۃ برکوع، العصر بعدھا۔[1]

رکوع اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے جو نمازیں پڑھا کرتے تھے ان میں رکوع نہ تھا، اسی طرح معراج کے بعد جو ظہر پڑھی (اس میں بھی رکوع نہ تھا) اس ظہر کے بعد آپ نے جو عصر پڑھی تو وہ پہلی نماز تھی جس میں رکوع کیا گیا۔(ت)

اقول یہ حدیث طبرانی اگر صحیح یا حسن ہے تو استناد صحیح وحسن ہے ورنہ اس کا صریح معارض حدیث عفیف کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موجود کہ وُہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ معظمہ میں آئے کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے دن خوب چڑھ گیا تھا کہ ایک جوان تشریف لائے اور آسمان کو دیکھ کر رُو بکعبہ کھڑے ہوگئے ذرا دیر میں ایک لڑکے تشریف لائے وہ اُن کے دہنے ہاتھ پر قائم ہُوئے تھوڑی دیر میں ایک بی بی تشریف لائیں وہ پیچھے کھڑی ہُوئیں پھر جوان نے رکوع فرمایا تو یہ دونوں رکوع میں گئے پھر جوان نے سر مبارک اُٹھایا تو ان دونوں نے اُٹھایا جوان سجدے میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حال پُوچھا کہا یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی اور یہ بی بی خدیجۃ الکبرٰی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، میرے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ آسمان زمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے اور اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہُوئے ہیں۔

اخرج ابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی التاریخ عن عفیف الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال، جئت فی الجاھلیۃ الٰی مکۃ، وانا ارید ان ابتاع لاھلی من ثیابہا وعطرھا، فاتیت العباس، وکان رجلا تاجرا، فانی عندہ جالس انظر الی الکعبۃ، وقد کلفت الشمس وارتفعت فی السماء فذھبت اذا اقبل شاب فنظر الی السماء ثم قام مستقبل الکعبۃ، فلم البث الایسیرا حتی

ابن عدی نے کامل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں عفیف کندی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا، میں مکہ کے کپڑے اور عطر خریدنا چاہتا تھا اس لیے عباس کے پاس آیا کیونکہ وہ تجارت کیا کرتے تھے ابھی میں ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا اور سُورج خوب روشن تھا اور آسمان پر بلند ہوچکا تھا کہ اچانک ایک نوجوان آئے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر قبلہ رُو ہو کر کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکے آئے اور جوان کے دائیں طرف کھڑے ہوگئے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۵۷

جاء غلام فقام عن يمينه ، ثم لم يلبث الا يسيرا حتى جاءت امرأة فقامت خلفهما ، فركع الشاب فركع الغلام والمرأة ، فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأة ، فسجد الشاب فسجد الغلام والمرأة ، فقلت : يا عباس ! امر عظيم ، فقال ، امر عظيم ، تدري من هذا الشاب ؟ هذا محمد بن عبد الله ، ابن اخي ، تدري من هذا الغلام ؟ هذا علي ابن اخي ، تدري من هذه المرأة ؟ هذه خديجة بنت خويلد ، زوجته - ان ابن اخي هذا حدثني ان ربه ، رب السموات و الارض ، امره بهذا الدين - ولم يسلم معه غير هؤلاء الثلثة - فيه سعيد بن خثيم الهلالي ، قال الازدي منكر الحديث عن اسد بن عبد الله العسري (ع) - قال البخاري :

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک خاتون آئیں اور دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئیں ، جوان نے رکوع کیا تو لڑکے اور خاتون نے بھی رکوع کیا ، وہ جوان رکوع سے کھڑے ہوئے تو وہ دونوں بھی کھڑے ہوگئے ، جوان سجدے میں گئے تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے ۔ میں نے کہا : "اے عباس ! یہ تو کوئی بڑا معاملہ ہے" ۔ عباس نے کہا : "ہاں ، بڑا معاملہ ہے ، جانتے ہو یہ جوان کون ہے ؟ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے ۔ جانتے ہو یہ لڑکا کون ہے ؟ یہ علی ہے میرا بھتیجا ۔ جانتے ہو یہ خاتون کون ہے ؟ یہ خدیجہ بنت خویلد ہے" ، جوان کی بیوی ۔ میرے اس بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے رب نے ، جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ، اس کو اس دین کا حکم دیا ہے اور ابھی ان تین کے علاوہ کسی نے اس دین سے اتفاق نہیں کیا ہے ۔ اس میں ابن خثیم ہلالی ہے ۔ ازدی نے کہا ہے کہ سعید ، اسد ابن عبداللہ العسری سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے ——— بخاری نے کہا :

ع هكذا في الاصل بخط الناسخ وكتب عليه بعض المصححين لعله العنبري **اقول** الصحيح القسري والعسري ليس بشئ عثرنا عليه قط في الانساب وهو اسد بن عبدالله بن يزيد بن البجلي اخو خالد القسري بفتح القاف وسكون المهملة في حديثه لين

اصل کتاب میں کاتب کا لکھا ہوا اسی طرح ہے ، بعض تصحیح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ شاید العنبری ہو **اقول** (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک یہ لفظ القسری ہے العسری کوئی لفظ نہیں ۔ انساب میں ہم اس پر اصلاً مطلع نہ ہوسکے ، یہ اسد بن عبداللہ بن یزید بن البجلی خالد القسری کے بھائی ہیں قاف پر زبر اور سین

(باقی اگلے صفحہ پر)

لہ الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ایاس بن عفیف الکندی مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ شیخوپورہ ۱/۴۱۰

لایتابع علی حدیثه ۔ اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ (ت)

اور دعوٰی اختصاص امت پر آیہ کریمہ وظن داود انما فتنٰه فاستغفر ربه وخر راکعا واناب[1] (اور داود نے گمان کیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے تو اس نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور رکوع میں گر گیا اور انابت اختیار کی ۔ ت) کے ورود میں اگر تامل بھی ہو فان کثیرا منهم فسروا ههنا الرکوع بالسجود وان قال الحسین بن الفضل ان معناه خر بعد ما کان راکعا ای سجد (کیونکہ بہت سے علماء نے یہاں رکوع سے سجود مراد لیا ہے، اگرچہ حسین ابن فضل نے کہا ہے کہ "گر گیا" کا معنٰی یہ ہے کہ رکوع کے بعد گر گیا یعنی سجدے میں چلا گیا ۔ ت) تو آیہ یٰمریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الرّاکعین[2] (اے مریم ! عاجزی اختیار کرو اپنے رب کے رُوبرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ۔ ت) ظاہرۃ الورود ہے ۔ معالم میں ہے :

انما قدم السجود علی الرکوع لانه کذلك کان فی شریعتهم ، وقیل ، بل کان الرکوع قبل السجود فی الشرائع کلها ، ولیس الواو للترتیب

کہا گیا ہے کہ یہاں سجدے کا ذکر رکوع سے پہلے اس لئے ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا اور بعض نے کہا ہے کہ رکوع تمام شریعتوں میں سجدے سے پہلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من الخامسة مات سنة مائة وعشرین روی عن ابیه وعن یحیٰی بن عفیف وروی عنه سعید بن خیثم وسلم بن قتیبة و سلیمان بن صالح سلمویه وکان امیرا علی خراسان جوادا ممدحا قال البخاری یتابع فی حدیثه کذا فی التقریب و تهذیب التهذیب ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرله

پر جزم ہے اس کی حدیث میں کمزوری ہے پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ایک سو بیس ۱۲۰ ہجری میں ان کا وصال ہوا انہوں نے اپنے والد اور یحیٰی بن عفیف الکندی سے روایت کی ہے اور ان سے سعید بن خیثم و سلم بن قتیبہ اور سلیمان بن صالح سلمویہ نے روایت کی ہے یہ خراسان کے امیر تھے بڑے سخی اور لائق تعریف تھے ۔ بخاری کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت کی گئی جیسا کہ التقریب و التہذیب میں ہے ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن ۳۸ / ۲۴

[2] القرآن سورۃ آل عمران ۳ آیت ۴۳

بل للجمع[1] ۔ تھا اور واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے بلکہ جمع کیلئے ہے (ت)

اقول یہاں اگرچہ تاویل رکوع بخشوع ممکن مگر حدیثِ شبِ معراج :

ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین ما بین قائم و راکع وساجد[2] رواہ الحسن بن عرفۃ وابونعیم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔

پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے نبیوں کو جانا کہ کچھ قیام میں ہیں کچھ رکوع میں اور کچھ سجود میں ۔ اس کو حسن ابن عرفہ اور ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے ۔ (ت)

جس میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مسجدِ اقصٰی میں تشریف فرما ہوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ فرمایا کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجود میں نص مفسر غیر قابل التاویل ہے ۔

فانہ یفید التقسیم ، ولا یجوز ان یکون الخشوع قسیما للقیام والسجود ۔ فاندفع ما ذکر العلامۃ الزرقانی ھٰہنا حیث قال تحت قولہ ما بین قائم وراکع ، ای خاشع کخشوع الراکع ، فلا یرد ان الرکوع من خصائص الامۃ الی اٰخرما قدمنا نقلہ و رأیتنی ، کتبت علی ھامشہ ، ما حاصلہ ان فیہ مثل ما قدمنا عن الزرقانی نفسہ ان النص یحمل علی حقیقتہ الشرعیۃ مھما امکن ، وقد امکن ، واختصاص ھذہ الامۃ من بین الامم ، لاینفی صدور الرکوع من الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام ، لاسیما بعد الوفاۃ ؛ لاسیما بعد ما ظھرت شریعۃ نبی الانبیاء صلی اللہ

کیونکہ یہ تقسیم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ خشوع ، قیام اور سجود کے بالمقابل ایک قسم ہو ۔ اس سے مسترد ہوگئی وُہ بات جو علامہ زرقانی نے یہاں ذکر کی ہے ۔ انھوں نے "کچھ قیام میں ، کچھ رکوع میں" کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے" یعنی اس طرح خشوع کرنے والے جس طرح رکوع کرنے والا کرتا ہے " اب یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا کہ رکوع اس امت کی خصوصیات سے ہے ..... آخر تک ، جیسا کہ ہم پہلے زرقانی سے نقل کرچکے ہیں ۔ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں بھی وہی خامی ہے جو ہم زرقانی ہی سے نقل کرچکے ہیں کہ نص جہاں تک ہوسکے اپنی شرعی حقیقت پر حمل کی جائے گی ، اور (یہاں شرعی حقیقت

---

[1] تفسیر معالم التنزیل تفسیر سورۂ آل عمران مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۱-۲/ ۲۴۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۶/ ۵۶

[3] " " " " " " " " " " ۶/ ۵۷

تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم و نسخت شرائعھم
عن اٰخرھا۔ وقرانہ بقیام وسجود ادلّ
دلیل علی ان المراد الرکوع الشرعی۔ و
کیف یحمل علی اللغوی وھو الخشوع، مع
انہ قسم بینھم القیام والرکوع والسجود،
اَفَتَری قائمھم وساجدھم غیر خاشع؛
اھ ماکتبت علیہ۔

مراد لینا) ممکن ہے۔ اور باقی امتوں میں سے اس
امت کا رکوع کے ساتھ خاص ہونا، اس بات کے
منافی نہیں ہے کہ انبیاء سے رکوع کا صدور ہوتا رہا
ہے، خصوصًا ان انبیاء کے وصال کے بعد،
خصوصًا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ظاہر
ہونے اور باقی انبیاء کی شریعتیں یکسر منسوخ ہونے
کے بعد۔ اور حدیث میں رکوع کا قیام اور سجود کے ساتھ
مذکور ہونا، واضح دلیل ہے کہ یہاں شرعی رکوع مراد ہے۔ لغوی رکوع یعنی خشوع مراد ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ انبیاء
کے لیے تین قسم کی عبادات مذکور ہیں یعنی قیام، رکوع اور سجود۔ کیا تمہارے خیال میں جو انبیاء قائم یا ساجد تھے
وہ خشوع کرنے والے نہیں تھے؟ میں نے جو کچھ حاشیہ میں لکھا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

ثم اقول: الحدیث ان دلّ علی
خلو صلاۃ بنی اسرائیل عن الرکوع، کان
ادل علی خلو صلاۃ الامۃ الابراھیمیۃ
عنہ، فان ملتنا ھذہ ھی الملۃ الابراھیمیۃ،
مع ان اللہ تعالٰی یقول وعھدنا الٰی ابراھیم
واسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین و
العاکفین والرکع السجود[1] وقال تعالٰی
واذ بوأنا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک
بی شیئا وطھر بیتی للطائفین والقائمین
والرکع السجود[2]۔ وادعاء ان المراد بالرکع
الامۃ المحمدیۃ خاصۃ واضح البعد۔
صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب واٰلہ وامتہ و

پھر میں کہتا ہوں کہ (حضرت علی والی) حدیث
اگر اس پر دال ہے کہ بنی اسرائیل کی نمازیں رکوع
سے خالی تھیں تو ملتِ ابراہیمیہ کی نمازوں کے رکوع
سے خالی ہونے پر بطریقِ اولٰی دال ہوگی کیونکہ ہماری
ملت تو ملتِ ابراہیمی ہی ہے باوجودیکہ اللہ تعالٰی
فرماتا ہے: "اور عہد کیا ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کی طرف
کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے، اعتکاف
کرنے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں
کے لیے پاک رکھو۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے" اور
جب ٹھکانا بنا دیا ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ
کی جگہ کو کہ نہ شریک ٹھہراؤ میرے ساتھ کسی کو اور
میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے،

---

[1] القرآن سورہ البقرہ ۲/ آیت ۱۲۵
[2] القرآن سورہ الحج ۲۲ آیت ۲۶

بارك وسلم۔

7

قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے۔ اور یہ دعوٰی کرنا کہ رکوع کرنے والوں سے مراد صرف امتِ محمدیہ ہے واضح طور پر بعید ہے صلی اللہ علی الحبیب وآلہٖ وامتہٖ وبارک وسلم۔ (ت)

بالجملہ مدارکار صحت حدیث مذکور طبرانی وبزار پر ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ معراج شریف سے پہلے کی نمازیں بلکہ ایک نماز بعد کی بھی بے رکوع تھی ورنہ ظاہر احادیث یہی ہے کہ نماز سابق ولاحق باہم یکساں ومتوافق ہیں۔

ھذاکلہ ماظھرلی، والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہ سب کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور حق کا علم میرے رب کو ہے، اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر علم رکھنے والا ہے اور اسی کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ (۲۵۱) ازبنارس محلہ کتواپورہ۔ مرسلہ مولوی حاجی محمد رضا علی صاحب ماہِ رمضان ۱۳۰۸ھ

سوال

خلاصہ فتوائے مولوی صاحب موصوف کہ بطلب تصدیق نزد فقیر فرستادند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک اشتہار جو چھاپا گیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ نامی بماہ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ شبِ جمعہ روضۂ مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بیٹھے تھے اُن کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونگھ میں باتیں کیں جب آنکھ کھلی سب مضمون اشتہار کا غذ پر لکھا قبر شریف پر دھرا تھا اور بہت باتیں اُس میں مکتوب ہیں درباب اس اشتہار کے کیا ارشاد ہے۔ بینوا ایہا العلماء رحمکم اللہ۔

الجواب وھوالعلیم

کہتا ہے فقیر محمد رضا علی البنارسی الحنفی اُس میں جو علامات قیامت لکھے ہیں بے شک علامات صغرٰی سب اس زمانہ میں موجود ہیں اور اسلام میں ضعف خصوصاً ہندوستان میں اللہ تعالٰی سب مسلمانوں کو اور فقیر کو توبہ نصیب کرے مگر اشتہار میں جو لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب یا اونگھ

میں فرمایا علماء کتب معتبرہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی کہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں ایسا فرمایا اگر قائل فاسق ہے تو بلاشک کاذب ہے اور متقی ہے تو دیکھیں گے کہ یہ حکم جو یہ شخص پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتا ہے اگر برابر ہے قرآن وحدیث اور نصوص قطعیہ شرعیہ اور فقہ کے تو یہ قول بھی واجب الاذعان اور واجب الاتباع ہے اور اگر مخالف ہے ہرگز معتبر اور واجب الاتباع نہیں کیونکہ جو کلمہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیداری میں صحابہ کرام سے فرمایا اور متواتر منقول ہے اُسی کا اعتبار کریں گے مخالف کو اضغاث احلام شمار کریں گے ورنہ تعارض آپ کے کلام میں لازم آئے گا۔

کذا ذکرہ الملا علی قاری فی المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ وفی الحرز الثمین والعارف بن ابی جمرۃ الاندلسی المالکی فی بہجۃ النفوس شرح مختصر صحیح البخاری والشہاب احمد الخفاجی الحنفی فی نسیم الریاض وغیرہم فی کتبہم۔

اسی طرح ذکر کیا ہے ملا علی قاری نے "المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ" اور "الحرز الثمین" میں۔ اور عارف ابن ابی جمرہ اندلسی نے "بہجۃ النفوس" میں جو کہ مختصر صحیح بخاری کی شرح ہے اور شہاب احمد خفاجی حنفی نے "نسیم الریاض" میں، اور دیگر علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں۔ (ت)

اور بھی فرمایا اللہ تعالٰی نے الیوم اکملت لکم دینکم[1] (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا ہے) کلام الٰہی اور کلام رسالت پناہی بعد اکمال کے اب منسوخ نہیں ہوسکتا الغرض کذب اس اشتہار کا کئی طور سے معلوم ہوتا ہے واللہ العلیم الخبیر (اور اللہ علم اور خبر والا ہے) اُس میں لکھا ہے تارک الصلاۃ پر نماز جنازہ نہ پڑھیں، غسل نہ دیں، قبرستانِ اہلِ اسلام میں نہ دفن کریں، اُس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، عیادت نہ کریں۔ یہ سب مسائل خلافِ قرآن اور حدیث اور فقہ کے ہیں خلاف اہلِ سنّت کے ہیں، خوارج سے ملتے ہوئے ہیں، ہمارے مذہب اہلِ سنّت میں ترکِ نماز گناہِ کبیرہ ہے اور ترکِ فرض اور ارتکابِ کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوسکتا، ہاں کبیرہ کو کبیرہ نہ جانے تو بلاشک کافر ہے منکر نصوصِ قطعیہ کا بلا شک کافر ہے، اور کلمہ گو کو غسل نہ دینا، نمازِ جنازہ نہ پڑھنا، مقابر اہلِ اسلام میں دفن نہ کرنا نہایت مذموم اور بڑے فساد اور بڑی اہانت کی بات ہے۔ اور تارک الصلاۃ کے کفر و اسلام کا بحث درمیان ائمہ اربعہ کے معلوم ہے ہمارے امام اعظم تارک الصلاۃ کو کافر نہیں کہتے فاسق کہتے ہیں اور اس کو ادلۂ شرعیہ سے ثابت کرتے ہیں اور مراد کفر سے تعذیب مثل کفار کے ہے۔

کذا فی شرح الفقہ الاکبر[2] لملا علی قاری

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں،

---

[1] القرآن سورۃ المائدۃ ۵ آیت ۳

[2] شرح الفقہ الاکبر لملا علی قاری المعاصی تضر مرتکبہا الخ مصطفی البابی مصر ص ۷۷

ومیزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ وشرح الشیخ عبدالحق للمشکوٰۃ وغیرھا من الکتب المعتبرات۔

امام شعرانی کی میزان میں، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں، شیخ عبدالحق کی شرح مشکوٰۃ میں اور دوسری معتبر کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے۔ (ت)

اورنمازجنازہ تارک الصلاۃ پر چاہیے۔ قال اللہ تعالٰی، ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدًا[1] (اور نہ نماز پڑھئے ان میں سے کسی ایک پر جو مرجائے، کبھی بھی۔) اس آیت میں منع صلاۃ اُوپر کافر کے ہے نہ مومن کے اور تارک الصلوٰۃ کو قبرستان مسلمانوں میں دفن کرنا چاہئے کذا فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق الدھلوی وتکمیل الایمان (عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوٰۃ میں اور تکمیل الایمان میں اسی طرح ہے) اور تارک الصلاۃ نجس نہیں اُس کے ساتھ بیٹھ کر دوسرے برتن میں کھانے میں کیا قباحت ہے، اور عیادت تارک الصلاۃ کی کیسے ممنوع ہوگی جبکہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیادت یہود کی کی ہے خصوصاً واسطے تالیف قلوب کے بلاشک جائز ہے کذا فی الحدیث وتحقیق ھذہ المسئلۃ فی المشکوٰۃ[2] والصحاح الستۃ وشروحھا (حدیث میں اسی طرح ہے، اور اس مسئلہ کی تحقیق صحاح ستہ اور ان کی شروح میں ہے) بالجملہ نزدیک فقیر کے کل وصیت نامہ پر لوگ عمل کریں اور اللہ سے ڈریں مگر جو مسائل مخالف فقہ اور نصوص قطعیہ کے ہیں اُس پر ہرگز عمل نہ کریں ورنہ ثواب کے عوض میں عذاب ہاتھ آوے گا،

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اھدنا الصراط المستقیم الٰی اٰخر السورۃ۔ ۲۰ شعبان ۱۳۰۸ھ

اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے۔ تُو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے، ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے کی آخر سورۃ تک۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالٰی لہ ولاسلافہ وبارک فیہ

کہتا ہے فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، بریلوی، اللہ تعالٰی اس کو اور اس کے اسلاف کو بخشے اور اس کو اور اس کے

---

[1] القرآن سورہ التوبہ ۹ آیت ۸۴

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب عیادۃ المریض الفصل الاول مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۳۴

وفی اخلافه۔ امین !

اخلاف کو برکت عطا فرمائے۔ آمین !

حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا اگرچہ بلاشبہہ حق ہوتا ہے یہ خواب کبھی اضغاث احلام سے نہیں ہوتی۔ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں :

من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لایتمثل بی[1]۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھی کو دیکھا کہ شیطان میری مثال بن کر نہیں آسکتا۔ (م)

رواہ احمد والبخاری والترمذی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس کو احمد، بخاری اور ترمذی نے انس ابن مالک سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم :

من رأنی فقد رأی الحق فان الشیطان لایتزیأبی[2]۔

جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری وضع نہ بنائے گا۔ (م)

رواہ احمد والشیخان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والاحادیث فی ھذا المعنی متواترۃ۔

اس کو احمد اور بخاری ومسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس مفہوم کی احادیث متواتر ہیں۔ (ت)

مگر ازانجا کہ حالتِ خواب میں ہوش وحواس عالم بیداری کی طرح ضبط وتیقظ پر نہیں ہوتے، لہذا خواب میں جو ارشاد سُنے مثل سماع بیداری مورث یقین نہیں ہوتا اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو ارشادات بیداری میں ثابت ہوچکے اُن پر عرض کریں اگر اُن سے مخالف نہیں فبہا سواء وجد مطابقۃ الصریح اولا (خواہ صراحۃً مطابقت ہو یا نہ۔ ت) ایسی حالت میں اس کا ارشاد ماننا چاہئے اور مخالف ہے تو یقین کریں گے کہ صاحبِ خواب کے سُننے میں فرق ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق فرمایا اور بوجہ تکدر حواس کہ اثرِ خواب ہے اُس کے سُننے میں غلط آیا جیسے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُسے میکشی کا حکم دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور نے میکشی سے نہی فرمائی تیرے سُننے میں اُلٹی آئی، اس امر میں فاسق ومتقی برابر ہیں، نہ متقی کا سماع واجب الصحۃ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رأنی فی المنام الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۲/ ۵۲

[2] صحیح البخاری باب من رای النبی فی المنام مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۶

نہ فاسق کا بیان یقینی الکذب بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا پھر کافۂ اہلسنت وجماعت کا اجماع قطعی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں۔

قال اللہ عزوجل و ان طائفتٰن من المؤمنین اقتتلوا[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور اگر مؤمنوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں"۔ (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر[2]

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگرچہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے، خواہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہوجائے"۔ (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی[3]

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "میری شفاعت میری اُمت کے ان لوگوں کیلئے ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں"۔ (ت)

بلکہ مذہب معتمد ومحقق میں استحلال بھی علی الاطلاق کفر نہیں جب تک زنا یا شرب خمر یا ترک صلاۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریات دین سے نہ ہو غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرۂ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کما حققہ العلماء المحققون من الائمۃ المتکلمین (جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے۔ ت) ولہذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت وقد فصل القول فی ذلک سیدنا العلامۃ الوالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی بعض فتاوٰیہ (اس موضوع پر سیدنا علامہ والد ماجد رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض فتاوٰی میں مفصل گفتگو کی ہے۔ ت) بالجملہ اس قدر پر تو اجماع اہلِ سنّت ہے کہ ارتکاب کبیرہ کفر نہیں باینہمہ تارک الصلاۃ کا کفر واسلام سے ہمارے ائمہ کرام میں مختلف فیہ **اقول** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) اگرچہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بعض ماجاء بہ من عند ربہ جل وعلا کا نام ہے اور تکذیب صفت قلب مگر جس طرح

---

[1] القرآن سورۃ الحجرات ۴۹ آیت ۹
[2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الاول مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۴
[3] مسند احمد بن حنبل از مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ " دارالفکر بیروت ۳/ ۲۱۳

اقوال مکفرہ اس تکذیب پر علامت ہوتے اور اُن کی بنا پر حکم کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اُس کی امارت اور حکم تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔

كالقاء المصحف فی القاذورات والسجود للصنم وقتل النبی والزنا بحضرته وكشف العورة عند الاذان وقراءة القرآن علی جهة الاستخفاف وكل ما دل علی الاستهزاء بالشرع اوالازدراء به۔

جیسا کہ قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا، بُت کے لیے سجدہ کرنا، نبی کو قتل کرنا، اس کے رُوبرو زنا کرنا، اذان سُن کر شرمگاہ کو ننگا کرنا، قرآن کو تحقیر کے انداز میں پڑھنا، اس کے علاوہ ہر وہ عمل جو شریعت کے ساتھ استہزاء واہانت پر دلالت کرے۔ (ت)

یہ حکم اُس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفس فعل من حیث ہو مبنائے تکفیر نہیں بلکہ من حیث کونہ علما علی الجحود الباطنی والتکذیب القلبی، والعیاذ باللہ تعالٰی منہ (اس لحاظ سے کہ یہ باطنی انکار اور قلبی تکذیب کی علامت ہے والعیاذ باللہ۔ ت) صدر اول میں ترک نماز یعنے کف بھی کہ حقیقۃً فعل من الافعال ہے اسی قبیل سے گنا جاتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

كان اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا یرون شیئا من الاعمال تركه كفرا غیر الصلٰوة۔[1]

اصحاب مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے۔ (م)

رواه الترمذی والحاكم وقال صحیح علی شرطهما وروی الترمذی عن عبد الله بن شقیق العضلی مثله۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی، اور کہا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، اور ترمذی نے عبداللہ ابن شقیق عضلی سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ (ت)

ولہذا بہت صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تارک الصلاۃ کو کافر کہتے سیدنا امیر المومنین علی مرتضٰی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

من لم یصل فهو كافر[2] (جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ م) رواه ابن ابی شیبة والبخاری فی التاریخ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: من ترك الصلٰوة فقد كفر[3] (جس نے نماز چھوڑی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلاۃ الفصل الثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۹
[2] الترغیب والترہیب، من ترک الصلاۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۱/ ۳۸۵ [3] ایضاً ۱/ ۳۸۶

وہ بیشک کافر ہوگیا۔ م) رواہ محمد بن نصر المروزی و ابوعمر بن عبد البر۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، من ترک الصلاۃ فلا دین لہ[1] (جس نے نماز ترک کی وہ بے دین ہے۔ م) رواہ المروزی۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، من لم یصل فھو کافر[2] (بے نماز کافر ہے۔ م) رواہ ابوعمر۔

ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لا ایمان لمن لا صلاۃ لہ[3] (بے نماز کے لیے ایمان نہیں۔ م) رواہ ابن عبد البر۔

ایضاً امام اسحٰق فرماتے ہیں:

صح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تارک الصلاۃ کافر وکذلک کان رأی اھل العلم من لدن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تارک الصلاۃ عمدا من غیر عذر حتی یذھب وقتھا کافر[4]

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہوا کہ حضور نے تارک الصلاۃ کو کافر فرمایا اور زمانۂ اقدس سے علما کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصداً بے عذر نماز ترک کرے یہاں تک کہ وقت نکل جائے وہ کافر ہے۔ (م)

اسی طرح امام ابوایوب سختیانی سے مروی ہوا کہ ترک الصلاۃ کفر لا یختلف فیہ[5] (ترکِ نماز بے خلاف کفر ہے۔ م)

ابن حزم کہتا ہے:

قد جاء عن عمر وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی ھریرۃ وغیرھم من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان من ترک صلاۃ فرض

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم و حضرت عبد الرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرہ و حضرت معاذ بن جبل امام العلماء و حضرت ابوہریرہ حافظ الصحابہ وغیرہم اصحاب سید المرسلین

---

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۵
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۱/ ۳۸۶
[4] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
[5] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

واحد متعمدا حتی یخرج وقتھا فھو کافر مرتد، ولا یعلم لھؤلاء مخالف[1]

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین سے وارد ہوا کہ جو شخص ایک نماز فرض قصداً چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے وہ کافر مرتد ہے۔ ابن حزم کہتا ہے اس حکم میں ان صحابہ کا خلاف کسی صحابی سے معلوم نہیں۔ م، انتہی

اور یہی مذہب حکم بن عتیبہ وابوداؤد طیالسی وابوبکر بن ابی شیبہ وزہیر بن حرب اور ائمہ اربعہ سے حضرت سیف السنۃ امام احمد بن حنبل اور ہمارے ائمہ حنفیہ سے امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ حضرت امام اعظم اور ہمارے امام کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعی وغیرہم ائمہ دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

ذکر کل ذلک الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

یہ سب امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

اور اسی کو جمہور ائمہ حنبلیہ نے مختار و مرجح رکھا، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

عند احمد فی الروایۃ المکفرۃ انہ یقتل کفرا، وھی المختارۃ عند جمھور اصحابہ، علی ماذکرہ ابن ھبیرۃ[2]۔

امام احمد اپنی تکفیر والی روایت کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ یہی روایت ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے بیان کیا ہے۔ (ت)

اور بیشک بہت ظواہر نصوص شرعیہ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ اس مذہب کی مؤید،

کما فصل جملۃ منھا خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی الکتاب المستطاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح، وفی سرور القلوب فی ذکر المحبوب، وفی جواھر البیان فی اسرار الارکان وغیرھا من تصانیفہ النقیۃ العلیۃ الرفیعۃ الشان، اعلی اللہ تعالٰی درجاتہ فی غرفات الجنان، اٰمین!

جیسا کہ ان میں سے کچھ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، خاتم المحققین سیدنا والد ماجد نے اپنی عمدہ کتاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح میں، اور اسرار القلوب فی ذکر المحبوب میں، اور جواھر البیان فی اسرار الارکان میں اور اپنی دیگر ستھری، بلند مرتبہ و عالی شان کتابوں میں۔ اللہ تعالٰی جنت کے بالاخانوں میں ان کے درجے بلند فرمائے، آمین!

---

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۹۳

[2] حلیۃ المحلی

بالجملہ اس قول کو مذاہب اہلسنت سے کسی طرح خارج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک جمّ غفیر قدمائے اہلسنت صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے اور بلاشبہہ وہ اُس وقت و حالت کے لحاظ سے ایک بڑا قوی مذہب تھا صدر اول کے بعد جب اسلام میں ضعف آیا اور بعض عوام کے قلب میں سُستی و کسل نے جگہ پائی، نماز میں کامل چُستی و مستعدی کہ صدر اول میں مطلقاً ہر مسلمان کا شعار دائم تھی اب بعض لوگوں سے چھوٹ چلی وہ امارت مطلقہ و علامت فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی لہذا جمہور ائمہ نے اُسی اصل اجماعی مؤید بدلائل قاہرہ آیات متکاثرہ و احادیث متواترہ پر عمل واجب جانا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیہ و ائمہ شافعیہ و ائمہ مالکیہ اور ایک جماعت ائمہ حنبلیہ وغیرہم جماہیر علمائے دین و ائمہ معتمدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے کہ اگرچہ تارک نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے اس کی رُو سے یہ مذہب مہذب حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مجمع علیہ ہے، حلیہ میں فرمایا:

ذهب الجمهور، منهم اصحابنا ومالك و الشافعي واحمد في رواية، الى انه لا يكفر. ثم اختلفوا في انه هل يقتل بهذا الترك؟ فقال الائمة الثلاثة، نعم، ثم هل يكون حداً اوكفراً؟ فالمشهور من مذهب مالك، وبه قال الشافعي، انه حد. وكذا عند احمد في هذه الرواية الموافقة للجمهور في عدم الكفر[1]

جمہور، جن میں ہمارے علماء بھی شامل ہیں اور مالک و شافعی اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی، کی رائے یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائیگا۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو تین اماموں نے کہا ہے کہ ہاں (قتل کیا جائے گا) پھر یہ قتل بطور حد ہوگا یا کفر کی وجہ سے؟ تو مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بطور حد ہوگا۔ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور احمد بھی، اپنی اس روایت کے مطابق جو جمہور کے موافق ہے، یعنی عدمِ کفر والی روایت۔ (ت)

اور اس طرف بحمد اللہ نصوص شرعیہ سے وہ دلائل ہیں جن میں اصلاً تاویل کو گنجائش نہیں بخلاف دلائل مذہب اول کہ اپنے نظائر کثیرہ کی طرح استحلال و استخفاف و جحود و کفران و فعل مثل فعل کفار وغیرہا تاویلات کو اچھی طرح جگہ دے رہے ہیں یعنی فرضیتِ نماز کا انکار کرے یا اُسے ہلکا اور بے قدر جانے یا اُس کا ترک

---

[1] حلیۃ المحلی

حلال سمجھے تو کافر ہے یا یہ کہ ترکِ نماز سخت کفرانِ نعمت و ناشکری ہے۔

کما قال سیدنا سلیمٰن علیہ الصلٰوۃ والسلام لیبلونی ء اشکرام اکفر[1] جیساکہ سیدنا سلیمٰن علیہ السلام نے فرمایا "تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگزار بنتا ہوں یا ناشکرا"

یا یہ کہ اُس نے کافروں کا سا کام کیا،

الی غیر ذلک مما عرف فی موضعہ۔ ومن الجادۃ المعروفۃ رد المحتمل الی المحکم، لاعکسہ، کما لایخفی، فیجب القول بالاسلام۔ اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں جن کی تفصیل ان کے مقام پر ملے گی، اور معروف راستہ یہی ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف لوٹایا جائے، نہ کہ اس کا اُلٹ، جیساکہ ظاہر ہے، اس لیے اسلام کا ہی قول کرنا پڑیگا۔ (ت)

ادھر کے بعض دلائل حلیہ وغیرہا میں ذکر فرمائے ازانجملہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد (پانچ نمازیں خدا نے بندوں پر فرض کیں) الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یأت بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ وان شاء ادخلہ الجنۃ[2] (جو اُنھیں نہ پڑھے اس کے لیے خدا کے پاس کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اسے عذاب فرمائے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے) رواہ الامام مالک وابوداود والنسائی وابن حبان فی صحیحہ (اسے امام مالک، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ ت) یہ حدیث اُس کے اسلام پر نص قاطع ہے کہ اگر معاذ اللہ کافر ہوتا تو اس کے کہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ دوسری حدیث میں ہے حضور اکرم سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدواوین ثلثۃ، فدیوان لا یغفر اللہ منہ شیئاً، ودیوان لایعبؤ اللہ بہ شیئاً، ودیوان لایترک اللہ منہ شیئاً، فاما الدیوان الذی لایغفر اللہ منہ شیئاً فالاشراک باللہ، واما الدیوان الذی لایعبؤ اللہ بہ دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تبارک وتعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا، وہ دفتر جس میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گا دفتر کفر ہے اور وہ جس کی اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کو کچھ پرواہ نہیں

---

[1] القرآن سورہ النمل ۲۷ آیت ۴۰
[2] سنن النسائی باب المحافظۃ علی الصلوات الخمس نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/ ۸۰

شيئاً فظلم العبد نفسه فيما بينه وبين ربه، من صوم يوم تركه او صلاة تركها، فان الله تعالٰی يغفر ذلك ان شاء ويتجاوز، واما الديوان الذی لا يترك الله منه شيئاً فمظالم العباد، بينهم القصاص لا محالة۔

وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں مثلاً کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی کہ اللہ تعالٰی چاہے تو اُسے معاف کر دے گا اور درگزر فرمائے گا، اور وُہ دفتر جس میں سے کچھ نہ چھوڑے گا وہ حقوق العباد ہیں اُس کا حکم یہ ہے ضرور بدلہ ہونا ہے۔ (م)

رواه الامام احمد والحاكم عن ام المؤمنين الصديقة رضي الله تعالٰی عنہا۔

اسے امام احمد اور حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا (ت)

بالجملہ وہ فاسق ہے اور سخت فاسق مگر کافر نہیں وہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے ائمہ ثلثہ مالک و شافعی و احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں اُسے قتل کیا جائے۔ ہمارے ائمہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک فاسق فاجر مرتکب کبیرہ ہے اُسے دائم الحبس کریں یہاں تک کہ توبہ کرے یا قید میں مرجائے امام محبوبی وغیرہ مشایخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اتنا ماریں کہ خُون بہادیں پھر قید کریں یہ تعزیرات یہاں جاری نہیں لہذا اُس کے ساتھ کھانا پینا میل جول سلام کلام وغیرہ معاملات ہی ترک کریں کہ یوں بھی زجر ہو اسی طرح بنظر زجر ترک عیادت میں مضائقہ نہیں یہودی کی عیادت فرمانی بنظرِ تالیف و ہدایت تھی یہاں اس کی عیادت نہ کرنی بنظرِ زجر ہے، دونوں مقاصد شرعیہ ہیں۔ رہی نماز جنازہ وہ اگرچہ ہر مسلمان غیر ساعی فی الارض بالفساد کے لیے فرض ہے۔

وهذا منه، كقاتل نفسه، بل اولٰی فان قتل نفسه اشد من قتل مؤمن غيره، و قتل المؤمن اكبر عند الله من ترك الصلاة۔ وقد قال فی الدر، من قتل نفسه، ولو عمدا، يغسل ويصلی عليه، به يفتی، وان كان اعظم وزرا من قاتل غيره، قال فی

اور یہ انھی میں سے ہے جس طرح خودکشی کرنے والا۔ بلکہ بطریقِ اَولٰی، کیونکہ خودکشی کرنا دوسرے مومن کو قتل کرنے سے زیادہ شدید جرم ہے اور مومن کو قتل کرنا نماز چھوڑنے سے بڑا گناہ ہے۔ اور درمختار میں کہا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کرے، خواہ جان بوجھ کر ہی، اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی،

لہ مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۲۴۰
ٰلہ درمختار باب صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

ردالمحتار: بہ یفتی، لانہ فاسق غیر ساع فی الارض بالفساد، وان کان باغیا علی نفسہ، کسائر فساق المسلمین۔ زیلعی۔[1]

اسی پر فتوٰی ہے، اگرچہ اس کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے والے سے بڑا ہے۔ شامی میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ یہ فاسق تو ہے مگر زمین میں فساد پھیلانے والا نہیں، اگرچہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، جس طرح باقی فاسق مسلمان۔ زیلعی۔ (ت)

مگر فرض عین نہیں فرض کفایہ ہے پس اگر علما و فضلا باقتدائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المدیون و فی قاتل نفسہ بغرض زجر و تنبیہ نماز جنازہ بے نماز سے خود جدا رہیں کوئی حرج نہیں، ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ اصلاً کوئی نہ پڑھے یوں سب آثم و گنہگار رہیں گے، مسلمان اگرچہ فاسق ہو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے الا من استثنی ولیس ھذا منھم (مگر جو مستثنٰی ہیں، اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ت) نماز پڑھنا اس پر فرض تھا اور جنازہ کی نماز ہم پر فرض ہے اگر اُس نے اپنا فرض ترک کیا ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں، درمختار میں ہے:

ھی فرض علٰی کل مسلم مات، خلا اربعۃ، بغاۃ، وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب، ومکابر فی مصر لیلا، وخناق خنق غیر مرۃ۔[2]

نماز جنازہ ہر مسلمان کی فرض ہے، جبکہ وہ مرجائے۔ سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ لڑائی میں مارے جائیں، رات کو شہر میں غنڈہ گردی کرنیوالا اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کارروائی کی ہو۔ (ت)

اسی طرح غسل دینا، مقابر مسلمین میں دفن کرنا اماتنا اللہ تعالٰی علی الاسلام الصادق، انہ رؤف رحیم، اٰمین۔ وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۲) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ ہجریہ مقدسہ۔

جناب مولوی صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام علیک کے ملتمس ہُوں کہ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز کو چھوڑا اُس میں اور مشرک میں کچھ فرق نہیں، تو عرض یہ ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو اکثر لوگ بے نماز ہیں کیا وہ سب لوگ شرک میں داخل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جو کچھ آیت و حدیث کا اس بارہ میں حکم ہو تحریر فرمائیے تاکہ معلوم ہو۔ بینوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مجتبائی مصر ۱/ ۶۴۳

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی دہلی ۱/ ۱۲۲

الجواب

بلاشبہہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم میں اور مشرکوں میں فرق نماز کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو نماز کا تارک ہے وہ مشرکوں کے فعل میں اُن کا شریک ہے پھر اگر دل سے بھی نماز کو فرض نہ جانے یا ہلکا سمجھے جب تو سچّا مشرک پورا کافر ہے ورنہ اُس کا یہ کام کافروں مشرکوں کا سا ہے اگرچہ وہ حقیقۃً کافر مشرک نہ ٹھہرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۳) ازجوناگڑھ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۲۰ رجب ۱۳۱۶ھ

ایک واعظ برسرِ مجلس بیان کرتا ہے کہ جس شخص نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کی اس نے ستّر مرتبہ بیت اللہ میں اپنی ماں سے زنا کیا، مستفتی خوب جانتا ہے کہ بے نمازی سے بُرا اللہ کے نزدیک کوئی نہیں اور شرع شریف میں اس کےلیے وعید بھی سخت آئی ہے مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ الفاظ مذکورہ کتاب وسنّت واختلافِ ائمہ سے ثابت ہیں یا نہیں، برتقدیرِ ثبوت نہ ہونے کے قائل کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

معاذ اللہ کسی وقت کی نماز قصداً ترک کرنا سخت کبیرہ شدیدہ وجریمہ عظیمہ ہے جس پر سخت ہولناک جانگزا وعیدیں قرآنِ عظیم واحادیث صحیحہ میں وارد، مگر بدمذہب اگرچہ کیسا ہی نمازی ہو اللہ عزّوجل کے نزدیک سنّی بے نماز سے بدرجہا بُرا ہے کہ فسقِ عقیدہ فسقِ عمل سے سخت تر ہے اور صرف گناہانِ جوارح میں کلام کیجئے تو مسلمان کو عمداً ناحق قتل کرنا ترکِ نماز سے سخت تر ہے اُس پر اگر احادیث میں حکمِ کفر ہے اس پر خود قرآنِ عظیم میں حکم خلود فی النار ہے[1]، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واعظ نے جو مضمون بیان کیا اس کے قریب قریب دربارۂ سُود خوار احادیث مرفوعہ حضرت ابوہریرہ وحضرت اسود زہری خال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت براء بن عازب وحضرت عبداللہ بن سلام وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وآثار موقوفہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ابن ماجہ وابن ابی الدنیا وابن جریر وبیہقی وابن مندہ وابونعیم وطبرانی وحاکم وابنِ عساکر وبغوی وعبدالرزاق کے یہاں مروی وقد ذکرناھا بتخاریجھا فی کتاب البیوع من فتاوٰنا (اس کو ہم نے تمام تخریجوں کے ساتھ اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں بیان کیا ہے۔ ت) مگر ان میں سے کسی میں بیت اللہ کا ذکر نہیں، البتہ ایک حدیث صحیح میں حطیم کعبہ کا ذکر ہے کہ ظنّاً زمینِ کعبہ ہے نہ یقیناً، اُس میں ماں کا لفظ نہیں۔ امام احمد وطبرانی عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] القرآن ۴/۹۳

بسندِ صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

درھم ربا یاکلہ الرجل، وھو یعلم، اشد عند اللہ من ستۃ وثلثین زنیۃ فی الحطیم۔[1] | ایک درم سُود کا کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیم کعبہ میں چھتیس ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔

اور دربارۂ ترکِ نماز اگرچہ اس سے سخت تر مذمت ارشاد ہوئی یہاں تک کہ احادیث مرفوعہ حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت بریدہ اسلمی و حضرت عبادہ بن صامت و حضرت ثوبان و حضرت ابوہریرہ و حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت انس بن مالک و حضرت عبداللہ بن عباس و آثار موقوفہ حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی و حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت ابودرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم میں احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم و طبرانی و محمد بن نصر مروزی و ہروی و بزار و ابویعلی و ابوبکر بن ابی شیبہ و تاریخ بخاری و ابن عبدالبر وغیرہم کے یہاں ترکِ نماز پر صراحۃً حکم کفر و بے دینی مروی کما فصلہ الامام المنذری فی الترغیب (جیسا کہ امام منذری نے ترغیب میں پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ت) مگر اس بارہ میں وہ الفاظ کہ واعظ نے ذکر کیے اصلاً نظر سے نہ گزرے' واعظ سے سند مانگی جائے اگر سندِ معتبر پیش نہ کرسکے تو بے ثبوت ایسے ادعا جاہل فاحش ہیں اور گناہ واضح والعیاذ باللہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۴) از غازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور
۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک وقت کی نماز قضا کرنے سے بھی آدمی فاسق کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں جو ایک وقت کی نماز بھی قصداً بلا عذرِ شرعی دیدہ و دانستہ قضا کرے فاسق و مرتکب کبیرہ و مستحق جہنم ہے والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۵) از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث ۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بکر نے ایک عالم کے فرمانے سے مسلمانوں کے رُوبرو یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اُس کو حقہ پانی نہ دیا جائے اور جتنے وقت کی نماز نہ پڑھے ایک پیسہ جرمانہ ہونا چاہیے۔ زید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طور کی

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث عبداللہ بن حنظلہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

نماز پڑھوانی زینہ دوزخ کا ہے اس بارہ میں حکم شریعت کیا ہے بینوا توجروا۔

7/7

الجواب

حقہ پانی نہ دینے کی تجویز ٹھیک ہے اور مالی جرمانہ جائز نہیں۔ لانہ شیئ کان ونسخ کما بینہ الامام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی (کیونکہ یہ چیز پہلے تھی لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی تھی جیسا کہ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا ہے۔ ت) مگر زید کا وہ کلمہ بہت بُرا اور سخت بیجا ہے فان المصادرۃ المالیۃ تجوز عند الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ (کیونکہ مالی جرمانہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ ت) نماز پڑھوانا زینۂ دوزخ نہیں بلکہ نہ پڑھنا۔ زید توبہ کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۶) از علی گڑھ کالج کمرہ نمبر ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خاں یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک مسلمانوں کے مدرسہ میں جہاں انگریزی تعلیم ہوتی ہے پنجگانہ نماز کی سخت تاکید ہے مسجد میں بعد ہر نماز کے ہر طالب علم کی حاضری ایک رجسٹر میں درج ہوتی ہے اور جو غیر حاضر پائے جاتے ہیں اُن پر جرمانہ ہوتا ہے اس تشریح کے ساتھ کہ فجر، ظہر، عصر اور عشا کی غیر حاضری میں فی نماز دو پیسے فی کس جرمانہ اور مغرب کی غیر حاضری میں فی کس ۲/ جرمانہ ہوگا، آیا یہ طریقہ نماز کی حاضری لینے اور جرمانہ کرنے کا کہاں تک ازروئے شرع جائز ہے اس لحاظ سے کہ طالب علم خصوصاً انگریزی کے نماز کی طرف شاید بوجہ اثر نئی روشنی کے رجوع نہ ہوں لہذا ضرورۃً اس قسم کی کارروائی مناسب ہے اور ایسا کیا جاسکنے میں چنداں حرج نہیں ہے آیا یوں صحیح ہے۔ فقط

الجواب

تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاباخذ مال فی المذہب بحر۔[1]
مال لینے کا جرمانہ مذہب کی رُو سے جائز نہیں ہے بحر (ت)

اُسی میں ہے:

وفی المجتبٰی انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ۔[2]
اور مجتبٰی میں ہے کہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ کردیا گیا۔ (ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[2] " " " " "

وافاد فی البزازیۃ، ان معنی التعزیر باخذ المال، علی القول بہ، امساک شیئ من مالہ عنہ مدۃ لینزجر، ثم یعیدہ الحاکم الیہ، لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او لبیت المال، کما یتوھمہ الظلمۃ، اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]۔

اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدت کے لیے روک لینا تاکہ وہ باز آجائے، اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹا دے، نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیت المال کے لیے، جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ شرعی سبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے لیے روا نہیں ہے (ت)

ہاں وہ طلبہ جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے اُن کے وظیفہ سے وضع کرلینا جائز ہے فانہ لیس اخذ شیئ من ملکھم بل امتناع تملیک شیئ منھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت سے کوئی چیز لینا نہیں ہے بلکہ اس چیز کو ان کے ملک میں جانے سے روکنا ہے۔ ت) ــــــــــــ یا جو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہوں دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے جماعت قضا کی آج بغیر اتنی فیس دیے تم کو سبق نہ دیا جائیگا اور جو ماہوار فیس دیتے ہیں اُس مہینے تو اُن سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، دوسرے مہینے کے شروع پر اُن سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے میں تم نے اتنی جماعتیں قضا کیں آئندہ مہینے تمھیں تعلیم نہ دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو و ذلک لان الاجارۃ تنعقد شیئا فشیئا (اور یہ اس لیے کہ اجارہ بتدریج منعقد ہوتا ہے۔ ت) یا یہ صورت ممکن ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم یا تھوڑی سی روشنائی یا کاغذ تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطور بیع ہو اُس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ قضائے جماعت کا اُن کے ذمے ہو سکے مثلاً یہ قلم سات روپے کو ہم نے تمھارے ہاتھ بیع کیا اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہم اس سے جدا ایک وعدۂ احسانی تم سے کہتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے میں بلاعذر صحیح شرعی کوئی جماعت قضا نہ کی تو سرماہ پر یہ زرِ ثمن تمام و کمال تمھیں معاف کردیں گے اس صورت میں بھی قضائے جماعت کی حالت میں وہ ثمن کل یا بالبعض اُن سے وصول کرلینا جائز ہوگا۔

ولا یلزم فساد البیع بالشرط المعھود القائم مقام الملفوظ، لتقدم التصریح بنفیہ، والصریح یفوق الدلالۃ[2]، کما افادہ الامام

اور شرط معہود سے، جو کہ ملفوظ کے قائم مقام ہو، بیع کا فاسد ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پہلے اس کی صراحۃً نفی ہوچکی ہے اور صراحت کو دلالت پر ترجیح حاصل ہے

---

[1] ردالمحتار باب التعزیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۹۵

[2] درمختار باب المہر مطبوعہ مجتبائی، دہلی ۱/ ۲۰۲

قاضیخان فی فتاواہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ جیسا کہ امام قاضیخان نے اپنے فتاوٰی میں افادہ کیا ہے ۔ (ت)

مسئلہ (۲۵۶) ازبشارت گنج مرسلہ فتح محمد صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا جہاز پر یا چلتی ریل گاڑی میں نماز کی بابت کیا حکم ہے اگر سنت وفرض ونفل ادا کیے جائیں تو ہوتے ہیں یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب

چلتے جہاز خواہ لنگر کیے ہوئے ہو اور کنارے سے میلوں دُور ہو اُس پر نماز جائز ہے اور ناؤ اگر کنارے پر ٹھہری ہے اور جہاز کی طرح زمین پر نہیں بلکہ پانی پر ہے اور یہ اُتر کر کنارے پر نماز پڑھ سکتا ہے تو ٹھہری ہُوئی ناؤ میں بھی فرض اور وتر اور صبح کی سُنتیں نہ ہوسکیں گے اور چلتی ہوئی میں بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے جیسے سیر دریا کے بجرے کنارے کنارے جاتے ہیں اور انہیں روک کر زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر اُتر کر کنارے پر نماز نہ پڑھ سکتا اپنی ذاتی معذوری سے ہے تو ہر نماز ہو جائے گی اور اگر کسی کی ممانعت کے سبب ہے تو پڑھ لے اور پھر پھیرے یہی حکم ریل کا ہے ٹھہری ہُوئی ریل میں سب نمازیں جائز ہیں اور چلتی ہوئی میں سنّتِ صبح کے سوا سب سنّت ونفل جائز ہیں مگر فرض و وتر یا صبح کی سنتیں نہیں ہوسکتیں اہتمام کرے کہ ٹھہری میں پڑھے اور دیکھے کہ وقت جاتا ہے پڑھ لے اور جب ٹھہرے پھر پھیرے واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ (۲۵۷ تا ۲۵۹) ازگوری ڈاج نرائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ عبدالجبار صاحب ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

زید بکر اشیاءِ مسکرہ حالت حواسِ خمسہ وطہارت جسم وجامہ وعدم موجودگی بدبو کے مسجد میں نماز ادا کرتا ہے پس ان صورتوں میں نماز مقبول ہُوئی یا نہیں وحکم مسکر کہاں تک مذہب امام ابوحنیفہ میں ہے ۔

(۲) ایک شخص نے چار پیالے تاڑی پی اُسے نشہ نہیں ہُوا اور بدبُو بھی باقی نہیں نماز ادا کی ہوئی یا نہیں ۔

(۳) نمازِ ظالم و ربُوخوار مقبول ہے یا نہیں؟ معاصیِ ربُوخوار وشراب خوار میں کس قدر فرق ہے و نماز جنازہ ربُوخوار، شراب خوار و ظالم مومنین کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

طبرانی نے بسند حسن سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من شرب مسکرا ماکان لم تقبل لہ صلاۃ اربعین یوما۔[1] جو کوئی نشہ کی چیز پیے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔ (م)

مگر وعیدات سب مقید بمشیّت ہیں ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء[2] (اس سے (یعنی شرک سے) کم تر گناہ، جس کے چاہے بخش دے۔ ت)

صورتِ مذکورہ میں صحتِ نماز و ادائے فرض میں شبہہ نہیں، رہا قبول محلِ عدل میں اس کی شرط عظیم ہے انما یتقبل اللہ من المتقین[3] (اللہ تعالٰی متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔ ت) اور مقامِ فضل حدث عن البحر بما شئت ولاحرج (سمندر کے جود و سخا کے بارے میں جو چاہو بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ت) ہے، یہاں رب العزۃ نے حدیہ مقرر فرمائی ہے حتی تعلموا ما تقولون[4] (یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ کہہ رہے ہو۔ ت) جب حالت یہ ہو اور شرائط مجتمع، تو زید سے عدمِ قبول پر جزم جہل و جرأت علی اللہ ہے جیسے عمرو غیر شارب سے قبول پر اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون[5] (کیا تم اللہ پر افترا کرتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ ت) ہاں اجمالاً یُوں کہہ سکتے ہیں کہ شارب کی نماز چالیس دن قبول نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا، خاص زید پر حکم باطل ہی ہے جیسے الا لعنۃ اللہ علی الظلمین[6] (آگاہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ت) یوں کہنا جائز کہ ظالم ملعون ہیں اور یہ کہنا حرام کہ زید پر لعنت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ دوم: نماز بلاشبہہ ہوگئی اجتماعِ شرائط و ارتفاعِ موانع کے بعد جواز پر دلیل طلب کرنا جہالت ہے، جو کہے نہ ہُوئی وہ دلیل دے۔ یہ جہل و مکابرہ وہابیہ کا شیوہ ہے کہ قائلِ جواز سے دلیل طلب کریں اور حرام کہنے کے لیے دلیل کی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ سوم: قبولِ نماز کا جواب جواب اوّل اور فرضیت[عـــہ۱] نماز جواب[عـــہ۲] سوم سے واضح ربا و شراب دونوں حرام و گناہ کبیرہ ہیں خمر ام الخبائث ہے کہ اسے پی کر جو بھی ہو تھوڑا ہے تو ربا میں حق العبد بھی ہے ــــ

عـــہ۱: یعنی اس کے جنازہ کی نماز کی فرضیت ۱۲ (م)

عـــہ۲: یہ سائل کے سوال کے اعتبار سے سوم ہے جو ذبائح میں منقول ہوا ہے۔ (م)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۶۷۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/۱۵۴

[2] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۸

[3] القرآن، سورہ المائدہ ۵، آیت ۲۷

[4] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۳

[5] القرآن، سورہ الاعراف ۷، آیت ۲۸

[6] القرآن، سورہ ہود ۱۱، آیت ۱۸

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1] (باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۶۰) مدرسہ اہلسنت منظرِ اسلام بریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ

شخصِ یک نماز را از وقت تاخیر کند یعنی سستی کند و اوا نیز کند قضائے ہفتاد ہزار سال در دوزخ میماند ایں مسئلہ صحیح است یا نہ۔

کوئی شخص اگر ایک نماز میں وقت سے تاخیر کرے یعنی سستی کرے اگرچہ بعد میں ادا کرے تو اس کو دوزخ میں اتنا رہنا پڑے گا کہ ستر ہزار سالوں کی نماز اس دوران قضا کی جاسکے۔ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

تاخیر آنچناں کہ بلاعذرِ شرعی از وقت برآرد و قضا کند بلاشبہہ حرام و فسق و کبیرہ است عذابش مغفرتش مفوض بمشیت است و ہیچ مسلمان بیش از عمرِ دنیا کہ ہفت ہزار سال ست در دوزخ نماند، واللہ تعالٰی اعلم۔

عذرِ شرعی کے بغیر اتنی تاخیر کہ وقت چلا جائے اور قضا کرنی پڑے، بے شک حرام، فسق اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کو عذاب دینا یا بخش دینا اللہ کی مشیت کے سپرد ہے اور کوئی مسلمان دوزخ میں دنیا کی عمر یعنی سات ہزار سال سے زیادہ نہیں رہے گا۔ (ت)

مسئلہ (۲۶۱) حافظ نجم الدین صاحب کندہ نالہ شہر باس بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ضرور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۶۲) از فتح گڑھ محلہ سنگت ضلع فرخ آباد مسئولہ شہاب الدین صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں چند پنچایتی قومیں بتعداد کثیر بلحاظ اپنے اپنے گروہ کے تعداد کے آباد ہیں اور ہر ایک جمعیت وہی مشہور نظام اپنی برادری کا رکھتی ہے جو قریب قریب ہر ایک مقام پر ایسی جمعیتوں میں رائج ہیں یعنی کسی سے کوئی امر خلاف پیش آنے پر جو متعلق برادری ہو اپنے چودھری کے نوٹس میں لاکر بصورت اجتماعی اس درجہ سزا کا استحقاق و اقتدار رکھتی ہے کہ کلام و سلام اور طعام نیز ہر ایک تعلق دُنیوی اُس اختلاف کرنے والے شخص سے ترک کرکے اس کو ہی نہیں بلکہ جو اس کا ہم نوا یا جو ہم خیال ہو تاوقتیکہ بعد ادائگی

---

[1] القرآن سورہ البقرہ ۲ آیت ۱۸۸

تاوان مقررشدہ قومی آئندہ کے لیے قابلِ قبول ضمانت نہ پیش کردے یہی زندگی جو جبات کی بدترین نمونہ ہے کہ اُنہ پر مجبور ہوگا، پس جو پنچایتیں ایسا احسن نظام امورات دنیوی میں رکھتی ہوں کیا از روئے شرع شریف متعلق احکامات دینی بالخصوص صوم وصلوٰۃ بعض افراد اپنے اپنے گروہ کو محض موجودہ حالت اسلام سے جو نکبت وادبار کا رُوح فرسا دور ہے متاثر ہوکر (یہ امر منجانب اللہ ہے کہ ایک وقت میں ہر جمعیت کی بعض خدا ترس ہستیوں کو ایسا خیال پیدا ہوا) اگر انھیں قدیمی قواعد وضوابط برادری سے کام لے کر اپنے وابستگان کو پابند صوم وصلوٰۃ ونیز اور کھلے ہوئے نازیبا طرز سے جو سراسر خلافِ اسلام ہی نہیں بلکہ تضحیک کا باعث ہیں۔ مثلاً شراب خواری وجُوا وتاشں اور داڑھی منڈوانا حسبِ تعلیم فرقان حمید وفرمودہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم درست کرنے کا مضطرب کُن رجحان ہو تو ان کو یہ اختیارات مرقومہ بالا قدیمہ کا استعمال جبکہ امورات دنیوی میں ہمیشہ سے ہر طرح حاصل ہوگیا حسب تعلیم اسلام اپنے افراد کو حقیقی وسچا مسلمان بنانے میں جائز ہوگا ونیز بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہ؟ اور حکم تہدیدی اس میں کیا ہے؟

الجواب

جو تنبیہ وتہدید وتادیب وتشدید اپنے امور دُنیویہ میں کرتے ہیں امور دینیہ میں بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے اگر دنیا کے طالب اور دین سے غافل ہیں اس وجہ سے اس کے تارک اور اس کے عامل ہیں کیا اچھا ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن میں بیداری پیدا کرے اور اپنی دنیا سے بڑھ کر دین کا انتظام کریں، جو امور تادیبی اوپر مذکور ہوئے سب جائز ہیں، مگر مالی جرمانہ لینا حرام۔ مسلمان کے جنازہ کی نماز فرض ہے اگرچہ وہ نماز نہ پڑھتا ہو، اس میں حکم تہدیدی صرف اتنا ہے کہ علما و صلحا جن کے پڑھنے سے اُمید برکت ہوتی ہے بے نماز کا جنازہ خود نہ پڑھیں عوام سے پڑھوا دیں۔ لیکن یہ کہ کوئی نہ پڑھے اور اُسے بے نماز دفن کردیں یہ جائز نہیں، ایسا کریں گے تو جتنوں کو اطلاع ہوگی سب گنہگار رہوں گے عالم ہوں خواہ جاہل، اور اُس کی قبر پر نماز پڑھنی واجب ہوگی جب تک اُس کا بدن سلامت رہنا مظنون ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۳ و ۲۶۴) محمد رضا خاں محلہ بڑی ٹولہ از انجمن خادم الساجدین مورخہ ۱۶ محرم ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وہادیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کچھ غریب مسلمان انجمن خادم الساجدین کے بغرضِ تبلیغ صلوٰۃ شہر سے باہر مواضعات میں ایسی جگہ پر پیدل اور دھوپ اور پیاس کی تکلیف اور بلا کسی نفع ذاتی کے فی سبیل اللہ آدھی رات سے اُٹھ کر گئے اور دوسرے دن واپس آئے، بعض لوگ ان میں بھوکے پیاسے بھی شامل تھے تقریباً ایک سو مسلمان مستعد نماز ہوگئے، اُن کے واسطے کیا اجر ہے تاکہ آگے کو ہمت بڑھے۔

(۲) ایک شخص انجمن سے باہر کا سوال کرتا ہے یکہ میں چلو اور اُن سے کرایہ لو، کُل خرچہ کھانے پینے کا لو، اور اس میں رکھا ہی کیا ہے کوئی اپنے لیے نماز پڑھے گا تم کیوں کوشش کررہے ہو، وہ شخص کیسا ہے اور جو لوگوں کو ہمت شکستہ

کرے وہ کیسا ہے۔

الجواب

پہلے لوگوں کے لیے ان کی نیتِ نیک پر اجرِ عظیم ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک مما طلعت علیہ الشمس وغربت۔[1]

اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تیرے ذریعہ سے ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے تمام روئے زمین کی سلطنت ملنے سے بہتر ہے۔ (م)

ہدایت کو جانے کے لیے آتے جاتے جتنے قدم ان کے پڑیں ہر قدم پر دس نیکیاں ہیں، قال اللہ تعالیٰ:

نکتب ماقدموا واٰثارھم۔[2] ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشان پیچھے چھوڑ گئے۔ (م)

اور جو بغیر سواری نہ جاسکتا ہو اُس کا سواری مانگنا کچھ جرم نہیں، یوں ہی خرچ راہ بھی لے سکتا ہے مگر یہ کہنا کہ تم کیوں کوشش کرتے ہو شیطانی قول ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے، فرض سے روکنا شیطانی کام ہے، بنی اسرائیل میں جنہوں نے مچھلی کا شکار کیا تھا وہ بھی بندر کر دیے گئے اور جنہوں نے انہیں نصیحت کرنے کو منع کیا تھا کہ لمَ تعظون قومانِ اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا[3] (کیوں ایسوں کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب دے گا۔ م) یہ بھی تباہ ہوئے اور نصیحت کرنے والوں نے نجات پائی، اور یہ کہنا کہ "اس میں رکھا ہی کیا ہے" سب سے سخت کلمہ ہے، اس کہنے والے کو تجدیدِ اسلام و تجدیدِ نکاح چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵: از بریلی محلہ ملوک پور مسئولہ شفیق احمد خان صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن کا یہ پاس کردہ قانون کہ جو مسجد میں ایک وقت کی نماز کو نہ آوے اور نہ آنے کا کوئی قابلِ اطمینان عذر بھی نہ ہو تو اس کو مسجد میں ایک لوٹا رکھنا پڑے گا۔ یہ حکم شرعی سے ناجائز تو نہیں ہے؟

الجواب

اگر وہ شخص اپنی خوشی سے ہر غیر حاضری کے جرمانہ میں سَو لوٹے یا سَو روپے دے تو بہت اچھا ہے اور اُن روپوں کو مسجد میں صرف کیا جائے لیکن جبراً ایک لوٹا یا ایک کوڑی نہیں لے سکتا۔ فان المصادرۃ بالمال منسوخ

---

[1] جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۵/۲۵۹

[2] القرآن سورہ یٰس ۳۶ آیت ۱۲

[3] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۶۴

والعمل بالمنسوخ حرام (کیونکہ مالی جرمانہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۶۶) سید عرفان علی صاحب رکن انجمن خادم الساجدین رہڑی ٹولہ بریلی ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جبکہ عشرہ محرم میں نماز کا انتظام منجانب انجمن کیا گیا تھا تو اب اس موقع پر کہ محمد علی و شوکت علی بریلی میں آرہے ہیں اور ۳ بجے سے ۶ بجے تک شہر میں گشت کریں گے اور پھر جوبلی باغ میں تقریر کریں گے پبلک عام کثیر التعداد اُن کے جلوس میں جوبلی باغ میں ہوگی اور اس اثنا میں نمازِ عصر و نمازِ مغرب و نمازِ عشا کا وقت ہوگا پس ایسی حالت میں منجانب انجمن مسلمانوں کو تنبیہ کرنا اور ان کو نماز کے واسطے آمادہ کرنا کوئی نقص شرعی تو نہیں پیدا کرتا ہے، اور نماز کی ترغیب ایسے مواقع پر دلانا موجب ثواب دارین ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کی ترغیب ہر وقت و ہر حال میں ہونی چاہئے اگرچہ ناچ کی مجلس ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۶۷) از شہر (بریلی) محلہ سوداگران مسئولہ مولوی محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں صاحب ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چند شخصوں کو طرح طرح خوشامدانہ انداز پیار محبت کے طریقے سے نماز باجماعت کی تاکید کی اُن لوگوں کو جب اس پر کاربند نہ پایا بلکہ ان میں سے ایک شخص نے دو مرتبہ ترک نماز کا اقرار زید کے سامنے کیا عشاء کی جبکہ صلوٰۃ ہو چکی زید انھیں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا سب سے نماز کے واسطے کہا ایک شخص نے جواب دیا ہم ابھی آتے ہیں کوئی بیماری یا مجبوری نہ تھی جس نے کہا تھا ہم ابھی آتے ہیں وہ نہ آیا بعد فجر اس سے پوچھا عشا کی نماز کہاں پڑھی؛ جواب دیا کہ میں نماز کے معاملہ میں جھوٹ نہ بولوں گا میں نے نہیں پڑھی۔ صبح کی نماز کے لیے اکثر زید ان سب صاحبوں کو جگایا کرتا بعض آتے اور بعض ہوشیار ہو کر اطمینان دلا کر پھر سو جاتے ان میں سے ایک شخص ایک یا دو مرتبہ پاخانے گیا فارغ ہو کر پھر سو رہا ایسا چند بار کا زید کا علینی مشاہدہ ہے ایک شہادت زید کو ملی کہ ہوا خوری کو وقت مغرب اُن صاحبوں کا پورا مجمع جنگل میں گیا، یہ شاہد بھی ساتھ تھا، شاہد کے سوا سب نے ہنسی مذاق میں نماز کھو دی ان کی متعدد مرتبہ ایسی حرکات دیکھ کر سمجھایا کہ تم لوگ اپنے وطن عزیز و اقربا کو چھوڑ کر بادی بننے کو آئے ہو ہرگز وہ شخص بادی نہیں ہو سکتا جس کے دل میں عشق رسالت نہ ہو اور نماز سب سے زیادہ حضور کو محبوب۔ نماز پڑھو یہ تمہارے ساتھ ہر جگہ بھلائی کرے گی۔ جب اس پر بھی کاربند نہ ہوئے تو زید نے اُن سے اُنھوں نے زید سے ترک کلام کر دیا پھر ایک مرتبہ زید نے کہا کہ من ترك الصلٰوۃ متعمدا فقد کفر[1] کے تم مرتکب ہو اور یہ تین سو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے تم نماز کی توہین کرتے ہو اللہ تمہاری نماز جنازہ نہ ہونے دے میرے عقیدہ میں بالارادہ ترک کرنے والا کافر ہے اس پر زید

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر، حدیث ۸۰۸۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۶/۱۰۲

کی نسبت کیا حکم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب کریم تارک صلاۃ کی تکفیر میں سکوت ہے یا تارک صلاۃ اپنے دامنِ رحمت میں لے کر کفر سے بچاتے ہیں۔ جب زید پر اعتراض ہو کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تارکِ صلاۃ کافر نہیں تم امام برحق پر فتویٰ لگاؤ۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے باپ کا یہ حکم نہیں، نہ اس سے میری مراد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکار سے علیحدہ چلنا تھا بلکہ زجراً کہا تو اس کہنے والے پر کیا حکم ہوگا؟ اور اگر کوئی حنفی بعد امام برحق کا حکم تارکِ صلاۃ پر تکفیر کا نہ ہو یہ عقیدہ رکھے کہ تارکِ صلاۃ عمداً کافر ہے اور اس عقیدہ کو ظنی جانے تو اُس پر کیا حکم ہے۔ جنھوں نے زید کے اس قول پر یوں تعریضاً ایک دوسرے صاحب سے کہا لیجیے اب تو کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں مسلمانوں کو کافر کہا جاتا ہے ایسوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہہ صدہا صحابۂ کرام و تابعین عظام و مجتہدین اعلام و ائمۂ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارکِ صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد:

واقیموا الصلوٰة ولا تکونوا من المشرکین[1] نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔ (م)

زمانۂ سلف صالح خصوصاً صدرِ اول کے مناسب یہی حکم تھا اُس زمانہ میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامتِ کفر ہے۔ جب وہ زمانۂ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلافِ تحقیق و نامنصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذ اللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی ہے اور اکابر صحابہ و ائمہ کے موافق ہے۔

اور معترضین کا کہنا کہ تم امام برحق پر فتویٰ لگاؤ، محض جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔ کیا صدہا صحابہ و ائمہ کا وہ فتویٰ معاذ اللہ حضرات امام پر لگتا ہے۔ عمداً تارکِ صلاۃ پر لگتا ہے نہ کہ اُسے کافر نہ جاننے پر۔

معترضین اگر خوفِ خدا کرتے تو انہیں اس کی شکایت نہ ہوتی کہ کفر کے فتوے لگنے لگے بلکہ اس کا خوف ہوتا کہ صدہا صحابہ و ائمہ اُن کے کفر پر فتوے دے رہے ہیں۔ کیا محال ہے کہ عند اللہ اُنہی کا فتویٰ حق ہو، مسائل اختلافیہ ائمہ میں حق دائر ہوتا ہے کسی کو یقیناً خطا پر نہیں کہہ سکتے۔

---

[1] القرآن سورہ الروم ۳۰ آیت ۳۱

غرض معترضین پر فرض ہے کہ توبہ کریں نماز کے پابند ہوں فتوائے صدہا صحابہ وائمہ سے ڈریں اور آج اگر وہ نقد وقت نہ ہو تو سوء خاتمہ سے خوف کریں۔ زید نے اگر یہ الفاظ زجراً کہے حرج نہیں، محل زجر میں ایسا استعمال ہر قرن وطبقہ کے ائمہ وعلماء بلکہ خود سرکار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ سے بکثرت ثابت ہے اور اگر اعتقادِ تکفیر رکھتا ہے تو اس سے باز آئے قولِ صحیح امام اعظم اختیار کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۶۸) از انجمن اسلامیہ قصبہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

یہاں ایک مولوی صاحب آئے اور یہ بیان کیا کہ بے نمازی کے ہمراہ کھانا کھانا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا نیز وہ بیمار ہوجائے تو اس کے گھر جانا بہت بڑا ثواب ہے، بعضے علماء اس سے اجتناب اور اس پر کفر اور قید کا فتویٰ دیتے ہیں محض غلطی پر ہیں۔

الجواب

بے نماز کو ہمارے امام نے کافر نہ کہا مگر بہت صحابۂ کرام وتابعین عظام وائمۂ اعلام نے اس کی تکفیر کی، اور خود صحیح حدیث میں ارشاد:

من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر جهارا[1]۔ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ علانیہ کافر ہوگیا (م)

جو ائمہ اس کی تکفیر کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کی عیادت کو جانا بھی ناجائز ہوگا اس کے جنازہ کی نماز بھی ناجائز ہوگی ہمارے امام کہ تکفیر نہیں فرماتے ان کے نزدیک بھی اسے ضرب شدید وقید مدید کا حکم ہے جس کا اختیار سلطانِ اسلام کو ہے اور کسی کی عیادت کو جانا واجب نہیں، بہ نظر زجر اگر بے نمازی عیادت کو نہ جائیں تو کوئی الزام نہیں۔ ہاں جبکہ ہمارے نزدیک وہ کافر نہیں، فقط فاسق فاجر مرتکب کبائر ہے تو اس کے جنازہ کی نماز ضرور ہے پھر بھی علماء وپیشوایان قوم اگر اوروں کی عبرت کے لیے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور بعض عوام سے پڑھوا دیں تو یہ بھی مستحسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۸۵۸۷ مطبوعہ دار المعرفت، البیروت ۱۰۲/۶
معجم اوسط، حدیث نمبر ۳۳۷۲، مکتبۃ المعارف ریاض۔ ۲۱۱/۴

باب الاوقات

نماز کے وقتوں کا بیان

مسئلہ (۲۶۹) مرسلہ حاجی اللہ یار خان صاحب ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ نفل میں جو نیت کو قبل زوال کے کرنے کو لکھا ہے اور زوال کے وقت جو نماز مکروہ ہے تو اس وقت سے کیا مراد ہے اور بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر رہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ سوال مع جوابِ مولوی گنگوہی صاحب پیش ہوا اس میں تین مسئلے ہیں، دو کا گنگوہی صاحب نے جواب ہی نہ دیا اور ایک کا کہ دیا محض غلط کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا وہ مسائل یہ ہیں،

مسئلہ اولیٰ: باب صیام میں وقت زوال جس تک نیتِ روزہ نفل ہو جانا چاہئے کیا ہے؟

اقول: فی الواقع روزۂ ماہ مبارک و نذر معین و روزہ نفل جبکہ ادا ہو نہ قضا تو مذہب صحیح یہی ہے کہ ان کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے ہو جانی چاہئے جسے ضحوۂ کبریٰ کہتے ہیں اُس کے بعد بلکہ خاص ضحوۂ کبریٰ کے وقت بھی نیت کافی نہیں، درمختار میں ہے:

یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین   رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے اور

والنفل بنیتہ من اللیل الی الضحوۃ الکبری، لابعدھا ولاعندھا، اعتبارا للاکثر الیوم[1]۔

نفلی روزے کی ادا صحیح ہے اگر رات سے ضحوۂ کبرٰی تک نیت کرلی جائے، ضحوۂ کبرٰی کے بعد یا اس کے دوران نیت کرنے سے روزہ نہیں ہوگا کیونکہ دن کے بیشتر حصے کا اعتبار ہے۔(ت)

اور نہار شرعی طلوعِ فجرِ صادق سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے، ردالمحتار میں ہے:

الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب[2]۔ شرعی دن، طلوعِ فجر سے غروب تک ہے۔(ت)

یہ ہمیشہ نہار عرفی سے کہ طلوع مرئی کنارۂ بالائی شمس سے غروب مرئی کل جرم شمس تک ہے بمقدار مدت فجر زیادہ ہوتا ہے یعنی جس جگہ، جس فصل جس مہینے بلکہ جس دن میں طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس بمعنی مذکور تک جتنی مدت ہوگی اُس دن کا نہار شرعی اس کے نہارِ عرفی سے اُسی قدر بڑا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب دو بڑی چھوٹی چیزوں میں صرف ابتدا مختلف اور انتہا متفق ہو تو اکبر کا نصف اصغر کے نصف سے بقدر نصف زیادت کے پہلے ہوگا لہذا ہمیشہ نصف النہار شرعی نصف النہار عرفی حقیقی یعنی نصف النہار دائرہ ہندیہ سے بقدر نصف مقدار فجر کے پیشتر ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

اعلم، ان کل قطر نصف نہارہ قبل زوالہ بنصف حصۃ فجرہ[3]۔ جان لو کہ ہر علاقے کا نصف النہار، بقدر نصف حصہ فجر، زوال سے پہلے ہوتا ہے۔(ت)

پس یہی حساب ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے آج کی فجر دریافت کریں کہ کس مقدار کی ہوئی اُس کی تنصیف میں جتنے منٹ سکنڈ آئے ٹھیک دوپہر یعنی کیلی کا سایہ دھوپ گھڑی میں خط نصف النہار پر منطبق ہونے سے پیشتر اُتنے ہی منٹ سکنڈ لے لیے وہی وقت حقیقی نصف النہار شرعی کا ہوا اُس سے پہلے نیت روزے کی ہوجانی چاہیے اور پُرظاہر کہ نہ نہار عرفی دائماً ایک حالت پر رہے نہ مقدار فجر دواماً یکساں ہو بلکہ دونوں ہر روز گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ افق مستوی میں بھی کہ بوجہ میل[ع] و تزاید و تناقص میل تفاوت طوالع ومطالع ضروری ہے نہ کہ

ع: نصف میل باعثِ اختلاف طوالع یا مطالع ہے اور اس کا تزاید و تناقص باعثِ اختلاف طوالع فی المطالع کما لایخفٰی علٰی ذی درایۃ ۱۲ (جیسا کہ ذی فہم پر مخفی نہیں۔ت) (م)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۴۶

[2] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 ۲/۸۰

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۸۵

آفاق مائلہ نہ کہ ہمارے بلاد جن میں سائل و مجیب کا کلام ہے جن کے مدارات کا دائرہ معدل النہار سے میل میل کلی پر بھی کئی درجے افزوں ہے کہ کما بیش عرض کح رکھتے ہیں بریلی جس کا عرض کح کح ہے یہاں نہار نجومی کہ افق حقیقی پر جانب انطباق مرکزِ شمس سے جانب غرب انطباق تک ہے روز انقلاب صیفی پونے چودہ گھنٹے سے زائد ۱۳ گھنٹے ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے اور روز انقلاب شتوی سوا دس ساعت سے بھی کم ۱۰ گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہوتا ہے اور مقدار فجر یعنی طلوعِ فجر سے طلوعِ نجومی شمس تک اواخر جوزا و اوائل سرطان میں پونے دو گھنٹے کے قریب یعنی تقریباً ایک گھنٹہ ۳۹ منٹ اور نزدیکی اعتدالین میں سوا گھنٹے سے کچھ زائد یعنی تخمیناً ایک گھنٹا ۲۲ منٹ تو نہار شرعی ہمیشہ ایک مقدار پر کیونکر رہ سکتا ہے نہ نہار اس کا تفاوت ایسا قلیل ہے جسے بے مقدار و ناقابلِ اعتبار سمجھ کر ہمیشہ کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیجئے بلکہ اس کی کمی بیشی سوا پہر کامل تک پہنچتی ہے انقلاب اول میں تخمیناً یہ ۵ل یعنی ساڑھے پندرہ گھنٹے کا نہار شرعی ہوتا ہے کہ پانچ پہر سے بھی زائد ہوا کجا ساڑھے چار پہر اور انقلاب ثانی میں تقریباً ما ۵ ہ یعنی پونے بارہ گھنٹے کا کہ چار پہر سے بھی کم ہوا کہاں ساڑھے چار پہر پونے بارہ اور ساڑھے پندرہ کا تفاوت وہی سوا پہر کامل ہوا یا نہیں پھر ایسی شدید التفاوت چیز میں ایک مقدار کا تخمینہ کر دینا کس قدر غلط و باعثِ مغالطۂ مسلمین ہوگا مثلاً جب عوام نے یہ اندازہ جان لیا کہ ساڑھے چار پہر کا نہار شرعی ہوتا ہے اس کے اکثر حصے میں نیت ہو جانی چاہئے یعنی غروبِ آفتاب تک اس کے نصف سے زیادہ باقی ہو اور اس کا نصف سوا دو پہر یعنی پونے سات گھنٹے تو اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ اگر شام تک ۶۳ گھنٹے سے کچھ بھی زیادہ وقت باقی ہے جب تو روزے کی نیت صحیح ہو جائے گی اور ۶۳ یا اس سے کم ہیں تو ہرگز صحیح نہ ہو گی اب ملاحظہ کیجئے جب آفتاب تحویل سرطان پر آیا اور ۷ بجے ڈوبا یعنی وقتِ حقیقی سے تقریباً ڈیڑھ منٹ سات پر تو حقیقی بارہ بجے کے چند منٹ بعد بھی یہ بات صادق ہے کہ شام تک ۶ گھنٹے ۴۵ منٹ سے زیادہ وقت ہے تو لازم کہ اُس دن دوپہر ڈھلے پر بھی نیت روزہ ہو جائے حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے بلکہ اُس دن حقیقی سوا گیارہ بجے سے چند منٹ پہلے بھی نیت جائز نہیں کہ ۱۱ بج کر ۱۱ منٹ پر نصف النہار شرعی ہو چکا اور جب آفتاب تحویل جدی پر آیا اور سوا پانچ سے کچھ کم یعنی وقتِ حقیقی سے تقریباً ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر ڈوبا تو لازم کہ اُس دن ساڑھے دس بجے بھی نیت جائز نہ ہو کہ اب شام تک ۶۳ گھنٹے باقی نہیں حالانکہ اُس دن ۱۱ کے بعد یعنی حقیقی وقت سے ۱۱ بج کر ۱۹ منٹ تک بھی نیت جائز ہے کہ نصف النہار شرعی اب ہوگا پس ثابت ہُوا کہ ۴ پہر کا تخمینہ محض غلط و باعثِ تغلیط اور بنائے کار اُسی حساب پر واجب جو ہم بیان کر آئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

رہا لفظ زوال کہ عبارت امام اجل ابو الحسن قدوری رحمہ اللہ تعالٰی میں واقع عند التحقیق اُس سے دوپہر ڈھلے ہی کا وقت مراد ہے اس روایت پر نصف النہار عرفی تک اِن روزوں کی نیت جائز ہے مگر مختار و معتمد وہی روایت سابقہ ہے کہ نصف النہار شرعی سے پہلے نیت ہو جانی ضرور ہے ہدایہ و وقایہ و شرح وقایہ و عنایہ و

جواہر الاخلاطی وشرح نقایہ برجندی وشرح علامہ اسمٰعیل ومتن نور الایضاح میں اسی کو اصح کہا اور شرح جامع صغیر للامام السرخسی وکافی شرح وافی وشرح کنز للزیلعی ومتن اصلاح میں اسی کو صحیح بتایا اور نقایہ وکنز وملتقی وتنویر و درر واشباہ وغیرہا عامہ معتمدات میں اسی پر جزم کیا اور یہی من حیث الدلیل اقوٰی تو اسی پر عمل وفتوٰی اس سوال کا جواب اسی قدر ہے باقی اُس روایت کو غلط کہنا ائمہ کے ساتھ گنگوہی صاحب کا سوءادب ہے کہ قدوری ومجمع و فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی خلاصہ وشرح طحاوی وخزانۃ المفتین وغیرہا معتبرات میں کہ اجلہ متون وشروح وفتاوٰے مذہب سے ہیں اُسی پر جزم واعتماد کیا۔

اما المجمع فنقل عنہ فی ردالمحتار واما شرح الطحاوی فرمزلہ فی خزانۃ المفتین، واما الاربعۃ البواقی فرأیت فیہا بعینی۔

مجمع سے ردالمحتار نے نقل کیا ہے، شرح طحاوی کی طرف خزانۃ المفتین میں اشارہ کیا گیا ہے اور باقی چاروں میں، مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (ت)

بلکہ خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الصوم میں وہی قول زوال ارشاد کیا،

کما نص علیہ الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح الجامع الصغیر، ورأیت النقل عنہ فی الایضاح شرح الاصلاح للعلامۃ ابن کمال الوزیر۔

جیساکہ شمس الائمہ سرخسی نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے اور علامہ ابن کمال وزیر کی ایضاح شرح اصلاح میں، مَیں نے اس کی نقل دیکھی ہے۔ (ت)

تو ایسی جگہ ارسال زبان نازیبا وزیان اور زوال سے زوال نہار شرعی مراد لے کر قصد توفیق بھی خلاف تحقیق کہ عامہ ائمہ یہاں القائے خلاف کرتے ہیں اور خود ایک جانب کو اصح وصحیح کہنے کا یہی مفاد عبارت ہدایہ یُوں ہے:

قال فی المختصر (یعنی القدوری) مابینہ وبین الزوال، وفی الجامع الصغیر قبل نصف النہار وھو الاصح [1] الخ۔

کہا مختصر میں (یعنی قدوری میں) "اس کے اور زوال کے درمیان"۔ اور جامع صغیر میں ہے "نصف النہار سے پہلے"۔ اور یہ اصح ہے الخ (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

فی الجامع الصغیر بنیۃ قبل نصف النہار ای قبل نصف النہار الشرعی، وفی مختصر

جامع الصغیر میں ہے "اگر نصف نہار سے پہلے نیت کرے" یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے، اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الصوم مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۲

القدوری الی الزوال، والاول اصح[1]

مختصر قدوری میں ہے کہ زوال تک صحیح ہے، لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ (ت)

کافی للامام النسفی میں ہے:

ذکر فی المختصر، وبینه وبین الزوال، و فی الجامع الصغیر، قبل نصف النهار، وھو الصحیح[2]

مختصر میں مذکور ہے "اس کے اور زوال کے درمیان" اور جامع صغیر میں ہے "نصف نہار سے پہلے" اور یہ صحیح ہے الخ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال فی المختصر (یعنی الکنز) الی ما قبل نصف النهار، وھو المذکور فی الجامع الصغیر، و ذکر القدوری ما بینه وبین الزوال، و الصحیح الاول[3]

کما مختصر میں (یعنی کنز میں) "نصف نہار سے پہلے تک"۔ یہی جامع صغیر میں بھی مذکور ہے۔ اور قدوری نے کہا ہے "اس کے اور زوال کے درمیان" اور صحیح پہلا قول ہے۔ (ت)

برجندی میں ہے:

اشار القدوری انه تجوز النية فیما بین الصبح والزوال، و فی الهدایة الاول[4]

قدوری نے اشارہ کیا ہے کہ نیت صبح اور زوال کے درمیان صحیح ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ پہلا قول اصح ہے (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

اجزائه النية ما بينه وبين الزوال اوقبل انتصاف النهار، وھو الاصح[5]۔

اس کے لیے نیت کافی ہے، اگر صبح اور زوال کے درمیان کرے، یا نصف نہار سے پہلے، اور یہ اصح ہے (ت)

اور نص قاطع وہ ہے کہ تاتارخانیہ میں محیط سے نقل فرمایا:

یظهر ثمرة الاختلاف فیما اذا نوی عند

اختلاف کا نتیجہ تب ظاہر ہوگا جب زوال کے قریب

---

[1] شرح الوقایۃ کتاب الصوم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰۶
[2] کافی شرح وافی
[3] تبیین الحقائق، کتاب الصوم المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/۳۱۵
[4] شرح النقایہ للبرجندی 〃 نولکشور لکھنؤ 〃 ۱/۲۱۱
[5] جواہر الاخلاطی 〃 قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۱/۴۸

قرب الزوال اھ۔[1] نیت کرے اھ(ت)

اقول بلکہ بعد اس عنایت کے بھی توفیق نہ ہُوئی[عـه۱] کہ عین وقت انتصاف پر بھی مابینہ وبین الزوال وقبل الزوال وقرب الزوال صادق حالانکہ مذہب صحیح پر خاص وقت ضحوۂ کبرٰی بھی نیت کافی نہیں کما قدمنا عن الدر وغیرہ (جس طرح ہم نے در وغیرہ سے پہلے نقل کیا ہے) پھر اس تکلیف بے حاصل سے کیا حاصل۔ غرض نہ تغلیط مقبول نہ توفیق معقول بلکہ جواب وہی ہے جو فقیر نے ذکر کیا وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ۲ ثانیہ: وقت زوال جس میں نماز ممنوع کیا وقت ہے۔

اقول گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب نہ دیا پیشتر بھی فقیر سے یہ سوال ہوا تھا بقدر ضرورت جواب لکھا گیا یہاں اس کی نقل پر اقتصار ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوال کا وقت جس میں نماز ناجائز ہے کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زوال تو سُورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وقت وہ ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا کما صرح بہ فی البحر[2] عن الحلیۃ (جیسا کہ بحرالرائق میں حلیہ سے اسکی تصریح کی گئی ہے) تو وقت ممانعت کو زوال کہنا صریح مسامحت ہے اور غایت تاویل مجاز مجاورت بلکہ اسے وقت استوا کہنا چاہئے یعنی نصف النہار کا وقت، اب علما کو اختلاف ہے کہ اس سے نہار عرفی کا نصف حقیقی[عـه۲] مراد ہے یعنی دوپہر جس وقت مرکز آفتاب بالائے افق دائرۂ نصف النہار پر

[عـه۱] نعم لواول بالمنتصف کان توفیقا وان لم یکن تحقیقا ۱۲ منہ (م) ہاں اگر (اس قول کی) تاویل نصف النہار کے ساتھ کردی جاتی تو ان میں تطبیق ہوجاتی اگرچہ اس میں بھی تسامح ہے۔ (ت)

[عـه۲] احتراز ہے نصف النہار عرفی سے کہ ۱۲ بجے کے وقت کو کہتے ہیں، یہ سال میں چار دن یعنی ۱۵ اپریل، ۱۴ جون، ۳۱ اگست، ۲۴ دسمبر کے سوا ہمیشہ نصف النہار حقیقی سے آگے پیچھے ہوتا ہے جس کا تقدم تاخر تقریباً پاؤ گھنٹے تک پہنچتا ہے یعنی زیادت میں تقریباً ۱۴ منٹ اور کمی میں ۱۶، پھر یہ بھی اُس وقت ہے کہ گھڑیاں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الفتاوی التاتارخانیۃ الفصل الثالث فی النیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۵۷

[2] البحرالرائق کتاب الصوم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی دہلی ۱/ ۲۵۱

پہنچا اور سایہ اپنی مقدارِ اصلی پر آکر اس کے بعد جانبِ مشرق پلٹتا اور گھٹنے کی انتہا ہوکر پھر بڑھنا شروع ہوجاتا ہے یہ قول ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب یا نہارِ شرعی کا نصف مراد ہے جسے ضحوۂ کبریٰ کہتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہارِ عرفی طلوعِ کنارۂ شمس سے غروبِ کل قرصِ شمس تک ہے۔

والمراد بالطلوع المبتنی علیہ احکام الشرع، تجاوز اول حاجب الشمس فی جھۃ الشرق عن دائرۃ الافق الحسی بالمعنی الاعم، المسمّٰی فی کلام البعض بالافق الترسی، بحرکۃ الکل، و بالغروب تجاوز کل قرصھا فی جھۃ الغرب عن الدائرۃ المذکورۃ بالحرکۃ المزبورۃ، فوضح امتیاز النھار العرفی عن النھار النجومی، فانہ من انطباق مرکز الشمس علی دائرۃ الافق الحقیقی من قبل المشرق، الی انطباقہ علیھا فی جھۃ المغرب، فان اتحد الافقان یکون العرفی اکبر من النجومی، بقدر ما یطلع نصف کرۃ الشمس و یغرب النصف، وان انحط الترسی من الحقیقی، وھو الاکثر،

جس طلوع پر شرعی احکام مبنی ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ شرقی جانب جو دائرۂ افقِ حسی ہے ـــــ اُفقِ حسی کا عام معنی مراد ہے جس کو بعض نے اُفقِ ترسی کا نام دیا ہے ـــــ اس دائرے سے، پورے سورج کی حرکت کے ساتھ، سورج کا پہلا کنارہ گزر جائے۔ اور غروب سے مراد یہ ہے کہ سورج کی پوری ٹکیہ، اسی دائرے سے، اسی حرکت کے ساتھ، غربی جانب سے گزر جائے۔ اس سے نہارِ عرفی اور نہارِ نجومی کا امتیاز بھی واضح ہوگیا، کیونکہ نہارِ نجومی شروع اس وقت ہوتی ہے جب شرقی جانب سورج کا مرکز، افقِ حقیقی کے دائرے پر منطبق ہوجائے، اور ختم اس وقت ہوتی ہے جب غربی جانب سورج کا مرکز افقِ حقیقی کے دائرے پر منطبق ہوجائے۔ اب اگر دونوں افق (حقیقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اصل تعدیل الایام بلدی پر جاری کی جائیں اور اگر دوسرے مقام کے وقت پر اجرا ہو جیسے ہندوستان میں وقت مدراس کو اختلاف طول سے یہ دن متبدل ہوجائیں گے، مثلاً بریلی جس کا وقت مدراس سے ۳ منٹ ۱۹ سکنڈ زائد ہے یہاں تقریبی مساوات یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے پر ٹھیک دوپہر ہونا ان چار تاریخوں پر ہوگا ۴ و ۲۵ مئی و ۱۱ ستمبر و ۱۰ دسمبر ۱۲ منہ ـــــ یہ بھی اس وقت تک تھا اب کہ جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراس ٹائم منسوخ اور وسط ہند کے وقت پر گھڑیاں جاری کی گئی ہیں یعنی جہاں طول ۸۲ درجے ہے جس کے ۵ گھنٹے ہوئے، اس اختلاف نے بریلی میں صرف دو ہی دن مساوات کے رکھے ۱۰ اکتوبر اور ۲۰ نومبر، اور کمی کی مقدار یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے سے نصف النہار حقیقی کا پہلے ہونا صرف ۴ منٹ رہ گئی، اور زیادت یعنی جیبی کے ۱۲ بجے سے ٹھیک دوپہر بعد کو ہونا ۲۶ منٹ تک پہنچ گئی ۱۲ منہ (م)

لاسیما من جهة دقائق الانکسار الافق، فزیادة العرفی ازید۔ نعم، ان وقع فوقه بقدر نصف قطر الشمس مع دقائق الانکسار لیستوی النہاران، او ازید من ذلك فیفضل النجومی، کما لایخفی۔ وھذہ فائدۃ سنحت للقلم حین التحریر فاحببنا ایرادھا۔

اور ترسی) متحد ہوں تو نہار عرفی، نہار نجومی سے اتنی بڑی ہوگی جتنی دیر میں سورج کا آدھا کُرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے۔ اور اگر ترسی، حقیقی سے نیچے ہو، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ــــ خصوصاً جب افقی انکسار کے دقیقوں کو ملحوظ رکھا جائے ــــ تو نہار عرفی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہاں، اگر ترسی، حقیقی سے، سورج کے نصف قطر جتنا اوپر ہو اور انکسار کے دقیقے بھی ملحوظ ہوں تو نہار عرفی اور نہار نجومی برابر ہو جائیں گی۔ اور اگر سورج کے نصف قطر کی مقدار سے زیادہ اُوپر ہو تو نہار نجومی بڑھ جائے گی، جیسا کہ مخفی نہیں ہے ــــ یہ فائدہ لکھتے وقت قلم کے لیے ظاہر ہوا تو ہم نے اس کو ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اُس کے نصف سے پہلے ہوگا، مثلاً فرض کیجئے آج تحویل حمل کا دن ہے آفتاب بریلی اور اُس کے قریب مواضع میں جیب گھڑی کے ۶ بج کر ۹ منٹ پر چمکا اور ۶ بج کر ۴ امنٹ پر ڈوبا ۴ بج کر ۴۶ منٹ پر صبح ہوئی تو اس دن نہار شرعی ۱۳ گھنٹے ۲۹ منٹ کا ہے جس کا آدھا ۶ گھنٹے ۴۴ منٹ ہوا اسے ۴ گھنٹے ۴۶ منٹ پر بڑھایا تو ۱۱ گھنٹے ۳۰ منٹ کا وقت آیا اور نصف النہار شرعی وقت استوائے حقیقی سے ۴۶ منٹ پیشتر ہوا لاتسع وعشرین کما یتوھم فافھم واعرف انکنت تفھم (نہ کہ انیس منٹ، جیسا کہ وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کو سمجھو اور جانو، اگر سمجھ رکھتے ہو۔ ت) اسی کو ضحوۂ کبرٰی کہتے ہیں اسی وقت کے آنے تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزے کی نیت جائز ہے، اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار عرفی یعنی استوائے حقیقی تک کہ تحویل حمل کے دن ۱۲ بج کر ۱۱ منٹ پر ہوگا، سارا وقت کراہت کا ہے جس میں نماز ناجائز وممنوع اور پُر ظاہر کہ یہ مقدار اختلافِ موسم سے گھٹتی بڑھتی رہے گی یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوٰی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزا فی القہستانی القول بان المراد انتصاف النہار العرفی ای ائمۃ ماوراء النہر وبان المراد انتصاف النہار الشرعی وھو الضحوۃ الکبرٰی الی الزوال الی ائمۃ خوارزم[1]۔

قہستانی میں اس قول کو ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد عُرفی نہار کا نصف ہونا ہے، اور اس قول کو ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد شرعی نہار کا نصف ہوتا ہے یعنی ضحوۂ کبرٰی زوال تک (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مطبوعہ المصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

اُسی میں ہے :

وفی القنیۃ ، واختلف فی وقت الکراھۃ عند الزوال ، فقیل من نصف النھار الی الزوال ، لروایۃ ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ نھی عن الصلاۃ نصف النھار حتی تزول الشمس ، قال رکن الدین الصباغی ، وما احسن ھذا ، لان النھی عن الصلاۃ فیہ یعتمد تصورھا فیہ[1] اھ ما فی الشامی ، وھذا کما تری من الفاظ الافتاء۔

اور قنیہ میں ہے کہ زوال کے قریب مکروہ وقت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ نصف النہار سے زوال تک ہے ، کیونکہ ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے نصف النہار سے زوال تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے ، رکن الدین صباغی نے کہا ہے کہ یہ کتنا ہی اچھا استدلال ہے کیونکہ اس وقت میں نماز سے منع کرنے کی ضرورت تب ہی پڑسکتی ہے جب یہ وقت کم از کم اتنا ضرور ہو کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے ، شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ، یہ افتاء کے الفاظ ہیں۔ (ت)

اقول ویؤیدہ ما فی الشامی عن الطحطاوی عن ابی السعود عن الحموی عن البرجندی عن الملتقط ، فی باب الکسوف ، انھا اذا انکسفت بعد العصر او نصف النھار دعوا ولم یصلوا[2] ، ای لکراھۃ النفل فی الوقتین ، ووجہ التأیید ظاھر لیس بخاف۔

اقول (میں کہتا ہوں) : اسی کا مؤید ہے وہ جو شامی میں ہے ، شامی نے طحطاوی سے ، اس نے ابوالسعود سے ، اس نے حموی سے ، اس نے برجندی سے ، اس نے ملتقط سے باب الکسوف میں نقل کیا ہے کہ اگر سورج گرہن عصر کے بعد یا نصف النہار کے وقت لگے تو لوگ دعا کریں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے ، یعنی اس وجہ سے کہ ان دو وقتوں میں نفل پڑھنا مکروہ ہے ، تائید کی وجہ ظاہر ہے ، مخفی نہیں۔ (ت)

غرض جب علماء میں اختلاف ہے اور ایک امام اجل نے اس قول کو ترجیح دی اور اُس کے خلاف ترجیح منقول نہ ہوئی تو احتیاطاً اسی پر عمل کرنے میں ہے۔

---

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

[2] ردالمحتار باب الکسوف " " " ۱/۶۲۲

حتی یتبین خلافه **اقول** والمسئلة بعد تحتاج الی زیادة تحقیق وتحریر، وللعبد الضعیف ھھنا ابحاث سنوردھا ان شاء اللہ تعالٰی فی غیر ھذا التحریر، واللہ تعالٰی اعلم۔ انتھی ما کتبت فی الجواب۔ واللہ سبحٰنه اعلم بالصواب۔[1]

یہاں تک کہ اس کا خلاف ظاہر ہوجائے **اقول** (میں کہتا ہوں) ابھی مسئلہ مزید تحقیق و تحریر کا محتاج ہے اور عبد ضعیف کی، یہاں کچھ بحثیں ہیں جنہیں عنقریب ہم کسی اور تحریر میں پیش کریں گے، واللہ تعالٰی اعلم، جو کچھ میں نے جواب میں لکھا ہے وہ ختم ہوا۔ واللہ سبحٰنہ اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ ثالثہ(۲۷۱): بڑھے سے بڑھا یہ وقت کس قدر ہے؟

اقول گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب بھی قلم انداز کردیا، اس کا جواب اجمالی یہ ہے کہ ہمارے بلاد میں انتہا درجہ یہ وقت ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے جبکہ آفتاب انقلاب صیفی میں ہوتا ہے یعنی ۲۲ جون کو ٹھیک دوپہر سے اتنے منٹ پیشتر نصف النہار شرعی ہوجاتا ہے اور تحویل حمل و میزان یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کو ۳۹ منٹ پہلے ہوتا ہے نہ اس سے گھٹے نہ اس سے بڑھے باقی ایام میں انھیں کے بیچ بیچ میں دورہ کرتا ہے وتفصیل ذلك یطول جدا (اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ت) اور ٹھیک دوپہر سے یہ مراد کہ جب دائرۂ ہندیہ میں ظل ثانی خط زوال پر پورا منطبق ہو یہی نہار عرفی کا گویا نصف حقیقی ہے اسی کو استوائے حقیقی کہئے اس وقت آفتاب بیچ آسمان میں ہونا سمجھئے احکام شرعیہ میں اسی وقت کا اعتبار ہے نصف النہار شرعی سے اسی وقت تک نماز مکروہ ہے اس کے بعد پھر وقت ممانعت نہیں رہتا اس وقت بارہ بجے فرض کیجئے اور اس سے گھنٹہ بھر پہلے گیارہ وعلٰی ھذا القیاس انگریزی گھنٹوں کے بارہ کا حکم زوال و نصف النہار و شروع وقت ظہر میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ نہایت صحیح ہوں کہ عوام میں ان کا کمال صحت توپ سے مطابقت اور توپ قطع نظر اس سے کہ اکثر غلط چلتی ہے فقیر نے گیارہ منٹ تک کی غلطی اس میں مشاہدہ کی ہے اگر پوری صحیح بھی چلے تو خود اس حساب پر نہیں چلتی، فقیر نے بارہا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے کہ دوپہر کی توپ صحیح چلی ہے اور اس وقت آفتاب مرأی العین میں صاف پلٹ چکا ہے یا ابھی وسط آسمان پر بھی نہ آیا و لہٰذا تحویل حوت کا شمس کہ بحساب دائرۂ ہندیہ مع حصۂ انکسار افقی ہمارے شہر میں ۵ بج کر ۳۹ منٹ پر ڈوبنا چاہئے توپ کے اعتبار سے قریب ۶ بجے کے ۵ بج کر ۵۶ منٹ پر ڈوبتا ہے تحویل قوس کا مہر کہ بحساب مذکور دائرہ ۶ بج کر ۲۴ منٹ پر چمکنا چاہئے توپ کے گھنٹوں پر ۶ سے ۳۱ منٹ

ع۵ اس گویا اور کہیے اور سمجھیے کی وجہ عالم ہیأت پر مخفی نہیں اور یہ بھی وہ جان سکتا ہے کہ یہ وقت وقت استوائے حقیقی تحقیقی کس صورت میں ہوگا ۱۲ منہ (م)

بعد طلوع کر آتا ہے اسی طرح ہر جگہ فرق پائیے گا یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے یہیں سے وہ عقدہ کھل گیا کہ ہم نے مسئلہ ثانیہ کے جواب میں نصف النہار شرعی ۱۱ پر ۳۱ منٹ آ کر لکھا اور پھر اس سے استوائے حقیقی تک ۴۰ منٹ کا فاصلہ رکھا حالانکہ ۱۱ پر ۳۱ کے بعد ۱۲ بجنے تک صرف ۲۹ منٹ کا فصل ہے تو وجہ یہ کہ اُس مسئلہ میں انھیں رواجی مدراسی گھنٹوں کا حساب لیا تھا و لہذا طلوعِ شمس حمل ۶ پر ۷ منٹ آ کر مانا۔ یہ ہے ان مسائل کا اجمالی تخمینی جواب اور تفصیل و تحقیق مفضی تطویل و اطناب۔

وفیما ذکرنا کفایۃ لاولی الالباب وصلی اللہ تعالٰی علی المولی الاواب سیدنا محمد و الاٰل والاصحاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ عقلمندوں کے لیے کافی ہے، اور درود بھیجے اللہ تعالٰی بہت رجوع کرنے والے آقا سیدنا محمد پر اور ان کی آل و اصحاب پر۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ (۲۷۲) از حیدر آباد دکن قریب دروازہ دبیر پورہ مدرسہ محمدیہ مرسلہ مولوی عبد الخالق صاحب اعظم گڈھی
۱۲ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

حضرت مولٰنا العلام والحبر القمقام حامی السنۃ قامع البدعۃ بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج المولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح رائے عالی متعالی ہو کر ان دنوں یہاں کے علما بلکہ چار پانچ علمائے ہند مثل حضرت مولانا مولوی لطف اللہ صاحب علی گڈھی و جناب مولوی محمد منصور علی خاں صاحب مراد آبادی و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب اعظم گڈھی وغیرہم نے مثلین سوی الزوال کا فتوٰی دیا بعدہٗ مولوی عبد الوہاب صاحب بہاری صدر مدرس مدرسہ نظامیہ نے سب علماء کے فتوے کو رد کر دیا اور لکھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی قول مثلین سے رجوع کر کے قول صاحبین کی طرف آگئے ہیں اب التماس ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خادم الطلبہ محمد عبد الخالق

الجواب

مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، قول سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وہی مثلین بعد فئ الزوال ہے اور وہی احوط وہی اصح وہی من حیث الدلیل ارجح اسی پر اجماع و اطباق جملہ متون متین وہی مختار و مرضی جمہور محققین شارحین اُسی پر افتاے اکثر کبرائے ائمہ مفتین امام کا اس سے رجوع فرمانا ثابت نہیں اجماع متون مذہب موضوعہ لنقل المذہب کے حضور بعض حکایات شاذہ خاملہ غیر محفوظہ قابلِ لحاظ کب ہوئیں بلکہ قول یک مثل ہے مرجوع عنہ ہے۔

لما صرح بہ فی البحر والخیریۃ ورد المحتار

کیونکہ بحر، خیریہ اور رد المحتار وغیرہ میں تصریح ہے کہ

وغیرھا ان کل ما خرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ[1]۔ ھذا و لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات[2]۔ وفقنا اللہ تعالٰی لھا و تقبلھا منا بالکرم و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو اس سے رجوع کیا جا چکا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی ایک سمت ہے جس کی جانب وہ منہ کرتا ہے تو نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالٰی ہمیں نیکیوں کی توفیق دے اور اپنے کرم سے انھیں قبول فرمائے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ(۲۷۳) از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب

۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں آج کل آفتاب ۶ ½ بجے طلوع ہوتا ہے اور پونے چھ بجے غروب اور نمازِ عصر پونے چار بجے ادا کی جاتی ہے کہ اُس وقت سایہ سوائے سایہ اصلی کے دو مثل کسی طرح نہیں ہوتا اس صورت میں نماز مذہب مفتی بہ کے موافق ہوئی یا نہیں اور ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہونا چاہیے یا جماعت کا ترک اختیار کیا جائے صرف حکم چاہتا ہوں مجھے دلائل کی ضرورت نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظلِ اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگرچہ بعض کتب فتاوٰی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیض کرکی و درمختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قولِ امام ہی احوط واصح اور از روئے دلیل ارجح ہے، عموماً متون مذہب قولِ امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اُسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایانِ مذہب نے اُسی کی تصحیح کی، امام ملک العلما ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام سرخسی نے محیط میں فرمایا: ھو الصحیح[3] (یہی صحیح ہے)۔ امام اجل قاضیخان نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الدرایۃ اور اشہر من حیث الروایۃ ہو[4] کما

---

[1] ردالمحتار مطلب فی حدیث اختلاف امتی رحمۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰

[2] القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۴۸

[3] البحرالرائق بحوالہ بدائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۲۴۵

[4] فتاوٰی قاضی خان مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۱/۲

نص علیہ فی خطبۃ الخانیۃ (جیسا کہ خانیہ کے خطبہ میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے۔ت) اور وہی قول معتمد ہوتا ہے کما فی الطحطاوی والشامی (جیسا کہ شامی اور طحطاوی میں ہے۔ت) یونہی امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔ امام اجل برہان الدین صاحب ہدایہ نے ہدایہ اور امام اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کی دلیل مرجح رکھی، امام اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ امام صدر الشریعۃ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اعنی مصنفین برہان و فیض و درمختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالتِ شان کو نہیں پہنچتے۔ فتاوٰی غیاثیہ و جواہر اخلاطی میں فرمایا: ھوالمختار (یہی مختار ہے) علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی، امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا، امام محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی، ملتقی الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو کما ذکر فی خطبتہ (جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) اور وہی مختار للفتوٰی ہوتا ہے کما فی شرحہ مجمع الانھر[1] (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے ھوالصحیح وعلیہ جل المشایخ والمتون[2] (یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشایخ و متون مذہب ہیں) طحطاوی علی المراقی میں ہے صححہ جمھور اھل المذھب[3] (جمہور ائمہ مذہب نے اسی کی تصحیح فرمائی) نقایہ میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی شرح المجمع للمصنف میں ہے انہ المذھب واختارہ اصحاب المتون وارتضاہ الشارحون[4] (مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحاب متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی و پسندیدہ رکھا) ینابیع و عالمگیری میں ہے ھوالصحیح[5] (یہی صحیح ہے) جامع الرموز میں اسی کو مفتی بہ بتایا، السراج المنیر میں ہے علی قولہ الفتوٰی[6] (امام ہی کے قول پر فتوٰی ہے) بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں اس مذہب مہذب پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر[7] میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر خطبۃ کتاب مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۹۴

[3] " " " " " " " "

[4] البحرالرائق بحوالہ شرح المجمع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

[5] الفتاوی الہندیۃ الباب الاول فی المواقیت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۱

[6] السراج المنیر

[7] صحیح البخاری باب الاذان للمسافر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۷

تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذانِ ظہر دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا) اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا "گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو۔" مشاہدہ شاہد اور قواعد علم ہیأت گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصاً اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں۔ امام نووی شافعی و امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلاتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کرو یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث امامت جبریل جس کے بھروسے پر برہان و درمختار نے مثل اول اختیار کیا اصلاً حجت نہیں ہوسکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اسرا میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقتِ ظہر کو آکر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان اوقات کے لیے امامت کی تو جو حدیث اُس کے خلاف ہے اُس کے بعد اور اُس کی ناسخ ہے اور قول دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرما رہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کے لیے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور و ماخوذ ہے۔ مجتبٰی میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے کل ذلک فی البحر[1] (یہ سب بحر میں ہے۔ ت) تو بعض نقول خاملہ مرجوحہ کی بنا پر زعم رجوع محض ناموجہ ہے بلکہ قول ایک مثل ہی سے رجوع ثابت ہے کہ وہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے اور جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے کما فی البحر والخیریۃ

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

وغیرھما (جیسا کہ بحر اور خیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) تو یہ مذہب مہذب بوجوہ کثیرہ مذہب صاحبین پر مرجح ہوا۔

اولاً یہی مذہب امام ہے اور مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

ثانیاً اسی پر متون مذہب ہیں اور متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

ثالثاً اسی پر عامہ شروح ہیں اور شروح فتاوٰی پر مقدم۔

رابعاً اجلہ اکابر ائمہ تصحیح وفتوٰی مثل امام قاضی خاں و امام برہان الدین صاحب ہدایہ و امام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحب بدائع وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کی ترجیح وتصحیح فرمائی اور جلالت شان مصححین باعث ترجیح ہے۔

خامساً جمہور مشایخ مذہب نے اس کی تصحیح وترجیح کی اور عمل اسی پر چاہیے جس طرف اکثر مشایخ ہوں۔

سادساً اسی میں احتیاط ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھی تو ایک مذہب جلیل پر فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا پڑھی بے پڑھی برابر رہی اور بعد مثل ثانی پڑھی تو بالاتفاق صحیح وکامل ادا ہوئی۔

سابعاً رہیں حدیثیں بعض صاحبوں نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہب صاحبین میں نص ہیں بخلاف مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم، حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاح احادیث دونوں جانب موجود ہرگز کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ مذہب صاحبین پر کوئی حدیث صحیح صریح سالم عن المعارض ناطق ہے جسے دعوٰی ہو پیش کرے اور بامداد روح پرفتوح حضرت سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ اس فقیر سے جواب لے ان شاء اللہ تعالٰی یا تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد کیا صحیح نہ تھی یا صحیح تھی تو مذہب صاحبین میں صریح نہ تھی یا یہ بھی سہی تو اس کا معارض صحیح موجود ہے اور فقیر ان شاء اللہ تعالٰی ثابت کر دے گا کہ اس تعارض میں احادیث مذہب صاحبین کو منسوخ ماننا ہی مقتضائے اصول ہے اور اگر نہ مانیں تاہم تعارض قائم ہو کر تساقط ہوگا اور پھر وہی مذہب امام رنگ ثبوت پائے گا کہ جب بوجہ تعارض مثل ثانی میں شک واقع ہوا کہ یہ وقت ظہر ہے یا وقت عصر اور اس سے پہلے وقت ظہر بالیقین ثابت تھا تو شک کے سبب خارج نہ ہوگا اور وقت عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہوگا والحمد للہ رب العلمین۔ بالجملہ عند التحقیق مثل ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہوگی بلکہ فرض ذمہ پر باقی رہے گا ورنہ علی التنزل اُس وقت نماز مکروہ ہونے میں تو شک نہیں کہ جب بعض کتب فقہ میں اس وقت نماز ظہر میں کراہت گمان کی صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقت قضا ہو گیا حالانکہ فرض ظہر بالاجماع ساقط ہو جائے گا اگرچہ قضا ہی سہی تو اس وقت نماز عصر لاجرم سخت کراہت رکھے گی کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہوگا اُدھر خلاف صاحبین تھا یہاں خلاف امام وہاں قضا و ادا میں خلاف تھا اور صحت اجماعی ادھر

نفسِ صحت وبطلان ہی میں نزاع ہے جب وہاں کراہت زعم کی گئی تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہیے اور یہ تو بے شمار کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعتِ باطلہ یا کم از کم مکروہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کو کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہو جائے اور تحصیل صحت متفق علیہا و رفع کراہت کے لیے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ (۲۰۴) شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب و وقت مکروہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازِ عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لانہا تعصر (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے) حاکم و دارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی: یا امیر المومنین! نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کے لیے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے)۔ پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراءاھا[1] (ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لیے نیچے اتر گیا تھا)"۔ یعنی دیواریں اُس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں آفتاب ڈھلک گیا تھا بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اُتر چکا تھا گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا، مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اُس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جبکہ غبارِ کثیر یا ابرِ رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ اُفق کے قُرب میں نگاہ کو اُس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قرب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اُس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہ جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق ومغرب دونوں میں یکساں ہے جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے ا ب کرۂ زمین ہے ء موضع

---

[1] سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱
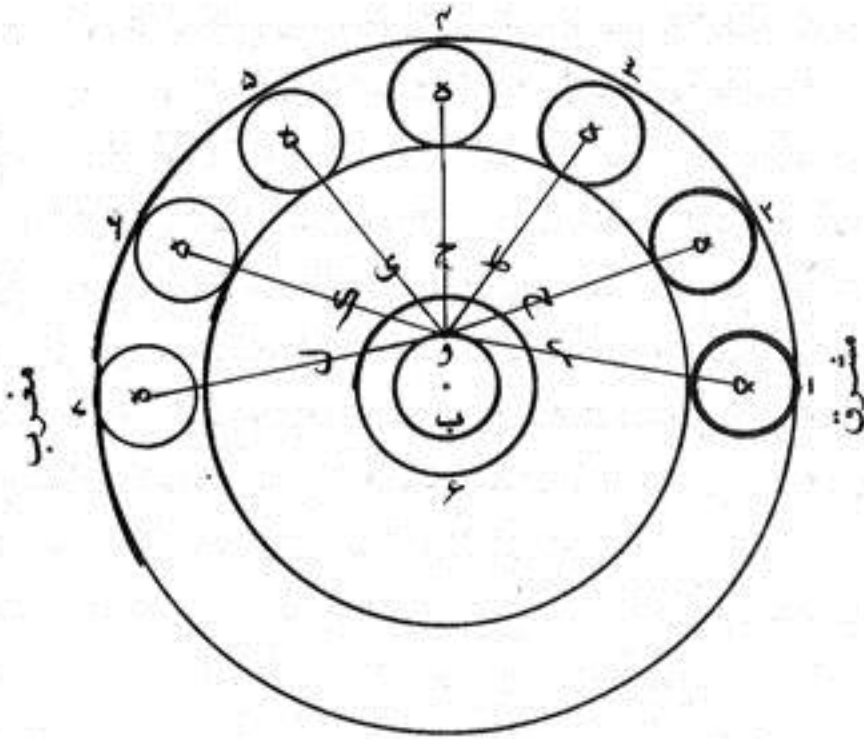
ناظر ہے یعنی سطح زمین
کی وُہ جگہ جہاں دیکھنے
والا شخص کھڑا ہے
ح ء زمین کے سب
طرف کرۂ بخار ہے
جسے عالمِ نسیم و عالمِ
لیل و نہار بھی کہتے
ہیں اور یہ ہر طرف
سطحِ زمین سے ۵۴ میل
یا قولِ اوائل پر ۵۲ میل
اونچا ہے اس کی ہوا
اوپر کی ہوا سے کثیف تر
ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصّہ حاصل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ہ مرکزِ شمس ہے
د ہ ہر طرف وُہ خط ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افقِ شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے
نمبر پر چڑھتا ہوا ساتویں نمبر پر افقِ غربی پر غروب کے پاس پہنچا ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خط د ہ کا حصّہ
د ہ کرۂ بخار میں گزرا اور دوسرے پر د ح تیسرے پر د ط چوتھے پر د ح، اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں د ہ
سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اُونچا ہوتا جاتا ہے د ح د ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں کہ یہاں تک کہ
نصف النہار پر خط د ح سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط د ح
یعنی دوپہر کے وقت کا خط پانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلتا ہے وہ خطوط اسی نسبت
پر بڑے ہوتے جاتے ہیں د ی برابر د ط کے پڑتا ہے اور د ک برابر د ح کے اور د ل برابر د ہ کے ہے
یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی
تیزی پر ہوتا ہے اور اُس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اُس کی شعاع دھیمی ہوتی
ہے یہاں تک کہ شرق و غرب میں ایک حد کے قرب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی مشرق میں جب تک اس حد سے
آفتاب نکل کر اونچا نہ ہو جائے اُس وقت تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے
اندر آجائے اُس وقت سے غروب تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے، تو اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہوگیا اور

یہ بھی کھل گیا کہ مشرق و مغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے نہ یہ کہ مشرق کی طرف، تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ رہے جو تقریباً ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مغرب میں ڈیڑھ دو گھنٹے ہو جائے جو اُس سے کئی نیزے زائد ہے تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہُوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اُس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔ ہاں یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا میلا ہونا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں، جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچا اور بالاجماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے یقیناً آفتاب بہت متغیر ہو جاتا ہے اور بیّن طور پر دھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے تو چاہئے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقتِ کراہت آجائے اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل و محال ہے۔ ابو السعود علی الکنز اور طحطاوی علی الدر میں ہے:

المراد ان یذھب الضوء فلا یحصل للبصر بہ حیرۃ ولا عبرۃ لتغیر الضوء لان تغیر الضوء یحصل بعد الزوال[1]

یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اُس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اس سے خیرگی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو زوال کے بعد ہو جاتا ہے (ت)

بالجملہ سخن تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار و بحرالرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر و عصر وغیرہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو۲ حصّے کریں نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں، جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا اب تعیینِ وقت کے لیے مثل ثانی کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر و عصر کا اندازہ ہو سکے وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویل حمل اور ۲۳ - ۲۴ ستمبر تحویل میزان من ختم مثل ثانی یعنی شروع وقت عصر حنفی سے آفتاب کے غروب شرعی تک ان بلاد میں ایک گھنٹا ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں اور ۲۰ - ۲۱ - اپریل تحویل ثور اور ۲۳ - ۲۴ - اگست تحویل سنبلہ کو ایک گھنٹا ۵۰ منٹ ہوتے ہیں اور ۲۱ - ۲۲ مئی تحویل جوزا اور ۲۳ جولائی تحویل اسد کو ۲ دو گھنٹا ایک منٹ اور ۲۳ جون تحویل سرطان کو ۲ دو گھنٹے ۶ منٹ، اور یہ سال میں سب سے بڑا وقت عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا اور ۲۴ - اکتوبر تحویل عقرب اور ۱۹ فروری تحویل حوت کو ایک گھنٹا ۳۶ منٹ اور ۲۲ - ۲۳ نومبر تحویل قوس سے ۲۲ دسمبر تحویل جدی اور پھر ۲۰ - ۲۱ جنوری تحویل دلو تک ۲ دو مہینے برابر بلکہ اس سے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۱۷۸

بھی کچھ زائد ایک گھنٹا ۲۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقتِ عصر ہے کہ اس سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا، اسی حساب سے جس دن جتنا وقت عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقت مکروہ کے نکال کر باقی کے دو حصے کریں حصہ اول چھوڑ کر حصہ دوم سے وقت مستحب ہے اور حصہ اول میں بھی اصلاً کراہت نہیں، ہاں اتنی تعجیل کہ دو مثل پورے ہونے میں شک ہو ضرور سخت خلاف احتیاط ہے اُس سے بچنا چاہئے کہ اگر وہم و خدشہ ہے تو کراہت ہے اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہوگی ہی نہیں یونہی اتنی تاخیر نہ چاہئے کہ وقت کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے اصلاً کسی قسم کی کراہت کا نام و نشان نہیں، نہ وہ اللہ و رسول کے نزدیک کاہل ہے یہ محض غلط و باطل ہے جب شرع مطہر اُس وقت کو مستحب فرما رہی ہے تو کیا وقت مستحب میں ادا کرنا مکروہ اور فاعل کاہلی کے ساتھ منسوب ہو سکتا ہے یہ نری نادانی ہے پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل کی کہ وقتِ کراہت وسط نماز میں آگیا جب بھی اس پر اعتراض نہیں، نہ کہ وقت کراہت آنے سے پہلے ختم کر دے اور اعتراض ہو، درمختار میں ہے:

لوشرع فیہ قبل التغیر فمدہ الیہ لایکرہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

سورج میں تغیر آنے سے پہلے نماز شروع کی پھر تغیر تک لمبی کر دی تو مکروہ نہیں ہوگی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۵ و ۲۷۶ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) فرض و سنّت ہر دو کا اولٰی وقت کیا ہے؟

(۲) امسال وقت صلاۃ عید الفطر انتہا درجہ کب تک تھا جس نے بعد ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

(۱) سنّت قبلیہ میں اولٰی اول وقت ہے بشرطیکہ فرض و سنّت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافی نماز نہ کرے اور سنّت بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آکر پڑھے تو فصل میں حرج نہیں لیکن اجنبی افعال سے فصل نہ چاہیے یہ فصل سنت قبلیہ و بعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انھیں طریقہ مسنونہ سے خارج کرتا ہے اور فرض فجر و عصر و عشاء میں مطلقاً اور ظہر میں بموسم گرما تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل۔ تاخیر کے یہ معنی کہ وقت غیر مکروہ کے دو حصے کرکے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں کما نص

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

علیہ فی البحرائق وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی وقت اس کے قریب قریب ختم ہوچکا تھا مگر ایسی جگہ علما آسانی پر نظر فرماتے ہیں ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقت عید زوال تک ہے اس تقدیر پر جس نے بارہ بج کر چھ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہوگئی کہ اس دن بارہ بج کر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۷۷) از سندیلہ مرسلہ بعض علما بتوسط مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی۔

دوم ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معاً ہوجاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہوجاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے بر تقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اقول وباللہ التوفیق (اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ ت) افق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہوجاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمسی کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہوجاتا ہے اُس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان وبیان وبرہان سب شاہد عدل ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، لیس الخبر کالمعاینۃ[1] (خبر مشاہدہ کی طرح نہیں۔ ت) جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جاکر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہوا آنکھوں سے مشاہدہ ہوجائے گا الحمدللہ عجائب قرآن منتہی نہیں۔

کما فی حدیث الترمذی عن امیر المؤمنین علی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تنقضی عجائبہ[2]۔

جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں امیر المومنین علی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ (ت)

ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ تولج الیل فی النھار وتولج النھار فی الیل[3] (تُو، رات کو دن

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۵۴۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۳۵۷

[2] جامع الترمذی ماجاء فی فضل القرآن مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۴

[3] القرآن الحکیم ۳/ ۲۷

میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے ۔ ت) کے مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی ،

فان ایلاج شیئ فی شیئ یقتضی وجودھما، لا ان یعدم احدھما فیعقبہ الاٰخر، واللیل والنھار بمعنی الملوین متضادان لا یجتمعان، فلابد من التجوز۔ ومن اقرب وجوھہ ما ذکر العبد، من حمل اللیل علی السواد، فیبقی النھار علی حقیقتہ و یظھر الایلاج من دون کلفۃ، ولا یتجاوز التجوز قدر الحاجۃ۔ و یمکن العکس ایضا، بان یحمل النھار علی الاشعۃ الشمسیۃ واللیل علی حقیقتہ، فیکون اشارۃ الی ظھور نور الشمس فی الافق الشرقی واللیل باق بعد، کما فی الصبح الاول۔ وان ارید اللیل العرفی فاظھر واکمل۔ والی حصول اللیل مع بقاء الضوء الشمسی فی الافق الغربی من الشفقین الاحمر والابیض و ان کان الامام الفخر الرازی رحمہ اللہ تعالٰی لا یرضی ان یجعل تلک الانوار من الشمس حتی الصبح الصادق ایضا، کما اطال الکلام فیہ فی سورۃ الانعام تحت قولہ عزوجل فالق الاصباح[1] ولیس الامر کما ظن، واغتر بقول العلامۃ الزرقانی فظن ان

کیونکہ ایک چیز دوسری میں تبھی داخل کی جاسکتی ہے جب دونوں موجود ہوں نہ کہ ایک ختم ہوجائے اور اس کے بعد دوسری آئے۔ اور لیل ونہار بمعنی رات دن، آپس میں متضاد ہیں، اکٹھے نہیں ہوسکتے، تو مجازی معنی مراد لینا ضروری ہے۔ اور اس کا اقرب طریقہ وہی ہے جو بندے نے بیان کیا ہے کہ لیل سے مراد تاریکی لی جائے اور نہار اپنے حقیقی معنی میں ہو۔ اس طرح داخل کرنے کا مفہوم بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہوجائے گا اور مجاز کی طرف ضرورت سے زیادہ نہیں جانا پڑے گا۔ اور اس کا عکس بھی ممکن ہے، یعنی نہار سے مراد سورج کی شعاعیں لی جائیں اور لیل اپنے حقیقی معنی میں ہو۔ اس صورت میں آیت کے اندر اشارہ ہوگا کہ مشرقی افق میں سورج کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے اور رات ابھی باقی ہوتی ہے جیسا کہ صبح کاذب کے وقت ہوتا ہے۔ اور اگر لیل سے مراد لیل عرفی لی جائے تو یہ مفہوم مزید واضح اور کامل ہوجاتا ہے۔ نیز اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوگا کہ مغربی افق میں شفق احمر اور ابیض کے دوران سورج کی روشنی باقی ہوتی ہے، اس کے باوجود رات ہوجاتی ہے اگرچہ امام فخر الرازی ان روشنیوں کو، حتی کہ صبح صادق کی روشنی کو بھی

---

[1] التفسیر الکبیر زیرِ آیت فالق الاصباح مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریۃ ۱۳/ ۹۵

هذا مذهب منقول، فنسبه لاهل السنة، مع انه لیس الامن توسعات الامام فی البحث والکلام ولم یستدل له الا ببحث عقلی، لا تام ولا جلی۔ ومن البدیهی عند کل احد ان الشفق والصبح اختان، وما امرهما الا واحد۔ وقد اخرج ابی شیبة عن العوام بن حوشب قال، قلت لمجاهد، ما الشفق؟ قال، ان الشفق من الشمس[1]۔ ذکرہ فی الدر المنثور، تحت قوله تعالٰی فلا اقسم بالشفق، بل فی التفسیر الکبیر تحت الکریمة، اتفق العلماء علی انه اسم للاثر الباقی من الشمس فی الافق بعد غروبها[2]۔ اما دلیله العقلی فقد ردہ العبد الضعیف بکلام لطیف ذکرته علی هامشه۔ وباللّٰه التوفیق۔

سورج کی روشنی ماننے پر بھی راضی نہیں ہیں، جیسا کہ سورۂ انعام کی تفسیر میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فالق الاصباح" کے تحت انہوں نے اس موضوع پر لمبی گفتگو کی ہے، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے سمجھا ہے۔ ان کی گفتگو سے علامہ زرقانی کو دھوکہ ہُوا اور انہوں نے رازی کی رائے کو مذہبِ منقول سمجھ کر اہلِ سنّت کی طرف منسوب کردیا حالانکہ یہ ان توسعات میں سے ہے جو امام رازی بحث اور کلام میں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی صرف ایک عقلی بحث کی ہے، جو نہ تام ہے نہ واضح۔ اور یہ تو سب کے لیے بدیہی ہے کہ شفق اور صبح دونوں بہنیں ہیں اور ان کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے عوام ابن حوشب سے تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا: "شفق کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "شفق سورج سے ہے"۔ یہ روایت دُرِمنثور میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فلا اقسم بالشفق" کے تحت مذکور ہے۔ بلکہ تفسیرِ کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ شفق سورج کے اس اثر کو کہتے ہیں جو غروبِ آفتاب کے بعد افق پر باقی رہتا ہے۔ رہی امام رازی کی عقلی دلیل، تو اس کو عبدِ ضعیف نے ایک لطیف کلام کے ساتھ رد کردیا ہے، جو تفسیرِ کبیر کے حاشیے پر مرقوم ہے اور باللہ التوفیق۔ (ت)

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام احمد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اقبل اللیل من ههنا و ادبر النهار من | جب ادھر سے رات آئے اور اُدھر سے دن پیٹھ دکھائے

---

[1] الدر المنثور زیرِ آیۃ فلا اقسم بالشفق مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم، ایران ۵/۳۳۰
[2] التفسیر الکبیر " " " مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریہ مصر ۳۱/۱۰۹

ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم[1] — اور سورج پُورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پُورا ہوچکا ۔ (ت)

لیل سے مراد سیاہی ہے اور نہار سے مقصود ضوء فان الاقبال من ھھنا والادبار من ھھنا انما یکون لھما (کیونکہ تاریکی اور روشنی ہی ادھر سے آتی ہیں اور اُدھر جاتی ہیں ۔ ت) تیسیر میں ہے :

اذا اقبل اللیل ، یعنی ظلمتہ ، وادبر النھار ، ای ضوؤہ[2] — جب کہ رات آئے ، یعنی اس کی تاریکی ، اور دن واپس جائے ، یعنی اس کی روشنی ۔ ت

عالم ماکان وما سیکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں لفظ اُسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب سے واقع ہوتے ہیں ، پہلے سیاہی اُٹھتی ہے اُس وقت تک اگر اُفق صاف اور غبار و بخار سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی بلکہ قلل جبال واعالی اغصان شجر پر عکس ڈالتی ہے پھر جب قرص چھپنے پر آیا تکاثف ابخرہ افقیہ وکثرت بعد عن الابصار وطول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محتجب ہوجاتی ہے مگر ہنوز قدرے قرص بالائے افق مرئی شرعی باقی ہے اس کے بعد آفتاب ڈوبتا اور وقت افطار رونما ہوتا ہے اس صاف و نفیس و بے تکلف معنی پر بحمداللہ تعالٰی انتظام کلام اُسی اعلٰی جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان رفیع بلاغت بے مثل گل افشانیاں و عجائب کلمات علمائے کرام بھی ان نفیس معنی کے ایما سے خالی نہ رہے امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ المصابیح میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں :

ای وقد یقبل اللیل ولا تکون غربت حقیقۃ ، فلابد من حقیقۃ الغروب[3] — یعنی کبھی رات آجاتی ہے اور ابھی حقیقۃً غروب نہیں ہوا ہوتا ، اس لیے حقیقی غروب ضروری ہے (ت)

حفنی علی الجامع الصغیر میں ہے :

قولہ ، وغربت الشمس ، لم یکتف بما قبلہ عن ذلك ، اشارۃ الی انہ قد یوجد اقبال الظلمۃ وادبار الضوء ولم یوجد غروب الشمس[4] — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "اور سورج ڈوب جائے" آپ نے سیاہی کے آنے اور روشنی کے جانے پر اکتفا نہیں کیا اور غروب کی تصریح فرمائی کیونکہ کبھی سیاہی آجاتی ہے اور روشنی چلی جاتی ہے مگر غروب آفتاب نہیں ہوتا ۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء اذا اقبل اللیل مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت ، مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۷۶

[3] مرقات المفاتیح بحوالہ ابن حجر باب من کتاب الصوم فصل اول ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ، ملتان ۴/ ۲۵۲

[4] الحفنی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر زیر حدیث اذا اقبل اللیل الخ مطبوعہ المطبعۃ الازہریۃ مصر ۱/ ۹۷

اور اگر حدیث میں لیل ونہار معنی حقیقی پر رکھئے تو اگرچہ اتنا ضرور ہے کہ مجاز مرسل کی جگہ مجاز عقلی ہوگا۔

لما علمت ان اسناد الاقبال والادبار من ھھنا وھھنا لیس الیھما علی الحقیقۃ۔

کیونکہ تم جان چکے ہو کہ اِدھر سے اُدھر آنے جانے کی نسبت لیل ونہار کی طرف "حقیقۃً" نہیں ہے۔ (ت)

مگر اب تینوں الفاظ کریمہ کے جمع ہونے سے سوال متوجہ ہوگا شک نہیں کہ اس معنی پر امور ثلثہ متلازم ہیں اور ایک کا ذکر باقی سے مغنی،

وھذا ما قالہ الامام النووی فی المنھاج، قال العلماء، کل واحد من ھذہ الثلثۃ یتضمن الاخرین ویلازمھما[1]۔

یہ وہی بات ہے جو امام نووی نے منہاج میں کہی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک، باقی دو کو یا تو متضمن ہوتا ہے یا ان کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ (ت)

اس کی اطیب توجیہ وہ ہے کہ علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں افادہ کی کہ

انما قال وغربت الشمس، مع الاستغناء عنہ لبیان کمال الغروب، کیلا یظن انہ اذا غرب بعض الشمس جاز الافطار[2]۔

آپ نے فرمایا "اور سورج ڈوب جائے" حالانکہ بظاہر اس کی ضرورت نہیں تھی، تاکہ مکمل غروب کا بیان ہوجائے اور کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ سورج کا کچھ حصہ غروب ہونے سے افطار جائز ہوجاتا ہے۔ (ت)

علامہ مناوی وغیرہ نے بھی اُن کی تبعیت کی۔ تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے،

وزاد (وغربت الشمس) مع ان ما قبلہ کاف اشارۃ الی اشتراط تحقق کمال الغروب[3]۔

آپ نے فرمایا "اور سورج ڈوب جائے" فرمایا حالانکہ پہلے الفاظ کافی تھے، اس میں اشارہ ہے کہ کامل غروب کا پایا جانا شرط ہے۔ (ت)

اقول: یہ توجیہ وجیہ صراحۃً ہمارے مدعائے مذکور کی طرف ناظر ہے نظر غائر میں بروجہ جلی اور قلت تدبر میں من طرف خفی یعنی اگرچہ لیل ونہار حقیقی مراد ہونے پر ذکر غروب کی حاجت نہ تھی کہ رات جبھی آئے گی کہ سُورج ڈوب چکے گا مگر سواد وضیا پر اُن کا حمل بعید نہیں خصوصاً جبکہ اقبال من ھھنا وادبار من ھھنا اُس پر قرینہ ظاہرہ ہیں تو اگر اس قدر پر قناعت فرمائی جاتی احتمال تھا کہ مجرد اقبال سواد وادبار ضیا پر وقت افطار سمجھ لیا جاتا حالانکہ اقبال لیل درکنار ہنوز

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم زیر حدیث اذا اقبل اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] شرح الطیبی باب فی مسائل متفرقۃ الفصل اول ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۱۵۱

[3] التیسیر شرح جامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۷۶

بعض قرص غروب کو باقی ہوتا ہے کہ ضیا بھی معدوم ہوجاتی ہے لہذا وغربت الشمس (اور سورج ڈوب جائے۔ت) زائد فرمایا کہ کوئی غروب بعض قرص کو کافی نہ سمجھ لے پُر ظاہر کہ اگر یہ اقبال وادبار اُسی وقت ہوتے جب پُورا قرص ڈوب لیتا تو اس احتمال وظن کا کیا محل تھا ذکر غروب سے استغنا بدستور باقی رہتا اور جواب محض مہمل جاتا تو صاف ثابت ہوا کہ سیاہی اٹھنا اور شعاع چھپنا دونوں غروب شمس سے پہلے ہو لیتے علامہ علی قاری نے بھی اس کلام طیب طیبی کو تحقیق بتایا اور حُسنِ قبول سے تلقی فرمایا،

حیث قال بعد نقله، وقال بعض العلماء، انما ذکر هذین لیبین ان غروبها عن العیون لایکفی لانها قد تغیب ولا تکون غربت حقیقة، فلابد من اقبال اللیل[1] اھ ثم رده بقوله، فیه ان القید الثانی مستغن عنه حینئذ، وانما کان یتم کلامهم لو کان غربت متقدما[2] اھ ای انما کان یحتاج اذ ذاك الی دفع ذلك الوهم بذکر اقبال اللیل، اما اذا ذکر اولا ما هو القاطع للوهم فای حاجة بعده الی ذکر الغروب الموهم؟ ثم قال: فیرجع الحکم الی ما حققه الطیبی[3] اھ فقد رجع الی مایفید تحقیق کلام الامام ابن حجر کما علمت، غیر ان المولی الفاضل رحمه الله تعالٰی شدید الایلاع بالرد علیه فی شرحیه للمشکٰوة والشمائل، حتی فی الواضحات الجلائل، مع انه من تلامذته، رحمة

چنانچہ علی قاری نے طیبی کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے "بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اقبال لیل اور ادبار نہار کا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ واضح کردیں کہ سورج کا آنکھوں سے غروب ہوجانا کافی نہیں ہے، کیونکہ کبھی آنکھوں سے تو غائب ہوجاتا ہے مگر حقیقۃً ڈوبا نہیں ہوتا"۔ پھر علی قاری نے اس کو یہ کہہ کر رَد کیا ہے کہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں دوسری قید (یعنی وغربت الشمس) کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علماء کی یہ بات تو تب تام ہوسکتی تھی جب "غربت" (اقبال وادبار سے) پہلے مذکور ہوتا۔ علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ چونکہ آنکھوں سے غائب ہونا کافی نہیں ہے اس لیے اس توہم کو دُور کرنے کےلیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اقبال لیل کا ذکر کیا ہے مگر جب توہم کو قطع کرنے والی چیز (یعنی اقبال لیل) کا ذکر پہلے ہی ہوچکا تھا، تو پھر اس کے بعد توہم پیدا کرنیوالی

---

[1] مرقات المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۲

[2] " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " "

اللہ تعالیٰ علیہما وعلی سائر العلماء الکرام۔ چیز (یعنی غروب) کو لانے کی کیا ضرورت تھی ؛ پھر علی قاری نے کہا ہے کہ آخر کار بات ادھر ہی لوٹ جاتی ہے جس کی تحقیق طیبی نے کی ہے۔ اس طرح علی قاری اسی فائدے کی طرف لوٹ آئے جو امام ابن حجر کے کلام کی تحقیق سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ لیکن علی قاری مشکوٰۃ اور شمائل کی دونوں شرحوں میں ابن حجر کی ہر بات کی تردید کرنے سے خصوصی شغف رکھتے ہیں، حتی کہ انتہائی واضح باتوں میں بھی (ابن حجر کی تردید کر دیتے ہیں) حالانکہ وہ ابن حجر کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اور تمام علماء کرام پر رحمت نازل فرمائے۔ (ت)

ہاں شہروں باغوں خصوصاً نخلستان وکوہستان کی آبادیوں جنگلوں میں جہاں اُفق نظروں سے دُور ہوتا ہے، غالباً یہ شرق سے اُٹھتی ہوئی تاریکی خوب بلند ہو کر نظر آتی ہے اور یہ وقت خاص غروب کا ہوتا ہے بلکہ بہت جگہ اس سے بھی پہلے غروب ہو چکتا ہے کلمات علماء مثل قول امام ابوزکریا،

قال بعد ما نقلنا سابقا، وانما جمع بینھما لانہ قد یکون فی واد ونحوہ بحیث لا یشاھد غروب الشمس فیعتمد اقبال الظلام و ادبار الضیاء[1]۔

ابوزکریا نے، بعد اس کے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، کہا ہے کہ (اقبال لیل اور غروب کی جمع اس لیے کیا ہے کہ کبھی روزہ دار کسی وادی وغیرہ میں ہوتا ہے جہاں غروب کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا تو تاریکیوں کے آنے اور روشنی کے جانے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے (ت)

وقول امام قاضی عیاض فی شرح صحیح مسلم:

قد لا یتفق مشاھدۃ عین الغروب ویشاھد ھجوم الظلمۃ حتی یتیقن الغروب بذلک، فیحل الافطار[2]۔

کبھی غروب کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن تاریکی چھا جانے کا مشاہدہ ہو جاتا ہے جس سے غروب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، تو اس وقت افطار جائز ہے۔ (ت)

وقول امام عینی فی عمدۃ:

ثم بین ما یعتبرہ من لم یتمکن من رؤیۃ جرم الشمس، وھو اقبال الظلمۃ من المشرق، فانھا لا تقبل منہ

پھر اس چیز کو بیان کیا جس کو وہ آدمی بھی جان لیتا ہے جس کے لیے سورج کی ٹکیہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو، یعنی مشرق کی جانب تاریکی کا آجانا، کیونکہ وہ تب ہی آتی ہے

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم حدیث اقبل اللیل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۳۵۱

[2] شرح صحیح مسلم للامام قاضی عیاض

الا قد سقط القرص[1]۔ — جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوچکی ہوتی ہے۔ (ت)

وقول جامع الرموز:

ای وقت غیبۃ جرم الشمس کلہ اذا ظہر الغروب والا فالی وقت اقبال الظلمۃ من المشرق، کما فی التحفۃ[2]۔ — یعنی افطار اس وقت کرے جب سورج کی پوری ٹکیہ غائب ہوجائے، اگر غروب اس کے لیے ظاہر ہو، ورنہ جب مشرق کی جانب تاریکی آجائے (تو افطار کرلے) جیسا کہ تحفہ میں ہے۔ (ت)

وامثال ذلک کہ صراحۃً انھیں مواضع سے متعلق ہیں جہاں افق ظاہر اور رؤیت متعذر ورنہ ہوا یسے ہی عدم تمکن پر محمول ورنہ جب باجماعِ اُمت اور خود انھیں علماء اور اُن کے امثال کی تصریحات قطعیہ سے مدار حکم غروب جمیع جرم شمس ہے اور اصل اُفق سے ارتفاع سواد بشہادت مشاہدہ قبل غروب حاصل تو مجرد اقبال پر ادارت حکم کیونکر معقول اور حدیث مؤطا:

مالک عن ابن شہاب عن حمید بن عبد الرحمٰن ان عمر بن الخطاب وعثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہما کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصلاۃ، وذلک فی رمضان[3]۔ — مالک، ابن شہاب سے، وہ حمید ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں کہ عمر ابن خطاب اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہما رمضان میں اس وقت مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے جب افطار سے پہلے سیاہ رات کو دیکھ لیتے تھے، پھر نماز کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔ (ت)

تو اُن عبارات سے بھی قریب تر ہے۔ شہر اور شہر کا بھی وسط اور وہ بھی نخلستان اور ملک کوہستان، پھر امامین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا حُسنِ احتیاط خود عبارتِ حدیث سے ظاہر کہ حین ینظران الی اللیل الاسود مجرد ذکر لیل یعنی سواد پر قناعت نہ کی بلکہ تاکیداً صفتِ اسود بڑھائی یعنی جب سیاہ سیاہی گھری ظلمت دیکھ لیتے اُس وقت نماز پڑھتے، حدیث صحیحین اذا رأیتم اللیل قد اقبل من ھھنا فقد افطر الصائم[4] (جب تم رات کو دیکھو کہ ادھر سے آگئی ہے تو روزہ دار افطار کرلے۔ ت) میں اقبال لیل پر اقتصار بعض رواۃ کا اقتصار ہے کہ بکثرت معہود خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں صرف اذا غابت الشمس من ھھنا فقد افطر الصائم[5]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب الصوم فی السفر والافطار مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۱/۴۳

[2] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصلٰوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۱۳

[3] مؤطا الامام مالک ما جاء فی تعجیل الفطر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۲۸

[4] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۱

[5] " " " " " " " " "

(جب اِدھر سے سورج غائب ہوجائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے، تیسری میں اذا غابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم[1] (جب اِدھر سے سورج غائب ہوجائے اور اُدھر سے رات آجائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے کلاھما فی صحیح مسلم وغیرہ (دونوں صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں ہیں۔ت) اور اگر یہ بھی ہوتا تو بعد ارادہ لیل حقیقی اصلاً مفید متوہم نہ رہتی اور علی التنزیل یہ بھی نہ سہی تو انھیں مواضع سے متعلق سمجھی جاتی بالجملہ خلاف پر اصلاً کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جسے صریح مفسر کہئے نہ کہ ایسا جس کے سبب مشاہدات وحسیات کو باطل کر دیجئے کہ اُن کے ابطال میں معاذ اللہ ابطال شرائع ہے تلقی کتاب وروایت معجزات آخر بذریعہ حاسہ سمع وبصر ہی ہوں گے فقیر غفراللہ لہ نے اس مطلب پر برہان ہندسی قائم کی ہے اگرچہ بعد بیان سابق کسی دلیل عقلی کی حاجت نہیں مگر اُس سے زیادت تایید وتشیید کے علاوہ یہ مقدار معلوم ہوگی کہ غروب شمس سے کتنے پہلے سیاہی چمک آئیگی نیز اُس سے مقدار بلندی سیاہی وقت غروب کے حساب میں بھی مدد ملے گی جسے اُس پر اطلاع منظور ہو فقیر کی کتاب "زیج الاوقات للصوم والصلوات" کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۷۸) ازشہر کہنہ مسئولہ خیاط وبابی ۲۹ ربیع الآخر شریف

تنگ وقت نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالٰی ویل فرماتا ہے اور آپ خود تنگ وقت ادا فرماتے ہیں اس کی تفصیل بیان فرمایئے گا۔

الجواب

تنگ وقت نماز ادا کرنے پر قرآن عظیم میں ویل کہیں نہ فرمایا ساھون کے لیے ویل آیا ہے جو وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں حدیث میں اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے بزار وابویعلٰی وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم اور طبرانی اور ابن مردویہ تفسیر اور بیہقی سنن ومحی السنہ بغوی معالم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قول اللہ تعالٰی الذین ھم عن صلوتھم ساھون، قال ھم الذین یؤخرون الصلٰوۃ عن وقتھا[2]

میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے "خرابی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں"۔ فرمایا وہ لوگ جو نماز وقت گزار کر پڑھیں۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الترغیب فی حفظ الصلٰوۃ الخ مطبوعہ دارصادر بیروت ۲/ ۲۱۴

بغوی کی روایت یوں ہے :

عن مصعب بن سعد عن ابیه رضی اللّٰه تعالٰی عنهما انه قال سئل رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عن الذین هم فی صلوتهم ساهون ، قال : اضاعة الوقت[1]۔

مصعب بن سعد سے انکے والد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا : اس سے مراد وقت کھونا ہے ۔

(ت) کھونا ہے ۔ بعینہٖ یہی معنی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس اور ابن ابی حاتم نے مسروق اور عبدالرزاق و ابن المنذر نے بطریق مالک بن دینار امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیے روایت اخیرہ یوں ہے کہ ابو العالیہ نے کہا ساھون وہ لوگ ہیں جنھیں یاد نہ رہے کہ رکعتیں ڈوپڑھیں یا تین ۔ اس پر امام حسن نے فرمایا : ھو الذی یسھو عن میقاتھا حتی تفوت (ہاں وہ وہ ہیں جو اُس کے وقت سے غافل رہیں یہاں تک کہ وقت نکل جائے ۔ م) فقیر کے یہاں بحمداللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابق مذہب حنفی ہوتی ہے ، عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں ، مذہب حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اُس حد تک کہ وقت کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اُس وقت آتا ہے جب قرص آفتاب پر بے تکلف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نماز عصر اُس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقت مستحب ہے مثلاً آج کل تقریباً ساٹ بجے غروب ہے اور قریب پانچ کے عصر کا وقت ہوجاتا ہے تو وقت مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر چالیس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نماز عصر پڑھیں اور عشا میں وقت کراہت آدھی رات کے بعد ہے یہ حالتیں بحمداللہ تعالٰی میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی دارقطنی سنن اور حاکم صحیح مستدرک میں بطریق عباس بن ذریح ، زیاد بن عبداللہ نخعی سے راوی :

قال کنا جلوسا مع علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال ، یا امیر المؤمنین ! فقال ، اجلس ، فجلس ثم عاد فقال له ذلك ، فقال رضی اللّٰه تعالٰی

ہم کوفہ کی جامع مسجد میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے ، مؤذن آیا اور عرض کی یاامیرالمومنین (یعنی نماز عصر کو تشریف لے چلیے) امیرالمومنین نے فرمایا ، بیٹھ ۔ وُہ بیٹھ گیا ۔ پھر دوبارہ حاضر ہُوا اور

---

[1] تفسیر البغوی مع تفسیر الخازن زیرآیۃ الذین ہم عن صلوتہم ساھون مطبوعہ مکتبہ المصطفٰے البابی مصر ۷/۲۹۹

عنه، هذا الكلب يعلمنا السنة، فقام علی فصلی بنا العصر، ثم انصرفنا، فرجعنا الی المكان الذی كنا فيه جلوسا، فجثونا للركب لنزول الشمس للغروب نتراءاها[1]۔

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے

اما ان زیاد الم یروعنه غیر العباس[2]، قاله الدارقطنی، فاقول: عباس ثقة، و غایته جهالة عین، فلا تضر عندنا، لاسیما فی اکابر التابعین۔ قال فی المسلم، لاجرح بان له راویا فقط وهو مجهول العین باصطلاح[3]۔ قال فی الفواتح، وقیل لایقبل عند المحدثین، وهو تحکم[4]۔

وہی عرض کی۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: یہ کتا ہمیں سنّت سکھاتا ہے۔ بعدہٗ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے اس لیے کہ وہ ڈوبنے کو اُتر گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی، جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے، تو میں کہتا ہوں: عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصاً اکابر تابعین میں۔ مسلّم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر "مجہول العین" ہے، فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔ (ت)

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتا رہے ہیں اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرما رہے ہیں اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے نماز صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں:

قال كان علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه يصلی بنا الفجر ونحن

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس

---

[1] سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱

[2] 〃

[3] مسلّم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۴۹

[4] فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت مسئلہ مجہول الحال الخ 〃 〃 〃 ۲/۱۴۹

نترای الشمس مخافۃ ان تکون قد طلعت[1] خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے:

ذکر الامام الدیلمی عن زھیر بن کیسان قال صلیت مع الرصافی العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتی خفت فوات الوقت ثم انطلقت الی مسجد سفین فاذا ھو لم یصل العصر نقلت رحم اللہ ابا حنیفۃ ما اخرھا مثل اخر سفین[2]

یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہُوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفین ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ انھوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفین نے۔

فقیر کے یہاں سوا گھنٹا دن رہے اذانِ عصر ہوتی ہے اور گھنٹا بھر دن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹا دن رہے سے پہلے ہوچکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۹) از ریاست رام پور متصل تالاب کنڈا محلہ میاں نگاناں مکان جناب سید غلام چشتی صاحب مرسلہ جناب مولٰنا مولوی محمد یحیٰی صاحب ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قطع نظر شفق سُرخ وسپید کے باتفاق علمائے حنفیہ بعد غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹے بیس منٹ کے بعد ہمیشہ وقت عشاء کا آجاتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجّروا۔

الجواب

عشائے متفق علیہ کا وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد ہوجانے کا جبروتی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافاً لکھ دیا اور گنگوہ و دیوبند کے جاہل و ناواقف مُلاؤں نے اُس کی تصدیق و توثیق کی۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہان پور، مرادآباد، بجنور، بلندشہر، پیلی بھیت، دہلی، میرٹھ، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ وغیرہا بلاد شمالیہ بلکہ عامہ مواضع و اضلاع ممالک مغربی و شمالی و اودھ و پنجاب و بنگال و وسط ہند و راجپوتانہ غرض معظم آبادی ہندوستان میں محض غلط و باطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاری و عاطل ہے ہمارے بلاد اور اُن کے قریب العرض شہروں میں عشا کا اجماعی وقت غروبِ شرعی شمس کے ایک گھنٹا اُنیس منٹ بعد سے ایک گھنٹا

---

[1] شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۳

[2] مناقب امام اعظم ابوحنیفہ للکردری الفصل الثانی فی اصول بنی علیہا مذہب مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱/۱۵۲

پینتیس[۳۵] منٹ بعد تک ہوتا ہے پھر جس قدر شمال کو جائیے وقت بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اقصائے شمالی ہند میں تحویل سرطان کے آس پاس بعد غروب شمس پونے دو گھنٹے سے بھی زائد ایک گھنٹا اڑتالیس منٹ تک پہنچتا ہے ، دو منٹ کم آدھے گھنٹے کی غلطی ہے کہ شفق احمر و ابیض میں اختلافِ امر بھی اُس کی جھونک نہیں اٹھا سکتا ہم اپنے بلاد میں سب سے جلد آنے والی عشا کہ حوالی اعتدالین یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کے ارد گرد ہوتی ہے اور سب سے دیر میں ہونے والی عشا کہ تحویلِ سرطان ۲۲ جون پر ہوتی ہے حسابِ ہندسی سے پیش کریں جس سے واضح ہو جائے گا کہ اُن بے علم مفتیوں نے شرعِ الٰہی پر جاہلانہ حکم لگا دینے میں کس قدر جرأت کی **تحویل حمل** غروب نجومی و ت یا انکسار افقی تقریباً قہ تعدیل الایام زائد نج فرق طول شرقی مدراس کح مجموع و ت یہ یعنی ۲۱ مارچ کو یہاں غروب شمس تقریباً سوا چھ بجے ہے **العشاء** (جیب غایۃ الانخفاض سح لرشل تمام العرض لعدم المیل = نتح مر کح نح) = (جیب انخفاض الوقت نح = کح لب ارم) = لد مد مو یح ÷ (جیب اوسط = جیب تمام العرض لعدم المیل = نقہ مر مد منحطا) = کح نہ لب سہم قوسہ سطح الو یح فضل الدائر × ر = تح لر مہ تمام الی س رت الف نہ + (تعدیل الایام و فرق طول زائدین = تمام) رت لح مہ یعنی اُس تاریخ سات بج کر ساڑھے سینتیس منٹ پر وقتِ عشا آیا اس میں سے سوا چھ گھنٹے تفریق کیے تو ایک گھنٹا سوا اٹھارہ منٹ رہے **تحویل سرطان** غروب نجومی و ت مدیح انکسار قہ تعدیل الایام و فرق طول زائدین قہ مجموع رت ح یعنی ۲۲ جون کو یہاں غروب شمس سات بج کر تین منٹ پر ہے اور وجہ ادق تمام العرض ... المیل اعظم الحج ار = کح می غایۃ الانحطاط جیبہ آر لر الو نصف قطر قمہ مو + انکسار معدل لب نا = کح لر انحطاط الوقت جیبہ قح مد لہ تفاضل الجیبین لو مح مس نا جیب تمام المیل سو لح = نکہ سم ر × جیب تمام العرض نح مر کح منحط = کح الہ لح لح جیب اوسط پس تفاضل جیبین ÷ جیب اوسط منحط = مد نح ط مہ سہم قوسہ عہ الدلو مہ فضل الدائر × قہ = ۃ الح تمام و ت نح الب + تعدیل الایام آ لب + فصل شرقی کح ما = رت ح ہ یُوں بھی وہی سات پر تین منٹ آئے۔

العشاء آر لر الو - کح لب ارم = کح لب ط مو ÷ قح الہ لح لح = الحہ زسو سہم قوسہ تا نح و فضل الدائر × قہ = کح الرلب تمام کح لب الحہ + الف + قح ما = کح لرما یعنی اُس تاریخ ۸ بج کر ساڑھے سینتیس منٹ پر عشا ہوئی تفریقِ وقت غروب کرنے پر ایک گھنٹے چونتیس منٹ سے قدرے زائد وقت ہُوا بعینہٖ یہی مقداریں وقت صبح کی ہیں ہاں ہمارے بلاد میں صرف بقدر ثلث سال بھر یعنی تقریباً نصف دلو سے نصف حمل اور نصف سنبلہ سے نصف عقرب تک یہ اوقات ایک گھنٹا بیس منٹ کے قریب قریب رہتے ہیں باقی تمام سال میں اُس سے زائد تو دہلی، رامپور، میرٹھ، منظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، سہارن پور میں کہ سب بریلی سے شمال کو ہیں اور باہم ہر پچھلا پہلے سے زیادہ شمالی ہے ہمیشہ ایک گھنٹا بیس منٹ کیونکر معقول ہے اگرچہ مفتیان جاہل و مخطیان غافل اپنی بیخودی سے تصدیقیں کریں شہادتیں دیں اُس کو اپنے بے بصر بے خبر عمائد کا معمول یہ بتائیں وہ بھی نہ فقط عشا بلکہ وقت صبح میں بھی جس کا

حاصل یہ کہ سال کے دو تہائی حصے میں اُن کبراء اذناب سب کے روزے نذر جہل بے حساب اور اُن کی سحری کے ختم بلکہ کبھی شروع سے بھی پہلے جلوۂ صبح صادق بے حجاب۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ (۲۸۰) از اترولی ضلع علی گڈھ مدرسۂ اسلامیہ مرسلۂ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا عصر کا مغرب وعشا و فجر کا کب تک رہتا ہے خصوص مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب

وقت ظہر کا اُس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ سوا سایۂ اصلی کے جو اُس روز ٹھیک دوپہر کو پڑا ہو دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت غروب آفتاب تک یعنی جب سورج کی کوئی کرن بالائے اُفق نہ رہے اور اُس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرص آفتاب پر جمنے لگی وقت کراہت آگیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اُس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس منٹ رہ جاتے ہیں مغرب کا وقت سپیدی ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوباً شمالاً پھیلی ہوتی اور بعد سُرخی غائب ہونے کے تا دیر باقی رہتی ہے جب وہ نہ رہی وقت مغرب گیا اور عشا آئی دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقاً غرباً ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ بعد غروب آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ و آخر ستمبر میں اور زیادہ سے ایک گھنٹا ۳۵ منٹ ہوتا ہے آخر جون میں، اور موسم سرما میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹا چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں، اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہو جائیں، اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے۔ عشا کا وقت طلوع فجر صادق تک ہے اور وقت مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے۔ یہ تمام اوقات درجات شمس و درجات عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں ان کے لیے ایک وقت معین بتانا ممکن نہیں۔ مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا اُس کے لیے وہ قریب تخمینہ کہ ان شہروں میں ہے گزارش ہوا یہی تخمینہ مقدار صبح صادق کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۸۱) از رانی کھیت

ماہ جون و جولائی و اگست میں نماز ظہر کا وقت مستحب کے بجے سے شروع ہوتا ہے اور کے بجے تک رہتا ہے؟

الجواب

بحکم حدیث و فقہ ایام گرما میں تاخیر ظہر مستحب و مسنون ہے اور تاخیر کے یہ معنی کہ وقت کے دو حصے

کیے جائیں نصف اوّل چھوڑکر نصف ثانی میں پڑھیں[1] کما افادہ فی البحرالرائق عن الاسرار وغیرہ (جیسا کہ بحرالرائق میں اسرار وغیرہ سے اس کا افادہ کیا ہے) اور صیف یعنی ایامِ گرما سے مراد زمانِ اشتداد گرمی ہے۔ خلاصہ و بحر وغیرہما میں ہے:

الشتاء مااشتد فیہ البرد علی الدوام، والصیف مایشتد فیہ الحر علی الدوام[2]۔

شتاء اس موسم کو کہتے ہیں جس میں مستقل طور پر شدید سردی رہے اور صیف اس موسم کو کہتے ہیں جس میں ہر وقت سخت گرمی رہے (ت)

اور یہ باختلاف بلاد مختلف ہوتا ہے فلکیوں کی تقسیم کہ تحویلِ حمل سے آخر جوزا تک ربیع، آخرِ سنبلہ تک صیف، آخر قوس تک خریف، آخرِ حوت تک شتا ہے اُن کے بلاد کے موافق ہوگی، ہمارے بلاد میں ہر فصل ایک بُرج پہلے شروع ہوجاتی ہے مثلاً جاڑا تحویلِ جدی یعنی ۲۲ دسمبر سے شروع نہیں ہوتا بلکہ دسمبر کا سارا مہینہ اور اواخر نومبر یقیناً اشتدادِ سرما کا وقت ہے، یونہی درختوں مشاہدہ شہادت دیتا ہے کہ اواخر فروری تحویلِ حوت سے بہار شروع ہوجاتی ہے اور بیشک جون کا پورا مہینہ اور اواخرِ مئی شدّتِ گرما کا وقت ہے تو ہمارے یہاں تقسیم فصول یوں ہے حوت حمل ثور بہار، جوزا سرطان اسد گرمی، سنبلہ میزان عقرب خریف، قوس جدی دلو جاڑا، تو زمانۂ استحباب تاخیرِ ظہر ۲۲ مئی سے ۲۴ اگست تک ہے اوقات نماز کا آغاز و انجام ہر روز بدلتا ہے ایک وقت معین کی تعیین ناممکن ہے لہذا ہم صرف ایام تحویلات ثور تا سنبلہ کا حساب بیان کریں کہ اُس سے ایام مابین کا تقریبی قیاس کرسکیں اور زیادت افادت کے لیے ان ایام کا طلوع و غروب بھی لکھ دیں کہ اگرچہ مئی جون گزر گئے جولائی اگست باقی ہیں صحیح گھڑی سے مقابلہ کرسکتے ہیں اگر دھوپ گھڑی موجود ہو تو جس وقت اس میں کیلی کا سایہ خطِ نصف النہار پر منطبق ہو جیبی گھڑی میں وہ وقت کردیں جو خانۂ شروع وقت ظہر میں ہم نے لکھا ہے یہ گھڑی نہایت کافی وجہ پر صحیح ہوگی ورنہ شام کے چار بجے جو مدراس سے تار آتا ہے جس وقت وہ سولہ[16] کا گھنٹا بتائے گھڑی میں فوراً چار بجائیں ورنہ ریل تار کی گھڑیوں بلکہ توپ کا بھی کچھ اعتبار نہیں میں نے توپ میں گیارہ منٹ تک کی غلطی مشاہدہ کی ہے اور تین چار منٹ کی غلطی تو صدہا بار پائی ہے ہم اس نقشہ میں ریلوے کا وقت دیں گے اور ازانجا کہ یہ تقریب سالہا سال تک کام دے سکنڈوں کی تدقیق نہ کریں گے رانی کھیت کے لیے جس کا عرض شمالی ۲۹ درجے ۳۰ دقیقے اور طول شرقی ۷۹ درجے ۲۰ دقیقے ہے۔

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] " " " " " ۱/ ۲۴۸

اوقات بعض تحویلات کا نقشہ

تاریخ شمسی	تحویل برج	طلوع شمس		شروع وقت ظہر		وقت مستحب ابتدائے فرض ظہر		شروع وقت عصر حنفی		غروب شمس	
		گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
۲۱ر اپریل	ثور	۵	۴۱	۱۲	۱۱	۲	۳۱	۴	۵۱	۶	۴۴
۲۲ر مئی	جوزا	۵	۱۶	۱۲	۰۸	۲	۳۴	۴	۵۹	۷	۱
۲۲ر جون	سرطان	۵	۱۲	۱۲	۰۱۳	۲	۴۰	۵	۷	۷	۱۵
۲۲ر جولائی	اسد	۵	۲۶	۱۲	۰۱۸	۲	۴۴	۵	۹	۷	۱۱
۲۴ر اگست	سنبلہ	۵	۴۴	۱۲	۰۱۴	۲	۳۴	۴	۵۴	۶	۴۵

بعض عوام کو اپنی ناواقفی سے وقت ظہر پانچ بجے تک رہنے کا بھی تعجب ہوتا ہے نہ کہ پانچ سے بھی کچھ منٹ زائد تک لہذا ایامِ خمسہ میں سب سے بڑا وقت کہ ۲۴ جولائی کا آیا ہم اس کی برہان ہندسی ذکر کردیں کہ آج کل بہت مدعیانِ علم بھی فنِ توقیت سے محض ناواقف ہیں انھیں اطمینان ہو کہ بیانات جزافی نہیں تحقیقی ہیں جو نہ جانتا ہو جاننے والوں کا اتباع کرے، اور جو نہ خود جانے نہ جاننے والوں کی مانے اس کا مرض لاعلاج ہے **البرھان**

تحویل مفروض بوقت مطلوب راس الاسد بہت ساعۃ درجۂ سابقہ قے الجہ س × وقت تخمینی رب مطلو = مام لاما ۃ تقویم نصف النہار حقیقی نجہ الطمحہ الطمیلک س یا ۱ + تمام العرض حہ الف + نصف قطریۃ مو = فح مطلو تمامہ طمی مدبعد سمتی حقیقی حاجبی وقت ظہیرہ تحویلش بمرئی طری ہ ذلش طما اما۔ ظل وقت عصر حنفی ع طما اما قوسہ ششہ س بح الف + نصف قطر = شہ الزلط الف بعد سمتی حقیقی مرکزی وقت مطلوب = عرض البلد الط لح۔ میل راس الاسد ک ط لح نر = ق۔ الحہ الوح + بعد سمتی = عہ نوالہ الہ نصفہ لر الحہ س مح جیبہ
۰٫۰۶۰۸۷۹۶ قاطع عرض ۹ر ۶٫ ۱۵۵۶۴ جیبہ مولط نظ اگر مذکور ـ نصف سمتی بعد و ۹ ر ۸ ۷ ر ۸۴۱۵۲۶
قاطع میل ۰٫۰۵۶۰۴۷۲ ر جمیع الاربعہ ۲۲ ۰٫۳۴۵ ر ۹ تقویسش درجدول وقت ۶ر۲۶ ۵ ۳ + فصل طول وسط الہند ۱۲ + تعدیل الایام ۱۶ ۶ = ۶ر۲۳۶ ۸ ۵ یعنی پانچ بج کر آٹھ منٹ ۳۴ سکنڈ پر وقتِ ظہر ختم ہوا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۳،۲۸۲) از شہر سنہری مسجد مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب یکے از طلبائے مدرسہ اہل سنت و جماعت بریلی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد نالہ میں ظہر کی نماز وقت ۲½ پر باجماعت ہوتی ہے اور عصر کی نماز ۴½ پر باجماعت ہوتی ہے یہ وقت نماز کے ایام سرما میں تنگ سمجھے جائیں گے یا کچھ کمی بیشی ان اوقات میں کی جائے۔ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ ظہر ۲ بجے اور عصر ۴ بجے ہونی چاہئے ان دو وقتوں میں اوّل کی پابندی کی جائے یا ثانی کی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں ہر جماعت یعنی ایک ہی وقت کی کئی جماعت کے واسطے تکبیر اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعت اوّل ہی میں اور محلہ کی مسجد میں جماعت ثانی میں تکبیر اور اذان ہونی چاہئے یا نہیں اور بازاری مسجد میں ہر جماعت اولٰی کا ثواب ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر یہ صحیح وقت ہوں تو کسی موسم میں ظہر اور عصر کے لیے تنگ وقت نہیں سب میں جلد وقت مغرب نومبر کے آخر اور دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں ہوتا ہے جب ریلوے وقت سے آفتاب سوا پانچ بجے ڈوبتا ہے اور کراہت کا وقت غروب سے صرف بیس۲۰ منٹ پہلے ہے تو چار بج کر پچپن۵۵ منٹ پر وقتِ کراہت آجائے گا نماز اگر ٹھیک ساڑھے چار بجے شروع ہوتی تو غایت درجہ دس بارہ منٹ میں ختم ہوجائے گی جب بھی وقت کراہت سے تقریباً پاؤ گھنٹے پہلے ہو چکے گی، ہاں اُن دنوں میں پونے پانچ بجے شروع جماعت میں خطرہ ہے کہ اگر جماعت منٹ میں ادا کی اور شروع میں پونے پانچ بجے سے دو۲ تین۳ منٹ بھی دیر ہوگئی تو سلام سے پہلے وقتِ کراہت آجائے گا اتنی تاخیر وہ کرے جسے وقت صحیح معلوم ہوں اور تصحیح ساعات جانتا ہو کہ عصر میں جتنی تاخیر ہو افضل ہے جبکہ وقتِ کراہت سے پہلے پہلے ختم ہوجائے، پھر جو وقت مقرر ہوتا ہے اکثر چند منٹ اس سے تاخیر بھی ہوجاتی ہے اور گھڑی کبھی چند منٹ سُست ہوجاتی ہے ومن رتع حول الحمی اوشك ان یقع فیه (اور جو چراگاہ کے اردگرد چرے، تو ہوسکتا ہے کہ اس میں گھس پڑے۔ ت) لہذا اُن ایام میں عام کو عصر سوا چار بجے مناسب تر ہے اور گھڑی کی تحقیق صحیح ہو تو ایام سرما میں ساڑھے چار بجے شروع نماز میں اصلاً حرج نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے بازار کی مسجد میں کہ اہلِ بازار کے لیے بنی اسی طرح سرا اور اسٹیشن کی مسجد اور مسجد جامع ان سب میں افضل یہی ہے کہ جو گروہ آئے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے وہ سب جماعت اولٰی ہوں گی اور مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ کے لیے اعادۂ اذان منع ہے تکبیر میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۰۴ و ۴۰۵) از موضع سرنیاں ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بعض اشخاص ذی علم اور مولوی سوال کرتے ہیں کہ آپ کے اعلیحضرت مولٰنا مولوی حاجی مفتی قاری صاحب کیوں نمازِ جمعہ وقت کھو کر پڑھتے ہیں وقت قطعی نہیں رہتا ہے اور دیگر نمازیں بھی اخیر وقت پر پڑھتے ہیں، سائل نے اس کے جواب میں یُوں کہا کہ وقت کھونا نہیں ہے بلکہ درمیان وقت جمعہ ادا ہوتا ہے اور کُل نمازیں بھی درمیان وقت میں پڑھتے ہیں کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ طریق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درمیان وقت میں پڑھتے تھے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے روز اوّل وقت اور دوسرے روز اخیر وقت پڑھا اور کہا کہ وقت اِن دونوں نمازوں کے درمیان ہے اس پر وُہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ اکثر ہم لوگ دُور دُور تک سَیر کو گئے ہیں بمبئی، مکہ شریف، مدینہ شریف اور ہندوستان کے کل شہروں میں مولوی اول وقت ادا کرتے ہیں کیا وہ حنفی مذہب نہیں ہیں دیگر دیہات میں مولوی جمعہ کی نماز جائز کرتے ہیں اور اعلیحضرت منع کرتے ہیں حنفی مذہب سے خلاف ہے ہر قسم کے سوال کرتے ہیں خیر ان کا لکھنا مناسب نہ جانا حضور جو کچھ تحریر فرماویں جواب دیا جائے گا۔

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وکذٰلك جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس و الجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا[1]۔

یونہی ہم نے ہر نبی کے دشمن کر دیے آدمیوں اور جن میں کے شیطان کہ اُن میں ایک دوسرے کے دل میں جھُوٹی بات ڈالتا ہے دھوکے کی۔

جب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ یہ برتاؤ رہا تو اُن کے ادنٰی غلام کیوں اپنے آقایانِ کرام کے ترکہ سے محروم رہیں، جائے ہزاراں ہزار شکر ہے کہ ہم سے نالائقوں کو اُن کریموں کے ترکہ سے حصّہ ملے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: واعرض عن الجٰھلین[2] (جاہلوں سے منہ پھیرلو) اور فرماتا ہے جاہلوں کے جواب میں یُوں کہو: لانبتغی الجٰھلین[3] (جاہلوں کے مُنہ لگنا ہم نہیں چاہتے) نہ کہ وُہ حضرات کہ جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی اور مفتری بے حجاب بھی اور معاند تعصب مآب بھی، ایسوں کے لیے یہ مناسب ہے کہ نذرھم فی طغیانھم

---

[1] القرآن سورہ الانعام ۶ آیت ۱۱۲

[2] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۹۹

[3] القرآن سورہ القصص ۲۸ آیت ۵۵

یعمہون[1] اھ(ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں) ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں موجود ہیں مگر متعصب معاند کو علم دینا بے سُود اور کذب وافترا کا علاج مفقود، سائل ان کو ذی علم مولوی کہتا ہے اور جو باتیں اُن کی بیان کیں وُہ تو ایسے جاہلوں کی ہیں جن کو کسی عالم کی صحبت بھی نصیب نہ ہوئی۔ سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بیہودہ باتیں پیش نہ کیا کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۶/۱۱۰

رسالہ

حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ

دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا

مسئلہ (۲۸۶) از بریلی محلہ قراولان یکم رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الصلاۃ علی المؤمنین کتابا موقوتا، وامرھم ان یحافظوا علیہا فیحفظوھا ارکانا وشروطا ووقوتا، مرج البحرین یلتقیان، بینہما برزخ لایبغیان، وافضل الصلوات، واکمل التحیات علی من عین الاوقات وبین العلامات، وحرم علی امتہ اضاعۃ الصلوات، وعلٰی اٰلہ الکرام، وصحبہ العظام، ومجتہدی شرعہ الغر الفخام، لاسیما

الامام الاقدم، والهمام الاعظم، امام الائمة، مالك الازمة، کاشف الغمة، سراج الامة، نائل علم الشرع الحنفی من اوج الثریا، ناشر علم الدین الحنیفی نشرا جلیا، نصر اللہ اتباعہ ورضی اتباعه متبوعا تابعیا، وعلینا معھم، یا ارحم الراحمین، الی یوم الدین۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نماز فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت، ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم واحادیث صحاح سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ یہی مذہب ہے حضرت ناطق بالحق والصواب موافق الرائے بالوحی والکتاب امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم وحضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ وحضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ وحضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق اعاظم صحابہ کرام وخلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز و امام سالم بن عبداللہ بن عمر وامام علقمہ بن قیس وامام اسود بن یزید نخعی وامام حسن بصری وامام ابن سیرین وامام ابراہیم نخعی وامام مکحول شامی وامام جابر بن زید وامام عمرو بن دینار وامام حماد بن ابی سلیمان وامام اجل ابوحنیفہ اجلہ ائمہ تابعین وامام سفیٰن ثوری وامام لیث بن سعد وامام قاضی الشرق والغرب ابویوسف وامام ابوعبداللہ محمد الشیبانی وامام زفر بن الہذیل وامام حسن بن زیاد وامام دار الہجرۃ عالم المدینہ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابر تبع تابعین وامام عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک وامام عیسٰی بن ابان وامام ابوجعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمہ دین کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملاکر پڑھنا دو قسم ہے:

جمع فعلی جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آگیا اب فوراً عصر اول وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہوگیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

للمسافر والمریض تاخیر المغرب للجمع بینھا وبین العشاء فعلاً، کما فی الحلیۃ وغیرھا، ای ان تصلی فی اٰخر وقتھا

مسافر اور مریض مغرب میں تاخیر کرسکتے ہیں تاکہ اس کو اور عشاء کو فعلاً اکٹھا کرلیں، جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں ہے، یعنی مغرب آخری وقت میں پڑھی جائے

والعشاء فی اول وقتہا[1]۔ اورعشاء اوّل وقت میں۔ (ت)

11

اقول تاخیر مغرب کا تو یہ خاص جزئیہ ہے اور اسی طرح تاخیر ظہر کہ عصر سے مل جائے بلکہ یہ بدرجہ اولٰی کہ ظہر میں تو کوئی وقت کراہت نہیں[2] کما صرح بہ فی البحر الرائق وحققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار (جیساکہ بحرالرائق میں تصریح ہے اور ردالمحتار کے حاشیے پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) بخلاف مغرب کہ اُس کی اتنی تاخیر بے عذر مکروہ شدید ہے[3] کما فی البحر والدر وغیرھما، ونطقت بکراھۃ ذلک احادیث (جیساکہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، اور اس کی کراہت پر کئی احادیث ناطق ہیں۔ ت) پھر جزئیہ ظہرین بھی کتاب الحجج میں نظر فقیر سے گزرا اس کتاب جلی الصواب جلی الخطاب رفیع النصاب میں کلام کلام امام ہمام محرر المذہب سیدنا محمد بن الحسن تلمیذ سید الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ اور تالیف امام فقیہ محدث عیسٰی بن ابان تلمیذ امام محمد ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء سواءٌ یؤخر الظھر الٰی اٰخر وقتہا ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتہا فیصلی فی اول وقتہا، وکذلک المغرب والعشاء یؤخر المغرب الٰی اٰخر وقتہا فیصلی قبل ان یغیب الشفق وذلک اٰخر وقتہا، ویصلی العشاء فی اول وقتہا حین یغیب الشفق۔ فھذا الجمع بینھما[4]۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سفر میں دو نمازوں کا جمع کرنا، خواہ ظہر اور عصر ہوں یا مغرب اور عشاء ہوں، یکساں ہے۔ یعنی ظہر کو آخر وقت مؤخر کرکے پڑھے اور عصر میں تعجیل کرکے اس کو اول وقت میں پڑھ لے اسی طرح مغرب اور عشاء میں مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ اس کے آخری وقت میں، یعنی شفق غائب ہونے سے تھوڑا پہلے پڑھے اور عشاء میں جلدی کرکے اس کو اول میں پڑھ لے، یعنی شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی، یہ طریقہ ہے ان کو جمع کرنے کا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی، من اراد

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بارش،

---

[1] رد المحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ المصطفی البابی مصر ۱/۲۷۱
[2] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۹
[3] الدر المختار " " مجتبائی دہلی ۱/۶۱
[4] کتاب الحجۃ باب جمع الصلاۃ فی السفر مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۴

ان یجمع بین الصلاتین بمطر او سفر اوغیرہ، فلیؤخر الاولی منهما حتی تکون فی اٰخر وقتها، ویعجل الثانیة حتی یصلیها فی اول وقتها فیجمع بینهما، فتکون کل واحدة منهما فی وقتها[1] الخ۔

سفر یا کسی اور وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخر کر دے اور دوسری میں جلدی کر کے اول وقت میں ادا کرے اس طرح دونوں کو جمع کرلے، تاہم ہوگی ہر نماز اپنے وقت میں الخ (ت)

اس کلام برکت نظام امام کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم سے ظاہر ہوا کہ جواز جمع صوری صرف مرض و سفر پر مقصور نہیں بضرورت شدت بارش بھی اجازت ہے مثلاً ظہر کے وقت مینہ برستا ہو تو انتظار کرکے آخر وقت حاضر مسجد ہوں جماعت ظہر ادا کریں اور وقت عصر پر تیقن ہوتے ہی جماعت عصر کرلیں کہ شاید شدت مطر بڑھ جائے اور حضور مسجد سے مانع آئے، مطر شدید میں تنہا گھر پڑھ لینے کی بھی اجازت ہے تو اس صورت میں تو دونوں نمازوں کے لیے جماعت ومسجد کی محافظت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

دوسری قسم **جمع وقتی** ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔ **اقول** یعنی بمعنی مصطلح قائلان جمع کہ جو معنی جمع اُن کا مذہب ہے وہ حقیقۃً اسی صورت میں ہے ورنہ جمع اپنے اصل معنے پر دونوں جگہ حقیقی ہے کما لایخفی، اور اسی لحاظ سے جمع فعلی کو صوری کہتے ہیں ورنہ حقیقۃً قرائن میں یہاں بھی جمع صوری ہی ہے اُن میں تداخل محال تو جب ملیں گے صورۃً ملیں گے اور معنیً جدا فافهم فانه نفیس جدا (اس کو سمجھو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے۔ ت) اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دو صورتیں ہیں،

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلاً بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں، اور **جمع تاخیر** کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت و اختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے، یہ دونوں صورتیں بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنان مکۂ منٰی وغیرہما مواضع قریبہ کہ وہ بوجہ نسک ہے نہ بوجہ سفر اور بحالت اضطرار و عدم قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدت مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب مؤخر رہیں گی اور وقت قدرت بحالت عدم سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے غزوۂ خندق میں ظہر وعصر ومغرب وعشا کے وقت پڑھیں ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نماز اخیر

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۵۹

محض باطل و ناکارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئیگا فرض ہوگی نہ پڑھے گی ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا عمداً نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔ یہ تفصیل مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن و حدیث ناطق بلکہ توقیت صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کر دینا بلاشبہہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصداً نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرام قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمداً نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کرلیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت درکنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعاً نہ ہوگی، یُونہی جو ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشا ر نبٹا لے اس کا بھی نہ ہونا واجب، احادیث میں کہ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے جمع منقول اُس میں صراحۃً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل و محتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے جمع تاخیر میں احادیث کثیرہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عند التحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کرکے نظر انصاف کی جائے فوراً حق ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ بھی وجوباً یا امکاناً اُسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں غرض جمع وقتی پر شرع مطہر سے کوئی دلیل واجب القبول اصلاً قائم نہیں بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں اور قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اور اصول شرع کی واضح دلیلیں اُس کی نفی پر حجت مبین، یہ اجمال کلام و دلائل مذہب ہے۔ لہٰذا یہ مختصر کلم چار فصل پر منقسم،

فصل ۱ میں جمع صوری کا اثبات جمیل،

فصل ۲ میں شبہات جمع تقدیم کا ابطال جلیل،

فصل ۳ میں جمع تاخیر کی تضعیف واضح البینات،

فصل ۴ میں دلائل نفی جمع و ہدایت التزام اوقات۔

اس مسئلے میں ہمارے زمانے کے امام لامذہباں مجتہد نامقلداں مخترع طرز نوی مبتدع آزادروی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہداہ اللہ الی الصراط السوی نے کتاب عجب العجاب معیار الحق کے آخر میں اپنی چلتی حد بھر کا کلام مشبع کیا مباحث مسئلہ میں اگلے پچھلے مالکیوں شافعیوں وغیرہم کا اُلٹا پلٹا اُلجھا سُلجھا جیسا کلام حنفیہ کے خلاف جہاں کہیں ملا سب جمع کرلیا اور کھلے خزانے احادیث صحاح کو رَد فرمانے رواۃ صحیحین کو مردود بتانے بخاری و مسلم کی صدہا حدیثوں کو واہیات بتانے محدثی کا بھرم عمل بالحدیث کا دھرم دن دہاڑے دھڑی دھڑی کرکے لٹانے میں رنگ رنگ سے اپنی نئی ابکار افکار کو جلوہ دیا تو بعون قدیر اُس تحریر عدیم التحریر حائز ہر غث و یابس و نقیر و قطمیر کے رد میں تمام مساعی نو و کہن کا جواب اور ملاجی کے ادعائے باطل عمل بالحدیث و لیاقت اجتہاد و علم حدیث کے روئے نہانی سے کشف حجاب

بعض علمائے[عہ۱] عصر و عظمائے وقت غفر اللہ تعالٰی لنا ولہ وشکر فی انتصارنا للحق سعینا وسعیہ نے ملاجی پر تعقبات کثیرہ بسیطہ کیے مگر ان شاء اللہ العزیز الکریم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، یہ افاضات تازہ چیزے دیگر ہوں گے جنھیں دیکھ کر ہر منصف حق پسند بے ساختہ پکار اُٹھے کہ ع

کم ترک الاول للاٰخر

(بہت سی چیزیں پہلوں نے پچھلوں کے لیے چھوڑ دی ہیں۔ ت)

فقیر حقیر غفر لہ المولی القدیر کو اپنی تمام تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر اُن کے ماورا میں بھی جن کا عدد بعونہ تعالٰی اس[عہ۲] وقت تک ایک سو چالیس سے متجاوز ہے ہمیشہ التزام رہا ہے کہ محل خاص نقل و استناد کے سوا محض جمع و تلفیق کلمات سابقین سے کم کام لیا جائے، حتی الوسع بحول و قوت ربانی اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے ع

کہ حلوا چو یکبار خوردند و بس

اگر اقامت دلائل یا ازاحت اقوال مخالف میں وہ امور مذکور بھی ہوتے ہیں کہ اور متکلمین فی المسئلہ ذکر کر گئے تو غالباً وُہ وہی واضحات متبادرہ الی الفہم ہیں کہ ذہن بے اعانت دیگرے اُن کی طرف سبقت کرے۔ اتفاقاً ان میں سابق و لاحق دونوں کا استحقاق یکساں مگر از انجا کہ کلمات متقدمین میں اُن کا ذکر نظر سے گزرا اپنی طرف نسبت نہیں کیا جاتا پھر ان میں بھی بعونہ تعالٰی تلخیص و تہذیب و ترصیف و تقریب و حذف زوائد و زیادت فوائد سے جدت جگہ پائے گی اور کچھ نہ ہو تو ان شاء اللہ تعالٰی طرز بیان ہی احلی و اوقع فی القلب نظر آئے گی اس وقت تو یہ اپنا بیان ہے جس سے بحمد اللہ تعالٰی تحدیث بنعمۃ اللہ عزوجل مقصود والحمد للہ الغفور الودود، اہل حسد جس معنے پر چاہیں محمول کریں مگر ارباب انصاف اگر تصانیف فقیر کو موازنہ فرمائیں گے بعونہ تعالٰی عیان موافق بیان پائیں گے باینہمہ اس اعتراف سے چارہ نہیں کہ الفضل للمتقدم (پہل کرنے والے کو فضیلت حاصل ہوتی ہے) خصوصاً علمائے سلف رضی اللہ تعالٰی عنہا بار اعمہم و حشرنا فی زمرۃ خدامہم کہ جو کچھ ہے انھیں کی خدمت کلمات برکت آیات کا نتیجہ اور اُنھیں کی بارگاہ دولت کا حصہ رسد بٹتا ہوا صدقہ ع

اے بادِ صبا! اینہمہ آوردہ تست

ہاں ہاں یہ کفش برداری خدام درگاہ فضائل پناہ اعلیحضرت عظیم البرکت اعلم العلماء الربانیین افضل

عہ۱: یعنی جناب مستطاب حامی السنن ماحی الفتن مولٰنا مولوی حافظ الحاج محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

عہ۲: یہ اُس وقت تھا کہ ۱۳۱۹ھ ہے بحمد اللہ تعالٰی عدد تصانیف ایک سو نوّے[۱۹۰] سے متجاوز ہے ۱۲ اور اب تو بحمدہ تعالٰی اگر احصا کیا جائے تو پانسو سے متجاوز ہو گا ۱۲ (م)

الفضلاء الحقانیین حامی السنن السنیہ ماحی الفتن الدنیہ بقیۃ السلف المصلحین حجۃ الخلف المفلحین آیۃ من آیات رب العٰلمین معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم اجمعین ذی التصنیفات الرائقہ والتحقیقات الفائقہ والتدقیقات الشائقہ تاج المحققین سراج المدققین اکمل الفقہاء المحدثین حضرت سیدنا الوالد الماجد الامجد الاطیب الاطائب مولانا مولوی **محمد نقی علی خاں صاحب** محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس اللہ سرہٗ وعمم برہ وتمم نورہ واعظم اجرہ واکرم نزلہ وانعم منزلہ ولاحرمنا سعدہ ولم یفتنا بعدہ ہے والحمد للہ دہر الداہرین ہاں ہاں یہ ادنٰی خاکبوسی آستان رفیع غلمان منیع بندگان بارگاہ عرفان پناہ اقدس حضرت آقائے نعمت دریائے رحمت اعرف العرفاء الکرام مرجع الاولیاء العظام السحاب الہامر بفیض القادر والعباب الزاخر بالفضل الباھر ذو القرب الزاہر والعلو الظاہر والنسب الطاہر ملحق الاصاغر بالجلۃ الاکابر معدن **البرکات** مخزن الحسنات من **آل محمد** سید الکائنات علیہ وعلیہم افضل الصلوات وارث النجدات من **حمزۃ** المحزات **القمر** المستبین بالنور المبین من **شمس الدین ابی الفضل** العظیم والشرف الکریم سیدنا ومولٰینا وملجانا ومأوانا شیخی ومرشدی کنزی وذخری لیومی وغدی اعلٰحضرت **سیدنا السید الشاہ آل رسول الاحمدی** فاطمی حسینی قادری برکاتی واسطی بلگرامی مارہری رضی اللہ تعالٰی عنہ واجزل واعظم قربہ منہ واشرق علینا من نورہ التام وافاض علینا من بحرہ الطام وجعلنا من خدمہ فی دار السلام بفضل رحمۃ علیہ وعلٰی آبائہ الکرام والحمد للہ ابد الاٰبدین ؎

عہدما بالب شیریں دہناں بست خدا ے

ماہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند

(خدا نے شیریں دہنوں کے لبوں سے ہمارا عہد باندھ دیا ہے، ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ ہمارے آقا ہیں۔ ت)

خیر کہنا یہ تھا کہ یہاں بھی ان شاء اللہ تعالٰی یہی طریقہ رعایت پائے گا و لہٰذا ایک آدھ بحث کہ بقدر کافی طے کردی گئی اس سے تعرض اطناب سمجھا جائے گا کہ مقصود اظہار احقاق ہے نہ اکثار اوراق۔ ان چار فصل میں ملاجی کے ادعائی بول یکسر برعکس ہیں سایۂ بخت سے سب قابل نکس ہیں جابجا ثابت کو ناثابت ناثابت کو ثابت ساکت کو ناطق ناطق کو ساکت ضعیف کو صحیح صحیح کو ضعیف تحریف کو توجیہ توجیہ کو تحریف مؤول کو مفسر مفسر کو مؤول محتمل کو صریح صریح کو محتمل کہا اول تا آخر کوئی دقیقہ تحکم و مکابرہ و تعصب مداہنہ کا نام عن[1] نہ رہا یہاں بعونہٖ تعالٰی عزمجدہ ہر فصل میں قول فصل وحق اصل بدلائل قاہرہ و بیانات باہرہ ظاہر کیجئے کہ اگر زبان انصاف سالم وصاف

---

[1] لاسیما اذا کان فی لاتر تضیہ لوھن اوضعف نعلم فیہ ۱۲ (م) (حاشیہ کی اس عبارت سے غالباً اعلٰحضرت کی اپنی عبارت گزشتہ صفحہ ۱۶۴ کی طرف اشارہ ہے، فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر ان کے ماورا میں بھی حتی الوسع اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جاتا ہے، ملخصاً (نذیر احمد سعیدی)

ہو تو مخالف منکر مدعی مُصر کو بھی معترف و مقر لیجئے

وما ذلک علی اللہ بعزیز، ان ذلک علی اللہ یسیر، ان اللہ علٰی کل شیئ قدیر۔ اور یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔ (ت)

یہ معارک جلیلہ تو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں رسالہ آپ کے پیش نظر ہے ملاحظہ کیجئے داد انصاف دیجئے ع

فی طلعۃ الشمس مایغنیك عن خبر

(سُورج طلوع ہوجائے تو اس کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ت)

اس کے سوا نفس مسئلہ میں ملاجی نے اپنے موافق کہیں چودہ[۱۴] کہیں پندرہ[۱۵] صحابیوں سے روایات آنا بیان کیا اور خود ہی اُسے بگاڑ کر کمی کی طرف پلٹے اور چار سے زیادہ ظاہر نہ کرسکے اُن میں بھی عندالانصاف اگر کچھ لگتی ہُوئی بات ہے تو صرف ایک سے، میں بعونہٖ تعالٰی اپنے موافق روایات تیئیس[۲۳] صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لاؤں گا، ملاجی صرف چار حدیثیں پیش خویش اپنے مفید دکھا سکے جن میں حقیقۃً کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو اُن کی طرف نام بھی نہیں، میں بحول اللہ تعالٰی اُن سے دُونی آیتیں اور دس گنی حدیثیں اپنی طرف دکھاؤں گا، میں یہ بھی روشن کردوں گا کہ حنفیہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنہ زنی ایسی پوچ ولچر بے بنیاد ہوتی ہے، میں یہ بھی بتادوں گا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت اتنی ہے، میں یہ بھی دکھادوں گا کہ ملاجی صاحب جو آج کل مجتہد العصر اور تمام طائفہ کے استاد مانے گئے ہیں اُن کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے بھی گرے درجہ کی ہے کل ذلك بعون الملك العزیز القریب المجیب وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھذا اوان الشروع فی المقصود متوکلا علی واھب الفیض والجود والحمد للہ العلی الودود والصلاۃ والسلام علٰی احمد محمود محمد وآلہ الکرام السعود امین۔

فصل اول طلوع فجر نوری باثبات جمع صوری

حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[عہ] سے جمع صوری کا ثبوت اصلاً محل کلام نہیں اور وہی مذہب مہذب ائمہ حنفیہ ہے اس میں صاف صریح جلیل وصحیح احادیث مروی مگر ملاجی تو انکار آفتاب کے عادی بکمال شوخ چشمی بے نقط سُنادی[۱] کہ کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت جمع صوری سفر میں کیا کرتے تھے بہت اچھا ذرا نگاہ رُوبرُو۔

عہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وکرم ۱۲ منہ (م)

[۱] معیار الحق مسئلہ ہجم جمع بین الصلوٰۃ مکتبہ نذیریہ لاہور ص۴۰۱

حدیث ۱: جلیل وعظیم حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ اُس جناب سے مشہور و مستفیض ہے جسے امام بخاری و ابوداؤد و نسائی نے اپنی صحاح اور امام عیسٰی بن ابان نے کتاب الحج علٰی اہلِ مدینہ اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار اور ذہلی نے زہریات اور اسمٰعیلی نے مستخرج صحیح بخاری میں بطرق عدیدہ کثیرہ روایت کیا:

فالبخاری والاسمعیلی والذھلی من طریق اللیث بن سعد عن یونس عن الزھری، والنسائی من طریقی یزید بن زریع والنضر بن شمیل عن کثیر بن قاروندا کلاھما عن **سالم**۔ والنسائی عن قتیبۃ والطحاوی عن ابی عامر العقدی والفقیہ فی الحجج ثلثھم عن العطاف، وابوداؤد عن فضیل بن غزوان، وعن عبداللہ بن العلاء، وایضا ھو عیسٰی والنسائی عن الولید والطحاوی عن بشر بن بکر، ھٰؤلاء الثلثۃ عن ابن جابر والطحاوی عن اسامۃ بن زید، خمستھم اعنی العطاف وفضیلا وابن العلاء و جابر واسامۃ عن **نافع**۔ وابوداؤد عن **عبداللہ** بن واقد۔ والطحاوی عن **اسمٰعیل** بن عبدالرحمٰن۔ اربعتھم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما۔

بخاری، اسمٰعیلی اور ذہلی نے لیث ابن سعد کے طریقے سے یونس سے، اس نے زہری سے روایت کی ہے۔ اور نسائی نے یزید ابن زریع اور نضر ابن شمیل کے دو طریقوں سے کثیر ابن قاروندا سے روایت کی ہے۔ دونوں (زہری اور کثیر) سالم سے راوی ہیں۔ نسائی نے قتیبہ سے، طحاوی نے ابوعامر عقدی سے اور فقیہ نے حجج میں یہ تینوں عطاف سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوداؤد نے فضیل ابن غزوان سے اور عبداللہ ابن علاء سے روایت کی ہے۔ اور ابوداؤد نے ہی عیسٰی سے نسائی نے ولید سے، طحاوی نے بشر ابن بکر سے، یہ تینوں (عیسٰی، ولید، بشر) جابر سے روایت کرتے ہیں۔ اور طحاوی نے اسامہ ابن زید سے روایت کی ہے۔ یہ پانچوں یعنی عطاف، فضیل، عبداللہ، جابر اور اسامہ نافع سے راوی ہیں، نیز ابوداؤد عبداللہ ابن واقد سے راوی ہیں اور طحاوی اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں۔ چاروں (سالم، نافع، عبداللہ ابن واقد، اسمٰعیل) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے (ناقل ہیں۔ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی نے جس طرح یہاں جمع وتلخیص طرق کی اکمال الجہ وایضاح المحجہ کے لیے اُن کے اکثر نصوص و الفاظ بھی وارد کرے وباللہ التوفیق، سنن ابوداود میں بسند صحیح ہے:

حدثنا محمد بن عبید المحاربی نا محمد بن فضیل عن ابیہ عن نافع و عبداللہ بن واقد ان مؤذن ابن عمر

یعنی نافع وعبداللہ بن واقد دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا چلو

قال: الصلاة، قال: سر، حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل، فصلی المغرب، ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء، ثم قال: ان رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا عجل به امر صنع مثل الذی صنعت۔ فسار فی ذلك اليوم والليلة مسيرة ثلث[1]

یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی (م)

ابوداود نے فرمایا:

رواه ابن جابر عن نافع نحو هذا باسناده **حدثنا** ابراهيم بن موسى الرازی انا عیسیٰ ابن جابر بهذا المعنى ورواه عبد الله بن العلاء عن نافع، قال: حتى اذا كان عند ذهاب الشفق نزل فجمع بينهما[2]

اسکو ابن جابر نے نافع سے اسی طرح روایت کیا ہے مع اسناد کے۔ حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم ابن موسیٰ رازی نے، اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں عیسیٰ ابن جابر نے اس مفہوم کے ساتھ اور روایت کیا ہے اسکو عبد اللہ ابن علاء نے نافع سے کہ انہوں نے کہا: جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہوئی اُتر کر دونوں نمازیں جمع کیں۔ (ت)

نسائی کی روایت بسند صحیح یوں ہے:

اخبرنا محمود بن خالد ثنا الوليد ثنا ابن جابر ثنی نافع قال: خرجت مع عبد الله بن عمر فی سفر، یرید ارضا له، فاتاه

یعنی نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لے جاتے تھے کسی نے آکر کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی

ع هي اخت مختار الكذاب المشهور، وابوها ابو عبيد رضي الله تعالى عنه من الصحابة، استشهد في خلافة امير المؤمنين، اما

صفیہ، مشہور مختار کذاب کی بہن تھیں۔ ان کے والد ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں سے تھے، امیر المومنین کی خلافت کے دوران شہید ہوگئے تھے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] سنن ابی داود باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۱

[2] سنن ابی داود " " " " " " " "

أتٍ فقال ، ان صفية بنت ابي عبيد لما بها ، فانظران تدركها ۔ فخرج مسرعا ، ومعه رجل من قريش يسايره ، وغابت الشمس فلم يصل الصلاۃ ، وکان عهدی به وهو يحافظ على الصلاۃ ، فلما ابطأ ، قلت ، الصلاۃ ، يرحمك الله ، فالتفت الي و مضى ، حتى اذا كان في اخر الشفق نزل فصلى المغرب ، ثم اقام العشاء ، وقد توارى الشفق فصلى بنا ، ثم اقبل علينا ، فقال ، ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان اذا عجل به السير صنع هكذا[1]

آپ انھیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بسُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سُورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا نماز خدا آپ پر رحم فرمائے میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہُوئے جب شفق کا اخیر حصّہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کرکے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔ (م)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هی ، ففی عمدة القاری ، ادرکت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وسمعت منه ۔ اھ وفی ارشاد الساری ، الصحابية الثقفية اخت المختار ، وكانت من العابدات ۔ اھ لکن قال الحافظ فی التقریب ؛ قیل لها ادراك ، وانکره الدارقطنی ، و قال العجلی ، ثقة فهی من الثانية ۔ اھ وحقق فی الاصابة نفی السماع واثبات الادراك ظنا ، فراجعه ۔ وقد حدثت عن ازواج النبی صلی الله تعالٰی علیه وعلیهن وسلم ۱۲ منه (م)

صفیہ کے بارے میں عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔ اور ارشاد الساری میں ہے کہ یہ بنی ثقیف سے تعلق رکھنے والی صحابیہ تھیں اور مختار کی بہن تھیں، عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔ لیکن حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا لیکن دارقطنی نے اس کا انکار کیا ہے اور عجلی نے کہا ہے کہ ثقہ تھیں۔ اس لحاظ سے یہ طبقہ ثانیہ میں سے ہوں گی (یعنی تابعیات سے) اصابہ میں ثابت کیا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو نہیں سنا البتہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا زمانہ پایا ہو۔ اس سلسلے میں اصابہ کی طرف رجوع کرو۔ صفیہ نے ازواجِ مطہرات سے احادیث بیان کی ہیں۔ (ت)

[1] سنن نسائی، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۹۹

اسی طرح امام طحاوی نے روایت کی فقال حدثنا ربیع المؤذن ثنا بشر بن بکر ثنی ابن جابر ثنی نافع[1] فذکرہ نیز نسائی نے بسند حسن بطریق اخبرنا قتیبۃ بن سعید حدثنا العطاف[2] اور ابوجعفر نے بطریق حدثنا یزید بن سنان ثنا ابو عامر العقدی ثنا العطاف بن خالد المخزومی[3] اور امام فقیہ نے حجج میں بلاواسطہ روایت کی کہ اخبرنا عطاف بن خالد المخزومی المدینی قال اخبرنا نافع قال اقبلنا مع ابن عمر من مکۃ، حتی اذا کان ببعض الطریق استصرخ علی زوجتہ، فقیل لہ انہا فی الموت، فاسرع السیر، وکان اذا نودی بالمغرب نزل مکانہ فصلی، فلما کان تلک اللیلۃ نودی بالمغرب فسار حتی امسینا فظننا انہ نسی، فقلنا: الصلاۃ، فسار حتی اذا کان الشفق قرب ان یغیب نزل فصلی المغرب، وغاب الشفق فصلی العشاء، ثم اقبل علینا فقال، ھکذا کنا نصنع مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جدبنا السیر۔ (یعنی امام نافع فرماتے ہیں راہ مکہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب شفق ڈوبنے کے قریب ہوئی اُتر کر مغرب پڑھی اور شفق ڈوب گئی اب عشاء پڑھی پھر ہماری طرف مُنہ کرکے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے جب چلنے میں کوشش ہوتی تھی) امام عیسٰی بن ابان نے اسے روایت کرکے فرمایا: وھکذا قال ابوحنیفۃ فی الجمع بین الصلاتین ان یصلی الاولٰی منہما فی اٰخر وقتہا، والاخری فی اول وقتہا، کما فعل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، ورواہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4] (یعنی دو نمازیں جمع کرنے میں یہی طریقہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے کہ پہلی کو اس کے آخر وقت اور پچھلی کو اُس کے اوّل وقت میں پڑھے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خود کیا اور حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا) نیز امام طحاوی نے اور طریق سے یوں روایت کی، حدثنا فہد ثنا الحمانی ثنا عبداللہ بن المبارک عن اسامۃ بن زید اخبرنی نافع، وفیہ حتی اذا کان عند غیبوبۃ الشفق فجمع بینہما وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصنع ھکذا اذا جدبہ السیر[5] (یعنی جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہوئی اُتر کر دونوں نمازیں جمع کیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے دیکھا جب حضور کو سفر میں

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۷۰

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

[4] کتاب الحجۃ باب الجمع الصلوٰۃ فی السفر دار المعارف نعمانیہ لاہور ۱/۱۷۴، ۱۷۵

[5] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

جلدی ہوتی) یہ طرق حدیث نافع عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تھے، اور صحیح بخاری ابواب التقصیر باب ہل یؤذن اویقیم اذا جمع بین المغرب والعشاء میں یوں ہے: حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی سالم عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا عجلہ السیر فی السفر یؤخر صلٰوۃ المغرب حتی یجمع بینہا وبین العشاء۔ قال سالم، وکان عبداللہ یفعلہ اذا اعجلہ السیر، ویقیم المغرب فیصلیہا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیہا رکعتین[1] الحدیث۔ اُسی کے باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر میں بطریق مذکور وکان عبداللہ یفعلہ اذا اعجلہ السیر تک روایت کرکے فرمایا[2] وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شہاب قال سالم کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ۔ قال سالم، واخر ابن عمر المغرب، وکان استصرخ علی امرأتہ صفیۃ بنت ابی عبید، فقلت لہ، الصلٰوۃ، فقال، سر، فقلت لہ، الصلٰوۃ، فقال: سر، حتی سار میلین او ثلثۃ، ثم نزل فصلی، ثم قال، ہکذا رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اعجلہ السیر یؤخر المغرب فیصلیہا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیہا رکعتین[3] الحدیث (ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ایامِ حج میں ذی الحجہ کی دسویں رات مزدلفہ میں مغرب وعشا جمع کرکے پڑھتے اور جب اپنی بی بی کی خبرگیری کو تشریف لے گئے تھے تو یوں کیا کہ مغرب کو آخر کیا، میں نے کہا نماز، فرمایا چلو، میں نے پھر کہا نماز۔ فرمایا چلو، دو تین میل چل کر اُترے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے، مغرب اخیر کرکے تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیر کر تھوڑی دیر انتظار فرماتے پھر عشا کی اقامت فرماکر دو رکعت پڑھتے) نسائی کے یہاں یوں ہے: اخبرنی محمد بن عبداللہ بن بزیع حدثنا یزید بن زریع حدثنا کثیر بن قاروندا قال، سألت سالم بن عبداللہ عن صلٰوۃ ابیہ فی السفر، وسألناہ ہل کان یجمع بین شیئ من صلاتہ فی سفرہ؟ فذکر ان صفیۃ بنت ابی عبید کانت تحتہ فکتبت الیہ، وہو فی زراعۃ لہ، انی فی اٰخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من

---

[1] جامع صحیح البخاری باب ہل یؤذن اویقیم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۹

[2] جامع صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر " " " " ۱/ ۱۴۸

[3] " " " " " " " " " " ۱/ ۱۴۸

الاخرة، فرکب فاسرع السیر الیها، حتی اذا حانت صلاۃ الظہر قال لہ المؤذن: الصلاۃ یا اباعبدالرحمٰن! فلم یلتفت، حتی اذا کان بین الصلاتین نزل، فقال: اقم، فاذا سلمت فاقم، فصلی ثم رکب حتی اذا غابت الشمس، قال لہ المؤذن: الصلاۃ، فقال: کفعلك فی صلاۃ الظہر والعصر، ثم سار حتی اذا اشتبکت النجوم نزل، ثم قال المؤذن: اقم، فاذا سلمت فاقم، فصلی ثم انصرف فالتفت الینا فقال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حضر احدکم الامر الذی یخاف فوتہ فلیصل ھذہ الصلاۃ[1]۔

(خلاصہ یہ کہ جب صفیہ کا خط پہنچا کہ اب میرا دم واپسیں ہے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شتابان چلے نماز کیلئے ایسے وقت اترے کہ ظہر کا وقت جانے کو تھا اور عصر کا وقت آنے کو، اُس وقت ظہر پڑھ کر عصر پڑھی اور مغرب کے لیے اُس وقت اُترے جب تارے خُوب کھل آئے تھے (جس وقت تک بلاعذر مغرب میں دیر لگانی مکروہ ہے)، اُسے پڑھ کر عشاء پڑھی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کسی کو ایسی ضرورت پیش آئے جس کے فوت کا اندیشہ ہو تو اس طرح نماز پڑھے) نیز اسی حدیث میں دوسرے طریق سے یُوں زائد کیا: اخبرنا عبدۃ بن عبدالرحیم ثنا ابن شمیل ثنا کثیر بن قاروندا قال سألنا سالم بن عبداللہ عن الصلاۃ فی السفر، فقلنا اکان عبداللہ یجمع بین شیئ من الصلاۃ فی السفر؟ فقال لا الا بجمع[2] (یعنی ہم نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سوال کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سفر میں کسی نماز کو دُوسری کے ساتھ جمع فرماتے تھے کہا نہ سوا مزدلفہ کے) (جہاں کا ملانا سب کے نزدیک بالاتفاق ہے) پھر وہی حدیث بیان کی کہ اُس سفر میں اس طریق سے نمازیں پڑھی تھیں۔ اس حدیث جلیل کے اتنے طُرق کثیرہ ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سفر میں بحالِ شتاب وضرورت جمع صوری فرمائی ہے اور یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب ہے۔

حدیث ۲: امام اجل احمد بن حنبل مسند اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم مصنف میں بسند حسن بطریق اپنے شیخ وکیع بن الجراح کے اور امام طحاوی معانی الآثار میں بطریق حدثنا فھد ثنا الحسن بن البشیر ثنا المعافی بن عمران کلاھما عن مغیرہ بن زیاد الموصلی عن عطاء بن

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۸

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۹۹

ابی رباح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر یؤخر الظھر ویقدم العصر، ویؤخر المغرب ویقدم العشاء[1]۔ (حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر فرماتے عصر کو اول وقت پڑھتے مغرب کی تاخیر فرماتے عشاء کو اول وقت پڑھتے)

حدیث ۳: ابوداؤد اپنی سنن باب متی تیم المسافر اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بسند حسن جید متصل حضرت عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب وہ اپنے والد ماجد محمد بن عمر بن علی وہ اپنے والد ماجد عمر بن علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کرتے ہیں: ان علیاً کان اذا سافر سار بعد ما تغرب الشمس حتی تکاد ان تظلم، ثم ینزل فیصلی المغرب، ثم یدعو بعشائه فیتعشی، ثم یصلی العشاء، ثم یرتحل۔ ویقول: ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصنع[2]۔ (یعنی امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی جب سفر فرماتے سورج ڈوبے پر چلتے رہتے یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ تاریکی ہوجائے پھر اتر کر مغرب پڑھتے پھر کھانا منگا کر تناول فرماتے پھر عشا پڑھ کر کوچ کرتے اور کہتے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے تھے) امام عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی سند کو فرمایا: لا باس به (اس میں کوئی نقص نہیں)۔

حدیث ۴: طحاوی بطریق ابی خیثمہ عن عاصم الاحول عن ابی عثمٰن راوی قال وفدت انا وسعد بن مالك ونحن نبادر للحج، فکنا نجمع بین الظھر والعصر، نقدم من ھذه ونؤخر من ھذه، ونجمع بین المغرب والعشاء، نقدم من ھذه ونؤخر من ھذه، حتی قدمنا مکة[3] (یعنی میں اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ حج کی جلدی میں مکہ معظمہ تک ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو یوں جمع کرتے گئے کہ ظہر ومغرب دیر کرکے پڑھتے اور عصر وعشا جلد)

حدیث ۵: نیز امام ممدوح عبدالرحمٰن بن یزید سے راوی صحبت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حجة فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر، ویؤخر المغرب ویعجل العشاء، ویسفر بصلاۃ الغداۃ[4] (میں حج میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ رکاب تھا ظہر میں دیر فرماتے

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳
[2] سنن ابی داؤد باب متی تیم المسافر مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۱۷۳
[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۴
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

اور عصر میں تعجیل مغرب میں تاخیر کرتے عشاء میں جلدی اور صبح روشن کرکے پڑھتے) امام ممدوح ان احادیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں :

وجمیع ماذھبنا الیہ من کیفیۃ الجمع بین الصلاتین قول ابی حنیفۃ وابی یوسف و محمد رحمھم اللہ تعالٰی۔[1]

نمازیں جمع کرنے کا یہ طریقہ جو ہم نے اس باب میں اختیار فرمایا یہ سب امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد کا مذہب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (م)

الحمدللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و حضرت مولٰی علی و عبداللہ بن مسعود و سعد بن مالک و عبداللہ بن عمر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا اور امام لامذہبان کا وہ جبروتی ادعا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ بانگ بے معنی کہ یہ روایات جن سے جمع صوری کرنی ابن عمر کی واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں اور بلشدت حیا یہ خاص محض افترا کہ ابن عمر نے اس کیفیت سے ہرگز نمازیں جمع نہیں کیں جیسا کہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے[2] اپنی سزائے کردار کو پہنچا اب ایضاح مرام و ازاحت اوہام کو چند افادات کا استماع کیجئے۔

افادہ اولٰی : لامذہب ملا کو جب کہ انکار جمع صوری میں چاند پر خاک اُڑانی تھی اور احادیث مذکورہ صحاح مشہورہ میں موجود و متداول تو بے رد صحاح چارہ کار کیا تھا لہذا بایں پیرانہ سالی حضرت کے رقص جملی ملاحظہ ہوں :

لطیفہ ۱ : ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث جلیل و عظیم کے پہلے طریق صحیح مروی سنن ابی داؤد کو محمد بن فضیل کے سبب ضعیف کیا۔

اقول اوّلاً : یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً : امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لاباس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں ۔ت) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً : یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوٰی کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملا جی کو بایں سالخوردی و دعوٰی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۴

[2] معیار الحق مسئلہ نہم جمع بین الصلوٰتین مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۹۶

اصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا فرق ہے زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلہم اللہ تعالٰے جمیعا بلکہ آج کل عہ کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انھیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلاجی کے خیال میں اپنی مُلائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کے لیے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیرالمومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیرالمومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمۂ کو فہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انھیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا و بس۔

حیث قال، محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علماء ھذا الشان، وثقہ یحیٰی بن مَعین، وقال احمد، حسن الحدیث، شیعی۔ قلت، کان متوالیا[1] فقط۔

چنانچہ ذہبی نے کہا ہے کہ محمد ابن غزوان' جو کہ محدث اور حافظ ہے، حدیث کے علماء میں سے تھا یحیٰی ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا "صرف اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا"۔ (ت)

رابعاً: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری و مسلم سے بھی

عہ کما صرحوا بہ وتدل علیہ محاوراتھم، منھا ما فی المیزان فی ترجمۃ الحاکم بعد ما حکی القول برفضہ، اللہ یحب الانصاف، ما الرجل برافضی بل شیعی فقط اھ ۱۲ منہ (م)

جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور ان کے محاورات سے بھی واضح ہے۔ مثلاً میزان میں حاکم کے حالات میں کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔ اس کے بعد کہا ہے "اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے، یہ آدمی رافضی نہیں ہے، صرف شیعہ ہے"۔ (ت)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ محمد بن فضیل مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۲۹۰

ہاتھ دھونا ہے ان کے رواۃ میں تہائی سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاحِ قدمائر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا کتاب مسلم ملاٰن من الشیعۃ[١] (مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ ت) دُور کیوں جائیے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامساً اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتیں دو ثقات عدول ابن جابر و عبداللہ بن العلاء سے ابوداود نے ذکر دیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجھلۃ لا یعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں۔ ت) اور یہ تو ادنٰی نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملّاجی نے نقل میں عارف اُڑا دیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

لطیفہ ۲: طرفہ تماشا کہ متابعت ابن جابر جو امام داود نے ذکر کی آپ اسے یُوں کہہ کر ٹال گئے کہ وہ تعلیق ہے اور تعلیق حجت نہیں اب کون کہے کہ کسی سے آنکھیں قرض ہی لے کر دیکھیے کہ ابوداود نے رواہ ابن جابر عن نافع کہہ کر اُسے یُوں ہی معلق چھوڑ دیا یا وہیں حدثنا ابرھیم بن موسٰی الرازی انا عیسٰی عن ابن جابر[٢] فرما کر موصول کر دیا ہے ولکن النجدیۃ لا یبصرون

لطیفہ ۳: امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن[ف] کیا کہ وہ غریب الحدیث ہے

عہ مثلاً ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان وراق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یھم، بکیر بن عبداللہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیع بن انس صدوق لہ اوھام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ھمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عباد بن عوام کلابی، عبداللہ بن عمر مشکدانہ، عبداللہ بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق صاحبِ مصنف، عبدالملک بن اعین، عبیداللہ بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن ھاشم بن البرید، فضل بن دکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطر بن خلیفہ، مالک بن اسمٰعیل نھدی، محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی، محمد بن جحادہ اور یہی محمد بن فضیل، ھشام بن سعد، یحیٰی بن الجزار وغیرھم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[١] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ المبتدع مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۲۵

[٢] سنن ابوداود باب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۷۱

ف۔ معیار الحق ص ۳۹۶

1

ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قال الحافظ فی التقریب۔

اقول اولاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں ثقۃ یغرب ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی! غریب و منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھولیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھیے کہ بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہ اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقۃ لا طعن فیہ[3] (یعنی بشر بن بکر تنیسی خوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں) کیوں شرمائے تو نہ ہوگے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی حدیثیں ضعیف ہیں ع

شرم بادت از خدا و از رسول

عـــہ مثلاً ابرٰھیم بن طہمان، بشر بن خالد، ابرھیم بن سوید بن حبان، بشیر بن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم وغیرھم کہ سب ثقہ یغرب ہیں۔ احمد بن صباح حکام بن مسلم وغیرھما ثقۃ لہ غرائب خصوصا ازھر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراھیم بن اسحٰق وغیرھم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۴۴

[2] " " " " " " " "

[3] میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر ۱۱۸۶ " دار المعرفت بیروت لبنان ۱/۳۱۴

12
12

لطیفہ ۳۳: طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی حدیث کو ولید بن قاسم سے رَد کیا کہ روایت میں اُس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اقول اولاً: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث[1]۔ ملّا جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراشں لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات حفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ صراحۃً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرمارہے ہیں۔ میزان میں ہے:

الولید بن مسلم ابو العباس الدمشقی، احد الاعلام وعالم اھل الشام۔ لہ مصنفات حسنۃ، قال احمد، ما رأیت فی الشامیین اعقل منہ۔ وقال ابن المدینی عندہ علم کثیر۔ قال ابو مسھر الولید مدلس، قلت، اذا قال الولید، عن ابن جریج اوعن الاوزاعی، فلیس بمعتمد لانہ یدلس عن کذابین، فاذا قال، حدثنا فھو حجۃ[2] اھ ملخصاً۔

ولید ابن مسلم ابو العباس دمشقی۔ بلند مرتبہ لوگوں میں سے ایک، شام کا عالم، اس کی تصنیفات عمدہ ہیں۔ احمد نے کہا: میں نے شامیوں میں اس سے زیادہ عقل مند آدمی نہیں دیکھا۔ ابن مدینی نے کہا کہ اس کے پاس بہت علم ہے۔ ابومسہر نے کہا ہے کہ ولید مدلّس ہے۔ میں نے کہا، جب ولید عن ابن جریج یا عن الاوزاعی کہے تو قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن جب حدثنا کہے تو مستند ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

مُلّا جی! ؎

در بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

(نکتہ دانوں کی مجلس میں اپنے آپ کو بیچ دینا ضروری نہیں ہے اے مردِ غافل! یا تو سوچ سمجھ کربات کر یا خاموش رہ)

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۹۹
[2] میزان الاعتدال فی ترجمۃ ولید بن مسلم ۹۴۰۵ " دار المعرفت بیروت ۴/ ۳۴۷ - ۳۴۸

تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتائیے تو کہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر آپ عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اول تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پوچھو تو پہلے اپنی عجز کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہٖ تعالیٰ بہت کچھ سکھا دیں وہ قواعد بتا دیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعیین نکال سکو۔

ثانیا: بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابن عدی نے کہا: اذا روی عن ثقة فلا باس به[1] (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں) اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثا: ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق

ع مثلاً اسمٰعیل بن مجالد، اشہل بن حاتم، بشر بن عیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرھیم، حسان بن حسان بصری، حسان بن عبداللہ کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان رمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمٰن السلمی، شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، عبدالمجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیداللہ وغیرھم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطئ لگایا ہے خلیفۃ بن خیاط، عبداللہ بن عمر نمیری، عبدالرحمٰن بن حرملہ اسلمی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبید، یحیٰی بن ابی اسحٰق حضرمی وغیرھم صدوق ربما اخطأ ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجئے حجاج بن ارطاۃ صدوق کثیر الخطاء والتدلیس، شریک بن عبداللہ نخعی صدوق یخطئ کثیرا تغیر حفظہ، صالح بن رستم المزنی صدوق کثیر الخطاء، عبداللہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ و کانت فیہ غفلۃ، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیر الخطاء وحدیثہ عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطئ کثیرا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)

---

[1] الکامل لابن عدی فی ترجمۃ ولید ابن قاسم مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۷/۲۵۴۵

یخطیٔ بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رَد ہی کرو گے!

رابعاً صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انھیں صدوق یخطیٔ[1] پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا خلطه ابن مندة بالذی قبلہ فوھم، وھذا ضعیف[2] (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملا دیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔ ت) دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّا جی اپنی جہالت سے مردود و واہیات گا رہے ہیں۔

لطیفہ ۵: حدیث صحیح نسائی و طحاوی و عیسٰی بن ابان بطریق عطاف عن نافع کو عطاف سے معلول کیا[ف] کہ وُہ وہمی ہے کہا تقریب میں صدوق یھم۔

اقول اوّلاً: عطاف کو امام احمد و امام ابن معین نے ثقہ کہا وکفی بھما قدوۃ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسّر منقول نہیں۔

ثانیاً: کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یہم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثاً: صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی[عہ] ان میں کس قدر ہیں۔

رابعاً: بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین اُن میں کوئی بھی درجۂ سقوط میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے ولکن الوھابیة قوم یجھلون (لیکن وہابی جاہل لوگ ہیں۔ ت)

عہ مثل ابرٰہیم بن یوسف بن اسحاق، اسامہ بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبیر بن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیہ، حرمی بن عمارہ، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمید بن زیاد، ربیعہ بن کلثوم، عبداللہ بن عبداللہ بن اویس وغیرھم سب صدوق یہم ہیں احوص بن جواب، حمزہ بن حبیب زیات امام قراءت، معاذ بن ہشام، عاصم بن علی بن عاصم وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطا بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تقریب التہذیب فی ترجمہ ابن حسان الواسطی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۶۸

[2] " " " " " " " " " " "

ف معیار الحق ص ۳۹۶

لطیفہ ۶: آپ کے امتحان علم کو پوچھا جاتا ہے کہ روایت طحاوی حدثنا فہد ثنا الحمانی ثنا ابن المبارک عن اسامۃ بن زید اخبرنی نافع میں آپ نے کہاں سے معین کرلیا کہ یہ اُسامہ بن زید عدوی مدنی ضعیف الحافظ ہے، اسی طبقہ سے اسامہ بن زید لیثی مدنی بھی تو ہے کہ رجال صحیح مسلم وسنن اربعہ و تعلیقات بخاری سے ہے جسے یحیٰی بن معین نے کہا، ثقہ ہے[۱]۔ ثقہ صالح ہے ثقہ حجت ہے دونوں ایک طبقہ ایک شہر ایک نام کے ہیں اور دونوں نافع کے شاگرد، پھر منشار تعیین کیا ہے اور آپ کو تو شاید اس سوال میں بھی دقت پڑے کہ کہاں سے مان لیا کہ یہ حمانی حافظ کبیر یحیٰی بن عبدالحمید صاحب مسند ہے جس کی جرح آپ نے نقل کی اور امام یحیٰی بن معین وغیرہ کا ثقہ اور ابن عدی کا ارجوانہ لاباس بہ[۲] (مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) اور ابن نمیر کا ھو اکبر من ھؤلاء کلھم، فاکتب عنہ (وہ ان سب سے بڑا ہے، اس لیے میں اس سے حدیث لکھتا ہوں۔ ت) کہنا چھوڑ دیا اسی طبقہ تاسعہ سے اُس کا والد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بھی تو ہے کہ رجال صحیحین سے ہے اور دونوں حمانی کہلائے جاتے ہیں کما فی التقریب۔

لطیفہ ۷: روایات نسائی بطریق کثیر بن فاروندا عن سالم عن ابیہ میں جھوٹ کو بھی کچھ گنجائش نہ ملی تو اُسے یُوں کہہ کر ٹالا کہ وُہ شاذ ہے اس لیے کہ مخالف ہے روایات شیخین وغیرہما کے وہ ارجح ہیں سب سے بالاتفاق اور مقدم ہوتی ہیں جب پر جب کہ موافقت اور نسخ نہ بن سکے[ف]۔

اقول اوّلاً: شیخین کا نام کس مُنہ سے لیتے اور اُن کی احادیث کو ارجح کہتے ہو یہ وہی شیخین تو ہیں جو محمد بن فضیل سے حدیثیں لاتے ہیں جسے تمہارے نزدیک رافضی کہا گیا اور حدیثوں کا پلٹ دینے والا اور موقوف کو مرفوع کردینے کا عادی تھا۔

ثانیاً ثالثاً رابعاً: یہ وہی شیخین تو ہیں جن کے یہاں سب کے خلاف حدیثیں لانے والے حدیثوں میں خطا کرنے والے وہمی کئی درجن بھرے ہُوئے ہیں۔

خامساً: مخالفت شیخین کا دعوٰی محض باطل ہے جیسا کہ بعونہٖ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔

لطیفہ ۸: اس حدیث جلیل صحیح کے رَد میں مُلّاجی نے جو چالاکیاں بیباکیاں برتیں اُن کا پردہ تو فاش ہوچکا جابجا ثقات کو مجروح فرمایا، رواۃ بخاری ومسلم کو مردود ٹھہرایا، حدیث موصول کو معلق بنایا، متابعات سے آنکھیں بند کرلیں، نقل عبارت میں خیانتیں کیں، معانی میں تحریف کی راہیں لیں، راوی کو کچھ سے کچھ

---

[۱] میزان الاعتدال ترجمہ اسامہ بن زید اللیثی ۷۰۵ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۷۴

[۲] میزان الاعتدال ترجمہ یحیٰی بن عبدالحمید الحمانی ۹۵۶۷ 〃 〃 〃 〃 ۴/۳۹۲

[ف] معیار الحق ص ۳۹

بنالیا، مشترک کو جزافاً معین کردیا، جہاں کچھ نہ بن پڑا مخالفتِ شیخین کا ادعا کیا، اب خود حدیث صحیح بخاری شریف کو کیا کریں رجال بخاری کو رَد کردینا اور بات بھی کہ عوام کو ان کی کیا خبر، مگر خود حدیث بخاری کا نام لے کر رَد کرنے میں سخت مشکل پیش نظر، لہٰذا یہ چال چلے کہ لاؤ اسے بزورِ زبان و زورِ بہتان اپنے موافق بنالیجئے اس لیے حدیث مذکور باب ہل یؤذن اویقیم کا ایک ٹکڑا جس میں دو تین میل چل کر مغرب پڑھنے کا ذکر تھا اپنے ثبوت کی احادیث میں نقل کرکے فرمایا یہ بات ادنٰے عاقل بھی جانتا ہے کہ بعد دخول وقت مغرب کے دو تین کوس مسافت چلیں تو اتنے میں شفق غائب ہوجاتی ہے اور وقت عشا کا داخل ہوجاتا ہے۔

اوّلاً: میل کا کوس بنایا کہ کچھ دیر بڑھے دو میل کا تو سوا ہی کوس ہوا، اور تین ہی لیجئے جب بھی دو کوس پورے نہیں پڑتے۔

ثانیاً اقول: فریبِ عوام کو چالاکی یہ کی کہ حدیث کا ترجمہ نہ کیا دو تین کوس مسافت چلیں لکھ دیا کہ جاہل سمجھیں غروب کے بعد پیادہ تین کوس چلے ہوں ترجمہ کرتے تو کھلتا کہ سوار تھے اور کیسی سخت جلدی کی حالت میں تھے ہم نے حدیث ابوداؤد سے نقل کیا کہ انھوں نے اُس دن سَنّہ منزل فرمایا تو صرف میل بھر یا اُس سے بھی کم چلنے کی دیر رہ گئی اگر پیادہ ہی چلے تو اتنی دیر میں ہرگز وقت عشاء نہیں آتا تو حدیث سے مغرب کا وقت مغرب ہی میں پڑھنا پیدا تھا جسے صاف کایا پلٹ کردیا کہ معترض اور اُس کے تو الی یں جن کا عرض مابین کا آکٹ ہے غروب شمس سے انحطاط ح تک ہر موسم میں ایک ساعت فلکیہ سے زیادہ وقت رہتا ہے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف جتنے بڑھیے وقت بڑھتا جائے گا کما لا یخفی علی العارف بالھیأۃ (جیسا کہ علم ہیئت جاننے والے پر ظاہر ہے۔ ت) تو غروب سے گھنٹہ بھر بعد بھی نماز مغرب وقت میں ممکن، آپ کے نزدیک جبکہ دو میل چلنے میں عشاء آجاتی ہے تو لازم کہ اتنی مسافت میں ایک گھنٹے سے زیادہ صرف ہونا واجب ہو، اور امام مالک مؤطا میں روایت فرماتے ہیں کہ حضرت امیرالمؤمنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ سے فارغ ہوکر سوار ہوئے اور موضع ملل میں عصر کے لیے اُترے

مالك عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابن ابی سلیط ان عثمٰن بن عفان صلی الجمعۃ بالمدینۃ وصلی العصر بملل[1]۔

مالک، عمرو بن یحیٰی المازنی سے، وہ ابن سلیط سے راوی کہ عثمان ابن عفان نے جمعہ مدینہ میں پڑھا اور عصر ملل میں۔ (ت)

ملل مدینہ طیبہ سے سترہ میل ہے کما فی النہایۃ[2] (جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ ت) بعض نے کہا اٹھارہ[18] میل

---

[1] مؤطا امام مالک وقوت الصلوٰۃ، وقت الجمعۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶

[2] النہایۃ لابن اثیر المیم مع اللام لفظ ملل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/۳۶۲

ف۔ معیار الحق ص ۳۷۵

کما حکاہ الزرقانی (جیساکہ زرقانی نے بیان کیا ہے۔ ت) ابن وضاح نے کہا بائیس[22] میل کما نقلہ ابن رشیق عن ابن وضاح[1] (جیساکہ ابن رشیق نے ابن وضاح سے نقل کیا ہے۔ ت) بلکہ بعض نسخ مؤطا میں خود امام مالک سے اسی کی تصریح ہے قال مالك وبینھما اثنان وعشرون میلا (مالک نے کہا ہے کہ دونوں کے درمیان بائیس[22] میل کا فاصلہ ہے۔ ت) وہ سترہ[17] ہی میل سہی آپ کے طور پر کوئی رات کے نو دس بجے تک عصر کا وقت رہا ہوگا کہ جمعہ پڑھنے سے آٹھ نو گھنٹے بعد امیر المومنین نے عصر ادا کی کہ مدینہ طیبہ اور اس کے حوالی میں جن کا عرض ۲۵ سے زائد نہیں مقدار نہار روز تحویل سرطان بھی صرف ید لح ہے کما لا یخفی علی من یعلم استخراج طول النھار من عرض البلاد (جیساکہ اس شخص پر مخفی نہیں ہے جو عرض بلاد سے دن کی لمبائی کا استخراج کرسکتا ہو۔ ت)

ثالثاً اقول: اسی لیے خود آخر حدیث بخاری میں مذکور تھا کہ مغرب کے بعد کچھ دیر انتظار کرکے عشا پڑھی اگر خود عشا ہی کے وقت میں مغرب پڑھتے تو ایسی جلدی واضطراب شدید کی حالت میں اب عشا کے لیے انتظار کس بات کا تھا یہ ٹکڑا حدیث کا ہضم کرگیا کہ بھرم کھلتا۔

رابعاً اقول: آپ تو اسی بحث میں فرماچکے کہ تعلیقات حجت نہیں صحیح بخاری میں یہ ٹکڑا جو آپ اپنی سند بناکر نقل کررہے ہیں تعلیقاً ہی مذکور تھا اصل حدیث بطریق حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری ذکر کی جس میں آپ کے اس مطلب کا کچھ پتا نہ تھا اس کے بعد یہ ٹکڑا تعلیقاً بڑھایا کہ وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شھاب، اب تعلیق کیوں حجت ہوگئی، وہاں تو آخر حدیث کو ہضم کیا تھا یہاں اول کلام تناول فرمایا کہ اپنا عیب نہ ظاہر ہو۔

خامساً اقول: آپ تو راوی کو اس کے وہم وخطا بلکہ صرف اغراب پر رد فرماتے ہیں اگرچہ رجال بخاری ومسلم سے ہو، اب یہ تعلیق کیونکر مقبول ہوگئی اس میں زہری سے راوی یونس بن یزید ہیں جنھیں اسی تقریب میں فرمایا:

ثقۃ الا ان فی روایتہ عن الزھری وھما قلیلا وفی غیرالزھری خطأ[2]۔	ہیں تو ثقہ مگر زہری سے ان کی روایت میں کچھ وہم ہے اور غیر زہری سے روایت میں خطا۔

اثرم نے کہا: ضعف احمد امر یونس (امام احمد نے یونس کا کام ضعیف بتایا) امام ابن سعد

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا لامام مالک زیر حدیث مذکور مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۶

[2] تقریب التہذیب حرف الیاء ؍ مطبع فاروقی دہلی ص ۲۸۷

نے کہا: لیس بحجۃ (یونس قابلِ احتجاج نہیں) امام وکیع بن الجراح نے کہا: سیئ الحفظ (یونس کا حافظہ بُرا ہے) یوں ہی امام احمد نے ان کی کئی حدیثوں کو منکر بتایا کل ذٰلک فی المیزان[1] (یہ سب میزان میں ہے۔ت)

تنبیہ: یہ ہم نے آپ کا ظلم و تعصب ثابت کرنے کو آپ کی طرح کلام کیا ورنہ ہمارے نزدیک نہ تعلیق مطلقاً مردود نہ یونس ساقط نہ وہم و خطا جب تک فاحش نہ ہوں موجب رد نہ یہ حدیث بخاری اصلاً تمہارے موافق بلکہ صراحۃً ہمارے مؤید و باللہ التوفیق چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اُسے ضعیف کردیتا ہے نہ اُس کی حدیث کو مردود نہ وہ کتنے ہیں جو بالکل پاک صاف گزر گئے ہیں، یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیٰن بن عیینہ جنہوں نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہُوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے، علی نے کہا سفیٰن بن عیینہ، میں نے کہا امام مالک کہ ان کی خطا سفیٰن کی خطاؤں سے کم ہے قریب بیس حدیثوں کے ہیں جن میں سفیٰن نے خطا کی پھر میں نے اٹھارہ گنادیں اور اُن سے کہا آپ مالک کی خطائیں بتائیں وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیٰن نے بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے[2] ذکرہ فی المیزان (اسے میزان میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) باایں ہمہ امام سفیٰن کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔

لطیفہ ۹: مُلّاجی کی یہ ساری کارگزاریاں حیاداریاں حدیث صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے متعلق تھیں حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی امام طحاوی و نیز امام احمد و ابن ابی شیبہ استاذان بخاری و مسلم کے رَد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہی تھا قالہ الحافظ فی التقریب۔[ف]

اقول اولاً: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیاً: وہی اپنی وہی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہتا سمجھ لیا۔

ثالثاً: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجالِ بخاری[ع] و مسلم کو یہی صدوق لہ

ع صدوق یھم وصدوق ربما وھم کی بکثرت مثالیں اوپر گزر چکیں مگر باتباع لفظ خاص امثلہ سُنیے احمد بن بشیر، حسن بن خلف، خالد بن یزید بن زیاد، (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] میزان الاعتدال حرف الیاء ۹۹۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۴۸۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ سفیان بن عیینہ ۳۳۲۷ " " " ۲/ ۱۷۰

ف معیار الحق صہ ۴۰۱

اوھام (سچا ہے، اس کے اوہام ہیں۔ت) کہا ہے۔

رابعاً: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا: لیس بہ باس (اس میں کوئی بُرائی نہیں) زاد یحیٰی لہ حدیث واحد منکر (اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے) لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لا باس بہ[1] (میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ت) کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجۂ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی (اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔ت) ابواحمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم[2] (اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے نزدیک۔ت) کہا لا انہ لیس بقوی لیس بمتین و شتان مابین العبارتین (نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔ت) حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

لطیفہ ۱۰: حدیث مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم مروی سنن ابی داؤد کے رد کو طرفہ تماشا کیا مسند ابی داؤد میں یوں تھا:

قال اخبرنی عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ ان علیا کان اذا سافر الحدیث[3]۔

جس کا صاف صریح حاصل یہ تھا کہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی اپنے والد محمد سے راوی ہیں اور وہ ان کے دادا یعنی اپنے والد عمر سے کہ ان کے والد ماجد مولٰی علی نے جمع صوری خود بھی کی اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رباح بن ابی معروف، ربیع بن انس ورمی بالتشیع، ربیع بن یحیٰی، ربیعہ بن عثمان، زکریا بن یحیٰی بن عمر، سعید بن زید بن درہم، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، شجاع بن الولید، مسلمہ بن علقمہ، مصعب بن المقدام، معاویہ بن صالح، معاویہ بن ہشام، ہشام بن حجیر، ہشام بن سعد ورمی بالتشیع اور ان کے سوا اور کہ سب صدوق لہ اوھام ہیں احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] و [2] میزان الاعتدال ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی ۸۷۰۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۰

[3] سنن ابی داؤد باب یتم المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۷۳

سے بھی روایت فرمائی۔

ابیہ اور جدّہ دونوں ضمیریں عبداللہ کی طرف تھیں حضرت نے بزورِ زبان ایک ضمیر عبداللہ دوسری محمد کی طرف قرار دے کر یہ معنے ٹھہرائے کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد سے اور وہ محمد اپنے دادا علی سے۔ اور اب اس پر اعتراض جڑ دیا کہ محمد کو اپنے دادا علی سے ملاقات نہیں تو مرسل ہوئی اور مرسل حجت نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مرسل ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے ایمان سے کہنا کہ ان ڈھٹائیوں سے صحیح و ثابت حدیثوں کو رد کرنا کون سی دیانت ہے، میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حیا و دیانت کی ایک ادنیٰ جھلک میں بھی باطل و موضوع ہوئی جاتی تھی اور بات بھی مدلل ہوتی کہ ضمیر اقرب کی طرف پھرتی ہے اور ابیہ سے اقرب ابوطالب اور جدّہ سے اقرب ابیہ تو معنی یوں ہوتے کہ عبداللہ نے روایت کی ابوطالب کے باپ حضرت عبدالمطلب سے اور عبدالمطلب نے اپنے دادا عبدمناف سے کہ مولا علی نے جمع صوری کی اب ارسال بھی دیکھئے کتنا بڑھ گیا کہ مولا علی کے پرپوتے مولا علی کے دادا سے روایت کریں اور حدیث صراحۃً موضوع بھی ہوگئی کہ کہاں عبدالمطلب و عبدمناف اور کہاں مولیٰ علی سے روایت حدیث مفید احناف ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یہ عمل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے جب صحیح حدیثوں کے رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسی ایسی بد دیانتیوں بے غیرتیوں بیباکیوں چالاکیوں سے صحیح بخاری کو بھی پس پشت ڈال کر ایک ہانک بولتے ہیں کہ سب واہیات اور مردود ہیں[۲] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افادۂ ثانیہ: احادیث و طرق پر نظرِ انصاف فرمائیے تو ارادۂ جمع صوری پر متعدد قرائن پائیے مثلاً:

(۱) یہ کہ احادیث جمع بین الصلاتین کے راویوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کما سیأتی فی الحدیث التاسع من الافادۃ الرابعۃ (جیسا کہ افادۂ رابعہ کی نویں حدیث میں آرہا ہے۔ت) حالانکہ یہی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے عرفات و مزدلفہ کے سوا کبھی نہ دیکھا کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو نمازیں جمع فرمائی ہوں کما سیأتی تحقیقہ فی الفصل الرابع ان شاء اللہ تعالیٰ (اس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ چوتھی فصل میں آئے گی۔ت) تو ضرور ہے کہ روایت جمع سے جمع صوری مراد ہو۔

(۲) **اقول** خود حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی جمع کرنا مروی ہُوا حالانکہ ان کا مذہب معلوم کہ جمع حقیقی کو منسک حج کے سوا ناجائز جانتے۔

(۳) **اقول** ملّاجی نے اُن پندرہ صحابیوں میں جن کی نسبت دعویٰ کیا کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین

---

[۱] معیار الحق ص ۴۰۰، ۴۰۱ [۲] معیار الحق ص ۳۹۶

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی گنا حالانکہ اُن کا بھی مذہب وہی منع جمع ہے ان دونوں صحابی جلیل الشان کا یہ مذہب ہونا خود امام شافعی المذہب امام ابوالعزیز یوسف بن رافع اسدی حلبی شہیر با بن شداد متوفی ۶۳۱ھ نے کتاب دلائل الاحکام میں ذکر فرمایا؛

کما فی عمدۃ القاری للامام البدر العینی عن التلویح شرح الجامع الصحیح للامام علاء الدین المغلطائی عن دلائل الاحکام لابن شداد۔

جیسے کہ امام بدرالدین عینی نے تلویح سے نقل کیا جو کہ امام علاء الدین المغلطائی کی کتاب الجامع الصحیح کی شرح ہے اور انہوں نے ابن شداد کی (کتاب) دلائل الاحکام سے نقل کیا ہے۔ (ت)

تو مراد وہی جمع صوری ہوگی جیسا کہ خود اُن کے فعل سے مروی ہوا کما تقدم فی الحدیث الرابع (جیسا کہ حدیث ۴ میں گزرا۔ ت)

(۴) **اقول** بہت زور شور سے جمع کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما گنے جاتے ہیں وسیأتی بعض روایاتہ فی الحدیث الاول والباقی فی الفصل الثالث ان شاء اللہ تعالٰی (عنقریب حدیث اول کے تحت ان سے بعض مرویات کا ذکر آئیگا اور بقیہ کا ذکر فصل ثالث میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ ت) حالانکہ وُہ خود فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشا کو سفر میں ایک بار کے سوا کبھی جمع نہ فرمایا کما سیأتی فی اٰخر الفصل الرابع ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ چوتھی فصل کے آخر میں آرہا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ ت) ظاہر ہے کہ وُہ بار حجۃ الوداع کی شب مزدلفہ تھی تو ضرور وہی جمع صوری منظور جیسا کہ اُن کی روایات صحیحہ نے واضح کردیا جس کا بسط حدیث اوّل میں گزرا۔

(۵) **اقول** لُطف یہ کہ ان عبداللہ بن عمر سے قصہ صفیہ بنت ابی عبید میں عشائین کا جمع جو مروی ہوا اُس کے جمع حقیقی ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے حالانکہ خود اُن کے صاحبزادے سالم کہ اُس شب بھی اُن کے ہمراہ تھے صراحۃً فرما چکے کہ حضرت عبداللہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ کی جیسا کہ حدیث نسائی سے گزرا اور سالم کا اُس رات ساتھ ہونا وہیں حدیث بخاری سے ظاہر ہوچکا قلت لہ : الصلاۃ ، قال ، سر[1]۔ الحدیث (میں نے ان سے نماز کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا؛ سفر جاری رکھو۔ الحدیث۔ ت) تو قطعاً یقیناً جمع صوری ہی مراد ہے لاجرم روایات مفسرہ نے تصریح فرمادی یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہٖ تعالٰی بہت سے خیالات مخالفین کا علاج کافی ہوگا۔

---

[1] صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

(۶) رواۃ جمع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں کما یأتی فی الحدیث الثانی (جیساکہ دوسری حدیث میں آرہا ہے ۔ ت) اور ان کی حدیث ان شاء اللہ آخر رسالہ میں آئے گی کہ دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلی فوت ہوجاتی ہے ۔

(۷) یُوں ہی حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی جمع ہیں کما یجیئ فی الحدیث الخامس (جیساکہ پانچویں حدیث میں آئے گا ۔ ت) اور ان کی حدیث بھی بمشیۃ اللہ تعالٰی آنے والی ہے کہ نماز میں تفریط یہ ہے کہ دُوسری کا وقت آنے تک پہلی کی تاخیر کرے افادھذین الامام الطحاوی فی شرح معانی الاٰثار (یہ دونوں فائدے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بیان کئے ۔ ت)

افادۂ ثالثہ: اب کہ ملاجی نے پیٹ بھر کر رَدِ احادیث سے فراغت پائی عقل پر عنایت کی باری آئی فرماتے ہیں : ف

جمع صوری سفر میں ازراہ عقل کے بھی واہی ہے کہ جمع رخصت ہے اور جمع صوری مصیبت کہ آخر جز اور اول جز نماز کا پہچاننا اکثر خواص کو نہیں ممکن چہ جائے عوام ۔

اقول ملاجی بیچارے جو شامت ایام سے مقابلہ شیران حنفیہ میں آپھنسے وہ چوکڑی بھولے ہیں کہ اپنی اجتہادی آزادی بھی یاد نہیں یا تو وہ جوش تھے کہ ابوحنیفہ وشافعی کی تقلید حرام بدعت شرک یا اب جابجا ایک ایک مقلد مالکی شافعی کے ٹھیٹ مقلد بنتے ہیں رطب یا بس جہاں جو کچھ کلام کسی مقلد کا مل جاتا ہے اگرچہ کیسا ہی پوچ اور ضعیف ہو اللہ بسم اللہ کہہ کر اُسے آنکھوں سے لگاتے سر پر رکھتے بے سمجھے بُوجھے ایمان لے آتے ہیں یہ اعتراض بھی حضرت نے بعض مالکیہ وشافعیہ کی تقلید جامد کے صدقہ میں پایا ہے مگر شوخ چشمی یہ کہ علمائے حنفیہ جو طرح طرح اس کی دھجیاں اُڑا چکے اُن سے ایک کان گونگا ایک بہرا کرلیا اور پھر اسی رد شدہ بات باطل و بے ثبات کو پیش کردیا بہادری تو جب تھی کہ اُن قاہر جوابوں کے جواب دیتے پھر واہی تباہی جو چاہتے فرمالیتے خیر اب بعض جوابات مع تازہ افاضات لیجئے وباللہ التوفیق ۔

اوّلاً اللہ عزوجل نے نماز خواص وعوام سب پر یکساں فرض کی اور اُس کے لیے اوقات مقرر فرمائے اور اُن کے لیے اول وآخر بنائے اور ان پر واضح وعام فہم نشان بنائے کہ اُن کا ادراک ہر خاص و عام کو آسان ہوجائے ہمارے دین میں کوئی تنگی نہ رکھی اور ہم پر کسی طرح دشواری نہ چاہی ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[۱] (اس نے دین کے معاملہ میں تم پر تنگی نہیں فرمائی ، اللہ تعالٰی

---

[۱] القرآن ۲ / ۱۸۵ ف معیار الحق ص ۴۰۱

تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا ۔ ت) تو ہر وقت کے اول و آخر شرعی کا پہچاننا خواص و عوام سب کو آسان خصوصاً سفر میں جہاں اُفق سامنے اور صاف میدان ہو نہ سیکھے یا توجہ نہ کرے الزام اُس پر ہے نہ شرع مطہر پر ، ہاں فصل مشترک حقیقی کہ آنِ واحد و جزء لایتجزی ہے اُس کا علم بے طرق مخصوصہ انبیاء و اولیاء عامۂ بشر کی طاقت سے وراء ہے مگر نہ اس کے ادراک کی تکلیف نہ اس پر جمع صوری کی توقیف ۔

ثانیاً اقول اول و آخر کا پہچاننا تو شاید تم بھی فرض جانتے ہو کہ تقدیم و تاخیر بے عذر بالاجماع مبطل و حرام ہے کیا اللہ عزوجل نے امر محال کی تکلیف دی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا[1] (اللہ تعالٰی کسی کو اس بات کا حکم نہیں دیتا جو اس کی طاقت میں نہ ہو ۔ ت) فافہم ۔

ثالثاً اقول تحقیق تام یہ ہے کہ اوقات متصلہ میں عامہ کے لیے پانچ حالتیں ہیں : وقتِ اول پر یقین ، اُس پر ظن ، دونوں میں شک ، آخر کا ظن ، اُس کا یقین ، فقہیات میں ظن ملتحق بیقین ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا تو بین الوقتین حکماً بھی اصلاً فاصل نہیں مسئلۂ تسحر و مسئلۂ صلاۃ الفجر فی آخر الوقت وغیرہما میں تصریحاتِ علماء دیکھیے ۔

رابعاً اقول کس نے کہا کہ جمع صوری میں وصل حقیقی بے فصل آنی لازم ہے حدیث مذکور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بروایت صحیح بخاری و حدیث امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بروایت ابی داود دیکھیے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحمت پر نثار حضور نے عوام ہی کے ارشاد کو یہ طرز ملحوظ رکھی کہ مغرب آخر شفق میں پڑھ کر قدرے انتظار فرمایا پھر عشا پڑھی یا بین الصلاتین کھانا ملاحظہ فرمایا اور لطف الٰہی یہ کہ تمام احادیث جمع میں اگر منقول ہے تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل ۔ اُس کے ساتھ اُمت کو بھی ارشاد کہ جسے ضرورت ہو ایسا ہی کرلے اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے جس میں بروایت صحیح بخاری ثابت کہ دو نمازوں کے بیچ میں قدرے انتظار فرمایا تو آپ کے جہل کا خود رخصت عطا فرمانے والے رؤف رحیم خبیر علیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لحاظ کرلیا تھا مگر افسوس کہ اب بھی آپ کو شکایت اور رحمت کا نام معاذ اللہ مصیبت ہے ہر عاقل جانتا ہے کہ مسافر کو بار بار اُترنے چڑھنے وضو نماز کا جُدا جُدا سامان کرنے سے یہ بہت آسان ہے کہ ایک بار اُتر کر دفعۃً دونوں نمازوں سے فارغ ہو لے اول قریب آخر پڑھے اور ایک لطیف انتظار کے بعد آخر اپنے اول میں اس کا انکار صریح مکابرہ ہے ہاں یہ کہئے کہ وقت گزار کر پڑھنے کی اجازت ملے تو اور آسانی ہے ۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

اقول دن ٹال کر گھر پہنچ کر اکٹھی پڑھ لینے کی رخصت ہو تو اور آسانی ہے اور بالکل معاف ہو جائے تو پُوری چھٹی! رخصت میں آسانی درکار ہے پُوری آسانی کس نے مانی!

خامساً احمد بخاری مسلم ابوداؤد نسائی طحاوی وغیرہم بطریق عمرو بن دینار عن جابر بن زید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وھذا لفظ مسلم، قال، صلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا، قلت، یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظھر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء، قال، وانا اظن ذلک[1]

اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں، کہا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور اکٹھی سات رکعتیں بھی۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا "اے ابوالشعثاء! میرا خیال ہے کہ انھوں نے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا ہوگا" ابوالشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ (ت)

مالک احمد مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی طحاوی وغیرہم اُسی جناب سے بطرق شتّی والفاظ عدیدہ راوی:

وھذا حدیث مسلم بطریق زھیر ثنا ابوالزبیر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر والعصر جمیعا بالمدینۃ فی غیر خوف ولا سفر، قال ابوالزبیر: فسألت سعیدا لم فعل ذلک؟ فقال: سألت ابن عباس کما سألتنی، فقال: اراد ان لا یحرج احد من امتہ[2]۔

اور یہ حدیث مسلم کی بواسطہ ابوالزبیر ہے کہ ہم سے بیان کیا سعید ابن جبیر نے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور سفر کے مدینہ میں ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں، ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے سعید سے پُوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا ہے اسی طرح میں نے ابن عباس سے پُوچھا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت پر کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] " " " " " " " " " ۱/۲۴۶

وفی اخری له وللترمذی بطریق حبیب ابن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، قال: جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بین الظهر والعصر، وبین المغرب والعشاء بالمدینة فی غیر خوف ولا مطر[1]۔

مسلم نے ایک اور روایت میں اور ترمذی نے بواسطہ حبیب ابن ابی ثابت، سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور بارش کے مدینہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشار کو جمع کیا۔ (ت)

وللطحاوی عن صالح مولی التوأمة عن ابن عباس: فی غیر سفر ولا مطر[2]۔

اور طحاوی نے صالح مولی التوأمہ کے واسطے سے ابن عباس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "بغیر سفر اور بارش کے"۔ (ت)

وفی لفظ للنسائی اخبرنا قتیبة ثنا سفیٰن عن عمرو عن جابر بن زید عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال: صلیت مع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالمدینة، ثمانیا جمیعا، وسبعا جمیعا، اخر الظهر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء[3]۔

اور نسائی کے الفاظ یُوں ہیں: خبر دی ہمیں قتیبہ نے کہ حدیث بیان کی ہم سے سفیٰن نے عمرو سے اس نے جابر سے کہ ابن عباس نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور سات رکعتیں بھی، آپ نے ظہر کو مؤخر کیا تھا اور عصر میں جلدی کی تھی اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا تھا اور عشار میں جلدی کی تھی۔ (ت)

وفی لفظ له عن عمرو بن هرم عن جابر بن زید عن ابن عباس انه صلی بالبصرة، الاولٰی والعصر، لیس بینهما شیئ، والمغرب والعشاء، لیس بینهما شیئ، فعل ذلك من شغل۔

نسائی کی اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ عمرو ابن ہرم جابر ابن زید سے راوی ہیں کہ ابن عباس نے بصرہ میں ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا، ان کے درمیان کوئی شَے حائل نہ تھی، اور مغرب وعشار کو اکٹھا پڑھا ان کے درمیان کوئی شَے حائل نہ تھی۔ اس طرح

---

[1] جامع الترمذی باجاء فی الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ امین کمپنی اردو بازار دہلی ۱/۲۶

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین کیف ہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

[3] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

وزعم ابن عباس انه صلی مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالمدینة الاولٰی والعصر، ثمان سجدات لیس بینهما شیئ[1]

انہوں نے ایک مصروفیت کی وجہ سے کیا تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بھی ظہر وعصر اکٹھی پڑھی تھیں یہ آٹھ رکعتیں تھیں اور ان دو کے درمیان اور کوئی شے نہ تھی۔

ولمسلم بطریق الزبیر بن الخرّیت عن عبد الله بن شقیق ان التاخیر کان لاجل خطبة خطبها[2]

مسلم نے زبیر ابن خرّیت کے واسطہ سے عبد اللہ ابن شقیق سے روایت کی کہ یہ تاخیر ایک خطبہ دینے کی وجہ سے ہُوئی تھی۔

وله بطریق عمران بن حدیر عن عبد الله المذکور عن ابن عباس، فی القصة، قال: کنا نجمع بین الصلاتین علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم[3]

اور مسلم نے بطریقہ عمران ابن حدیر، عبد اللہ ابن شقیق سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے مذکورہ واقعے میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں ہم دو نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔

وللطحاوی من هذا الوجه: قد کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ربما جمع بینهما بالمدینة[4]۔

اور طحاوی اسی سند سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا دو نمازوں کو مدینہ میں اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ان روایاتِ صحاح سے واضح کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی حالت میں کہ نہ خوف تھا نہ سفر نہ مرض نہ مطر محض بلا عذر خاص مدینہ طیبہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا بجماعت جمع فرمائیں سفر وخطر ومطر کی نفی تو خود احادیث میں مذکور اور مرض بلکہ ہر عذر کی نفی سوق بیان سے صاف مستفاد معہذا جب نمازیں جماعت سے تھیں تو سب کا مریض ومعذور ہونا مستبعد پھر راوی حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اسی بنا پر صرف طول خطبہ کے سبب تاخیر مغرب واستناد بجمع مذکور انتفائے اعذار پر صریح دلیل حالانکہ مقیم کے لیے

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۹

[2] صحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۶

[3] " " " " "

[4] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۱

بے عذر جمع وقتی ملاجی بھی حرام جانتے ہیں، حدیث مسلم انما التفریط علی من لم یصل الصلاۃ حتی یجیٔ وقت الصلاۃ الاخری[1] (گناہ اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت ہو جائے۔ ت) کے جواب میں کیا فرمائیں گے یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلا عذر نماز میں تاخیر کرے۔ حدیث امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر[2] (ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ ت) کے جواب میں کہہ چکے ہیں[ف1] منع کرنا عمر کا جمع بین الصلاتین سے حالتِ اقامت میں بلا عذر تھا جیسا کہ شاہد ہے اس تاویل پر اتفاق جمہور صحابہ و من بعدہم کا اوپر عدم جواز بلا عذر کے، تو اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں جمع فعلی مراد لینے سے چارہ نہیں اور خود ملاجی نے امام ابن حجر شافعی اور اُن کے توسط سے امام قرطبی و امام الحرمین و ابن الماجشون و ابن سید الناس وغیرہم سے یہاں ارادہ جمع فعلی کی تقویت و ترجیح نقل کی[ف2] معہذا قطع نظر اس سے کہ روایت صحیحین میں حضرت ابن عباس کے تلامذہ و راویانِ حدیث جابر بن زید و عمرو بن دینار نے ظناً حدیث کا یہی محمل مانا قال ابن سید الناس، وراوی الحدیث ادری بالمراد من غیرہ (ابن سید الناس نے کہا ہے کہ حدیث کا راوی، دوسرے شخص کی نسبت حدیث کی مراد سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ ت) روایت نسائی میں خود ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس جمع کے جمع فعلی ہونے کی تصریح فرما دی کہ ظہر و مغرب میں دیر کی اور عصر و عشاء میں جلدی یہ خاص جمع صوری ہے اب کسی کو محل سخن نہ رہا تھا تمہارے امام شوکانی غیر مقلد نے نیل الاوطار میں کہا:

مما یدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری، ما اخرجہ النسائی عن ابن عباس (فذکر لفظہ قال) فھذا ابن عباس، راوی حدیث الباب، قد صرح بان مارواہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری[3]۔

جو چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس باب سے متعلق حدیث کا جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہے، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو نسائی نے ابن عباس سے نقل کی ہے (اس کے بعد شوکانی نے مذکورہ روایت بیان کی ہے اور کہا ہے) یہ ابن عباس، جو اس موضوع سے متعلق حدیث کے (اولین) راوی ہیں خود تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین کی جو روایت بیان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔ ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۹

[2] موطا امام محمد باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۲۹

[3] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب جمع المقیم لمطر او غیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۳۲

ف1: معیار الحق ص ۳۷۱ ف2: معیار الحق ص ۳۰۰

13
13

شوکانی نے اس ارادہ کے اور چند مؤیدات بھی بیان کیے اور انکار جمع صوری اور آپ کے زعم باطل مصیبت کی اپنی بساط بھر خوب خوب خبریں لی ہیں جی میں آئے تو ملاحظہ کر لیجئے بالجملہ شک نہیں کہ حدیث میں مراد صوری ہے اب اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تصریح موجود ہے کہ یہ جمع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنظرِ رحمت و آسانیٔ اُمّت کی تھی، مُلّاجی! اب اپنی مصیبت کی خبریں کہئے۔

سادسًا: عجب تر یہ کہ یہی صاحب جنہوں نے جمع صوری کو باعث مشقت و منافی رخصت مانا خود اسی حدیث ابن عباس کو جمع صوری سے تاویل کر گئے کما افاد الامام الزیلعی وغیرہ (جیسا کہ امام زیلعی وغیرہ نے اس کا افادہ کیا ہے۔ت) یہ صریح منافقت ہے۔

اقول مُلّاجی تو تقلید جامد کا جامہ پہنے بیٹھے ہیں اس تناقض میں بھی تقلید کر گئے حدیث طبرانی مفید جمع صوری کہ عنقریب آتی ہے حضرت اس کے جواب میں ان کہی بولتے ہیں[ف۱] کہ اس میں کیفیت اُس جمع کی ہے جو حالتِ قیام میں بلاعذر آنحضرت[ع۱] نے جمع کی تھی جیسا[ف۲]... روایت میں ابن عباس کی ہے کہ آنحضرت[ع۲] نے حالت قیام میں مدینہ میں جمع صوری کی تھی۔ ملّاجی! ذرا آنکھ ملا کر بات کیجئے اب وہ مصیبت رحمت و رافت کیونکر ہو گئی۔

سابعًا: حدیث حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی احمد و ابوداؤد و ترمذی جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زنانِ مستحاضہ کے لیے جمع صوری پسند فرمائی ہے ملّاجی کو وہاں بھی یہی عذر معمولی پیش آیا کہ وہ مقیم تھی پس مقیم پر مسافر کی نماز کو قیاس مع الفارق ہے۔

اقول مُلّاجی جمع صوری تو عوام کیا اکثر خواص کو بھی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھی وہ بھی سفر کے کھلے میدانوں میں، اب کیا دُنیا پلٹی کہ پردہ نشین زنانِ[ع۳] ناقصات العقل کے لیے گھر کی چار دیواریوں میں ممکن ہو گئی۔

ثامنًا: عبدالرزاق مصنف میں بطریق عمرو بن شعیب راوی:

قال قال عبد اللہ: جمع لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مقیما غیر مسافر، بین الظھر و العصر، و المغرب، و العشاء، فقال رجل لابن عمر: لم تری النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعل ذلک؟

اس نے کہا کہ عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لیے دُو نمازوں کو جمع کیا جبکہ آپ مقیم تھے، مسافر نہ تھے۔ یعنی ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو۔ ایک آدمی نے ابن عمر سے پُوچھا کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ

ع۱ و ع۲ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ (م)

ع۳ یعنی یہ حکم اب بھی ہر مستحاضہ کے لیے ہے تو ثابت ہوا کہ پردہ نشین زنان ناقصات العقل کو جمع صوری میسر ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (م) ف۱ معیار الحق ص ۴۰۰ ف۲ معیار الحق ص ۴۱۸

قال لان لا تحرج امته ، ان جمع رجل [1]

علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا تھا ؟ تو انھوں نے جواب دیا تاکہ امت پر تنگی نہ ہو، اگر کوئی شخص جمع کرلے۔ (ت)

ابن جریر اسی جناب سے بایں لفظ راوی :

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما، ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما [2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ ظہر میں تاخیر کرکے اور عصر میں تعجیل کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرکے دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔ (ت)

نیز ابن جریر کی دوسری روایت میں اُسی جناب سے یوں ہے :

اذا بادر احدکم الحاجۃ فشاء ان یؤخر المغرب ویعجل العشاء ثم یصلیھما جمیعا فعل [3]۔

اگر تم میں سے کسی کو کسی ضرورت کی بنا پر جلدی ہو اور وہ چاہے کہ مغرب کو مؤخر کرکے اور عشاء میں جلدی کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لے، تو ایسا کرلے۔ (ت)

ان حدیثوں سے بھی ظاہر کہ جمع صوری میں بیشک آسانی ورحمت اور وقت حاجت عام لوگوں کو اس کی اجازت۔

تاسعاً : عبدالرزاق صفوان بن سلیم سے راوی قال جمع عمر بن الخطاب بین الظھر والعصر فی یوم مطیر [4] یعنی امیر المؤمنین فاروق اعظم نے مینہ کے سبب ظہر وعصر جمع کی۔

اقول ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے نزدیک جمع وقتی حرام وگناہ کبیرہ ہے جس کا بیان ان شاء اللہ المنان فصل چہارم میں آتا ہے لاجرم جمع صوری فرمائی۔

عاشراً : طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین المغرب والعشاء یؤخر ھذہ فی اٰخر وقتھا ویعجل ھذہ فی اول

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مغرب و عشاء کو جمع فرماتے، مغرب کو اس کے آخر وقت میں پڑھتے اور عشاء کو اس کے اول

---

[1] مصنف ابی بکر عبدالرزاق حدیث ۴۴۳۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۵۶

[2] کنز العمال الاکمال من صلوٰۃ المسافر حدیث ۲۲۷۸۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۲۵۰

[3] کنز العمال " " " " ۲۰۱۹۰ " " ۷/ ۵۴۷

[4] المصنف لعبدالرزاق باب جمع بین الصلاتین فی الحضر حدیث ۴۴۴۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۵۶

وقتہا[1]

وقت میں۔ (م)

یہ وہی حدیث طبرانی ہے جس میں جمع صوری ملاجی ابھی ابھی مان چکے ہیں اس کی نسبت باقی کلام کا رد ان شاء اللہ العزیز آئندہ آتا ہے غرض شاباش ہے تمہارے جگرے کو کہ صحیح حدیثوں کے رد و ابطال میں کوئی دقیقہ مغالطۂ جاہلین و مکابرۂ عالمین و تعلیہ مقلدین کا اٹھا نہ رکھو اور پھر عمل بالحدیث کی شیشی کو ٹھیس تک نہ لگے ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

افادۂ رابعہ: الحمدللہ جب کہ احادیث جمع صوری کی صحت مہرنیمروز و ماہ نیم ماہ کی طرح روشن ہوگئی تو اب جس قدر حدیثوں میں مطلق جمع بین الصلاتین وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کو جمع فرمایا یا عصر و عشا سے ملانے کو ظہر و مغرب میں تاخیر فرمائی و امثال ذلک کسی میں مخالف کے لیے اصلاً حجت نہ رہی سب اسی جمع صوری پر محمول ہوں گی اور استدلال مخالف احتمال موافق سے مطرود و مخذول مثل حدیث بخاری و مسلم و دارمی و نسائی و طحاوی و بیہقی بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم و مسلم و مالک و نسائی و طحاوی بطریق نافع

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجمع بین المغرب والعشاء اذاجد بہ السیر[2]۔ وفی لفظ مسلم والنسائی من طریق سالم، رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلٰوۃ المغرب حتی یجمع بینہا و بین صلٰوۃ العشاء[3]۔

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب چلنے میں تیزی ہوتی تھی تو آپ مغرب و عشاء کو جمع کرتے تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت اور نسائی کی بطریقہ سالم روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر کے دوران چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر کر دیتے تھے کہ عشا کے ساتھ ملالیتے تھے۔ (ت)

یہ معنی مجمل بروایات سالم و نافع مستفیض ہیں۔

فرواہ البخاری عن ابی الیمان، والنسائی

چنانچہ بخاری ابوالیمان سے، نسائی بقیہ اور

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبداللہ ابن مسعود حدیث ۹۸۸۰ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۱

[3] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۵

عن بقیة[۲] وعثمٰن[۳]، کلهم عن شعیب بن ابی حمزه۔ ومسلم عن ابن وهب عن یونس[۴]۔ والبخاری عن علی بن المدینی[۵]، ومسلم عن یحیٰی[۶] بن یحیٰی وقتیبة[۷] بن سعید وابی[۸] بکر بن ابی شیبة وعمرو[۹] والناقد، والدارمی عن محمد[۱۰] بن یوسف، والنسائی عن محمد[۱۱] بن منصور، والطحاوی عن الحمانی[۱۲]، ثمانیتهم عن سفین بن عیینة، ثلثتهم اعنی شعیبا ویونس وسفین عن الزهری عن سالم، ومسلم عن یحیٰی[۱۳] بن یحیٰی، والنسائی عن قتیبة[۱۴]، والطحاوی عن ابن وهب[۱۵]، کلهم عن مالك، والنسائی بطریق عبدالرزاق ثنا معمر عن موسٰی[۱۶] بن عقبة، والطحاوی عن لیث[۱۷]، والبیهقی فی الخلافیات من طریق یزید بن هارون عن یحیٰی[۱۸] بن سعید، اربعتهم عن نافع، کلاهما عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔

عثمان سے، یہ سب (ابوالیمان، بقیہ، عثمان) شعیب ابن ابی حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور مسلم، ابن وہب سے، وہ یونس سے روایت کرتے ہیں۔ اور بخاری، علی ابن مدینی سے۔ اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی، قتیبہ ابن سعید، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عمرو الناقد سے۔ اور دارمی، محمد ابن یوسف سے۔ اور نسائی، محمد ابن منصور سے۔ اور طحاوی، حمانی سے۔ یہ آٹھوں (یعنی علی، یحیٰی، قتیبہ، ابوبکر، عمرو، ابن یوسف، ابن منصور، حمانی) سفیان ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں۔ پھر تینوں (سلسلوں کے تین آخری راوی) یعنی شعیب، یونس اور سفیان، زہری کے واسطے سے، سالم سے راوی ہیں۔ اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی سے۔ اور نسائی، قتیبہ سے۔ اور طحاوی، ابن وہب سے۔ یہ تینوں مالک سے روایت کرتے ہیں۔ اور نسائی، بطریق عبدالرزاق، وہ معمر سے، وہ موسٰی ابن عقبہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور طحاوی لیث سے روایت کرتے ہیں۔ اور بیہقی خلافیات میں بطریق یزید ابن ہارون، یحیٰی ابن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ یہ چاروں (آخری راوی یعنی مالک، موسٰی، لیث، یحیٰی) نافع سے راوی ہیں۔ (سالم اور نافع) دونوں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ (ت)

حدیث[۲] معلق بخاری

ووصله البیهقی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما، کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یجمع بین صلاة الظهر والعصر اذا کان علی ظهر سیر،

بیہقی نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موصولاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب چلنے والے ہوتے تھے تو ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرلیتے تھے۔ اسی طرح مغرب وعشاء بھی جمع کرلیتے تھے۔

ويجمع بين المغرب والعشاء[1]. وهو عند مسلم وأخرين بذكر غزوة تبوك، ولابن ماجة من طريق ابرٰهيم بن اسمٰعيل عن عبدالكريم عن مجاهد وسعيد بن جبير وعطاء بن ابي رباح وطاؤس، اخبروه عن ابن عباس رضي الله تعالٰى عنهما انه اخبرهم ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يجمع بين المغرب والعشاء في السفر من غير ان يعجله شئ ولا يطلبه عدو ولا يخاف شيئاً[2].

قلت: ابرٰهيم هذا، هو ابن اسمٰعيل بن مجمع الانصاري، ضعيف. وعبدالكريم، ان لم يكن ابن مالك الجزري، فابن ابي المخارق، وهو اضعف واضعف. والمعروف حديثه في الجمع بالمدينة. رواه الشيخان وجماعة، كما قدمناه بطرقها والفاظها عما قريب.

یہ روایت مسلم اور دیگر محدثین کے نزدیک غزوہ تبوک کے تذکرے سے متعلق ہے۔ اور ابن ماجہ بطریقہ ابراہیم بن اسمٰعیل راوی ہیں کہ عبدالکریم کو مجاہد، سعید ابن جبیر، عطاء ابن ابی رباح اور طاؤس نے خبر دی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں مغرب و عشاء جمع کرلیتے تھے حالانکہ نہ آپ کو جلدی ہوتی تھی نہ دشمن تعاقب میں ہوتا تھا اور نہ کسی اور چیز کا خوف ہوتا تھا۔ **قلت** (میں نے کہا): یہ وہی ابن اسمٰعیل ابن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے۔ اور عبدالکریم اگر ابن مالک جزری نہیں ہے، تو ابن ابی المخارق ہوگا اور وُہ بہت ضعیف اور بہت ہی ضعیف ہے۔ ابن عباس کی جو حدیث معروف ہے وہ مدینہ میں جمع کرنے کی ہے (نہ کہ سفر میں) اس کو بخاری، مسلم اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جیسا کہ تھوڑا ہی پہلے ہم اس کے تمام طریقے اور الفاظ بیان کر آئے ہیں۔ (ت)

وحدیث بخاری تعلیقاً و وصلاً وطحاوی وصلاً

عن انس رضي الله تعالٰى عنه ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يجمع بين هاتين الصلاتين في السفر، يعني المغرب والعشاء[3].

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اِن دُو نمازوں کو سفر میں جمع کرتے تھے، یعنی مغرب اور عشاء کو۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ١/١٤٩

[2] سنن ابن ماجہ باب الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/٧٦

[3] شرح معانی الآثار " " " " " " " " " " ١/١١١

۵ حدیث مالک وشافعی ودارمی ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وطحاوی مطولاً ومختصراً

عن عامر بن واثلة ابی الطفیل عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنهم قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی غزوة تبوك بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء، قال، فقلت، ما حمله علی ذلك؟ قال، فقال: اراد ان لا یحرج امته[1]

عامر ابن واثلہ ابوالطفیل، معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب عشا کو جمع کیا تھا۔ واثلہ نے کہا کہ میں نے پوچھا: "اس کی وجہ کیا تھی؟" تو معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیا کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت کو کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت)

هذا لفظ مسلم فی الصلاة، ومثله للطحاوی، وعند الترمذی صدره فقط، وهو احد لفظی الطحاوی ولمالك ومن طریقه عند مسلم فی الفضائل، خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عام غزوة تبوك فكان یجمع الصلاة، فصلی الظهر والعصر جمیعا، والمغرب والعشاء جمیعا حتی اذا كان یوما اخر الصلاة، ثم خرج فصلی الظهر والعصر جمیعا، ثم دخل، ثم خرج بعد ذلك، فصلی المغرب والعشاء جمیعا[2]، الحدیث بطوله، وهو بهذا القدر من دون زیادة عند الباقین۔

یہ مسلم کے الفاظ ہیں کتاب الصلوٰۃ میں، اور طحاوی نے بھی یونہی روایت کی ہے۔ ترمذی میں صرف اس کا ابتدائی حصہ ہے اور طحاوی کی ایک روایت بھی صرف ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔ مالک کے ہاں، اور اسی کے طریقے سے مسلم کے ہاں روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو آپ نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا اور مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا حتی کہ ایک روز آپ نے نماز کو مؤخر کیا، پھر تشریف لائے تو ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا۔ پھر اندر تشریف لے گئے پھر باہر جلوہ افروز ہوئے اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا۔ مالک اور مسلم نے اس حدیث کو آخر تک پوری طوالت سے ذکر کیا ہے۔ مگر دیگر محدثین کے ہاں اسی قدر ہے۔ اس سے زائد نہیں ہے۔ (ت)

۶ حدیث مالک مرسلاً ومسنداً

من طریق داود بن الحصین عن الاعرج

بطریق داؤد ابن حصین، اعرج سے، وہ ابوہریرہ

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] الصحیح لمسلم باب فی معجزات النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کتاب الفضائل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۴۶

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین الظھر والعصر فی سفرہ الی تبوک[1]۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک کے دوران ظہر وعصر کو جمع کیا کرتے تھے۔ (ت)

ھکذا روی عن یحیٰی مسندا، وھو عند محمد وجمھور رواۃ الموطا عن عبدالرحمٰن بن ھرمز مرسلا۔ وعبدالرحمٰن، ھوالاعرج۔

یہ حدیث یحیٰی سے بھی اسی طرح مسنداً مروی ہے، مگر محمد اور مؤطا کے اکثر راوی اس کو عبدالرحمٰن ابن ہرمز سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، اور عبدالرحمٰن، وہی اعرج ہے۔

وھو عندالبزار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔

اور بزار کے ہاں عطاء ابن یسار ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو نمازوں کو جمع کرتے تھے۔ (ت)

وحدیث:

احمد وابن ابی شیبۃ بطریق حجاج ابن ارطاۃ، مختلف فیہ، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وھو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین الصلاتین فی غزوۃ بنی المصطلق[3]۔

احمد اور ابن ابی شیبہ بطریقہ حجاج ابن ارطاۃ، جو مختلف فیہ ہے، عمرو ابن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے، وہ اس کے دادا سے، یعنی عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بنی مصطلق میں دو نمازوں کو جمع کیا۔ (ت)

وحدیث ترمذی فی کتاب العلل

حدثنا ابوالسائب عن الجریری عن ابی عثمٰن عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھما قال، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

حدیث بیان کی ہم سے ابوالسائب نے جریری سے، اس نے ابوعثمان سے، اس نے اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] مؤطا امام مالک — الجمع بین الصلوٰتین الخ — مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی — ص ۱۲۴-۱۲۵

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار — باب الجمع بین الصلوٰتین — مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت — ۱/۳۳۰

[3] المصنف لابن ابی شیبہ — ″ ″ ″ — مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی — ۲/۴۵۸

وسلم اذا جد به السیر جمع بین الظهر و العصر، والمغرب والعشاء، قال الترمذی، سألت محمدا، یعنی البخاری عن هذا الحدیث، فقال: الصحیح: هو موقوف عن اسامة بن زید[1]۔

وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کرتے تھے۔ ترمذی نے کہا کہ میں نے محمد، یعنی بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اسامہ ابن زید پر موقوف ہے۔ (ت)

و حدیث،

احمد بطریق ابن لهیعة عن ابن الزبیر قال، سألت جابرا رضی الله تعالٰی عنه، هل جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم بین المغرب والعشاء؟ قال: نعم، عام غزونا بنی المصطلق[2]۔

احمد بطریقہ ابن لہیعہ، ابوالزبیر سے راوی ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پُوچھا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی مغرب و عشاء کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، جس سال ہم غزوہ بنی مصطلق کے لیے گئے تھے۔" (ت)

و حدیث ابن ابی شیبه و ابوجعفر طحاوی

اما الاول فبطریق ابن ابی لیلٰی عن هذیل، و اما الاٰخر فعن ابی قیس الاودی عن هذیل بن شرجبیل عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم جمع، ولفظ الاٰخر کان یجمع، بین الصلاتین فی السفر[3]۔

پہلے (یعنی ابن ابی شیبہ) بطریقہ ابن ابی لیلٰی، ہذیل سے، اور دوسرے (یعنی طحاوی) ابوقیس اودی سے، وُہ ہذیل ابن شرجیل سے، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر کے دوران جمع کیا ——— طحاوی کے الفاظ یوں ہیں: "جمع کیا کرتے تھے دو نمازوں کو سفر کے دوران۔" (ت)

وللطبرانی فی معجمیه الکبیر و الاوسط عنه رضی الله تعالٰی عنه قال، جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم

اور طبرانی نے اپنی دونوں معجموں یعنی کبیر اور اوسط میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر و عصر

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۷/۱۴۹

نوٹ: یہ حوالہ مجھے ترمذی کی کتاب العلل میں نہیں مل سکا اور بڑی کوشش سے عمدۃ القاری سے ملا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر بن عبداللہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۳/۳۴۸

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من قال یجمع المسافر بین الصلوتین مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۴۵۸

بین الظہر والعصر، والمغرب والعشاء، فقیل لہ فی ذلک، فقال: صنعت ذلک لئلا تحرج امتی[1]۔

اور مغرب وعشاء کو جمع کیا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا، آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح اس لیے کیا ہے تاکہ میری اُمت پر کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت)

وحدیث [۱۰]

طبرانی فی المعجم الاوسط عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔

طبرانی معجم اوسط میں ابونضرہ سے، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ (ت)

وحدیث [۱۱] مرسل وبلاغ مالک

انہ بلغہ عن علی بن حسین، ھو ابن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ کان یقول: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اراد ان یسیر یومہ، جمع بین الظہر والعصر، واذا اراد ان یسیر لیلہ، جمع بین المغرب والعشاء[3]۔

مالک کو علی ابن حسین ابن علی رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دن کو سفر کرنا چاہتے تھے تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے اور جب رات کو سفر کرنا چاہتے تھے تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔ (ت)

ولہذا سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مؤطا شریف میں حدیث پنجم روایت کرکے فرماتے ہیں:

بہذا ناخذ، والجمع بین الصلاتین ان تؤخر الاولٰی منہما فتصلی فی اٰخر وقتہا، وتعجل الثانیۃ فتصلی فی اول وقتہا[4]۔

ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع بین الصلاتین کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی کو مؤخر کرکے آخر وقت میں پڑھا جائے اور دوسری کو جلدی کرکے اول وقت میں۔ (ت)

یعنی جو اس حدیث میں آیا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر جمع فرماتے ہم

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۲۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/۲۶۹

[2] معجم اوسط، حدیث نمبر ۵۵۵۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/۲۶۲

[3] مؤطا امام مالک جمع بین الصلاتین ″ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۶

[4] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۱

اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع کے معنی جمع صوری ہیں۔ ملّا جی تو ایک ہوشیار ان احادیث اور ان کے امثال کو محتمل و بے سود سمجھ کر خود بھی زبان پر نہ لائے اور اغوائے عوام کے لیے یوں گول در پردہ کہہ گئے کہ جمع بین الصلاتین فی سفر صحیح اور ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت جماعت عظیمہ کے صحابہ کبار سے۔ پھر پندرہ صحابہ کرام کے اسمائے طیبہ گنا کر خود ہی کہا لاکن مجموعہ روایات میں بعض ایسی ہیں کہ ان میں فقط جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو نمازوں کو بیان کیا ہے کیفیت جمع کی بیان نہیں کی پس حنفی لوگ ان حدیثوں میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اس سے جمع صوری ہے اسی لیے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں ذکر کرتے ہیں تو منصفین با فہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انھیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں اھ ملخصاً۔

اقول بالفرض اگر جمع صوری ثابت نہ ہوتی تاہم محتمل تھی اور احتمال قاطع استدلال نہ کہ جب آفتاب کی طرح روشن دلیلوں سے جمع صوری کا احادیث صحیحہ سے ثبوت ظاہر تو اب براہِ تلبیس پندرہ صحابہ کی روایت سے اپنے مطلب کا ثبوت صحیح بتانا اور جابجا عوام کو دہشت دلانے کے لیے کہیں چودہ کہیں پندرہ سُنانا کیا مقتضائے مُلّائیت ہے اب تو ملّا جی کی تحریر خود اُن پر بازگشتی تیر ہوئی کہ جب احادیث صحیحہ صریحہ سے جمع صوری ثابت تو منصفین با فہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انھیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں، رہے وہ صحابہ جن کی روایات اپنے زعم میں صریح سمجھ کر لائے اور نص مفسر نا قابل تاویل کہتے ناظرین تعداد کا خوف نہ لائے وہ صرف چار ہیں دو جمع تقدیم دو جمع تاخیر میں، اُن روایات کا حال بھی عنقریب ان شاء اللہ القریب المجیب کھلا جاتا ہے اُس وقت ظاہر ہوگا کہ دعوٰی کر دینا آسان ہے مگر ثبوت دیتے تین ہاتھ پیرا آتا ہے وللہ الحجۃ السامیہ۔

فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم

واضح ہو کہ جمع تقدیم غایت درجہ ضعف وسقوط میں ہے حتی کہ بہت علمائے شافعیہ و مالکیہ تک معترف ہیں کہ اُس کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہ ہوئی مگر مُلّا جی اپنی مُلّائیت کے بھروسے بیڑا اٹھا کر چلے ہیں کہ اُسے احادیث صحیحہ صریحہ مفسرہ قاطعہ سے ثابت کر دکھائیں گے ؎

چلا تو ہے وہ بت سیمتن شب وعدہ
اگر حجاب نہ روکے حیا نہ یاد آئے

جمع تقدیم و تاخیر دونوں کی نسبت حضرت کے یہی دعوے ہیں، ابھی سن چکے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں،

ل صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم ۱۲ منہ (م) ت معیار الحق ص ۳۶۶

ترجمہ ذکر احادیث فرمایا[1] یہیں دلائل ہمارے جواز جمع پر جن میں کسی طرح عذر اور تاویل اور جرح اور قدح کو دخل نہیں۔ آخر کتاب میں فرمایا[2] نصوص قاطعہ تاویل۔ اس سے اوپر لکھا، احادیث[3] صحاح جو جمع بین الصلاتین پر قطعاً اور یقیناً دلالت کرتی ہیں۔ بہت اچھا ہم بھی مشتاق ہیں مگر بے حاصل ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

حضرت بکمال عرقریزی دو حدیثیں تلاش کرکے لائے وہ بھی ثمرۂ نظر شریف نہیں بلکہ مقلدین شافعیہ کی تقلید جامد ہے۔

حدیث اوّل بعض طرق حدیث سیدنا معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جناب سے روایت صحیحہ معروفہ مشہورہ مرویہ کبار ائمہ تو وہ تھی جو ان احادیث مجملہ سے حدیث چہارم میں گزری جس میں سوا جمع کے کوئی کیفیت مخصوصہ مذکور نہ تھی جماہیر ائمہ وحفاظ نے اسے یوں ہی روایت کیا۔

رواہ عن ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ جماعۃ من الحفاظ، منھم سفین الثوری وقرۃ بن خالد ومالک بن انس وآخرون، اما سفین فعند ابن ماجۃ، واما قرۃ فعند خالد بن الحارث عند مسلم، وعبد الرحمٰن بن مھدی عند الطحاوی، واما مالک فعنہ الشافعی فی مسندہ، وابن وھب عند الطحاوی، وابو القاسم عند النسائی، وابو علی الحنفی عند الدارمی، وعن الدارمی مسلم فی صحیحہ۔

اس حدیث کو ابو الزبیر سے، اس نے ابو الطفیل سے، اس نے معاذ رضی اللہ عنہ سے، حفاظ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جن میں سفیان ثوری، قرۃ ابن خالد، مالک بن انس اور دیگر محدثین شامل ہیں۔ سفیان ثوری کی روایت ابن ماجہ کے ہاں ہے۔ قرۃ ابن خالد سے خالد ابن حارث نے جو روایت لی ہے وہ مسلم میں ہے، اور جو عبد الرحمان ابن مہدی نے لی ہے وہ طحاوی میں ہے۔ مالک سے جو روایت شافعی نے لی ہے وہ ان کے مسند میں ہے۔ جو ابن وہب نے لی ہے وہ طحاوی کے ہاں ہے۔ جو ابو القاسم نے لی ہے وہ نسائی کے پاس ہے۔ جو ابو علی حنفی نے لی ہے وہ دارمی کے ہاں ہے اور دارمی سے مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔ (ت)

یہی اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے مگر ایک روایت غریبہ شاذہ بطریق لیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل یوں آئی: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان فی غزوۃ تبوک، اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظھر حتی یجمعھا الی العصر فیصلیھما جمیعا، واذا ارتحل بعد زیغ الشمس صلی الظھر والعصر جمیعا ثم سار، وکان اذا ارتحل بعد المغرب

---

[1] معیار الحق ص ۳۸۳ [2] ایضاً ص ۴۱۸ [3] ایضاً ص ۴۰۳

عجل العشاء فصلاها مع المغرب[1]۔ رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبیھقی۔ زاد الترمذی بعد قولہ: اذا ارتحل بعد زیغ الشمس، عجل العصر الی الظھر وصلی الظھر والعصر جمیعا۔ الحدیث[2]۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے تو ظہر میں دیر کرتے یہاں تک کہ اُسے عصر سے ملاتے تو دونوں کو ساتھ پڑھتے اور جب دوپہر کے بعد کُوچ فرماتے تو عصر میں تعجیل کرتے اور ظہر وعصر ساتھ پڑھتے پھر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کُوچ کرتے مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشا کے ساتھ پڑھتے اور مغرب کے بعد کُوچ فرماتے تو عشا میں تعجیل کرتے اُسے مغرب کے ساتھ پڑھتے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ غریب ہے معروف روایت ابی ہریرہ ہے

حیث قال: حدیث اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل عن معاذ، حدیث غریب، والمعروف عند اھل العلم حدیث معاذ من حدیث ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع فی غزوۃ تبوک بین الظھر والعصر، وبین المغرب والعشاء۔ رواہ قرۃ بن خالد وسفین الثوری ومالک وغیر واحد عن ابی الزبیر المکی[3]۔

چنانچہ ترمذی نے کہا کہ وُہ حدیث جو لیث نے یزید ابن ابی حبیب سے، اس نے ابو الطفیل سے، اس نے معاذ سے روایت کی ہے، وہ غریب ہے اور اہلِ علم کے نزدیک معروف معاذ کی وُہ حدیث ہے جو ابو الزبیر نے بواسطہ ابو الطفیل معاذ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔ اس کو قرۃ ابن خالد، سفیان ثوری، مالک اور دوسروں نے ابو الزبیر مکی سے روایت کیا ہے۔ (ت)

پھر ائمہ شان مثل ابوداود وترمذی وابو سعید بن یونس فرماتے ہیں اسے سوا قتیبہ بن سعید کے کسی نے روایت نہ کیا یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اُس پر غلط ہونے کا حکم فرمایا[4] کما نقلہ الامام البدر فی العمدۃ والشوکانی الظاھری فی شرح المنتقی عن الحافظ ابن سعید بن یونس (جیسا کہ امام بدر نے عمدۃ میں اور شوکانی الظاہری نے شرح منتقی میں حافظ ابن سعید بن یونس سے نقل کیا۔ ت) امام ابوداوٗد نے

---

[1] سنن ابی داوٗد باب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲

[3] " " " " " " "

[4] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۳

منکر کہا[1] کما فی البدر المنیر وعنہ فی النیل (جیسا کہ بدرمنیر میں ہے اور اس سے نیل الاوطار نے نقل کیا ہے) بلکہ رئیس الناقدین امام بخاری نے اشارہ فرمایا کہ یہ حدیث نہ لیث نے روایت کی نہ قتیبہ نے لیث سے سنی بلکہ خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب نے قتیبہ کو دھوکا دے کر ان سے روایت کرادی اُس کی عادت تھی کہ براہِ مکر وحیلہ شیوخ پر اُن کی ناشنیدہ روایتیں داخل کردیتا لاجرم حاکم نے علوم الحدیث میں اُس کے موضوع ہونے کی تصریح کی یہ سب باتیں علمائے حنفیہ مثل امام زیلعی شارح کنز و امام بدر عینی شارح صحیح بخاری و علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کے سوا شافعیہ و مالکیہ وظاہریہ قائلان جمع بین الصلاتین مثل امام قسطلانی شافعی شارح بخاری و علامہ زرقانی مالکی شارح مؤطا و مواہب و شوکانی ظاہری شارح منتقی وغیرہم نے امام ابن یونس و امام ابوداؤد و ابوعبداللہ حاکم و امام المحدثین بخاری سے نقل کیں بلکہ انھیں سے اور ان کے غیر مثل صاحب بدرمنیر وغیرہ نے امام ابوداؤد سے حکم مطلق نقل کیا کہ جو مضمون اس روایت کا ہے اس باب میں اصلاً کوئی حدیث قابلِ استناد نہیں کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئیگا۔ ت) تو باوصف تصریحات ائمہ شان خصوصاً بخاری کے پھر ملّاجی کا اس روایت کی تصحیح میں عرق ریزی بے حاصل اور توثیق لیث و قتیبہ وغیرہما رواۃ و قبول تفرد ثقہ کے اثبات میں تطویل لاطائل کرنا کیسی جہالت فاحشہ ہے کس نے کہا تھا کہ قتیبہ یا لیث یا یزید بن ابی حبیب یا معاذ اللہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ ضعیف ہیں، ملّاجی بایں پیرانہ سالی و دعوے محدثی ابھی حدیث معلول ہی کو نہیں جانتے کہ اُس کے لیے کچھ ضعفِ راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت و عدالت رواۃ حدیث میں علت قادحہ ہوتی ہے کہ اُس کا رَد واجب کرتی ہے جسے بخاری و ابوداؤد وغیرہما سے ناقدین پہچانتے ہیں بخاری و ابوسعید و حاکم نے بھی تو قتیبہ پر جرح نہ کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ انھیں دھوکا دیا گیا غلط میں پڑ گئے پھر اس سے عدالتِ قتیبہ کو کیا نقصان پہنچا و ثاقتِ قتیبہ سے حدیث کو کیا نفع ملا، ہاں یہ دفتر توثیق اپنے پیشوا ابن حزم غیر مقلد لامذہب کو سنائیے جس خبیث اللسان نے آپ کی اس روایت کے رَد میں سیدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عیاذاً باللہ مقدوح و مجروح بتایا جسے دوسرے غیر مقلد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رَد پر آتے ہیں خوفِ خدا و شرمِ دُنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں۔ اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کے لیے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزعمِ تعلیق رَد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا وہی ڈھنگ موصول کو معلق مسند کو مرسل بناکر احادیث صحیحہ جیدہ کو رَد کرنے کے لیے آپ نے سیکھے ہیں،

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳ /۲۴۳

كما تقدم، ومن يشبه اباءه فما ظلم
ثم اقول، وتحسين الترمذى يرجع
الى حديث معاذ، لقوله، حديث معاذ
حديث حسن غريب ۔ واذا اتى على هذه
الرواية لم يحسنه، انما قال : وحديث
الليث عن يزيد غريب ۔ وافادانه خلاف
المعروف، فقال : والمعروف عند اهل
العلم حديث معاذ[1] ۔ الخ واما ابن حبان فلا
نعلم له فضلا على ابى سعيد بن يونس،
فانه ايضا ثقة، ثبت، حافظ، امام
من ائمة الشان، كلاهما من الاقران، من
تلامذة الامام النسائى ابى عبد الرحمٰن ۔ و
ابن يونس، لنزاهته من نفس فلسفى
احب الى الناس من ابن حبان ۔ وقد
قال الامام ابوعمرو بن الصلاح فى طبقات
الشافعية، ربما غلط الغلط الفاحش
فى تصرفاته[2]، كما نقله الذهبى فى تذكرة
الحفاظ ۔ فاني يدانى اباداود، فضلا ان
يوازيه، فضلا ان يباريه ۔ فضلا عن
ذالك الجبل الجليل محمد بن اسمعيل ۔
وقد عرف بالتساهل فى باب التصحيح،
بل والتحسين، هو والترمذى، كما نص

جیسا کہ گذرا اور جو شخص اپنے آباؤ سے مشابہت رکھے
اس کا کوئی قصور نہیں۔ **ثم اقول** پھر میں کہتا ہوں،
کہ ترمذی کا حسن قرار دینا حدیث معاذ سے متعلق ہے
کیونکہ ترمذی نے کہا ہے کہ معاذ کی حدیث حسن غریب ہے
اور جب اس روایت کا ذکر کیا اسے حسن نہیں کہا صرف یہ
کہا کہ لیث کی یزید سے مروی حدیث غریب ہے۔ ترمذی
نے یہ افادہ بھی کیا کہ یہ معروف حدیث کے خلاف ہے۔
چنانچہ ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک معروف،
معاذ کی وہ حدیث ہے الخ۔ رہا ابن حبان تو اسکی سعید ابن یونس
پر کوئی برتری ہمارے علم میں نہیں ہے کیونکہ سعید بھی ثقہ ہے
ثبت ہے، حافظ ہے اور حدیث کے اماموں میں سے ایک
امام ہے۔ دونوں ہم زمان ہیں اور امام ابو عبدالرحمٰن نسائی
کے شاگردوں میں سے ہیں۔ تاہم ابن یونس فلسفی روح سے پاک
ہونے کی وجہ سے لوگوں کے ہاں ابن حبان سے زیادہ
پسندیدہ ہے۔ امام ابوعمرو ابن صلاح نے طبقات الشافعیہ
میں کہا ہے کہ ابن حبان کو تصرفات حدیث کے دوران
بسا اوقات شدید غلطی لگ جاتی تھی، جیسا کہ ذہبی نے
تذکرۃ الحفاظ میں بیان کیا ہے۔ تو پھر ابن حبان ابوداؤد
کے قریب بھی کہاں پہنچ سکتا ہے، چہ جائیکہ اس کا
ہمسر ہو، چہ جائیکہ اس کے مقابل ہو۔ اور علم کے
عظیم پہاڑ محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کا مقام تو پھر بہت
ہی اونچا ہے، جبکہ ابن حبان احادیث کو صحیح قرار دینے
میں متساہل ہے۔ بلکہ حسن قرار دینے میں بھی یہ اور ترمذی

---

[1] جامع الترمذی باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲
[2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ ابن حبان مطبوعہ حیدرآباد دکن ۳/۱۲۶

عليه الائمة وحققناه فی رسالتنا مدارج طبقات الحديث على ان الجرح مقدم فی مثل المقام، فان من اثبت فانما نظر الی ثقة الرواة، ولم يطلع على ما اطلع عليه غيره من العلة، ومن يعلم قاض على من لا يعلم۔ والله اعلم، من كل اعلم۔

متساہل ہیں، جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے رسالے "مدارج طبقات الحدیث" میں تحقیق کی ہے۔علاوہ ازیں ایسے مقام پر جرح، تعدیل سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ جو علماء، حدیث کو ثابت قرار دیتے ہیں وہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا مدنظر رکھتے ہیں اور اس خامی سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں جس سے دوسرے واقف ہوتے ہیں اور آگاہی رکھنے والے، آگاہی نہ رکھنے والوں کی نسبت فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم من کل اعلم۔ (ت)

ثم اقول اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہوئی اور ہنوز کلام علما طویل ہے مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کہتا ہے نظر تحقیق کو رخصت تدقیق دیجئے تو اس روایت کا کون سا حرف جمع حقیقی میں نص ہے اُس کا حاصل تو صرف اس قدر کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر کو جمع فرماتے اگر دوپہر سے پہلے کُوچ ہوتا تو راہ میں اُتر کر ورنہ منزل ہی پر پہلی صورت میں جمع بعد سیر ہوتی ہے اور دوسری میں سیر بعد جمع پھر اس میں جمع صوری کا خلاف کیا ہوا حدیث کا کون سا لفظ حقیقی کی تعیین کر رہا ہے اذا ارتحل بعد زيغ الشمس میں خواہی نخواہی بعدیت متصلہ پر کیا دلیل ہے بلکہ اس کے عدم پر دلیل قائم کر جزا صلی ثم سار ہے بلکہ الفاظ اخر الظهر وعجل العصر سے جمع صوری ظاہر ہے ظہر دیر کرکے پڑھی عصر جلد پڑھی اس سے یہی معنی مفہوم ومتبادر ہوتے ہیں کہ ظہر اپنے آخر وقت میں عصر اپنے شروع وقت میں نہ یہ کہ ظہر عصر میں پڑھی جائے یا عصر ظہر میں ولہذا علمائے کرام مثل امام اجل طحاوی وابوالفتح ابن سید الناس وغیرہما بلکہ ان کے علاوہ آپ کے امام شوکانی نے بھی ان الفاظ تاخیر وتعجیل کو جمع صوری کی صریح دلیل مانا، شرح منتقی میں کہا،

مما يدل على تعين حمل حديث الباب على الجمع الصوری، ما اخرجه النسائی عن ابن عباس، بلفظ، صليت مع النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا، اخر الظهر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء۔ فهذا ابن عباس،

جن وجوہات کی بنا پر اس باب کی حدیث کو جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہوجاتا ہے ان میں سے ایک وجہ وہ روایت ہے جس کی نسائی نے ابن عباس سے ان الفاظ میں تخریج کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب وعشا کو بھی اکٹھا پڑھا۔ آپ نے ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرمائی، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشا میں تعجیل فرمائی تو ابن عباس

راوی حدیث الباب، قد صرح بان ما رواہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری[1]۔

جو حدیث کے راوی ہیں خود ہی واضح کررہے ہیں کہ انہوں نے جمع کی جو روایت بیان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ومن المؤیدات للحمل علی الجمع الصوری ایضا، ما اخرجه ابن جریر عن ابن عمر، قال، خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فکان یؤخر الظھر و یعجل العصر فیجمع بینھما، ویؤخر المغرب و یعجل العشاء فیجمع بینھما۔ وھذا ھو الجمع الصوری[2]۔

جمع صوری پر حمل کرنے کی مؤیدات میں سے وہ روایت بھی ہے جو ابن جریر نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے اور عصر کو جلدی، اس طرح دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے۔ اسی کو جمع صوری کہتے ہیں۔ (ت)

معہذا ظہر و مغرب کا جب وقت کھودینا ٹھہرا تو عصر و عشا میں جلدی کا ہے کی، اطمینان سے منزل پر پہنچ کر دونوں پڑھ لی جاتیں، ہاں جمع صوری اُن کی تعجیل ہی سے ممکن تو حدیث اُسی طرف ناظر، بالجملہ شک نہیں کہ یہ روایت بھی اُنھیں احادیث مجملۃ الکیفیۃ سے ہے جسے مُلّاجی نے خواہی نخواہی جمع حقیقی میں نص مفسر ناقابل تاویل مان لیا الحمدللہ اس تحریر کے بعد مرقاۃ شرح مشکوۃ کے مطالعہ نے ظاہر کیا کہ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے حدیث کی یہی تفسیر کی جو فقیر نے تقریر کی، فرماتے ہیں:

(جمع بین الظھر والعصر) ای فی المنزل، بان اخر الظھر الٰی اٰخر وقته وعجل العصر فی اول وقته۔

(ظہر و عصر کو جمع کیا) یعنی قیام گاہ میں، ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کیا اور عصر کو تعجیل کرکے اول وقت میں پڑھا۔ (ت)

پھر فرمایا:

(جمع بین المغرب والعشاء) ای فی المنزل، کما سبق[3]۔

(مغرب و عشاء کو جمع کیا) یعنی جائے قیام میں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

---

[1] و [2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب الجمع المقیم لمطر او غیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۶
[3] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب صلوۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

حدیث دوم اور تم نے کیا جانا کیا حدیث دوم وُہ حدیث جسے جمع صلاتین سے اصلاً علاقہ نہیں جس میں اثبات جمع کا نام نہیں، نشان نہیں، بُو نہیں، گمان نہیں۔ خود قائلین جمع نے بھی اُسے مناظرہ میں پیش نہ کیا، ہاں بعض علمائے شافعیہ نے شرح حدیث میں استطراداً جس طرح شراح بعض فوائد زوائد حدیث سے استنباط کرجاتے ہیں لکھ دیا کہ اس میں جمع سفر پر دلیل ہے ملّاجی چار طرف ٹٹول میں تھے ہی تقلید جامد شافعیہ کی لاٹھی پکڑے انہیں بند کیے پیچھے فیہ دلیل پر ہاتھ پڑا بحکم لکل ساقطۃ لاقطۃ (ہر گری ہُوئی چیز کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے ت) جھٹ خوش خوش اٹھا لائے اور معرکہ مناظرہ میں جما دی وہ کیا یعنی حدیث صحیحین

عن ابی جحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، خرج علینا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ الی البطحاء، فتوضأ فصلی لنا الظھر والعصر[1]۔ ولفظ البخاری، خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ، فصلی بالبطحاء الظھر رکعتین والعصر رکعتین[2]۔

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت مقام بطحاء میں ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور ہمیں ظہر وعصر کی نماز پڑھائی۔ اور بخاری کے الفاظ یُوں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور مقام بطحاء میں ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی بھی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ (ت)

سچ تو ہے مُلّاجی کی داد نہ فریاد، اب کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت اسے جمع حقیقی کی دلیل نہ صرف دلیل بلکہ صاف صریح ناصالح تاویل بتانا کن کھلی آنکھوں کا کام ہے سبحان اللہ! حدیث کا مفاد صرف اتنا کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دوپہر کو یا ظہر کے اول وقت یا عصر سے پہلے خیمہ اقدس سے برآمد ہوکر وضو کیا اور ظہر وعصر دونوں اُسی موضع بطحاء میں ادا فرمائیں اس میں تو مطلق جمع بھی نہ نکلی نہ کہ جمع حقیقی میں نص ہو، ملّاجی تو آپ جانیں ایک ہوشیار بھی خود سمجھے کہ حدیث مطلب سے محض بے علاقہ ہے لہٰذا یہ نامندمل زخم بھرنے کو بشرم عوام کچھ عربی بولے اور یُوں اپنی نحودانی کے پردے کھولے کہ فا جزء خروج و وضو وصلاۃ سب کی طرف ہے اور فا ترتیب بے مہلت کے لیے تو بمقتضائے فا معنے یہ ہُوئے کہ یہ سب کام باجرہ ہی میں ہو لیے ظاہر یہی ہے تو اس سے عدول بے مانع قطعی ناروا، علاوہ بریں عصر ظہر پر معطوف اور صلّٰے توضأ سے بے مہلت مربوط تو معطوف معمول کو جُدا کرلینا کیونکر جائز اھ ملخصا مھذبا مترجما۔ اس پر بہت وجوہ سے رد ہیں، مثلاً:

---

[1] الصحیح لمسلم باب سترۃ المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۶

[2] الصحیح للبخاری کتاب المناقب باب صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم " " " ۱/۵۰۲

ف معیار الحق ص ۳۶۷ - ۳۶۹

اول فا کو ترتیب ذکری کافی، مسلم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علٰی سبیل التعقیب ولو فی الذکر[1] فا ترتیب کے لیے بطور تعقیب ہے خواہ یہ ترتیب ذکر میں ہو۔ (ت)

ثانی عدم مہلت ہر جگہ اُس کے لائق ہوتی ہے کما فی فواتح الرحموت[2] (جیسا کہ فواتح الرحموت میں ہے۔ ت) تزوج فولد لہ میں کون کہے گا کہ نکاح کرتے ہی اُسی آن میں بچہ پیدا ہوا تو جیسے وہاں تقریبًا ایک سال کا فاصلہ منافی مقتضائے فا نہیں، ظہر و عصر میں دو ساعت کا فاصلہ کیوں منافی ہوگا۔

ثالث ہاجرہ ظرف خروج ہے ممکن کہ خروج آخر ہاجرہ میں ہو کر وضو و نماز ظہر تک تمام ہوجائے اور نماز عصر بلامہلت اُس کے بعد ہو، ہاجرہ کچھ دوپہر ہی کو نہیں کہتے زوال سے عصر تک سارے وقتِ ظہر کو بھی شامل ہے کما فی القاموس۔ تو مخالفت ظاہر کا ادعا بھی محض باطل۔

رابع حدیث مروی بالمعنٰی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی کہ ایسی حدیث کے فا و واو وغیرہا سے استدلال صحیح نہیں کما فی الحجۃ البالغۃ۔ یہ تلخیص و تہذیب اجوبہ ہے وقد ترکنا مثلھا فی العدد (اور ہم نے اتنے ہی جوابات ترک کردئے ہیں۔ ت) **وانا اقول** وبحول اللہ اصول۔

خامس ہاجرہ کو ظرف افعال ثلثہ کہنا محض ادعائے بے دلیل ہے" و" تعقیب چاہتی ہے۔ اتحاد زمانہ نہیں چاہتی بلکہ تعدد واجب کرتی ہے کہ تعقیب بے تعدد معقول نہیں۔

سادس ظرفیت ثلثہ فا سے ثابت یا خارج سے اول بداہۃً باطل کما علمت بر تقدیر ثانی حدیث فا لغو محض ہے کہ عصر فی الہاجرہ اُسی قدر سے ثابت، پھر باوصف لغویت اُسی کی طرف اسناد کہ بمقتضائے فا یہ معنے ہوئے اور عجیب تر۔

سابع ذرا صفت حجۃ الوداع میں حدیث طویل سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صحیح مسلم وغیرہ میں ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

فلما کان یوم الترویۃ توجھوا الٰی منٰی فاھلوا بالحج ورکب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی بہا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والفجر[3] جب آٹھویں ذی الحجہ کی ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حج کا احرام باندھ کر منٰی کو چلے اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوئے تو منٰی میں ظہر و عصر و مغرب و عشا و فجر پانچوں نمازیں پڑھیں۔ (م)

---

[1] مسلم الثبوت مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۶۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع المستصفی بحث الفاء للتعقیب مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۳۴

[3] الصحیح لمسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۶

ملا جی وہی فا ہے وہی ترتیب وہی عطف وہی ترکیب۔ اب یہاں کہہ دینا کہ سوار ہوتے ہی معاً بے مہلت پانچوں نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں جو معنے صلی الظهر والعصر الخ کے یہاں ہیں وہی وہاں، اور یہ قطعاً محاورۂ عامۂ شائعہ سائغہ ہے کہ اصلاً مفید وصل صلوات نہیں ہوتا ومن ادعی فعلیہ البیان (جو شخص دعوٰی کرتا ہے اس کے ذمے دلیل ہے۔ ت)

ثامن کلام متناقض ہے کہ اوّل کلام میں حکم وصل سے عصر کا فعل خلاف ظاہر مانا یہ دلیل صحت ہے آخر میں کیونکر جائز کہا یہ دلیل فساد۔

تاسع تاویل کے لیے قطعیتِ مانع ضروری جاننا عجب جہل ہے کیا اگر کسی حدیث کے ظاہر سے ایک معنے متبادر ہوں اور دوسری حدیث صحیح اُس کے خلاف میں صریح تو حدیث اول کو اس کے خلاف ہی پر حمل واجب ہے کہ بے مانع قطعی ظاہر سے عدول کیونکر ہو نقل کر لانا سہل ہے محل ومقام ومقصد کلام کا سمجھنا نصیب اعدا۔

عاشر آپ جو اپنی نصرت خیالات کو احادیث صحیحہ میں جابجا تاویلات رکیکہ باردہ کرتے ہیں اُن کے جواز کا فتوی کہاں سے پایا، مجتہدات میں قاطع کہاں، مثلاً وقتِ ظہر یک مثل بنانے کو جو حدیث صحیح صریح بخاری حتی ساوی الظل التلول کے معنے بگاڑے جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتا ہے اُس کا عذر کیا معقول ارشاد ہوتا ہے؛ منشاء تاویلات کا یہی ہے کہ احادیث صحیحہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر کا نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعاً بین الادلہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں[1]۔ اب خدا جانے بے قطعیت مانع یہ تاویلیں حقہ کیونکر ہوتی مخالفتِ ظاہر کے باعث مسلفہ کیوں نہ ہوگئیں۔

حادی عشر طرفہ نزاکت صدر کلام میں یہ بیڑا اُٹھا کر چلے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل مخالف کو دخل نہیں ذکر کرتے ہیں، اور یہاں ایسے گرے کہ صرف ظاہر سے سند لائے تاویل خود ہی مان گئے۔

ثانی عشر آپ کی فضولیات کی گنتی کہاں تک اصل مقصود کی دھجیاں لیجئے صحیحین میں حدیث مذکور کے یہ لفظ تو دیکھئے جن میں فا سے یہ فی نکالی، مگر یہی حدیث انھیں صحیحین میں متعدد طرق سے بلفظ ثم آئی جو آپ کی تعقیب بے مہلت کو تعاقب سے دم لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ صحیح بخاری شریف باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بطریق شعبۃ عن الحکم۔ قال: سمعت اباجحیفۃ، قال، خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ الی البطحاء فتوضأ، ثم صلی الظھر

بطریق شعبہ، وہ حکم سے راوی ہے کہ میں نے ابوجحیفہ کو کہتے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف نکلے تو وضو کیا، پھر ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور

[1] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۴

ركعتين والعصر ركعتين[1]

عصر کی دو رکعتیں۔ (ت)

نیز باب مذکور

بطريق مالك بن مغول عن عون عن ابيه، وفيه، خرج بلال فنادى بالصلاة، ثم دخل فاخرج فضل وضوء رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم، فوقع الناس عليه ياخذون منه، ثم دخل فاخرج العنزة، وخرج رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم، كانى انظر الى وبيص ساقيه، فركز العنزة، ثم صلى الظهر ركعتين والعصر ركعتين[2]

بطریقہ مالک ابن مغول، وہ عون سے، وہ اپنے والد سے۔ اس روایت میں ہے کہ بلال (گھر سے) نکلے اور نماز کے لیے پکارا، پھر اندر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے آئے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، بلال پھر اندر گئے اور عصا نکال لائے، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی باہر تشریف لے آئے — گویا کہ میں اب بھی آپ کی ساقین کی چمک دیکھ رہا ہوں — بلال نے عصا (بطور سترہ) زمین پر گاڑ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں۔ (ت)

چلیے کہاں کو، ان دو نے تو آپ کی تعقیب ہی بگاڑی ہے، تیسرا اور لیے جاؤ جو خود ظہر و عصر میں فاصلہ کر دکھائے، صحیح مسلم شریف

بطريق سفيٰن نا عون بن ابی جحيفة عن ابيه، وفيه، فخرج النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم متوضأ، واذن بلال، ثم ركزت العنزة، فتقدم فصلى الظهر ركعتين، ثم صلى العصر ركعتين، ثم لم يزل يصلی ركعتين حتى رجع الى المدينة[3]۔

بطریقہ سفیٰن، وہ عون سے، وہ اپنے والد ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور بلال نے اذان دی، پھر عصا گاڑا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، تو ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد مدینہ کو واپسی تک دو ہی رکعتیں پڑھتے رہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۲

[2] صحیح البخاری " " " " " " " " " ۱/ ۵۰۳

[3] صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلی الخ " " " " ۱/ ۱۹۶

ملا جی! اب مزاج کا حال بتائیے ؏

حفظت شیأ وغابت عنك اشیاء

(تُو نے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی چیزیں تجھ سے اوجھل رہ گئیں۔ ت)

الحمدللہ اس فصل کے بھی اصل کلام نے وصل ختام بروجہ احسن پایا۔ اب حسبِ فصل اول چند افاضات لیجئے:

افاضۂ اولٰی: ہمارے اجلۂ ائمہ حنفیہ مالکیہ شافعیہ اور ملا جی کے امام ظاہریہ سب بالاتفاق اپنی کتب میں نقل کررہے ہیں کہ امام اجل ابوداؤد صاحبِ سُنن نے فرمایا:

لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[1]۔ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (ت)

امام زیلعی فرماتے ہیں:

قال ابوداود: ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[2]۔ ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (ت)

امام بدر محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قلت، حکی عن ابی داؤد انہ انکر ھذا الحدیث، وحکی عنہ ایضا، انہ قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[3]۔ میں نے کہا: ابوداؤد سے منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ ان سے یہ بھی منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے (ت)

اسی طرح علامہ سید میرک شاہ حنفی نے نقل فرمایا مولانا علی قاری مکی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

حکی عن ابی داود انہ قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔ نقلہ میرك۔ فھذا شھادۃ بضعف الحدیث وعدم قیام الحجۃ للشافعیۃ[4]۔ ابوداؤد سے منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، یہ بات میرک نے نقل کی ہے۔ یہ حدیث کے ضعیف ہونے اور شافعیوں کی دلیل قائم نہ ہونے پر شہادت ہے۔ (ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: قد قال ابوداؤد:

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ مصر ۱/۲۹۲
[2] تبیین الحقائق اوقات الصلوٰۃ مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/۸۹
[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ دمشق ۷/۱۵۱
[4] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب صلوۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[1] (ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ ت) بعینہٖ اسی طرح علامہ زرقانی مالکی نے شرح موطائے امام مالک ونیز شرح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرمایا شوکانی غیر مقلد کی نیل الاوطار میں ہے: قال ابوداود: ھذا حدیث منکر ولیس فی جمع التقدیم حدیث قائم[2] بھلا ابوداؤد سا امام جلیل الشان یہ تصریح فرماگیا جسے علمائے مابعد حتی کہ قائلانِ جمع بھی بلانکیر و انکار نقل فرماتے آئے، نہ آج تک کوئی اس کا پتا دے سکا، اب مُلّاجی چاہیں کہ میں حدیث صحیحین سے ثابت کردوں یہ کیونکر بنی مگر **قیامت لطیفہ** دلربا کھسیانی ادا یہ ہے کہ جھنجلائی نظروں سے جل کر فرمایا: کچھ غیرت آوے تو نشان دہی کریں کہ ابوداؤد نے کون سی کتاب میں یہ قول کہا ہے، یعنی فقول ثقات عدول محض مردود و نامقبول جب تک قائل خود اپنی کتاب میں تصریح نہ کرے اُس سے کوئی نقل معتبر نہ ہوگی۔

اقول مُلّاجی! ان جھنجلاہٹوں میں حق بجانب تمھارے ہے تم دلی کی ٹھنڈی سڑک پر ہوا کھلانے کے قابل نہ تھے یہ حنفی لوگ عبث تمھیں چھوڑ کر بوکھلائے دیتے ہیں بھلا **اولاً** اتنا تو ارشاد ہو کہ بہت ائمہ جرح و تعدیل و تصحیح تضعیف وغیرہم ایسے گزرے جن کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ان سے نقل معتبر ہونے کا کیا ذریعہ ہوگا۔

ثانیاً آپ جو اپنی مبلغ علم تقریب کے بھروسے رواۃ میں کسی کو ثقہ کسی کو ضعیف کسی کو چنیں کسی کو چناں کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ مصنف تقریب نے اُن میں کسی کا زمانہ نہ پایا صدہا سال بعد پیدا ہوئے انھیں دیکھا اور اپنی نگاہ سے پرکھا تو قطعاً نہیں اسی طرح ہر غیر ناظر میں یہی کلام ہوگا، اب رہی دیکھنے والوں سے نقل سوا مواضع عدیدہ کے ثبوت تو دیجئے کہ ناظرین مبصرین نے اپنی کس کتاب میں اُن کی نسبت یہ تصریحیں کی ہیں۔

ثالثاً آپ کی اسی کتاب میں اور بیسیوں نقول سلف سے ایسی نکلیں گی کہ آپ حکایات متاخرین کے اعتقاد پر نقل کر لائے اور اُن سے احتجاج کیا کچھ غیرت رکھتے ہو تو نشان دہی کرو کہ وُہ باتیں منقول عنہم نے کس کتاب میں لکھی ہیں مگر یہ کہیے کہ یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ (وہابی کے لیے وُہ کچھ جائز ہے جو دوسروں کیلئے جائز نہیں۔ ت)

افاضۂ ثانیہ: رہی اس باب میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مروی احمد و شافعی و عبدالرزاق وبیہقی:

وھذا حدیث احمد اذ یقول حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس عن عکرمۃ و

اور یہ احمد کی حدیث ہے، حدیث بیان کی ہم سے عبدالرزاق نے، اس کو خبر دی ابن جریج نے، اس کو خبر دی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے کہ عکرمہ اور

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۲۴۳

ف: معیار الحق ص ۳۷۴

كريب عن ابن عباس رضي الله تعالٰى عنهما قال، الا اخبركم عن صلاة رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم في السفر؟ قلنا: بلى۔ قال، كان اذا زاغت الشمس في منزله جمع بين الظهر والعصر، قبل ان يركب، واذا لم تزغ له في منزله سار، حتى اذا كانت العصر، نزل فجمع بين الظهر والعصر۔[1] واشار اليه ابوداود تعليقاً، فقال: رواه هشام بن عروة عن حسين بن عبد الله عن كريب عن ابن عباس عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم، ولم يذكر لفظه۔[2]

کریب، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے ہم سے پُوچھا: "کیا میں تمھیں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: "کیوں نہیں (ضرور بتائیں) انھوں نے کہا کہ اگر جائے قیام پر زوال ہوجاتا تھا تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور اگر جائے قیام پر زوال نہیں ہوتا تھا تو چل پڑتے تھے اور جب عصر ہوتی تھی تو اتر کر ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔ اس روایت کی طرف ابوداؤد نے تعلیقاً اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ہشام ابن عروہ نے حسین ابن عبد اللہ سے، اس نے کریب سے، اس نے ابن عباس سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، مگر ابوداؤد نے اس کے الفاظ ذکر نہیں کیے ہیں۔ (ت)

خود قائلانِ جمع اس کا ضعف تسلیم کرگئے شاید اسی لیے کچھ سوچ سمجھ کر ملّاجی بھی اُس کا ذکر زبان پر نہ لائے لہذا اس میں زیادہ کلام کی ہمیں حاجت نہیں تاہم اتنا معلوم رہے کہ اُس کے راوی حسین مذکور ائمۂ شان کے نزدیک ضعیف ہیں۔ یحیٰی نے فرمایا: ضعیف۔ ابوحاتم رازی نے فرمایا: ضعیف، یکتب حدیثه ولا یحتج به۔[3] (ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس سے استدلال نہ کیا جائے۔ ت) ابوزرعہ وغیرہ نے کہا: لیس بقوی (قوی نہیں ہے۔ ت) جوزجانی نے کہا: لا یشتغل به۔[4] (اس کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے۔ ت) ابنِ حبان نے کہا: یقلب الاسانید و یرفع المراسیل۔[5] (اسنادوں کو پلٹ دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع

---

[1] مسندامام احمد بن حنبل از مسند عبد اللہ بن عباس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۶۷
[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱
مصنف، ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام جمع بین الصلاتین مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۴۸
[3] ارشاد الساری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ " دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/۳۰۲
[4] میزان الاعتدال ترجمہ حسین بن عبد اللہ ۲۰۱۲ " دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۳۷
[5] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین " مصطفٰی البابی مصر ۳/۲۴۴

بنا دیتا تھا ۔ ت) محمد بن سعد نے کہا : کان کثیر الحدیث ، ولم یرھم یحتجون بحدیثہ (حدیثیں بہت بیان کرتا تھا ، علماء اس کی احادیث سے استدلال نہیں کرتے تھے ۔ ت) یہاں تک کہ نسائی نے فرمایا : متروک الحدیث ۔ امام بخاری نے فرمایا علی بن مدینی نے کہا : ترکت حدیثہ[1] (میں نے اسکی حدیث کو ترک کردیا ہے ۔ ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں کہا : ضعیف ۔ اس حدیث کی تضعیف شرح بخاری قسطلانی شافعی و شرح مؤطا زرقانی مالکی و شرح منتقی شوکانی ظاہری میں دیکھئے ، ارشاد میں فتح الباری سے ہے :

لکن لہ شاھد من طریق حماد عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابن عباس ، لا اعلمہ الا مرفوعا ، انہ کان اذا نزل منزلا فی السفر فاعجبہ اقام فیہ ، حتی یجمع بین الظھر و العصر ، ثم یرتحل ، فاذا لم یتھیأ لہ المنزل مد فی السیر فسار حتی ینزل ، فیجمع بین الظھر والعصر ۔ خرجہ البیھقی ، و رجالہ ثقات ، الا انہ مشکوک فی رفعہ ، والمحفوظ انہ موقوف ۔ وقد اخرجہ من وجہ اٰخر ، مجزوما بوقفہ علی ابن عباس ، ولفظہ : اذا کنتم سائرین ، فذکر نحوہ[2] ۔

لیکن اس کا ایک شاہد ہے جو بطریقہ حماد مروی ہے ، حماد ایوب سے ، وہ ابوقلابہ سے ، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) میرے خیال میں یہ روایت مرفوع ہی ہے کہ جب سفر کے دوران کسی منزل پر اُترتے تھے اور وُہ جگہ پسند آجاتی تھی تو وہاں ٹھہر جاتے تھے یہاں تک ظہر و عصر کو یکجا پڑھتے تھے پھر سفر شروع کرتے تھے اور اگر کوئی ایسی منزل مہیا نہیں ہوتی تو چلتے رہتے تھے یہاں تک کہ کسی جگہ اُتر کر ظہر و عصر کو جمع کرلیتے تھے ۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کا مرفوع ہونا مشکوک ہے ۔ محفوظ بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے ۔ بیہقی نے ایک اور سند سے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے مطابق اس کا ابن عباس پر موقوف ہونا یقینی ہے ، اس کے الفاظ اس طرح ہیں جب تم چلنے والے ہو (تو یُوں کیا کرو کہ .....) اس کے بعد درج بالا طریقہ مذکور ہے ۔ (ت)

شرح مؤطا میں اسے ذکر کرکے فرمایا : وقد قال ابوداؤد لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[3] (ابوداؤد نے فرمایا : تقدیم وقت پر کوئی حدیث ثابت نہیں ۔ ت)

اقول وہ ضعیف اور اُس کا یہ شاہد موقوف اگر بالفرض صحیح و مرفوع بھی ہوتے تو کیا کام دیتے کہ اُن کا

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۴

[2] ارشاد الساری شرح بخاری باب یؤخر الظہر الی العصر اذا ارتحل الخ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۲/۲۰۳

[3] شرح الزرقانی علی المؤطا امام مالک الجمع بین الصلوتین و الحضر و السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱/۲۹۲

حاصل تو یہ کہ جو منزل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پسند آتی اور دوپہر وہیں ہوجاتا تو ظہر و عصر دونوں سے فارغ ہوکر سوار ہوتے اس میں عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں نکلا بعینہٖ اسی بیان سے شاہد کا سارحتی ینزل فیجمع جمع حقیقی پر اصلاً شاہد نہیں اور کامت العصر کا جواب بعونہٖ تعالٰی بیانات آئندہ سے لیجئے وباللہ التوفیق اگر کہیے روایت شافعی یوں ہے :

اخبرنی ابن ابی یحیٰی عن حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ، فذکر الحدیث، وفیہ جمع بین الظہر والعصر فی الزوال[1]۔

خبر دی مجھے ابن ابی یحیٰی نے حسین ابن عبداللہ سے کہ کریب نے ابن عباس سے روایت کی ہے اس کے بعد مندرجہ بالا روایت مذکور ہے اور اس میں ہے کہ زوال کے وقت ظہر و عصر کو جمع کرتے تھے۔ (ت)

اقول اس کی سند میں ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی متروک واقع ہے امام اجل یحیٰی بن سعید بن قطان و امام اجل یحیٰی بن معین و امام اجل علی بن مدینی و امام یزید بن ہارون و امام ابوداؤد وغیرہم اکابر نے فرمایا : کذاب تھا۔ امام احمد نے فرمایا : ساری بلائیں اُس میں تھیں۔ امام مالک نے فرمایا : نہ وہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین میں۔ امام بخاری نے فرمایا : ائمہ محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے :

ابرھیم بن ابی یحیی، احد العلماء الضعفاء، قال یحیی بن سعید : سألت مالکا عنہ، اکان ثقۃ فی الحدیث؟ قال : لا، ولا فی دینہ۔ وقال یحیی بن معین، سمعت القطان یقول : ابرھیم بن ابی یحیی کذاب۔ وروی ابوطالب عن احمد بن حنبل، قال : ترکوا حدیثہ، قدری، معتزلی، یروی احادیث لیس لہا اصل۔ وقال البخاری : ترکہ ابن المبارک والناس۔ وروی عبداللہ بن احمد عن ابیہ، قال : قدری، جہمی،

ابراہیم بن ابی یحیٰی ضعیف علماء میں سے ایک ہے۔ یحیٰی ابن سعید نے کہا کہ میں نے اس کے بارے میں مالک سے پُوچھا کہ کیا وُہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا؟ انھوں نے جواب دیا : نہ وُہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا، نہ دین میں۔ اور یحیٰی ابن معین نے کہا : میں نے قطان کو کہتے سُنا ہے کہ ابراہیم ابن یحیٰی کذاب ہے۔ ابوطالب نے احمد ابن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا : علماء نے اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے، قدری ہے، معتزلی ہے، بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔ بخاری نے کہا : ابن مبارک نے اور لوگوں نے

---

[1] مسند الشافعی

كل بلاء فيه، ترك الناس حديثه، وروى عباس عن ابن معين، كذاب، رافضي۔ وقال محمد بن عثمٰن بن ابی شیبة: سمعت علیا یقول، ابرھیم بن ابی یحیٰی کذاب۔ وقال النسائی والدارقطنی وغیرھما، متروک[1]

اس کی حدیث کو ترک کر دیا ہے۔ عبداللہ ابن احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: قدری ہے، جہمی ہے، ہر بلا اس میں پائی جاتی ہے، لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑ دی ہے۔ عباس، ابن معین سے ناقل ہے کہ وہ کذاب ہے، رافضی ہے۔ محمد ابن عثمان ابن ابی شیبہ نے کہا ہے: میں نے علی کو کہتے سُنا ہے کہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کذاب ہے۔ نسائی، دارقطنی اور دوسروں نے کہا کہ متروک ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابن حبان: کان یکذب فی الحدیث[2]

ابن حبان نے کہا کہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابو محمد الدارمی: سمعت یزید بن ھارون، یکذب ابرٰھیم بن ابی یحیٰی[3]

ابو محمد دارمی نے کہا کہ میں نے یزید ابن ہارون سے سنا کہ وہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے:

عن الزھری وصالح مولی التوأمة وعنه الشافعی وآخرون، قال عبداللہ بن احمد عن ابیه، کان قدریا، معتزلیا، جھمیا، کل بلاء فیه۔ قال ابو طالب عن احمد بن حنبل، ترک الناس حدیثه، وکان یأخذ احادیث الناس فیضعھا فی کتبه۔ وقال یحیی القطان: کذاب۔ وقال احمد بن سعید بن ابی مریم: قلت لیحیی بن

زہری اور صالح مولی التوأمہ سے اور اس سے شافعی اور دیگر علماء نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ (ابراہیم مذکور) قدری تھا، معتزلی تھا، جہمی تھا، ہر بلا اس میں موجود تھی۔ ابو طالب نے احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑ دی تھی، وہ لوگوں کی حدیثیں لے کر اپنی کتابوں میں لکھ لیتا تھا۔ یحیٰی قطان نے کہا: جھوٹا ہے۔ احمد ابن سعید ابن ابی مریم نے کہا: میں نے

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۵۷-۵۸

[2] " " " " " " " " ۱/۶۰

[3] " " " " " " " " "

معین : فابن ابی یحییٰ ؟ قال : کذاب[1]

یحییٰ ابن معین سے ابن ابی یحییٰ کے بارے میں پُوچھا تو انھوں نے کہا : کذّاب ہے ۔ (ت)

تذکرۃ الحفاظ میں ہے : قال ابن معین و ابوداود : رافضی کذاب[2] (ابن معین اور ابوداود نے کہا : رافضی ہے ، کذّاب ہے ۔ ت) لاجرم تقریب میں ہے : متروک[3] اھ الکل باختصار ۔ یہاں تک کہ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا اُس کے ضعف پر اجماع ہے کما نقلہ فی المیزان[4] فی ترجمۃ عبدالکریم بن ابی المخارق واللہ تعالٰی اعلم ۔

افاضۂ ثالثہ : یُوں ہی حدیث دارقطنی :

حدثنا احمد بن محمد بن سعید ثنا المنذر بن محمد ثنا ابی ثنا ابی ثنا محمد بن الحسین بن علی بن الحسین ثنی ابی عن ابیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا ارتحل حین تزول الشمس جمع بین الظہر والعصر ، فاذا جد بہ السیر اخر الظہر و عجل العصر ، ثم جمع بینھما[5]۔

حدیث بیان کی ہم کو احمد ابن محمد ابن سعید نے منذر ابن محمد سے ، اس نے اپنے باپ سے ، اس نے اپنے باپ سے ، اس نے محمد سے ، اس نے اپنے والد حسین سے ، اس نے اپنے والد علی ابن امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ، انھوں نے اپنے دادا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال کے وقت روانگی اختیار فرماتے تھے تو ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر روانگی میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر کو مؤخر کرکے اور عصر کو مقدم کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے ۔ (ت)

اس میں سوا عترت طاہرہ کے کوئی راوی ثقہ معروف نہیں ۔ عمدۃ القاری میں فرمایا :

لایصح اسنادہ ، شیخ الدارقطنی ھو ابوالعباس بن عقدۃ ، احد الحفاظ ،

اس کا اسناد صحیح نہیں ہے کیونکہ دارقطنی کا استاد (احمد) ابوالعباس ابن عقدہ ہے ، جو اگرچہ حفّاظِ حدیث

---

[1] خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحییٰ ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل (شیخوپورہ) ۱/ ۵۵

[2] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابراہیم بن محمد المدنی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/ ۲۲۷

[3] تقریب التہذیب " " " " مطبوعہ الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ، پاکستان ص ۲۳

[4] میزان الاعتدال ترجمہ عبدالکریم بن ابی المخارق ۵۱۷۲ مطبوعہ دار المعرفت بیروت لبنان ۲/ ۶۴۶

[5] سنن الدارقطنی باب الجمع بین الصلوتین فی السفر مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۹۱

لکنہ شیعی (قلت : بل نص فی موضع اخر من المیزان ، فیہ وفی ابن خراش ، ان فیھما رفضا و بدعۃ ۔ اھ) وقد تکلم فیہ الدارقطنی وحمزۃ السھمی و غیرھما ۔ و شیخہ المنذر بن محمد بن المنذر ، لیس بالقوی ایضا قالہ الدارقطنی ایضا ۔ و ابوہ وجدہ یحتاج الی معرفتھما[1] ۔

میں سے ہے لیکن شیعہ ہے ۔ میں نے کہا ، بلکہ میزان کے ایک اور مقام میں اس کے اور ابن خراش کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں رفض اور بدعت پائی جاتی ہے ۔ خود دارقطنی اور حمزہ سہمی وغیرہ نے بھی اس پر جرح کی ہے ، اور اس کا استاد منذر ابن محمد بن منذر بھی زیادہ قوی نہیں ہے ۔ یہ بات بھی دارقطنی نے کہی ہے ۔ اور منذر کا باپ اور دادا دونوں غیر معروف ہیں (ت)

اقول وہ صحیح ہی سہی تو انصافاً صاف صاف ہمارے مفید و موافق ہے اُس کا صریح مفاد یہ کہ سُورج ڈھلتے ہی کُوچ ہوتا تو ظہرین جمع فرماتے ، ظاہر کہ زوال ہوتے ہی کوچ اور جمع تقدیم کا جمع محال ، کیا پیش از زوال ظہر عصر پڑھ لیتے لاجرم وہی جمع مراد جس کا صاف بیان خود آگے موجود کہ ظہر بدیر اور عصر جلد پڑھتے ، یہی جمع صوری ہے کما لایخفی۔

افاضۂ رابعہ : حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ان شاء اللہ العزیز جمع تاخیر میں آتی ہے اُس میں معروف ومحفوظ ومروی جماہیر ائمہ ثقات وعدول مذکور صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داود وسنن نسائی و مصنف طحاوی وغیرہا عامہ دواوین اسلام صرف اس قدر ہے کہ حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اگر دوپہر ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے ظہر میں عصر تک تاخیر کرکے ساتھ ساتھ پڑھتے اور اگر منزل ہی پر وقت ظہر آجاتا صلی الظھر ثم رکب[2] ظہر پڑھ کر سوار ہوجاتے جس سے بحکم مقابلہ وسکوت فی معرض البیان صاف ظاہر کہ تنہا ظہر پڑھتے عصر اس کے ساتھ نہ ملاتے ولہذا نافیان جمع تقدیم نے اُس سے تمسک کیا کما فی عمدۃ القاری وارشاد الساری وغیرھما مگر بعض روایات غریبہ میں آیا کہ ظہر وعصر دونوں پڑھ کر سوار ہوتے ۔ حاکم نے اربعین میں بطریق

ابی العباس محمد بن یعقوب عن محمد بن اسحٰق الصاغانی عن حسان بن عبد اللہ عن المفضل بن فضالۃ عن عقیل عن

ابو العباس محمد ابن یعقوب نے محمد بن اسحٰق صاغانی سے ، اس نے حسان ابن عبد اللہ سے ، اس نے مفضل ابن فضالہ سے ، اس نے عقیل سے ، اس نے

---

[1] عمدۃ القاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ الطباعۃ المنیریۃ دمشق ۷/ ۱۴۹

[2] صحیح بخاری باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

ابن شہاب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کی فان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظہر والعصر ثم رکب[1]

ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ اگر روانگی سے پہلے زوال ہوجاتا تو ظہر وعصر پڑھ کر سوار ہوا کرتے تھے۔ (ت)

جعفر فریابی نے بتفرد خود اسحٰق بن راہویہ سے روایت کی،

عن شبابۃ بن سوار عن اللیث عن عقیل عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال، کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کان فی سفر فزالت الشمس صلی الظہر والعصر جمیعا ثم ارتحل[2]

شبابہ ابن سوار سے، اس نے لیث سے، اس نے عقیل سے، اس نے زہری سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے اور زوال ہوجاتا تھا، تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ (ت)

اوسط طبرانی میں ہے:

حدثنا محمد بن ابرھیم بن نصر بن شبیب الاصبھانی قال ثنا ھارون بن عبد اللہ الحمال ثنا یعقوب بن محمد الزھری ثنا محمد بن سعدان ثنا ابن عجلان عن عبد اللہ بن الفضل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا کان فی سفر فزاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظہر والعصر جمیعا[3]

حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن ابراہیم ابن نصر بن شبیب اصبہانی نے ہارون ابن عبد اللہ حمال سے، اس نے یعقوب ابن محمد زہری سے، اس نے محمد ابن سعدان سے، اس نے ابن عجلان سے، اس نے عبد اللہ بن فضل سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے تو اگر روانگی سے پہلے سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔ (ت)

روایت اسحٰق پر امام ابوداؤد نے انکار کیا اسمٰعیلی نے اُسے معلول بتایا کما فی العمدۃ وغیرھا۔

اقول: الامام اسحٰق رضی اللہ تعالٰی عنہ، لاکلام فی جلالۃ قدرہ وعظمۃ فخرہ، لکن نص الامام ابوداود انہ

میں کہتا ہوں: امام اسحٰق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قدر اور عظمت افتخار میں کوئی شک نہیں ہے لیکن امام ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ وفات سے

---

[1] الاربعین للحاکم

[2] میزان الاعتدال بحوالہ جعفر فریابی ترجمہ ۷۳۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۳

[3] معجم الاوسط حدیث ۷۵۴۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۲۷۱ - ۲۷۲

كان تغير قبل موته باشهر، قال، وسمعت منه فى تلك الايام فرميت[1] به۔ كما فى التذهيب۔ وذكر الحافظ المزى حديثه الذى زاد فيه على اصحاب سفين، فقال: اسحٰق اختلط فى اخر عمره[2]۔ كما فى الميزان۔ ولا شك انه رحمه الله تعالٰى كان كثير التحديث عن ظهر قلبه، املى المسند كله من حفظه[3]۔ كما فى التذهيب، قال، قال احمد بن اسحٰق الضبعى، سمعت ابرهيم بن ابى طالب يقول: فذكره۔ فلا غرو ان يعتريه خطؤ فى حديث او حديثين، ومن المعصوم عن مثل ذلك فى سعة ما روى وكثرته؟

چند ماہ پہلے اس کے حافظے میں تغیر آگیا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ انہی دنوں میں میں نے اُس سے کچھ سنا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے مطعون کیا گیا۔ جیسا کہ تذہیب میں ہے۔ اور حافظ مزی نے اس کی وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد، جس میں اس نے اصحاب سفیٰن کے الفاظ پر اضافہ کیا ہے، کہا ہے کہ اسحٰق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آخر عمر میں اس کو اختلاط ہوگیا تھا، جیسا کہ میزان میں ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسحٰق (رحمہ اللہ تعالٰی) بیشتر حدیثیں محض یاد کے سہارے بیان کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے پُورا مسند اپنی یاد سے املا کرادیا تھا، جیسا کہ تذہیب میں ہے کہ احمد بن اسحٰق ضبعی نے کہا ہے کہ میں نے ابراہیم بن ابی طالب کو یہ بات کہتے سنا ہے (اس کے بعد انھوں نے وہی "مسند کے املاء والی بات") ذکر کی ہے۔ تو اس صورت میں اگر اسحٰق سے ایک یا دو حدیثوں میں خطا واقع ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس قدر وسیع اور کثیر روایات میں اتنی تھوڑی سی خطا سے اور کون معصوم ہے؟ (ت)

لاجرم امام ذہبی شافعی نے اس حدیث کو منکر کہا، اور امام اسحٰق کی لغزش، حفظ و اشتباہ سے گنا۔

حيث قال: وكذا حديث رواه جعفر الفريابى ثنا اسحٰق بن راهويه ثنا شبابة عن الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن انس رضى الله تعالٰى عنه كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا كان فى سفر فزالت

چنانچہ اس نے کہا ہے کہ اسی طرح وہ حدیث جسے روایت کیا ہے فریابی نے اسحٰق ابن راہویہ سے، اس نے شبابہ سے، اس نے لیث سے، اس نے عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں

---

[1] میزان الاعتدال بحوالہ ابوداؤد ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۸۳

[2] " " " " " " " " "

[3] خلاصہ تذہیب تذہیب الکمال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۱/۶۹

الشمس صلی الظہر والعصر ثم ارتحل۔ فہذا علی نبل رواتہ منکر، فقد رواہ مسلم عن الناقد عن شبابۃ (وذکر لفظہ تابعہ الزعفرانی عن شبابۃ، واخرجہ خ م من حدیث عقیل عن ابن شہاب عن انس (وذکر لفظہ، ای ولیس فی شئ منہا والعصر۔ قال،) ولا ریب ان اسحٰق کان یحدث الناس من حفظہ، فلعلہ اشتبہ علیہ[1]۔

ہوتے تھے اور سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر پڑھتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ تو یہ حدیث راویوں کی عمدگی کے باوجود منکر ہے کیونکہ اس کو مسلم نے ناقد سے اس نے شبابہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے اس کے الفاظ ذکر کیے ہیں) اسی طرح زعفرانی نے بھی اس کو شبابہ سے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اس کو عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے مسلم کے الفاظ ذکر کیے ہیں، مقصد یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی کسی روایت میں عصر کا ذکر نہیں ہے (صرف ظہر کا ذکر ہے۔ ذہبی نے کہا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسحٰق لوگوں کے سامنے اپنی یاد سے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کو اشتباہ واقع ہُوا ہو۔ (ت)

اس کے بعد ہمیں شبابہ بن سوار میں کلام کی حاجت نہیں کہ وُہ اگرچہ رجال جماعہ وموثقین ابنائے معین وسعد وابی شیبہ سے ہے مگر مبتدع مکلب تھا امام احمد نے اُسے ترک کیا، امام ابوحاتم رازی نے درجہ حجیت سے ساقط بتایا۔ تہذیب التہذیب امام ابن حجر عسقلانی میں ہے:

شبابۃ بن سوار الفزاری، قال احمد بن حنبل: ترکتہ، لم اکتب عنہ للارجاء۔ قیل لہ: یا ابا عبد اللہ! وابو معویۃ، قال، شبابۃ کان داعیۃ۔ وقال زکریا الساجی، صدوق، یدعو الی الارجاء، کان احمد یحمل علیہ[2]۔

شبابہ ابن سوار فزاری ــــ احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس سے حدیثیں نہیں لکھیں کیونکہ وہ ارجاء کا عقیدہ رکھتا تھا۔ کسی نے کہا کہ (ارجاء کا عقیدہ تو) ابو معاویہ بھی رکھتا ہے۔ احمد نے کہا (ہاں، مگر) شبابہ ارجاء کا داعی تھا۔ زکریا ساجی نے کہا کہ سچا ہے، ارجاء کا داعی ہے۔ احمد اس پر تنقید کیا کرتے تھے۔ ت)

اُسی میں ہے، قال ابوحاتم، صدوق، یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ[3] (ابوحاتم نے کہا ہے

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ ۷۳۳ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱/۱۸۳

[2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ بن سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۴/۳۰۱

[3] " " " " " " " " " "

کہ سچا ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس کو حجت نہ بنایا جائے۔ (ت) اُسی میں ہے:

قال ابوبکر الاثرم عن احمد بن حنبل، کان یدعو الی الارجاء، وحکی عنہ قول اخبث من ھذہ الاقاویل، قال، اذا قال فقد عمل بجارحتہ۔ وھذا قول خبیث، ما سمعت احدا یقولہ۔[1]

ابوبکر اثرم نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ اسحٰق عقیدۂ ارجاء کی دعوت دیتا تھا اور اس سے ایک ایسا قول بھی منقول ہے جو ان تمام باتوں سے زیادہ خبیث ہے۔ اس نے کہا کہ جب (اللہ تعالٰی) کوئی بات کہتا ہے تو یقیناً اپنے ایک عضو (زبان) کو کام میں لاتا ہے۔ یہ ایک خبیث قول ہے، میں نے کسی کو یہ بات کہتے نہیں سُنا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوبکر محمد بن ابی الثلج، حدثنی ابوعلی بن سختی المدائنی، حدثنی رجل معروف من اھل المدائن، قال، رأیت فی المنام رجلا نظیف الثوب حسن الھیأۃ، فقال لی، من این انت؟ قلت، من اھل المدائن، قال: من اھل الجانب الذی فیہ شبابۃ؟ قلت، نعم! قال فانی ادعو اللہ، فامن علی دعائی: اللھم ان کان شبابۃ یبغض اھل نبیک فاضربہ الساعۃ بفالج۔ قال: فانتبھت، وجئت الی المدائن وقت الظھر، واذا الناس فی ھرج، فقلت، ما للناس؟ قالوا، فلج شبابۃ فی السحر، ومات الساعۃ۔[2]

ابوبکر محمد بن ابی الثلج نے کہا کہ مجھے ابوعلی ابن سختی مدائنی نے بتایا کہ مجھ سے مدائن کے ایک مشہور آدمی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک خوش لباس اور خوش شکل شخص کو دیکھا اس نے مجھ سے پُوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا میں اہلِ مدائن میں سے ہوں۔ اس نے پوچھا مدائن کے اُس حصے میں رہتے ہو جس میں ابوشبابہ رہتا ہے، میں نے کہا ہاں، اس نے کہا کہ پھر میں ایک دُعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ (اس نے یُوں دُعا کی:) اے اللہ! اگر شبابہ تیرے نبی کے اہل سے بغض رکھتا ہے تو اس کو اسی وقت فالج میں مبتلا کردے۔ اس آدمی نے کہا کہ یہ دیکھ کر میں جاگ گیا اور ظہر کے وقت مدائن (کے اس حصے میں جہاں شبابہ رہتا تھا) گیا تو دیکھا کہ لوگوں میں اضطراب پایا جاتا ہے، میں نے پوچھا کہ لوگ کیوں پریشان ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ آج سحر کے وقت شبابہ پر فالج گرا اور ابھی ابھی مرگیا ہے۔ (ت)

---

[1] و [2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۳۰۲

روایت حاکم و طبرانی کو خود ملاجی بھی ضعیف مان چکے، فرماتے ہیں[ف۱]: مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں یعنی ایک روایت ابوداؤد جس کے راوی میں ضعف تھا ایک روایت معجم اوسط طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کرکے اُن پر طعن کردیا اور جو روایتیں صحیحہ متداول تھیں نقل کرکے اُن کا جواب نہیں دیا یہ کیا دینداری ہے اور کیا مردانگی کہ بخاری و مسلم کو چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جاپکڑا اور اُن سے دو روایتیں ضعیف نقل کرکے اُن کا جواب دیا۔ لہٰذا ہمیں ان کے باب میں تفصیل کلام کی حاجت نہ رہی ؏

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خیر یہ تو ملاجی سے خدا جانے کس مجبوری نے کہلوا چھوڑا مگر ستم۔

لطیفہ: اس مافات کی تلافی یہ ہے کہ جب یہ روایتیں ناقابل احتجاج نکل گئیں خود روایت صحیحین میں لفظ والعصر بڑھادیا، فرماتے ہیں[ف۲] روایت کی بخاری اور مسلم نے انس سے (الی قولہ) فان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر والعصر ثم رکب۔

اقول ملاجی حنفیہ کی مروی تو بحمداللہ آپ نے دیکھ لی اب بعونہ تعالٰی اور دیکھئے گا یہاں تک کہ آپ کی سب ہوسوں کی تسکین ہوجائے مگر دینداری و مردانگی اس کا نام ہوگا کہ مشہور و متداول کتب میں تحریف کیجئے مردانہ پن کا دعوٰی ہے تو صحیحین میں اس عبارت کا نشان دیکھئے ایک زمانہ میں آپ کو خبط کفری جاگا تھا کہ زمین کے طبقاتِ زیرین میں حضور پُرنور منزہ عن المثل والنظیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاذ اللہ چھ مثل موجود ہیں یہ بخاری مسلم شاید اُنھیں طبقات کی ہوں گی۔

ثم اقول وباللہ التوفیق یہ سب کلام بالائی تھا فرض کرلیجئے کہ یہ روایت صحیحہ بلکہ خود صحیحین میں موجود سہی پھر تمھیں کیا نفع اور ہمیں کیا ضرر اُس کا تو اتنا حاصل کہ سورج منزل ہی میں ڈھل جاتا تو ظہر و عصر دونوں سے فارغ ہوکر سوار ہوتے اس سے عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں سے نکلا۔

اوّلاً واو مطلق جمع کے لیے ہے نہ معیت و تعقیب کے واسطے، جمیعا بھی اُسی مطلق جمع کی تاکید کرتا ہے جو مفاد واو ہے اُس کا منطوق صریح اجتماع فی الحکم ہے نہ[عہ] خواہی نخواہی اجتماع فی الوقت آیہ کریمہ وتوبوا الی اللہ

عہ بیضاوی شریف میں زیر آیہ کریمہ قلنا اھبطوا منھا جمیعا ہے:

جمیعا، حال فی اللفظ، تاکید فی المعنی، کانہ قیل، اھبطوا انتم اجمعون؛ ولذلك لایستدعی اجتماعھم علی الھبوط فی زمان واحد کقولك جاؤا جمیعا۔ اھ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

"جمیعا" لفظاً حال ہے، معنًی تاکید ہے، گویا کہ کہا گیا "تم سب اترو"۔ اسی لیے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے، کہ سب ایک ہی وقت میں اتریں، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ سب آئے اھ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ف۱۔ معیار الحق ص ۳۶۵، ۳۶۶ ف۲ معیار الحق ص ۳۷۹

جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون[1] (اور توبہ کرو اللہ تعالٰی کی طرف تم سب اے اہلِ ایمان! تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ت) نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب مسلمان توبہ کریں حکمِ توبہ سب کو شامل ہو یا یہ فرض کیا کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک وقت ایک ساتھ مل کر معاً توبہ کریں۔

ثانیاً اجتماع فی الوقت کہ بذریعہ فردیتِ اجتماع فی الحکم مفاد ہو یا خود اُس کے لیے بھی وضع مانو اُس وقت سے وقتِ نماز مراد نہیں ہوسکتا کہ وضع الفاظ تعیین اوقات نماز سے مقدم ہے لفظ جمیعا اپنے معنی لغوی پر اہلِ جاہلیت بھی بولتے تھے جنہیں نماز سے خبر تھی نہ اُس کے وقت سے، تو لاجرم اس تقدیر پر اس کا مفاد اتحاد زمانہ وقوع و مقارنت فی الصدور ہوگا وہ دو نماز فرض میں ناممکن اور اتصال بروجہ تعقیب اس معنے جمیعا کا فرد نہیں بلکہ صریح مباین، لاجرم پھر اُسی معنے واضح و روشن و اقل متیقن یعنی اجتماع فی الحکم کی طرف رجوع لازم کہ تاصحت حقیقت مجاز کی طرف مصیر ناجائز خصوصاً مستدل کو۔

ثالثاً تعقیب ہی سہی پھر جمع صوری کی نفی کہاں سے ہوئی صلّے جمیعا یُوں بھی صادق اور ادعائے تقدیم باطل و زاہق ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق بحمد اللہ آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ جمع تقدیم پر اصلاً کوئی دلیل نہیں کسی حدیث صحیح میں اس کی بُو بھی نہیں، ملّا جی کا قطعی و مفسر کہہ دینا خدا جانے کس نشہ کی ترنگ تھی، سبحٰن اللہ! کیا ایسی ہی ہوسوں پر توقیت منصوص قرآن و نصوص احادیث و پیش از وقت نماز کے بطلان پر اجماعِ اُمت ترک کردئے جائیں گے اور خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باندھے ہُوئے اوقات اُلٹ پلٹ ہوسکیں گے، یہ اچھا عمل بالحدیث ہے کہ اپنی خیال بندیوں پر رگ دعوٰی بلند اور قرآن عظیم و حدیث و اجماع سب سے آنکھیں بند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین سیدنا و مولانا محمد و اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

فصل سوم تضعیف دلائل جمع تاخیر

الحمدللہ جمع تقدیم کے جواب سے فراغِ تام ملا، اب جمع تاخیر کی طرف چلیے۔ ملّا جی بہزار کاوش و کاہش یہاں بھی وُہی حدیثیں چھانٹ پائے جن کے الفاظ متعددہ کے ذکر سے شاید عوام کو یہ وہم دلانا ہو کہ اتنی حدیثیں ہیں؛ یہ دُو حدیثیں وہی احادیث ابن عمر و انس رضی اللہ تعالٰی عنہم مذکورہ صدر فصل اول و افاضہ ثالثہ ہیں جن کے بعض طرق و الفاظ حدیث اول جمع صوری و حدیث اول و دوم حدیث مجملہ میں گزرے ان کے بعض الفاظ بعض طرق کو

[1] القرآن ۲۴/۳۱ [2] انوار التنزیل علی ہامش القرآن الکریم مصطفٰی البابی مصر ص ۱۸

ملا جی جمع حقیقی میں نص صریح سمجھ کر لائے اور بزعم خود بہت چمک چمک کر دعوے فرمائے ادھر کے متکلمین نے اکثر افادات علمائے سابقین اور بعض اپنے سوانح جدیدہ سے اُن کے جوابوں میں کلام طویل کیے، فقیر غفرلہ المولی القدیر کا یہ مختصر جواب نقل اقاویل وجمع ماقال وقیل کے لیے نہیں لہذا بعونہٖ تعالیٰ وہ افادات تازہ سُنئے کہ فیض مولائے اجل سے قلب عبدِ اذل پر فائض ہُوئے اہلِ نظر اگر مقابلہ کریں جلیل وعظیم فرق پر خود ہی مطلع ہوں گے واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص فرمادے اور اللہ تعالیٰ علم وفضل والا ہے۔ ت)

فاقول وبحول اللہ اصول **حدیث ابن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس سے زیادہ طرق اس وقت پیشِ نظر فقیر ہیں اُن میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں سے اٹھارہ کی طرف ہم تے احادیث مجملہ میں اشارہ کیا ہے نصف سے کم اُن میں اکثر صاف صاف جمع صوری کی تصریح کر رہے ہیں جن میں سے چودہ[۱۴] روایات بخاری و ابوداؤد ونسائی وغیرہم سے اُوپر مذکور ہُوئے، ہاں بعض میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بعد غروب شفق جمع کرنا مذکور اِن میں بھی بعض محض موقوف مثل روایت[۱] موطائے امام محمد:

اخبرنا مالك عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حین جمع بین المغرب والعشاء سار حتی غاب الشفق۔[۱]

مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب مغرب وعشاء کو جمع کیا تھا تو چلتے رہے تھے یہاں تک شفق غائب ہوگئی تھی۔ (ت)

اور بعض میں رفع ہے تو بالفاظ اجمال یعنی حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تصریحاً اسی قدر منقول کہ جمع فرمائی قدر مرفوع میں غیبت شفق پر تنصیص نہیں مثل روایت[۲] بخاری:

حدثنا سعید بن ابی مریم اخبرنا محمد بن جعفر قال اخبرنی زید، ھو ابن اسلم، عن ابیہ، قال، کنت مع عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بطریق مکۃ، فبلغہ عن صفیۃ بنت ابی عبید شدۃ وجع، فاسرع السیر، حتی اذا کان بعد غروب الشفق، ثم نزل فصلی المغرب

حدیث بیان کی ہم سے سعید ابن ابی مریم نے، اس کو خبر دی محمد ابن جعفر نے، اس کو زید ابن اسلم نے اپنے والد سے کہ میں مکہ کے راستے میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا تو ان کو صفیہ بنت ابی عبید کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ سخت درد میں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رفتار تیز کردی یہاں تک کہ شفق غروب ہوگئی۔ اس کے بعد وہ اترے اور

---

[۱] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ مجتبائی لاہور ص ۱۳۱

والعتمة، يجمع بينهما، فقال: انی رأيت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جد به السير اخر المغرب وجمع بينهما[1]۔

مغرب وعشاء کی نماز پڑھی، دونوں کو جمع کیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب انھیں سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب کو مؤخر کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے۔ (ت)

وروایت مسلم:

حدثنا محمد بن مثنی نا یحیی عن عبیدالله عن نافع ان ابن عمر کان اذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء، بعد ان يغيب الشمس، ويقول: ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان اذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء[2]۔ ورواه الطحاوی فقال: حدثنا ابن ابی داؤد ثنا مسدد ثنا یحیی[3]، سنداً ومتناً۔

حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن مثنی نے یحیٰی سے، اس نے عبیداللہ سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب وعشا کو جمع کرلیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔ طحاوی نے بھی ابن ابی داؤد سے، اس نے مسدد سے، اس نے یحیٰی سے یہی روایت کی ہے، ایک ہی سند اور متن کے ساتھ۔ (ت)

وروایت ابی داؤد:

حدثنا سلیمٰن بن داود العتکی نا حماد نا ایوب عن نافع ان ابن عمر، استصرخ علی صفیة، وھو بمکة، فسار حتی غربت الشمس و بدت النجوم، فقال: ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان اذا عجل به امر فی سفر جمع بين هاتين الصلاتين،

حدیث بیان کی ہم سے سلیمان ابن داؤد عتکی نے حماد سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر جب مکہ میں تھے تو ان کو صفیہ کی شدید بیماری کی اطلاع ملی اور وہ چل پڑے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے ظاہر ہوگئے، تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب سفر میں

---

[1] صحیح للبخاری باب المسافر اذا جد به السیر و تعجل الی اہلہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ١/٢٤٣
[2] صحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر " " " ١/٢٤٥
[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/١١٢

فسار حتی غاب الشفق، فنزل فجمع بینھما[1]۔

کسی کام کی جلدی ہوتی تھی تو ان دو نمازوں کو جمع کرلیتے تھے۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو اُترے اور دونوں کو اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ضمیر سار ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف ہے بدلیل روایت طحاوی:

حدثنا ابن مرزوق ثنا عارم بن الفضل ثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، استصرخ علی صفیۃ بنت عبید، وھو بمکۃ، فاقبل الی المدینۃ، فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم، وکان رجل یصحبہ، یقول: الصلاۃ، الصلاۃ، وقال لہ سالم: الصلاۃ، فقال، ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کان اذا عجل بہ السیر فی سفر جمع بین ھاتین الصلاتین، وانی ارید ان اجمع بینھما، فسار حتی غاب الشفق، ثم نزل فجمع بینھما[2]۔

حدیث بیان کی ہم سے ابن مرزوق نے عارم ابن فضل سے، اس نے حماد ابن زید سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکّہ میں تھے تو آپ کو صفیہ بنت ابی عبید کی شدید علالت کی خبر ملی۔ چنانچہ آپ مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے اور مسلسل چلتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے چمکنے لگے۔ ابن عمر کے ساتھ ایک شخص تھا جو کہہ رہا تھا "نماز، نماز"۔ سالم نے بھی کہا "نماز" (یعنی نماز کا وقت جا رہا ہے) تو ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو ان دو نمازوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور میں بھی چاہتا ہوں کہ اکٹھا پڑھ لوں۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی، اس وقت اتر کر دونوں کو اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ولہٰذا امامِ اجل ابوجعفر اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں:

انما اخبر بذلک من فعل ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، وذکر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمع، ولم یذکر کیف جمع[3]۔

اس میں تو صرف ابن عمر کا عمل مذکور ہے اور انہوں نے اگرچہ یہ تو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع کیا کرتے تھے مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ کیسے جمع کیا کرتے تھے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰
[2] شرح معانی الآثار " " " " مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲
[3] " " " " " " " " " " " ۱/۱۱۲

البتہ غیر صحیحین کی بعض روایات میں فعل یکتف کی طرف اشارہ کرکے رفع ہے وُہ یہ ہیں ، روایت ابی داود:

حدثنا عبد الملك ابن شعيب نا ابن وهب عن الليث ، قال ، قال ربيعة ، يعني كتب اليه ، حدثني عبد الله بن دينار ، قال ، غابت الشمس ، وانا عند عبد الله بن عمر ، فسرنا ، فلما رأيناه قد امسى ، قلنا : الصلاة ، فسار حتى غاب الشفق و تصوبت النجوم ، ثمّ انه نزل فصلى صلاتين جميعا ، ثم قال ، رأيت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا جد به السير صلى صلاتي هذه ، يقول يجمع بينهما بعد ليل[1]

حدیث بیان کی ہم سے عبدالملک ابن شعیب نے اس نے ابن وہب سے ، اس نے لیث سے ، اس نے کہا کہ ربیعہ نے میری طرف لکھا کہ عبداللہ ابن دینار نے مجھے بتایا ہے کہ میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ سورج ڈوب گیا تو ہم چلتے رہے یہاں تک کہ جب شام ہوگئی تو ہم نے کہا "نماز"۔ مگر وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی اور تارے نمایاں ہوگئے ، اس وقت آپ اُترے اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں ، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تھی تو جس طرح میں نے نماز پڑھی ہے اسی طرح آپ بھی پڑھا کرتے تھے یعنی رات ہونے کے بعد اکٹھی پڑھتے تھے۔ (ت)

روایت ترمذی:

حدثنا هناد نا عبدة عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالٰى عنهما ، انه استغيث على بعض اهله فجد به السير ، واخر المغرب حتى غاب الشفق ، ثم نزل فجمع بينهما ، ثم اخبرهم : ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يفعل ذلك اذا جد به السير - قال ابو عيسى : هذا حديث حسن صحيح[2]

حدیث بیان کی ہم سے ہناد نے عبدۃ سے ، اس نے عبیداللہ بن عمر سے ، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اپنے اہل خانہ میں سے کسی کی سخت بیماری کی اطلاع ملی تو تیزی سے روانہ ہوئے اور مغرب کو اتنا مؤخر کیا کہ شفق ڈوب گئی ، پھر دونوں کو ملا کر پڑھا بعد میں ساتھیوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو اسی طرح کرتے تھے۔ ابوعیسٰی نے کہا : یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داود باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۲

[2] جامع الترمذی باب ما جاء فی الجمع بین الصلوتین مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۷۲

روایتِ نسائی :

اخبرنا اسحٰق بن ابرھیم ثنا سفیٰن عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن عن شیخ من قریش ، قال ، صحبت ابن عمر الی الحمی ، فلما غربت الشمس ، ھبت ان اقول لہ : الصلاۃ ، فسار حتی ذھب بیاض الافق و فحمۃ العشاء ، ثم نزل فصلی المغرب ثلث رکعات ، ثم صلی رکعتین علی اثرھما ، قال ، ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل۔[1]

خبر دی ہمیں اسحٰق ابن ابراہیم نے سفیٰن سے ، اس نے ابو نجیح سے ، اس نے اسمٰعیل ابن عبدالرحمان سے جو کہ ایک قریشی شیخ ہے کہ میں ابن عمر کے ساتھ تھا جب وہ چراگاہ کو گئے اور سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے میں ان کو نماز کے بارے میں کہہ سکا چنانچہ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ اُفق کی سفیدی ختم ہوگئی اور عشاء کی سیاہی ماند پڑگئی ، اس وقت اترے اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں ، پھر متصلاً (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں کہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے دیکھا ہے۔ (ت)

بظاہر زیادہ مستحق جواب یہی تین روایتیں تھیں مگر فقیر بعون الملک القدیر عزوجل وہ جوابات شافیہ و کافیہ و تقریرات صافیہ و وافیہ بیان کرے کہ ان سات طرق اور ان کے سوا اور بھی کچھ ہو تو سب کو بحول اللہ تعالٰی کفایت کریں۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ العروج علی اوج التحقیق۔

جواب اوّل اسی حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طرق کثیرہ جلیلہ صحیحہ کہ سابقاً ہم نے ذکر کیے صاف و واشگاف بآواز بلند تصریحات قاہرہ فرمارہے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نمازِ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور عشاء غروبِ شفق کے بعد ، اور اسی کو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اُن روایاتِ صحاح وحسان وجلیلۃ الشان پر پھر نگاہِ تازہ کیجئے۔ امام سالم صاحبزادہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم انہی روایات مرویہ صحیح بخاری وسُنن نسائی وصحیح اسمٰعیلی وغیرہا میں فرمارہے ہیں کہ دو تین میل چل کر جب تارے کھل آئے اُتر کر مغرب پڑھی پھر ٹھہر کر عشاء۔ عبداللہ بن واقد شاگرد حضرت ابن عمر اپنی روایات مرویہ سنن ابی داؤد میں روشن تر فرماتے ہیں کہ غروبِ شفق سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر منتظر رہے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشاء پڑھی ، طرفہ یہ کہ وہی امام نافع تلمیذ خاص و رفیق سفر و حضر ابن عمر کہ ان غروبِ شفق

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت ، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۹

والی سات روایتوں میں چار انھیں سے ہیں وہی وہاں اپنی روایات کثیرہ مرویہ سُنن ابی داؤد و سنن نسائی وغیرہا میں یوں ہی واضح و جلی تر فرمارہے ہیں کہ جب تک مغرب پڑھی ہے شفق ہرگز نہ ڈوبی تھی بلکہ بعد کو بھی انتظار فرمانا پڑا جب ڈوب گئی اُس وقت عشا کی تکبیر کہی اور اوّل تا آخر ان سب روایات میں تصریح صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے بلکہ حدیث امام سالم میں یوں ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جسے جلدی ہو وہ اس طرح پڑھا کرے، للہ انصاف! ان صاف الفاظ مفسرہ نصوص میں کہیں بھی گنجائش تاویل و تبدیل ہے اور شک نہیں کہ قصۂ صفیہ زوجۂ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو وہاں اور یہاں دونوں طرف کی روایات میں مذکور ایک ہی بار تھا بلکہ انھیں امام نافع سے مروی کہ ابن عمر سے عمر بھر میں صرف اسی بار جمع معلوم ہے اس کے سوا کسی سفر میں انھیں جمع کرتے نہیں دیکھا، سُنن ابی داؤد میں بطریق امام ایوب سختیانی مذکور:

انہ لم یر ابن عمر جمع بینھما قط، الا تلک اللیلۃ، یعنی لیلۃ استصرخ علی صفیۃ[1] اھ

کہ اس نے ابن عمر کو کبھی دو نمازیں جمع کرتے نہیں دیکھا مگر اس رات۔ یعنی صفیہ کی بیماری کی اطلاع والی رات۔

اما ما قال: وروی من حدیث مکحول عن نافع: انہ رأی ابن عمر فعل ذلک مرۃ اومرتین[2]۔ اھ فاقول: فیہ شک والشک لایعارض الجزم۔

اور وہ جو اس نے کہا ہے کہ مکحول کی حدیث میں نافع سے مروی ہے کہ اس نے ابن عمر کو ایک بار جمع کرتے دیکھا تھا یا دوبار، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں شک ہے اور شک سے یقین کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

حدیث نسائی و طحاوی میں انھیں امام نافع سے گزرا کہ میں نے اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے۔ حدیث کتاب الحج میں انھیں نافع سے تھا کہ ابن عمر اذان ہوتے ہی مغرب کے لیے اُترے اس بار دیر لگائی، روایت نسائی و طحاوی و حجج میں تھا ہمیں گمان ہوا کہ اس وقت نماز انھیں یاد نہ رہی یہ سب اُسی قول نافع کے مؤید ہیں معہذا شک نہیں کہ اصل عدم تعدد ہے تو جب تک صراحۃً تعدد ثابت نہ ہوتا اس کے ادعا کی طرف راہ نہ تھی خصوصاً مستدل کو جسے احتمال کافی نہیں دفع تعارض کے لیے اس کا اختیار اس وقت کام دیتا کہ خود قصۂ صفیہ میں دونوں روایات صحیحہ قبل غروب و بعد غروب موجود نہ ہوتیں۔

فسقط ما التجأ الیہ بعض المتأخرین، من العلماء المخالفین فی المسألۃ، ظنا منہ انہ یدرؤبہ التعارض، وما کان

وہ توجیہ ساقط ہوگئی جس کو اس مسئلے کے مخالف علماء متاخرین نے اس خیال سے اختیار کیا ہے کہ اس طرح تعارض رفع ہوجائیگا، حالانکہ اس

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

[2] " " " " " " " "

لیند رئے بہ۔ توجیہ سے تعارض رفع نہیں ہوتا۔(ت)

ناچار خود ملاجی کو بھی ماننا پڑا کہ یہ سب طرق و روایات ایک ہی واقعے کی حکایات ہیں۔ قصہ صفیہ میں حدیث سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم بطریق کثیر بن قاروندا مروی سنن نسائی پر براہِ عیاری بھی جب کوئی طعن نہ گھڑ سکے تو اُسے مخالف حدیث شیخین ٹھہرا کر رَد کردیا کہ اس میں مغرب کا بین الوقتین پڑھنا ہے اور ان میں بعد غروب شفق، لہذا یہ شاذ و مردود ہے جس کی نقل لطیفہ ہفتم افادہ یکم میں گزری حالانکہ حدیث مسلم کے لفظ ابھی سُن چکے اُس میں قصہ صفیہ کا ذکر نہیں، تو جب تک روایت مطلقہ بھی اسی قصہ صفیہ پر محمول نہ ہو حدیث قصہ صفیہ کو مخالف روایت شیخین کہنا چہ معنی، بالجملہ اس حدیث کی اتنی روایات کثیرہ میں یہ تصریح صریح ہے کہ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور اسی کی اُن روایات میں یہ کہ شفق ڈوبے پر پڑھی اور دونوں جانب طرق صحاح و حسان ہیں جن کے رَد کی طرف کوئی سبیل نہیں، تو اب یہ دیکھنا واجب ہُوا کہ ان میں کون سا نص مفسر ناقابلِ تاویل ہے جسے چار و ناچار معتمد رکھیں اور کون سا محتمل کہ اُسے مفسر کی طرف پھیر کر رفع تعارض کریں ہر عاقل جانتا ہے کہ ہماری طرف کے نصوص اصلاً احتمال معنی خلاف نہیں رکھتے شفق ڈوبنے سے پہلے پڑھی اتنے ہی لفظ کے یہ معنی کسی طرح نہ ہوسکتے کہ جب شفق ڈوب گئی اُس وقت پڑھی نہ یہ کہ جب اُس کے ساتھ یہ تصریحات جلیہ ہوں کہ پھر مغرب پڑھ کر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اس کے بعد عشا پڑھی ان لفظوں کو کوئی نیم مجنون بھی مغرب بعد شفق پڑھنے پر حمل نہ کرسکے گا، ہاں پورے پاگل میں کلام نہیں مگر اُدھر کے نصوص کہ چلے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی پھر مغرب پڑھی یا جمع کی یا بعد غروب شفق اُتر کر جمع کی یہ اچھے خاصے محتمل و صالح تاویل ہیں جن کا اُن نصوص صریحہ مفسرہ سے موافق و مطابق ہوجانا بہت آسان۔ عربی فارسی اردو سب کا محاورۂ عامہ شائعہ مشہورہ واضحہ ہے کہ قربِ وقت کو اس وقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عصر کے اخیر وقت کہتے ہیں شام ہوگئی حالانکہ ہنوز سورج باقی ہے۔ کسی سے اوّل وقت آنے کا وعدہ تھا وہ اس وقت آئے تو کہتے ہیں اب سورج چھپے آئے۔ قریب طلوع تک کوئی سوتا ہو تو اُسے اُٹھانے میں کہیں گے سورج نکل آیا۔ شروع چاشت کے وقت کسی کام کو کہا تھا مامور نے قریب نصف النہار آغاز کیا تو کہے گا اب دوپہر ڈھلے سے کر بیٹھے۔ ان کی صدہا مثالیں ہیں کہ خود ملاجی اور اُن کے موافقین بھی اپنے کلاموں میں رات دن اُن کا استعمال کرتے ہوں گے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ محاورے زبان مبارک عرب خود قرآن عظیم و احادیث میں شائع و ذائع ہیں، قال اللہ تعالٰی:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف[1]

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وُہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو اب انھیں اچھی طرح اپنے نکاح میں روک لو یعنی رجعت کرلو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۱

کہ بے قصد مراجعت عدت بڑھانے کے لیے رجعت نہ کرو، وقال تعالٰی :

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف[1]	جب طلاق والیاں اپنی عدت کو پہنچیں تو انھیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جُدا کردو۔ (ت)

ظاہر ہے کہ عورت جب عدت کو پہنچ گئی نکاح سے نکل گئی اب رجعت کا کیا محل، اور اُسے روکنے چھوڑنے کا کیا اختیار، تو بالیقین قرب وقت کو وقت سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جب عدت کے قریب پہنچے اُس وقت تک تمھیں رجعت و ترک دونوں کا اختیار ہے، یہ مثالیں تو آیاتِ قرآنیہ سے ہوئیں جنہیں امام طحاوی وغیرہ علماء مسئلہ وقتِ ظہر اور نیز اس مسئلہ میں افادہ فرما چکے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث سے بھی مثالیں اور علمائے قائلین بالجمع سے بھی اس معنی و محاورہ کی تصریحیں ذکر کرے۔ **فاقول** وباللہ التوفیق ،

حدیث ۱ جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صبح اسرا بعد فرضیت نماز اوقاتِ نماز معین کرنے اور اُن کا اوّل آخر بتانے کے لیے دو روز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امامت کی، پہلے دن ظہر سے فجر تک پانچوں نمازیں اوّل وقت پڑھیں اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت، اس کے بعد گزارش کی،

الوقت ما بین ھذین الوقتین[2]۔	وقت ان دونوں وقتوں کے بیچ میں ہے۔ (ت)

اس حدیث میں ابوداؤد و ترمذی وشافعی وطحاوی وابن حبان وحاکم کے یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

صلی بی العصر حین کان ظلہ مثلہ فلما کان الغد صلی بی الظھر حین کان ظلہ مثلہ[3]۔	میرے ساتھ عصر کی نماز پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا، جب دُوسرا دن ہُوا تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر تھا۔ (ت)

ترمذی کے الفاظ یُوں ہیں :

صلی المرۃ الثانیۃ الظھر حین کان ظل کل شیئ مثلہ لوقت العصر بالامس[4]۔	دوسری مرتبہ ظہر کی نماز تب پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲/۶۵

[2] و [3] سُنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۵۶

[4] جامع الترمذی باب ما جاء فی مواقیت الصلوٰۃ " امین کمپنی دہلی ۱/۲۱

شافعی کے لفظ یہ ہیں :

ثم صلی المرۃ الاخری، الظھر، حین کان کل شئ قدر ظلہ، قدر العصر بالامس[1]۔

پھر دُوسری مرتبہ نماز پڑھی ظہر کی، جب ہر چیز اپنے سائے کے ساتھ برابر تھی یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔ (ت)

حدیث ۲ نسائی وطحاوی وحاکم وبزار نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

ھذا جبریل، جاءکم یعلمکم دینکم۔ وفیہ، ثم صلی العصر حین رأی الظل مثلہ، ثم جاءہ الغد، ثم صلی بہ الظھر حین کان الظل مثلہ[2]۔

یہ جبریل ہیں، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پھر عصر کی نماز پڑھی، جب دیکھا کہ سایہ ان کے برابر ہے۔ پھر دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ظہر کی نماز پڑھی جبکہ سایہ ان کے برابر تھا۔ (ت)

بزار کے لفظ یوں ہیں :

جاءنی، فصلی بی العصر حین کان فیئی مثلی، ثم جاءنی من الغد، فصلی بی الظھر حین کان فیئی مثلی[3]۔

جبریل میرے پاس آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا، پھر دوسرے دن آئے اور ظہر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا۔ (ت)

حدیث ۳ نیز نسائی وامام احمد واسحٰق بن راہویہ وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی :

ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حین کان ظل الرجل مثل شخصہ فصلی العصر، ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین

جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور عصر کی نماز پڑھی، پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ

---

[1] الام للشافعی جماع مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۷۱

[2] سنن النسائی آخر وقت الظھر " المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ۱/ ۵۹

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار باب ای حین یصلی " موسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان ۱/ ۱۸۷

کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی الظہر[1] اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور ظہر کی نماز پڑھی۔ (ت)

حدیث ۴ امام اسحٰق بن راہویہ اپنی مسند میں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بطریق حدثنا بشر بن عمرو الزہرانی ثنی مسلمۃ بن بلال ثنا یحیٰی بن سعید ثنی ابوبکر بن عمرو بن حزم عن ابی مسعود الانصاری[2] اور بیہقی کتاب المعرفۃ میں بطریق ایوب بن عتبۃ ثنا ابوبکر بن عمرو بن حزم عن عروہ بن الزبیر عن ابن ابی مسعود عن ابیہ[3] راوی اور یہ لفظ حدیث اسحٰق ہیں:

قال، جاء جبریل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال، قم، فصل! وذلك لدلوك الشمس حین مالت، فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی الظہر اربعا، ثم اتاہ حین کان ظلہ مثلہ، فقال، قم، فصل! فقام فصلی العصر اربعا، ثم اتاہ من الغد حین کان ظلہ مثلہ، فقال لہ، قم، فصل! فقام فصلی الظہر اربعا۔[4]

کہا: جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اٹھئے اور نماز پڑھئے! ــــ اور یہ سورج ڈھلنے کا وقت تھا، جب وہ ایک طرف جھک گیا تھا ــــ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوبارہ آئے جب اُن کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے! تو آپ نے اٹھ کر عصر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوسرے دن آئے، جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے، تو آپ نے اُٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ (ت)

حدیث ۵ ابن راہویہ مسند میں عبدالرزاق سے اور عبدالرزاق مصنف میں بطریق اخبرنا معمر عن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن جدہ[5] عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال، جاء جبریل، فصلی بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وصلی النبی صلی اللہ

کہا: جبریل آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز پڑھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز

---

[1] سنن النسائی آخر وقت العصر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۰

[2] مسند ابن اسحاق

[3] کتاب المعرفۃ

[4] مسند ابن اسحاق

[5] المصنف لعبدالرزاق باب المواقیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۵۳۴

تعالٰی علیہ وسلم بالناس ، حین زالت الشمس ، الظھر ، ثم صلی العصر حین کان ظلہ مثلہ ، قال ، ثم جاء جبریل من الغد ، فصلی الظھر بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، وصلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالناس ، الظھر ، حین کان ظلہ مثلہ[1]

پڑھائی جب سورج کا زوال ہوگیا تھا ، پھر عصر پڑھی جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا۔ راوی نے کہا : پھر دوسرے دن جبریل آئے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جب ان کا سایہ ان کے برابر ہوگیا تھا۔ (ت)

حدیث ۶ دارقطنی سنن اور طبرانی معجم کبیر اور ابن عبدالبر تمہید میں بطریق ایوب بن عتبۃ عن ابی بکر بن حزم عن عروۃ بن الزبیر حضرت ابومسعود انصاری و بشیر بن ابی مسعود دونوں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی :

ان جبریل جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین دلکت الشمس ، فقال : یا محمد ! صل الظھر ، فصلی ، ثم جاء حین کان ظل کل شیئ مثلہ ، فقال ، یا محمد ! صل العصر ، فصلی ، ثم جاءہ الغد حین کان ظل کل شیئ مثلہ ، فقال : صل الظھر۔ الحدیث[2]۔

جبریل ، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جب سورج ڈھل چکا تھا اور کہا : یا محمد ! ظہر کی نماز پڑھئے ! تو آپ نے ظہر پڑھی۔ پھر دوبارہ آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا : یا محمد ! عصر کی نماز پڑھئے ! تو آپ نے عصر پڑھی۔ پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا : ظہر پڑھئے ! الحدیث۔ (ت)

والکل مختصرا ان سب حدیثوں میں کل کی عصر کی نسبت یہ ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہوا نماز پڑھائی اور بعینہٖ یہی لفظ آج کی ظہر میں ہیں کہ جب سایہ ایک مثل ہُوا پڑھائی اور روایت ترمذی تو صاف صاف ہے کہ آج کی ظہر اُس وقت پڑھی جس وقت کل عصر پڑھی تھی حالانکہ مقصود اوقات کی تمیز اور ہر نماز کا اول و آخر وقت میں جدا جدا بتانا ہے لاجرم امام ابوجعفر وغیرہ نے ظہر امروزہ میں ان لفظوں کے یہی معنے لیے کہ جب سایہ ایک مثل کے قریب آیا پڑھائی ، معانی الآثار میں فرمایا :

احتمل ان یکون ذلک علی قرب ان یصیر ظل کل

احتمال ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی ہو جب ہر چیز

---

[1] المصنف لعبدالرزاق باب المواقیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۵۳۴

[2] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابومسعود انصاری حدیث ۷۱۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸/۲۶۰

شیئ مثلہ ، وھذا جائز فی اللغۃ ، قال عزوجل، فذکر الاٰیۃ ، وشرح المراد ، وافاد واجاد۔

کا سایہ اس کے برابر ہونے کے قریب ہو۔ اور یہ لغت کے اعتبار سے جائز ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ یہاں طحاوی نے آیت ذکر کی (یعنی فاذا بلغن اجلھن) اور مراد کی تشریح کی اور مفید وعمدہ گفتگو کی۔ (ت)

حدیث ۷ سائل نے جو خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر اوقات نماز پُوچھے اور حضورِ والا نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو دن حاضر رہ کر ہمارے پیچھے نماز پڑھ۔ پہلے دن ہر نماز اپنے اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت پڑھا کر ارشاد ہوا ہے:

الوقت بین ھذین (وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے)

اس حدیث میں نسائی وطحاوی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مواقیت الصلاۃ ، فقال : صل معی ، فصلی الظھر حین زاغت الشمس ، والعصر حین کان فی کل شیئ مثلہ ، قال ، ثم صلی الظھر حین کان فی الانسان مثلہ۔[2]

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پُوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز پڑھ! تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سُورج ڈھل گیا اور عصر کی اس وقت جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔ راوی نے کہا کہ پھر (اگلے دن) ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔ (ت)

اس حدیث میں بھی عصر دیروز وظہر امروز کا وہی حال اور علمائے کے وہی مقال۔

حدیث ۸ سُنن ابی داوٗد میں بسند صحیح[ع] ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث سائل

ع حیث قال : (حدثنا مسدد) ثقۃ ، حافظ، من رجال البخاری۔ (نا عبداللہ بن داوٗد) ھو ابن عامر الھمدانی ، ثقۃ ، عابد من رجال البخاری والاربعۃ۔ دون الواسطۃ

چنانچہ (ابو داوٗد نے) کہا (حدثنا مسدد) ثقہ ہے، حافظ ہے، بخاری کے راویوں میں سے ہے (نا عبداللہ ابن داوٗد) اس سے مراد ابن عامر ہمدانی ہے، جو ثقہ ہے عابد ہے اور بخاری کے علاوہ صحاح

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱/۱۰۳

[2] " " " " " " " " " ۱/۱۰۲

یوں ہے :

ان سائلا سأل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلم یرد علیہ شیأ، حتی امر بلالا، فاقام الفجر حین انشق الفجر، وفیہ فلما کان من الغد، اقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ، وصلی العصر وقد اصفرت الشمس او قال، امسی[1]۔

ایک پُوچھنے والے نے رسول اللہ سے (اوقاتِ نماز) پُوچھے تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے فجر کی اقامت اس وقت کہی جب ابھی پَو پھٹی ہی تھی۔ اس روایت (کے آخر) میں ہے کہ اگلے دن ظہر کی اقامت کہی جس وقت پچھلے دن عصر کی کہی تھی، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سُورج زرد ہوچکا تھا، یا یوں کہا کہ شام ہوچکی تھی۔ (ت)

اس حدیث سے دو فائدہ زائدہ حاصل ہُوئے :

اوّلاً اس میں صاف تصریح ہے کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی حالانکہ یہی حدیث ابی موسٰی اسی طریق بدر بن عثمٰن نا ابوبکر بن ابی موسٰی بن ابیہ سے مسلم ونسائی وابن ابان وطحاوی کے یہاں ان لفظوں سے ہے :

ثم اخر الظہر حتی کان قریبا من وقت العصر بالامس[2] ولفظ النسائی الی قریب

پھر ظہر کی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ وقت عصر دیروزہ سے قریب ہوگئی۔

ثابت ہُوا کہ وہاں بھی قُرب ہی مراد ہے اور قرب وقت سے نامِ وقت کو تعبیر درکنار صراحۃً ان لفظوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الذی لیس الا من رجال الترمذی (نا بدر بن عثمٰن) ثقۃ، من رجال مسلم۔ (نا ابوبکر بن ابی موسٰی[ف]) ثقۃ، من رجال الستۃ۔ (عن ابی موسٰی) الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

کی چار کتابوں کے راویوں میں سے ہے۔ واسطی مراد نہیں ہے جو کہ صرف ترمذی کے راویوں میں سے ہے (نا، بدر ابن عثمٰن) ثقہ ہے، مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ (نا، ابوبکر ابن موسٰی) ثقہ ہے، صحاح ستّہ کا راوی ہے (عن ابی موسٰی) اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/ ۵۷

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳

ف۔ سنن ابی داؤد۔ ۱/ ۵۷

بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسری نماز کے وقت میں نماز پڑھی ، یہ فائدہ یاد رکھنے کا ہے ۔

ثانیاً اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ عصر اس حال میں پڑھی کہ سورج زرد ہوگیا تھا یا کہا شام ہوگئی ، یہ بھی قطعاً قربِ شام پر محمول ۔

حدیث ۹ صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

وقت الظھر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ مالم یحضر العصر۔[1]

ظہر کا وقت اُس وقت ہے جب سورج ڈھلے اور سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر ہوجائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے ۔

حدیث ۱۰ امام طحاوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیثِ امامتِ جبریل میں راوی حضور پُرنور علیہ افضل الصلوات اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ نے فرمایا :

صلی الظھر فی کل شیئ مثلہ۔[2]

اس وقت (نماز) پڑھی کہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر ہوگیا ۔

جن کے نزدیک ایک مثل کے بعد وقتِ ظہر نہیں رہتا ان حدیثوں میں ایک مثل ہونے کو ایک مثل کے قریب پہنچنے پر عمل کرتے ہیں ۔

حدیث ۱۱ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک روز نمازِ عصر کو بہت اخیر کرنا اور عروہ بن زبیر کا آکر حدیثِ امامتِ جبریل سنانا کہ صحیحین وغیرہما میں مروی اس میں طبرانی کی روایت یوں ہے :

دعا المؤذن لصلاۃ العصر فامسی عمر بن عبدالعزیز قبل ان یصلیھا۔[3]

مؤذن نے نمازِ عصر کے لیے بلایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شام کردی اور ابھی نمازِ عصر نہ پڑھی ۔ (ت)

یعنی عمر نے شام کردی اور ہنوز نمازِ عصر نہ پڑھی ۔ امام قسطلانی شافعی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری اور علامہ عبدالباقی زرقانی مالکی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں :

محمول علی انہ قارب المساء

حدیث کی مراد یہ ہے کہ شام قریب آئی

---

[1] صحیح مسلم باب الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۱

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوٰۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابومسعود انصاری حدیث ۷۱۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸/۲۵۹

16
16

لانہ دخل فیہ[1] نہ یہ کہ شام ہوگئی۔
خود صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں ہے: اخرالعصر شیأ[2] (عصر میں کچھ تاخیر کی) افادہ الحافظ فی فتح الباری۔

حدیث ۱۲ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن اُمِ مکتوم اذان دے"۔ اس پر صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کان رجلا لاینادی حتی یقال لہ اصبحت اصبحت[3]۔ وہ اذان نہ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اُن سے کہا جاتا تمہیں صبح ہوگئی صبح ہوگئی۔

اگر اُن کی اذان سے پہلے صبح ہوچکتی تھی تو اس ارشاد کے کیا معنی کہ "جب تک وہ اذان نہ دیں کھاتے پیتے رہو"۔ لہذا قسطلانی شافعی ارشاد اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

واللفظ للارشاد المعنی قاربت الصبح علی حد قولہ تعالٰی فاذا بلغن اجلھن[4] یعنی لوگوں کے اس قول کے کہ "صبح ہوگئی صبح ہوگئی" یہ معنی ہیں کہ صبح قریب آگئی قریب آگئی، جیسے آیت میں فرمایا کہ عورتیں میعاد کو پہنچیں یعنی قریب میعاد۔ نیز اسی حدیث میں ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے:

فانہ لایؤذن حتی یطلع الفجر[5]۔ ابنِ اُمِ مکتوم اذان نہیں دیتے یہاں تک کہ فجر طلوع کرے۔

ارشاد شافعی کتاب الصیام میں ہے: ای حتی یقارب طلوع الفجر[6] (یعنی یہاں تک کہ طلوع فجر قریب آئے)۔ بالجملہ اس محاورہ کے شیوع تام سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اگر بالفرض وہ روایات صحیحہ جلیلہ صریحہ صلاۃ مغرب پیش از غروب شفق میں نہ بھی آتیں تاہم جبکہ ہر نماز کے لیے جُدا وقت کی تعیین اور پیش از وقت یا وقت فوت کرکے نماز پڑھنے کی تحریم یقینی قطعی اجماعی تھی ان روایات میں یہ مطلب بنظر محاورہ عمدہ محتمل اور استدلال مستدل بتطرق احتمال باطل و مختل اور آیات و احادیث تعیین اوقات کا ان سے معارضہ غلط و مہمل ہوتا نہ کہ خود اسی حدیث

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/ ۴۷۷
[2] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۷
[3] صحیح البخاری باب اذان الاعمٰی الخ " " " " " ۱/ ۸۶
[4] ارشاد الساری شرح بخاری باب اذان الاعمٰی الخ " دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۱۱
[5] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۷
[6] ارشاد الساری " " " " " مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۳/ ۳۶۳

میں بالخصوص وہ صاف صریح مفسر نصوص آور انھیں بزورِ زبان بخاری ومسلم سب بالائے طاق رکھ کر مردود واہیات بتائیے یا الشان محتملات کے معارض بتا کر شاذ و مردود ٹھہرائیے یہ کیا مقتضائے انصاف و دیانت ہے یہ کیا محدثی کی شان نزاکت ہے۔ اب تو بحمد اللہ سب جعل کھل گیا، حق و باطل میزانِ نظر میں تُل گیا، اور واضح ہُوا کہ یہ سا تو ں روایتیں بھی انھیں محاورات سے ہیں جن میں دو[۲] آیتیں اور بارہ[۱۲] حدیثیں ہم نے نقل کیں ان سات سے مل کر اکیس[۲۱] مثالیں ہُوئیں و باللہ التوفیق۔

جواب دوم جانے دو اُن میں قبل ان میں بعد یونہی سمجھو پھر ہمیں کیا مضر اور تمھیں کیا مفید۔ شفقین دو[۲] ہیں: احمر و ابیض۔ اُن روایات قبل میں سپید مراد ہے اُن روایات بعد میں سُرخ۔ یُوں بھی تعارض مندفع اور سب طرق مجتمع ہو گئے۔ حاصل یہ نکلا کہ شفق اُحمر ڈوبنے کے بعد شفق ابیض میں نماز مغرب پڑھی اور انتظار فرمایا جب سپیدی ڈُوبی عشا پڑھی۔ یہ بعینہٖ ہمارا مذہب مہذب اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح پر جمع صوری ہے حقیقی تو جب ہوتی کہ مغرب بعد غروب سپیدی پڑھی جاتی اس کا ثبوت تم ہرگز نہ دے سکے۔ یہ جواب بنگاہِ اولیں ذہنِ فقیر میں آیا تھا پھر دیکھا کہ امام ابن الہمام قدس سرہٗ نے یہی افادہ فرمایا۔

رہی روایت ہفتم سار حتی ذھب بیاض الافق و فحمۃ العشاء[۱] (چلتے رہے یہاں تک کہ افق کی سفیدی اور عشا کی سیاہی ختم ہوگئی۔ ت) جس میں افق کی سپیدی جانے کے بعد نزول ہے۔

اقول و باللہ استعین **اولاً** یہ بھی کب رہی اس میں بھی وہی تقریر جاری جیسے غاب الشفق بمعنے کادان یغیب یُوں ہی ذھب البیاض بمعنے کادان یذھب۔

ثانیاً حدیث میں بیاض افق ہے نہ بیاض شفق، کنارہ شرقی بھی افق ہے، بعد غروب شمس مشرق سے سیاہی اُٹھتی اور اُس کے اوپر سپیدی ہوتی ہے جس طرح طلوعِ فجر میں اس کا عکس، جسے قرآن عظیم میں حتی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر[۲] (یہاں تک کہ فجر کے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا تمھارے لیے واضح ہو جائے۔ ت) فرمایا، جب فجر بلند ہوتی ہے وہ خیطِ اسود جاتا رہتا ہے، یونہی جب مشرق سے سیاہی بلند ہوتی ہے سپیدی شرقی جاتی رہتی ہے اور ہنوز وقت مغرب میں وسعت ہوتی ہے اور اس پر عمدہ قرینہ یہ کہ بیاض کے بعد فحمۂ عشا سرِ شام کا دھندلکا ہے کہ موسم گرما میں تیزی نور شمس کے سبب بعد غروب نظر کو ظاہر ہوتا ہے جب تارے کھل کر روشنی دیتے ہیں زائل ہو جاتا ہے جیسے چراغ کے سامنے سے تاریکی میں آکر کچھ دیر سخت ظلمت معلوم ہوتی ہے پھر نگاہ ٹھہر جاتی ہے، زہر الربٰی میں ہے: فحمۃ

---

[۱] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[۲] القرآن ۲/۱۸۷

العشاء ، ھی اقبال اللیل و اول سوادہ[1] (فحمۃ العشاء رات کے آنے کو اور اس کی ابتدائی سیاہی کو کہتے ہیں ۔ ت) شرح جامع الاصول للمصنف میں ہے :

ھی شدۃ سواد اللیل فی اولہ ، حتی اذا سکن فورہ ، قلت بظھور النجوم وبسط نورھا ۔ ولان العین اذا نظرت الی الظلمۃ ابتداء ، لاتکاد تری شیئا۔[2]

وُہ رات کا ابتدائی حصّے میں بہت سیاہ ہونا ہے ۔ پھر جب اس کا جوش ٹھہر جاتا ہے تو تاروں کے نکلنے اور ان کی روشنیاں پھیلنے سے سیاہی کم ہوجاتی ہے ، اور اس لیے بھی کہ آنکھ جب ابتداء میں تاریکی کی طرف نظر کرتی ہے تو کچھ نہیں دیکھ پاتی ۔ (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا جانا بیاضِ شفق کے جانے سے بہت پہلے ہوتا ہے تو بیاضِ شفق جانا بیان کرکے پھر اس کے ذکر کی کیا حاجت ہوتی ، ہاں بیاضِ شرقی اس سے پہلے جاتی ہے تو اس معنی صحیح پر فحمۂ عشاء کا ذکر عبث و لغو نہ ہوگا ۔

ثالثاً یہی حدیث اسی طریق مذکور سفیٰن سے امام طحاوی نے یُوں روایت فرمائی :

حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن عیینۃ عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن ابی ذویب قال ، کنت مع ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ، فلما غربت الشمس ، ھبنا ان نقول : الصلاۃ ، فسار حتی ذھب فحمۃ العشاء ورأینا بیاض الافق ، فنزل فصلی ثلثا المغرب ، واثنتین العشاء ، وقال : ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل۔[3]

حدیث بیان کی ہم سے فہد نے حمانی سے ، اس نے ابن عیینہ سے ، اس نے ابن ابی نجیح سے ، اس نے اسمٰعیل بن ابی ذویب سے کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم انھیں نماز کا نہ کہہ سکے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ عشاء کی سیاہی ختم ہوگئی اور ہم نے افق کی سفیدی دیکھ لی ۔ اس وقت اُتر کر مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ۔ (ت)

یہ بقائے شفق ابیض میں نص صریح ہے کہ سرِ شام کا دھندلکا جاتا رہا اور ہمیں افق کی سپیدی نظر آئی

---

[1] زہر الربی مع سنن النسائی بین السطور زیر حدیث مذکور مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[2] جامع الاصول للمصنف

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

اُس وقت نماز پڑھی اور کہا اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا۔

رابعًا ملّاجی! آپ تو بہت محدّثی میں دم بھرتے ہیں صحیح حدیثیں بے وجہ محض تو رد کرتے آئے بخاری و مسلم کے رجال ناحق مردود الروایہ بنائے اب اپنے لیے یہ روایت حجت بنالی جو آپ کے مقبولہ اصولِ محدثین پر ہرگز کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی اس کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے اسی آپ کی مبلغ علم تقریب میں ہے:

عبداللّٰہ بن ابی نجیح یسار المکی ابو یسار الثقفی، مولاھم، ثقۃ، رمی بالقدر، و ربما دلس[۱]

عبداللہ ابن ابی نجیح یسار مکی ابو یسار ثقفی، بنی ثقیف کا آزاد کردہ، ثقہ ہے، قدری ہونے سے متہم ہے، بسا اوقات تدلیس کرتا ہے۔ (ت)

وہ قسم مرسل سے ہے تقریب و تدریب میں ہے:

الصحیح التفصیل، فما رواہ بلفظ محتمل لم یبین فیہ السماع، فمرسل لا یقبل، وما بین فیہ، کسمعت، وحدثنا، واخبرنا، وشبھھا، فمقبول یحتج بہ[۲]

صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، یعنی مدلس کی وُہ روایت جو ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا احتمال تو رکھتا ہو مگر سماع کی تصریح نہ ہو، تو وہ مرسل ہے اور غیر مقبول ہے، اور جس میں سماع کی صراحت ہو، جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ، تو وہ مقبول ہے اور قابلِ استدلال ہے۔ (ت)

اور مرسل کی نسبت آپ خود فرما چکے روایت مرسل حجت نہیں ہوتی نزدیک جماعت فقہا و جمہور محدثین کے۔ یہ آپ نے اُس حدیث صحیح متصل کو مردود و مرسل بنا کر فرمایا تھا جس کا ذکر لطیفۂ دہم میں گزرا جھوٹے ادعائے ارسال پر تو یہ جوش و خروش اور سچے ارسال میں یُوں گنگ و خاموش، یہ کیا مقتضائے حیا و دیانت ہے۔

جواب سوم حدیث مذکور کے اصلاً کسی طریق میں نہیں کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد غروب شفق ابیض نماز مغرب پڑھی نہ ہرگز ہرگز کسی روایت میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد زسفر وقت حقیقۃً قضا کر کے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کو فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب یہ ہے کہ وقت مغرب شفق احمر تک ہے

الدارقطنی عن ابن عمر، رفعہ، والصحیح وقفہ، افادہ البیھقی والنووی، انہ قال:

دارقطنی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، جیسا کہ بیہقی اور نووی نے

---

[۱] تقریب التہذیب ترجمہ عبداللہ ابن نجیح مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۴۴

[۲] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی القسم الثانی من النوع الثانی عشر دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۲۹

ف: معیار الحق ص ۴۰۱

الشفق الحمرۃ ۔ افادہ کیا ہے کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ شفق سُرخی کو کہتے ہیں ۔ (ت)

اور ہمارے نزدیک شفق ابیض تک ہے ھو الصحیح روایۃ والرجیح درایۃ وقضیۃ الدلیل فعلیہ التعویل (یہی روایۃً صحیح ہے ، اسی کو درایۃً ترجیح ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے اسی پر اعتماد ہے ۔ ت) ہمارا مذہب اجلائے صحابہ مثل افضل الخلق بعد الرسل صدیق اکبر و اُمّ المومنین صدیقہ و امام العلماء معاذ بن جبل و سید القراء اُبی بن کعب و سید الحفاظ ابوہریرہ و عبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم و اکابر تابعین مثل امام اجل محمد باقر و امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز و اجلائے تبع تابعین مثل امام الشام اوزاعی و امام الفقہاء و المحدثین والصالحین عبداللہ بن مبارک و زفر بن الہذیل و ائمہ لغت مثل مبرد و ثعلب و فرا و بعض کبرائے شافعیہ مثل ابوسلیمان خطابی و امام مزنی تلمیذ خاص امام شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم سے منقول کما فی عمدۃ القاری وغنیۃ المستملی وغیرھما ۔ اب اگر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صراحۃً ثابت بھی ہو کہ انھوں نے بعد غروب ابیض مغرب پڑھی تو صاف محتمل کہ انھوں نے کسی سفر میں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بعد شفق احمر شفق ابیض میں مغرب اور اُس کے بعد عشاء پڑھتے دیکھا اور اپنے اجتہاد کی بنا پر یہی سمجھا ہو کہ حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے وقت قضا کر کے جمع فرمائی اب چاہے ابن عمر سے ثابت ہو جائے کہ انھوں نے پہر رات گئے بلکہ آدھی رات ڈھلے مغرب پڑھی یہ اُن کے اپنے مذہب پر مبنی ہوگا کہ جب وقت قضا ہو گیا تو گھڑی اور پہر سب یکساں مگر ہم پر حجت نہ ہو سکے گا کہ ہمارے مذہب پر وُہ جمع صوری ہی تھی جسے جمع حقیقی سے اصلاً علاقہ نہ تھا یہ تقریر بحمد اللہ تعالٰی وافی وکافی اور مخالف کے تمام دلائل و شبہات کی دافع و نافی ہے اگر ہمت ہے تو کوئی حدیث صحیح صریح ایسی لاؤ جس سے صاف صاف ثابت ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حقیقۃً شفق ابیض گزار کر وقت اجتماعی عشاء میں مغرب پڑھی یا اس طور پڑھنے کا حکم فرمایا مگر بحول اللہ تعالٰی قیامت تک کوئی حدیث ایسی نہ دکھا سکو گے بلکہ احادیثِ صحیحہ صریحہ جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمع فرمانا اور اس کا حکم دینا آیا وہ صراحۃً ہمارے موافق اور جمع صوری میں ناطق ہیں جن کا بیان واضح ہو چکا پھر ہم پر کیا جبر ہے کہ ایسی احتمالی باتوں مذبذب خیالوں پر عمل کریں اور اُن کے سبب نمازوں کی تعیین و تخصیص اوقات کہ نصوص قاطعہ قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے چھوڑ دیں ۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی اعلم ۔

حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی بطریق عُقیل بن خالد عن ابن شہاب عن انس

جس کے ایک لفظ میں ہے کہ ظہر کو وقتِ عصر تک تاخیر فرماتے ،

الشیخان وابوداود والنسائی ، حدثنا قتیبۃ ، بخاری ، مسلم ، ابوداود اور نسائی کہتے ہیں کہ حدیث

زاد ابوداود وابن موهب المعنی، قالا نا المفضل ح والبخاری وحده، حدثنا حسان الواسطی، وهذا لفظه، ثنا المفضل بن فضالة عن عقیل عن ابن شهاب عن انس بن مالك، قال: کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس، اخر الظهر الی وقت العصر، ثم یجمع بینهما، واذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظهر ثم رکب۔[1]

بیان کی ہم سے قتیبہ نے ـــ ابوداؤد نے اضافہ کیا ہے "اور ابن موہب المعنی نے" دونوں مفضل سے روایت کرتے ہیں۔ یہی روایت بخاری نے بواسطہ حسان واسطی تنہا بھی کی ہے، اور آئندہ الفاظ اسی کے ہیں۔ حدیث بیان کی ہم سے مفضل نے عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال سے پہلے روانہ ہوجاتے تھے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کردیتے تھے، پھر دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے ـــ قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں: "پھر اُترتے تھے اور دونوں کو اکٹھا پڑھتے تھے" ـــ اور اگر زوال ہوجاتا تھا ـــ قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں: "اور اگر روانگی سے پہلے زوال ہوجاتا تھا" ـــ تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے تھے۔ (ت)

دُوسرے لفظ میں ہے ظہر کو مؤخر فرماتے یہاں تک کہ عصر کا اول وقت داخل ہوتا پھر جمع کرتے۔

صحیح مسلم میں ہے، حدثنی عمرو الناقد نا شبابة بن سوار المدائنی نا لیث بن سعد عن عقیل، فذکره، وفیه: اخر الظهر حتی یدخل اول وقت العصر، ثم یجمع بینهما۔[2]

حدیث بیان کی ہم سے عمرو الناقد نے شبابہ سے، اس نے لیث سے، اس نے سعد سے، اس نے عقیل سے، اس کے بعد روایت ذکر کی، اس میں ہے کہ ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ عصر کا ابتدائی وقت داخل ہوجاتا، پھر دونوں کو جمع کرلیتے۔ (ت)

تیسرے لفظ میں یہ لفظ زائد ہے کہ مغرب کو تاخیر کرتے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے وقت اُسے اور عشا کو ملاتے یا انھیں جمع فرماتے کہ شفق ڈوب جاتی۔

صحیح مسلم میں ہے، حدثنی ابوالطاهر وعمرو بن سواد قالا نا ابن وهب ثنی جابر بن اسمٰعیل عن عقیل، وفیه: یؤخر المغرب حتی یجمع

حدیث بیان کی مجھ سے ابوالطاہر اور عمرو بن سواد نے ابن وہب سے، اس نے جابر سے، اس نے عقیل سے۔ اس میں ہے کہ مغرب کو مؤخر کرتے تھے یہاں تک

---

[1] صحیح البخاری باب یؤخر الظهر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

[2] صحیح مسلم باب جواز الجمع بین الصلوٰتین " " " " ۱/۲۴۵

بینھا وبین العشاء حین یغیب الشفق[1]۔ ورواہ النسائی، قال، اخبرنی عمرو بن سواد بن الاسود بن عمرو، وابوداود مختصرا، قال: حدثنا سلیمٰن بن داود المھری کلاھما عن ابن وھب، بہ، ورواہ الطحاوی حدثنا یونس، قال، انا ابن وھب، وفیہ، حتی یغیب الشفق[2]۔

کہ اس کو اور عشاء کو جمع کرلیتے جب شفق غائب ہوتی تھی۔ اس روایت کو نسائی نے بھی بواسطہ عمرو ابن سواد ابن اسود ابن عمرو، اور ابوداود نے بھی مختصراً بواسطہ سلیمان ابن داود المھری بیان کیا ہے (عمرو اور سلیمان) دونوں نے یہ روایت ابن وہب سے لی ہے۔ اور طحاوی نے اس کو بواسطہ یونس، ابن وہب سے لیا ہے۔ اس میں ہے "یہاں تک کہ شفق غائب ہوجاتی تھی۔" (ت)

غیبتِ شفق کے جوابات شافیہ تو بحمداللہ اوپر گزرے ملّاجی کو بڑا ناز یہاں ان لفظوں پر ہے کہ ظہر کو وقت عصر تک مؤخر فرماکر جمع کرتے اُس پر حتی کے معنی میں لاطائل نحویت بگھار کر فرماتے ہیں[ف] پس مطلب یہ ہوا کہ تاخیر ظہر کی اس حد تک کرتے کہ منتہی تاخیر کا اول وقت عصر کا ہوتا یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ عصر کا وقت آجاتا ان معنی سے کسی کو انکار نہیں مگر محرفین للنصوص کو اول وقت عصر کا منتہی تاخیر کا ہے نہ نماز ظہر کا اگر ظہر کا ہو تو ثم یجمع بینھما کے کچھ معنے نہیں بنتے کہ بعد ہوچکنے ظہر کے اول وقت عصر تک پھر جمع کرنا ساتھ عصر کے کس طرح ہو اھ ملخصاً مھذباً۔

اِن لن ترانیوں کا **جواب** تو بہت واضح ہے عصر یا وقت عصر یا اول وقت عصر یا دخول وقت عصر تک ظہر کو مؤخر کرنے کے جس طرح یہ معنے ممکن کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ وقت عصر داخل ہوا یونہی یہ بھی متصور کہ ظہر میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ اس کے ختم ہوتے ہی وقتِ عصر آگیا خود علمائے شافعیہ ان معنی کو تسلیم کرتے ہیں صحیح بخاری شریف میں فرمایا: باب تاخیر الظھر الی العصر[3]۔ امام عسقلانی شافعی نے فتح الباری پھر قسطلانی شافعی نے ارشاد الساری میں اس کی شرح فرمائی:

باب تاخیر الظھر الی اول وقت العصر، بحیث انہ اذا فرغ منھا یدخل وقت تالیھا، لا انہ یجمع بینھما فی وقت واحد[4]۔

باب، ظہر کی تاخیر عصر کے ابتدائی وقت تک کہ جب ظہر سے فارغ ہو، عصر کا وقت داخل ہوجائے، نہ یہ کہ ایک ہی وقت میں دونوں کو جمع کرے۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلوتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵

سنن ابی داؤد ۱/۱۷۲ شرح معانی الآثار ۱/۱۱۳

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

[3] صحیح البخاری باب تاخیر الظھر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷

[4] ارشاد الساری " " " دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/۴۹۱

ف۔ معیار الحق ص ۳۷۷، ۳۷۸

حافظ الشان کے لفظ یہ ہیں :

المراد انه عند فراغه منها دخل وقت العصر، کما سیأتی عن ابی الشعثاء[1] الخ

مراد یہ ہے کہ ظہر سے فارغ ہوتے ہی عصر کا وقت داخل ہوگیا، جیسا کہ عنقریب ابوالشعثاء سے آرہا ہے۔ (ت)

اور اُس سے فارغ ہوتے ہی جو عصر اپنے شروع وقت میں پڑھی جائے بداہۃً دونوں نمازیں مجتمع ہو جائیں گی تو اس معنے کو تحریف یا جمع بینہما کے مخالف کہنا صریح جہالت ہے۔

اقول وباللہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ یؤخر الظہر میں ظہر سے صلاۃ ظہر مراد ہونا تو بدیہی نماز ہی قابل تاخیر و تعجیل ہے نہ وقت جس کی تاخیر و تعجیل مقدورات عباد میں نہیں اور صلاۃ ظہر حقیقۃً تکبیر تحریمہ سے سلام تک مجموع افعال کا نام ہے نہ ہر فعل یا آغاز نماز کا کہ جزء نماز ہے اور ایسے حقائق میں جز شے شے نہیں جو اسم کسی مرکب مجموع اجزائے متعاقبہ فی الوجود کے مقابل موضوع ہو بنظرِ حقیقت اُس کا صدق جزءِ آخر کے ساتھ ہوگا نہ اُس سے پہلے مثلاً مکان اس مجموع جدران و سقف وغیرہا کا نام ہے تو جب نیو بھری گئی یا پہلی اینٹ چنائی کی رکھی گئی مکان نہ کہیں گے پس قبل فراغ حقیقت صلاۃ جسے شرع مطہر نماز گنے اور معتبر رکھے متحقق نہیں تو بحکم حقیقت انتہائے تاخیر نماز عین وقت فراغ پر ہے نہ وقت تکبیر کہ ہنوز زمانہ عدم صدق اسم باقی ہے اب حدیث کے الفاظ دیکھیے تاخیر نماز کی انتہا ابتدائے وقت عصر پر بتائی گئی ہے اور اُس کی انتہا فراغ پر تھی تو ثابت ہوا کہ ظہر سے فراغ وقت ظہر کے جزء اخیر میں ہوا یہی بعینہٖ ہمارا مقصود ہے اگر معنے وہ لیے جائیں جو ملّاجی بتاتے ہیں کہ اول وقت عصر میں نماز ظہر شروع کی تو تاخیر ظہر اول وقت عصر پر منتہی نہ ہوئی بلکہ اوسط وقت عصر تک رہی یہ خلاف ارشاد حدیث ہے تو بلحاظ حقیقت شرعیہ معنیٔ حدیث وہی ہیں جنھیں ملّاجی تحریف نصوص بتا رہے ہیں ہاں مجازاً آغاز نماز پر بھی اسم نماز اطلاق کرتے ہیں تو ہمارے اور ملّاجی کے معنی میں وہی فرق ہے جو حقیقت و مجاز میں۔ بحمد اللہ اس بیان جلی البرہان سے واضح ہوگیا کہ ملّاجی کا منتہائے تاخیر و منتہائے نماز ظہر میں تفرقہ پر حکم کرنا جہالت تھا ملّاجی نے اتنا سچ کہا کہ منتہے تاخیر کا اول وقت عصر کا ہونا آگے جو یہ حاشیہ چڑھایا کہ یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ وقت عصر آجاتا نرا ادعائے بے دلیل ہے طرفہ یہ کہ خود بھی حضرت نے انھیں لفظوں سے تعبیر کی جن میں دونوں معنی محتمل مگر عقل و وہابیت تو باہم اقصے طرفین نقیض پر ہیں وللہ الحمد۔

ثم اقول وبحول اللہ اصول (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طاقت سے حرج کرتا ہوں) ظہر کی وقت عصر تک تاخیر درکنار اگر صاف یہ لفظ آتے کہ ظہر اول وقت عصر میں پڑھی مدعائے مخالف میں نص نہ تھی ظہرین و عشائین میں

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب تاخیر الظہر الی العصر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹

آخروقت اول واول وقت آخر آن واحد فصل مشترک بین الزمانین ہے اور صلاۃ بمعنے ابتدائے صلاۃ اور فراغ عن الصلوٰۃ دونوں مستقل تو بحکم مقدمہ اولیٰ جس نماز کے فراغ پر اُس کا وقت ختم ہوجائے اُسے جس طرح یُوں کہہ سکتے ہیں کہ اپنے وقت کے جزءِ اخیر میں تمام ہوئی یونہی یہ بھی کہ وقت آئندہ کے جزءِ اول میں اُس سے فراغ ہوا اور بحکم مقدمہ ثانیہ تعبیر ثانی کو ان لفظوں سے بھی ادا کرسکتے ہیں کہ نماز وقت آئندہ میں پڑھی کہ نماز پڑھنا فراغ عن الصلاۃ تھا اور فراغ عن الصلاۃ آخر وقت میں ہوا اور آخر وقت ماضی اول وقت آتی ہے ولہذا ساتوں احادیث مذکورہ امامت جبریل و سوال سائل میں جب کہ بظاہر عصر ماضی وظہر حال دونوں ایک وقت پڑھنا نکلتا تھا بلکہ حدیث امامت عند الترمذی وحدیث سائل عند ابی داؤد میں صاف تصریح تھی کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی خود امام شافعی وجمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے ان میں صلاۃ عصر دیروزہ کو ابتدائے نماز اور صلاۃ ظہر امروزہ کو فراغ نماز پر حمل کیا یعنی ایک مثل سایہ پر کل کی عصر شروع فرمائی تھی اور آج کی ظہر ختم، اسی کو یُوں تعبیر فرمایا گیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی امام اجل ابوزکریا نووی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث اذا صلیتم الظھر فانہ وقت الی ان یحضر العصر (جب تم ظہر کی نماز پڑھنا چاہو تو عصر تک سارا وقت ظہر ہی کا ہے۔ ت) فرماتے ہیں:

احتج الشافعی والاکثرون بظاھر الحدیث الذی نحن فیہ، واجابوا عن حدیث جبریل علیہ السلام، بان معناہ، فرغ من الظھر حین صار ظل کل شیئ مثلہ، وشرع فی العصر فی الیوم الاول حین صار ظل کل شیئ مثلہ فلا اشتراک بینھما[1]۔

امام شافعی اور اکثر علماء نے اسی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کی حدیث سے یہ جواب دیا ہے کہ پہلے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا تو اس وقت ظہر کی نماز سے فارغ ہوگئے تھے اور دوسرے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہُوا تھا تو اس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی۔ اس طرح دونوں کا (ایک ہی وقت میں) اشتراک نہیں پایا جاتا۔ (ت)

مرقات شرح مشکوۃ میں ہے:

فی روایۃ، حین کان ظل کل شیئ مثلہ، کوقت العصر بالامس۔ ای فرغ من الظھر ح، کما شرع فی العصر فی الیوم الاول ح حینئذٍ قال الشافعی: وبہ یندفع اشتراکھما فی

ایک روایت میں ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا، جیسا کہ گزشتہ کل اسی وقت عصر کے وقت تھا۔ یعنی آج اُسی وقت ظہر سے فارغ ہوئے تھے جیسا کہ گزشتہ کل اسی وقت عصر میں شروع ہوئے تھے۔

---

[1] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم باب اوقات صلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۲

وقت واحد[1]۔ | امام شافعی نے کہا کہ اسی سے ایک وقت میں ان کے اشتراک کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔ (ت)

ثم اقول ہاں میں علما سے کیوں نقل کروں خود ملّاجی اپنے ہی لکھے کو نہ روئیں اقرء کتابك کفی بنفسك الیوم علیك شھیدا[2]۔ (پڑھو اپنی کتاب کو، آج تم خود ہی اپنے آپ پر شہید کافی ہو۔ت) مسئلۂ وقتِ ظہر میں جو ایک مثل کا اثبات پیشِ نظر تھا پاؤں تلے کی سوجھی آگا پیچھا بے سوچے سمجھے صاف صاف انھیں معنی کا اقرار کرگئے یہ کیا خبر تھی کہ دو قدم چل کر یہ اقرار جان کا آزار ہوجائے گا حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نقل کرکے فرماتے ہیں[ف۱]: معنے اس کے یہ ہیں کہ پہلے دن عصر جب پڑھی کہ سایہ ایک مثل آگیا اور دوسرے دن ظہر سے ایک مثل پر فارغ ہوئے یہ معنے نہیں کہ ظہر پڑھنی شروع کی دوسرے دن اسی وقت میں جس میں پہلے دن عصر پڑھی تھی اھ ملخصا۔ کیوں ملّاجی! جب صلاۃ بمعنی فراغ عن الصلاۃ آپ خود لے رہے ہیں تو آخر الظہر کے معنے آخر الفراغ عن الظہر لینا کیوں تحریف نصوص ہوگیا، ہاں اس کا علاج نہیں کہ شریعت تمھارے گھر کی ہے اپنے لیے تحریف تبدیل انکار تکذیب جو چاہو حلال کرلو۔ مزہ یہ ہے کہ فقط اسی پر قناعت نہ کی لاج کا بھلا ہو حدیث امامت جبریل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی نقل کی اور ابوداؤد کے لفظ چھوڑ کر خاص ترمذی ہی کی روایت لی جس میں صاف نقل کیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی اور بکمال خوش طالعی اسے بھی لکھ دیا[ف۲] کہ معنے اس کے بھی وہی ہیں جو حدیثِ نسائی کے بیان کیے گئے یعنی پہلے دن عصر شروع کی ایک مثل پر اور دوسرے دن فارغ ہوئے ظہر سے ایک مثل پر۔ ملّاجی! جب ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھنا ان صریح لفظوں کے بھی خود یہ معنے لے رہے ہو کہ نماز پڑھی تو اپنے وقت میں مگر اس سے فراغ دوسری کے ابتدائے وقت پر ہوا تو اب کس منہ سے یہ حدیثیں اثبات جمع میں پیش کرتے اور انھیں نص صریح ناقابل تاویل بتاتے ہو ان میں تو تصریح دکھا بھی نہ سکے جو صاف صاف اس حدیث ترمذی میں تھی جب اس کے یہ معنے بنا رہے ہو ان کے بدرجۂ اولٰی بنیں گے اور اول تا آخر تمھارے سب دعوے

ع: اقتباس ومناسب المقام ھھنا الشھادۃ لاالحساب ۱۲ منہ (م) | قرآن کریم سے اقتباس ہے اور مقام کے مناسب یہاں پر شہادت ہے نہ کہ حساب (اس لیے حسیبًا کی جگہ شہیدًا لایا گیا ہے)۔ (ت)

---

[1] مرقات المفاتیح الفصل الثانی من باب المواقیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن ۱۷/ ۱۴۔ [ف۱] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص۳۱۶ [ف۲] ایضًا ص۳۲۱

قل موتوا بغیظکم سُنیں گے انصاف ہو تو ایک یہی حرف تمھاری ساری محنت کو پہلی منزل پہنچانے کے لیے بس ہے وللہ الحمد یہ کلام تو ملاجی کی جہالتوں سے متعلق تھا اب مثل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس حدیث کے بھی جواب بعون الوہاب اُسی طرز صواب پر لیجئے وباللہ التوفیق۔

جواب اول دخول عصر سے قرب عصر مراد ہے جس کی اکیس مثالیں آیات و احادیث سے گزریں خصوصاً حدیث ہشتم میں ہم نے روایت صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی سے روشن ثبوت دیا کہ دوسرے وقت تک تاخیر درکنار ایک نماز اپنے آخر وقت میں دوسرے وقت کے قریب پڑھنے کو کہا یہاں تک کہا جاتا ہے کہ دوسری نماز کے وقت میں پڑھی

الی ھذا الجواب اشار الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی، حیث قال، قد یحتمل ان یکون قولہ، الی اول وقت العصر، الی قرب اول وقت العصر[1]

اسی جواب کی طرف امام طحاوی نے اشارہ کیا ہے انھوں نے کہا ہے کہ اول وقت عصر سے مراد اول وقت عصر کا قریب ہونا ہے۔ (ت)

جواب ثانی، اقول وقت ظہر دو مثل سمجھو خواہ ایک اُس کی حقیقت واقعیہ کا ادراک طاقت بشری سے خارج ہے آسمان بھی صاف ہو زمین بھی ہموار تاہم پیمائش اقدام یا کوئی چیز زمین میں کھڑی کرکے ناپنا تو ہرگز غایت تخمین مقدور تک بھی بالغ نہیں نہایت یہ کہ ظل اسمائی وائرہ ہندیہ ہے وہ بھی حقیقت امر ہرگز نہیں بتا سکتا۔

اولاً دائرے کی صحت سطح کا استوا سطح دائرۃ الافق سے اُس کی پوری موازات مقیاس کا سطح دائرۃ نصف النہار سے ذرہ بھر مائل نہ ہونا مدخل و مخرج کے نقاط نامتجزیہ کی صحیح تعیین قوس محصورہ کی ٹھیک تنصیف پھر ظل کا خط نامتجزی پر واقعی انطباق پھر اُس کی حقیقی مقدار پھر اس پر مثل یا مثلین کی بے کمی بیشی زیادت ان میں سے کسی پر جزم متیسر نہیں۔

ثانیاً بفرض محال عادی یہ سب حق حقیقت پر صحیح بھی ہوجائیں تاہم خط نصف النہار کا سطح عظیمہ نصف النہار میں ہونا معلوم نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت و معلوم ہے کہ شمس بوجہ تقاطع معدل و منطقہ اپنی سیر خاص سے لحظہ بھر بھی ایک مدار پر نہیں رہتا تو منتصف مابین المدخل والمخرج ہمیشہ خط نصف النہار سے شرقی یا غربی ہے مگر جبکہ دائرۃ الزوال پر مرکز نیّر کا انطباق اور احد الانقلابین میں حلول آنِ واحد میں ہو اور وہ نہایت نادر ہے۔

ثالثاً اس نادر کو بھی فرض کرلیجئے تاہم علم کی طرف اصلاً سبیل نہیں کہ حلولِ انقلاب یا وصول دائرہ جانے

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

کے طرق جو زیجات میں موضوع ہیں سب ظنی وتخمینی ہیں کسی کوکب کی تقویم حقیقی معلوم کرنا نہ حساب کا کام ہے نہ ارصاد کا، جداول جیوب و ظلال ومیول و اوساط و تعاویل مراکز و مواضع اوجات و تفاوت ایام حقیقیہ و وسطیہ و فصل ما بین المرکزین وعروض واطوال بلاد ودرج و اجزائے استوائیہ وطوالع ومطالع بلدیہ وغیرہا امور کہ اس ادراک کے ذرائع ہیں سب فی انفسہا محض تخمینی ہیں اور اس پر اثبات زیجات برفع واسقاط حصص کسرات تخمین بالائے تخمین، پاکی ہے اسے جس نے بہر تقویم وقطعیہ میں عجز وجہل بشر کو ظاہر کیا اور ذرہ ذرہ عالم سے اپنے کمال علم وقدرت کو جلوہ دیا،

سبحٰنک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم[1]۔ تُو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنے کی تُو نے تعلیم دی ہے تُو ہی علیم حکیم ہے۔ (ت)

ولہٰذا ملتقی وقتین سے کچھ پہلے اور کچھ بعد تک عامہ خلق کے نزدیک وقت مشکوک ہے اسی کو وقت بین الوقتین کہتے ہیں اس میں نظرِ ناظر کبھی حالتِ شک میں رہتی ہے کبھی بقائے وقتِ اول کبھی دخولِ وقت آخر گمان کرتی ہے اور واقع وہ ہے جو رب العزۃ جل وعلا کے علم میں ہے صاحبِ وحی خصوصاً عالم علوم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب بحکم نبأنی العلیم الخبیر (آگاہ کیا ہے مجھے علم والے اور خبر والے نے۔ ت) عین وقت حقیقی پر مطلع ہو کر نمازِ ظہر ایسے اخیر وقت میں ادا فرمائے اور سلام پھیرتے ہی معاً وقت عصر کی ابتدائے حقیقی جو خاص علمِ الٰہی میں تھی شروع ہو جائے اور دیگر ناظرین کہ وحی سے بہرہ نہیں رکھتے براہِ اشتباہ اسے وقت آخر میں گمان کریں اصلاً محل تعجب نہیں نہ معاذ اللہ اس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کسرِ شان کہ علوم خاصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حضور کا شریک نہ ہونا کچھ منافی صحابیت نہیں بلکہ واجب ولازم ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث کثیرہ سے خاص اس جزئیہ کی نظیریں پیش کرسکتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسے وقت نمازیں پڑھیں یا سحری تناول فرمائی کہ ناظرین کو بقائے وقت میں شک یا خروجِ وقت کا گمان گزرتا بلکہ اجلہ حذاقِ صحابہ کی تمیز ومعرفت میں دیگر ناظرین شریک نہ ہوتے علم محمدی تو علم محمدی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مثلاً:

حدیث ۱ حدیث سائل کہ صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی ومسند امام احمد وحجج امام ابن ابان ومصنف طحاوی میں سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اس میں ظہر روزِ اول کی نسبت مسلم ونسائی کی روایت یوں ہے:

اقام بالظھر حین زالت الشمس، والقائل یقول: قد انتصف النھار، وھوکان

سورج ڈھلتے ہی ظہر کی اقامت کی اس حال میں کہ کہنے والا کہے ٹھیک دوپہر ہے اور حضور صلی اللہ

---

[1] القرآن ۲/ ۳۲

اعلم منهم[1]۔ — تعالٰی علیہ وسلم اُن سے زیادہ جانتے تھے۔

ابوداؤد کے یہ لفظ ہیں:

حتی قال القائل انتصف النہار، وھو اعلم[2]۔ — یہاں تک کہ کہنے والے نے کہا دوپہر ہوا اور حضور کو حقیقت امر کی خُوب خبر تھی۔

احمد و عینی و طحاوی کے لفظ یُوں ہیں:

والقائل یقول: انتصف النہار اولم، و کان اعلم منہم[3]۔ — کہنے والا کہتا دوپہر ہے یا ابھی دوپہر بھی نہ ہوا اور حضور کے علم سے اُن کے علموں کو کیا نسبت تھی۔

حدیث ۲ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و کتاب طحاوی میں بارۂ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارۂ انکار جمع بین الصلاتین کہ عنقریب ان شاء اللہ القریب المجیب مذکور ہوگی یہ ہے:

صلی الفجر یومئذ قبل میقاتہا[4]۔ — صبح کی نماز اس کے وقت سے پہلے پڑھی (ت)

ابوداؤد کے لفظ یُوں ہیں:

صلی صلاۃ الصبح من الغد قبل وقتہا[5]۔ — دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی۔ (ت)

طحاوی کی روایت یُوں ہے:

صلی الفجر یومئذ لغیر میقاتہا[6] یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ مزدلفہ میں صبح کی نماز اُس کے وقت سے پہلے پڑھی بے وقت پڑھی۔

امام بدر عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قولہ قبل میقاتہا، بان قدم علی وقت ظہور — یعنی قبل وقت پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ اور لوگوں پر صبح کا

---

[1] الصحیح لمسلم باب اوقات صلوات الخمس - مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/۵۷

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

[4] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۸

[5] سنن ابی داؤد باب الصلوٰۃ بجمع مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۲۶۷

[6] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

طلوع الصبح للعامۃ، وقد ظہرلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طلوعہ، اِمّا بالوحی او بغیرہ۔[1]

طلوع کرنا ظاہر نہ ہوا تھا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وحی وغیرہ سے معلوم ہوگیا۔

حدیث ۳ صحیح بخاری شریف میں عبدالرحمٰن بن یزید نخعی سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت ہے:

ثم صلی الفجر حین طلع الفجر، قائل یقول: طلع الفجر، وقائل یقول: لم یطلع الفجر، واولہ، قال: خرجنا مع عبداللہ الی مکۃ، ثم قدمنا جمعا الحدیث۔[2]

یعنی ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ حج کو چلے مزدلفہ پہنچے وہاں حضرت عبداللہ نے نمازِ فجر طلوعِ فجر ہوتے ہی پڑھی کوئی کہتا فجر ہوگئی ہے کوئی کہتا ابھی نہیں۔

حدیث ۴ امام ابوجعفر طحاوی انھیں عبدالرحمٰن نخعی سے راوی:

قال صلی عبداللہ باصحابہ صلاۃ المغرب، فقام اصحابہ یتراء ون الشمس، فقال: ما تنظرون؟ قالوا: ننظر اغابت الشمس؟ فقال عبداللہ: ہذا، واللہ الذی لا الٰہ الا ھو، وقت ہذہ الصلاۃ الحدیث۔[3]

یعنی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے اصحاب کو نمازِ مغرب پڑھائی اُن کے اصحاب اُٹھ کر سورج دیکھنے لگے، فرمایا: کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی: یہ دیکھتے ہیں کہ سُورج ڈوبا یا نہیں! فرمایا: قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں کہ یہ عین وقت اس نماز کا ہے۔

نماز سے فارغ ہو کر بھی اُن کے اصحاب کو شبہہ تھا کہ سورج اب بھی غروب ہوا یا نہیں فان صلی حقیقۃٌ فی الفعل دون الارادۃ والفاء للتعقیب (کیونکہ صلّی کا حقیقی معنی نماز پڑھنا ہے نہ کہ ارادہ کرنا اور فاء تعقیب کے لیے ہے۔ ت)

حدیث ۵ بخاری مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی بطریق انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: تسحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ

ہم نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب صلاۃ الفجر بالمزدلفۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰/۱۰

[2] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۸/۱

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۷/۱

تعالٰی علیہ وسلم، ثم قمنا الی الصلاۃ، قلت: کم کان قدر ما بینھما؟ قال: خمسین اٰیۃ۔[1]

سحری کھائی پھر نمازِ فجر کے لیے کھڑے ہوگئے میں نے پُوچھا بیچ میں کتنا فاصلہ دیا، کہا پچاس آیتیں پڑھنے کا۔

حدیث ۶ بخاری ونسائی بطریق قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، و زید بن ثابت تسحرا، فلما فرغا من سحورھما قام نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الصلاۃ فصلی، قلت لانس: کم کان بین فراغھما من سحورھما و دخولھما فی الصلاۃ؟ قال: قدر ما یقرؤ الرجل خمسین اٰیۃ۔[2]

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سحری تناول فرمائی جب کھانے سے فارغ ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح کے لیے کھڑے ہوگئے نماز پڑھ لی میں نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا سحری سے فارغ اور نماز میں داخل ہونے میں کتنا فصل ہوا، کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

امام طورپشتی حنفی پھر علامہ طیبی شافعی پھر علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ھذا تقدیر لا یجوز لعموم المؤمنین الاخذ بہ، وانما اخذہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاطلاع اللہ تعالٰی ایاہ، وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معصوما عن الخطأ فی الدین۔[3]

یہ اندازہ ہے کہ عام اُمت کو اسے اختیار کرنا جائز نہیں سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسے اس لیے اختیار فرمایا کہ رب العزۃ جل وعلا نے حضور کو وقتِ حقیقی پر اطلاع فرمائی تھی اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔

حدیث ۷ نسائی و طحاوی زر بن حبیش سے راوی:

قال: قلنا لحذیفۃ، ای ساعۃ تسحرت مع

ہم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا آپ نے

---

[1] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۱

[2] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول من باب تعجیل الصلوات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۳۳

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم؟ قال، ھو النھار، الا ان الشمس لم تطلع[1]

حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کس وقت سحری کھائی تھی؟ کہا دن ہی تھا مگر یہ کہ سورج نہ چمکا تھا۔

امام طحاوی کی روایت میں یوں صاف تر ہے:

قلت: بعد الصبح؟ قال: بعد الصبح، غیر ان الشمس لم تطلع[2]

میں نے کہا بعد صبح کے؟ کہا ہاں بعد صبح کے مگر آفتاب نہ نکلا تھا۔

رائے فقیر میں ان روایات کا عمدہ محمل یہی ہے کہ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے علم نبوت کے مطابق حقیقی منتہائے لیل پر سحری تناول فرمائی کہ فراغ کے ساتھ ہی صبح چمک آئی حذیفہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کو گمان ہُوا کہ سحری دن میں کھائی بعد صبح اور واقعی جو شخص سحری کا پچھلا نوالہ کھا کر آسمان پر نظر اُٹھائے تو صبح طالع پائے وہ سوا اس کے کیا گمان کرسکتا ہے۔

حدیث ۸ ابوداؤد نے اپنی سنن میں باب وضع کیا: باب المسافر وھو یشک فی الوقت[3]۔ اور اس میں انہیں انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے جن کی حدیث میں ہم یہاں کلام کررہے ہیں روایت کی:

قال: کنا اذا کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر، فقلنا: زالت الشمس اولم تزل، صلی الظھر ثم ارتحل[4]۔

جب ہم حضور اقدس سید عالم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب سفر میں ہوتے تھے ہم کہتے سورج ڈھلا یا ابھی ڈھلا بھی نہیں حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت نمازِ ظہر پڑھ کر کُوچ فرما دیتے۔

حدیث ۹ ابوداؤد اسی باب میں اور نیز نسائی و طحاوی انہیں انس رضی اللّٰہ عنہ سے راوی:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا نزل منزلا لم یرتحل حتی یصلی الظھر، فقال لہ رجل: وان کان نصف النھار؟ قال: وان کان نصف النھار[5]۔

یعنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم جب کسی منزل میں اُترتے بے ظہر پڑھے کُوچ نہ فرماتے۔ کسی نے کہا اگرچہ دوپہر کو، فرمایا: اگرچہ دوپہر کو۔

---

[1] سنن النسائی الحث علی السحور و ذکر الاختلاف الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۳

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصیام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۸

[3] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ " مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

[4] و [5] " " " " " " " " " ۱/۱۷۰

نسائی کے لفظ یوں ہیں :

فقال رجل و ان کانت بنصف النہار قال و ان کانت بنصف النہار[1] — یعنی کسی نے پوچھا اگرچہ وہ نماز دوپہر میں ہوتی فرمایا اگرچہ دوپہر میں ہوتی۔

لطیفہ اوّل ملّا جی کو تو یہ منظور ہے کہ جہاں جیسے بنے اپنا مطلب بنائیں یہاں تو قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہ وقت عصر کا آغاز ہو جاتا ایسی تحقیق یقینی پر عمل کیا جس میں اصلاً گنجائش تاویل نہیں اور مسئلہ وقت ظہر میں جب علمائے حنفیہ نے حدیث صحیح جلیل صحیح بخاری شریف سے استدلال کیا کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا : ایک سفر میں ہم حاضر رکاب سعادت سلطان رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ تھے مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی فرمایا وقت ٹھنڈا کر، دیر کے بعد انھوں نے پھر اذان کا قصد کیا، پھر فرمایا وقت ٹھنڈا کر، ایک دیر کے بعد انھوں نے پھر ارادہ کیا، فرمایا ٹھنڈا کر، حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آگیا) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : ان شدۃ الحر من فیح جہنم[2] (گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے) تو اس میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو، ظاہر ہے کہ ٹھیک دوپہر خصوصاً موسم گرما میں کہ وہی زمانہ ابراد ہے ٹیلوں کا سایہ اصلاً نہیں ہوتا بہت دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں :

التلول منبطحۃ غیر منتصبۃ ولا یصیر لہا فیٔ فی العادۃ، الا بعد زوال الشمس بکثیر[3] — ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ بلند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد۔

امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں فرماتے ہیں :

ھی منبطحۃ لایظہر لہا ظل، الا اذا ذھب اکثر وقت الظہر[4] — ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لیے سایہ ظاہر ہی نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

جب خود ائمہ شافعیہ کی شہادت سے ثابت اور نیز مشاہدہ و عقل و قواعد علم ظل شاہد کہ ٹیلوں کے سائے کی ابتدا زوال سے بہت دیر کے بعد ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر اُس وقت پہنچے گا جب بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت گزر جائے گا اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا

---

[1] سنن النسائی — اول وقت ظہر حدیث ۴۹۹ — مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور — ۱/۵۸

[2] صحیح البخاری — باب الابراد بالظہر فی السفر دارالعرفۃ " قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۷۷

[3] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم — باب استحباب الابراد بالظہر الخ " " " " — ۱/۲۲۴

[4] فتح الباری شرح البخاری — باب الابراد بالظہر فی السفر — بیروت — ۲/۱۷

نوٹ : یہ حوالہ سعی بسیار کے باوجود نہایہ سے نہیں مل سکا اس لیے فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

حکم فرمایا اور اس کے بعد مؤذن کو اجازتِ اذان عطا ہوئی تو بلاشُبہہ دوسرے مثل میں وقتِ ظہر باقی رہنا ثابت ہوا جیساکہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے بدلیل ساطع بحمد اللہ تعالیٰ لاجواب یہاں ملّاجی حالتِ اضطراب میں فرماگئے کہ مساوی کہنا راوی یعنی سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سایہ ٹیلوں کو ظاہر ہے کہ تخمیناً اور تقریباً ہے نہ بالتطور کہ گز رکھ کر ناپ لیا تھا۔ کیوں حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو گز رکھ کر نہ ناپا تھا یونہی تخمیناً مساوات بتادی مگر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گز رکھ کر ناپ لینا آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا آخر دخول وقت عصر یونہی تو معلوم ہوگا کہ سایہ اس مقدار کو پہنچ جائے اُس کا علم بے ناپے کیوں کر ہوا بلکہ یہاں تو غالباً دو ناپوں کی ضرورت ہے ایک وقت نصف النہار کہ سایۂ اصلی کی مقدار ناپیں دوسرے اس وقت کہ سایہ بعد ظل اصلی مقدار مطلوب کو پہنچا یا نہیں، جب انہوں نے ایک ناپ نہ کی یونہی تخمیناً فرمادیا انھوں نے دو ناپیں کاہے کو کی ہوں گی، یونہی تخمیناً فرمادیا ہوگا کہ عصر کا اوّل وقت داخل ہوگیا جیسے آپ وہاں احتمال نکالا چاہتے ہیں کہ واقع میں مساوی نہ ہوا ہوگا اور ظہر ایک مثل کے اندر ہوئی یہاں بھی وہی احتمال پیدا رہے گا کہ واقع میں وقت عصر نہ آیا تھا ظہر اپنے ہی وقت پر ہوئی یہ کیا جاداری ومکابرہ ہے کہ جابجا جو باتیں خود اختیار کرتے جاؤ دُوسرا کرے تو آنکھیں دکھاؤ تحریف نصوص بتاؤ اس تحکم کی کوئی حد ہے۔

لطیفہ ۲۔ اقول خدا انصاف دے تو یہاں تخمینہ بھی اتنی ہی غلطی ہوگی جتنی دیر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھی جائیں اور حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سخت فاحش غلطی ماننی پڑے گی جسے ان کی طرف بے دلیل نسبت کردینا صراحۃً سُوءِ ادب ہے، خود امام شافعی کی تصریح سے واضح ہُوا کہ سایۂ تلول کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بلند چیزوں کا سایہ سایۂ اصلی کے سوا نصف مثل سے اکثر گزر جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ٹیلوں کا سایہ ابھی نصف مثل تک بھی نہ پہنچے گا کہ اور چیزوں کا سایہ سایۂ اصلی کے سوا ایک مثل سے گزر جائے گا کہ اول تو جس طرح ظہور ظل میں تفاوت شدید ہے کہ اتنی دیر کے بعد ان کا سایہ پیدا ہوتا ہے یونہی زیادت ظل میں فرق رہے گا بلند چیزوں کا سایہ اپنی نسبت پر جتنی دیر میں جتنا بڑھے گا ٹیلوں کا سایہ اپنی نسبت میں اُس سے کم بڑھے گا کما لا یخفی علی العارف بقواعد الفن (جیساکہ قواعد فن کے جاننے والے پر مخفی نہیں۔ ت) تولاجرم جس وقت ٹیلوں کا سایہ پیدا ہُوا اور بلندیوں کا سایہ سایۂ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ سایۂ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ نصف مثل سے کم بڑھ کر ایک مثل ظل اصلی سے گزر گیا اُس وقت ٹیلوں کا سایہ اُس کم از نصف سے بھی کم ہوگا اور اس تحفظ نسبت تفاوت کو نہ بھی مانئے تو خیر کم از نصف ہی جانئے پھر بہرحال اس سے اتنی دیر اور مجرا کیجئے جس میں اذان کا حکم ہوا اور اُس کے بعد جماعت فرمائی گئی تو حساب سے آپ کے طور پر اُس وقت ٹیلوں کا سایہ کوئی چہارم ہی کی قدر رہتا ہے اُسے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمادینا کہ سایہ برابر ہوگیا تھا کس قدر بعید وناقابل قبول ہے، کیا اچھا انصاف ہے کہ بانو تخمین میں اُتنی غلطی ناممسوع کہ جس میں دو رکعتیں پڑھ لی جائیں

ف۔ معیار الحق۔ مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۳

یا اپنے داؤں کو یہ بچاری غلطی مقبول کر سیر میں پسیری کا دھوکا۔ بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہاں تخمین سے جواب دینا محض مہمل و باطل تھا۔

لطیفہ ۳ - اقول وہاں ایک ستم خوش ادائی یہ کی ہے[ف] کہ وہ تخمیناً برابر ہونا بھی مع سایہ اصلی کے ہے نہ سایہ اصلی الگ کرکے وھذا الا یخفی من لہ ادنی عقل (اور یہ ادنٰی سی عقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں۔ ت) تو دراصل سایہ ٹیلوں کا بعد نکالنے سایہ اصلی کے تخمیناً آدھی مثل ہوگا یا کچھ زیادہ اور مثل کے ختم ہونے میں اتنی دیر ہوگی کہ تجربی فارغ ہوئے ہوں گے۔ ملّاجی! ذرا کچھ دنوں جنگل کی ہوا کھاؤ ٹیلوں کی ہری ہری ڈوب ٹھنڈے وقت کی سنہری دھوپ دیکھو کر آنکھوں کے تیور ٹھکانے آئیں علماء تو فرما رہے ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ پڑتا ہی نہیں جب تک آدھے سے زیادہ وقت ظہر نہ نکل جائے ملّاجی ان کے لیے ٹھیک دوپہر کا سایہ بتا رہے ہیں اور وہ بھی تھوڑا نہ بہت آدھی مثل جبھی تو کہتے ہیں کہ وہابی ہوکر آدمی کی عقل ٹیلوں کا سایہ زوال ہوجاتی ہے۔

لطیفہ ۴ - اقول اور بڑھ کر نزاکت فرمائی[ف۲] ہے کہ مساوات سایہ کے ٹیلوں سے مقدار میں مراد نہ ہو بلکہ ظہور میں یعنی پہلے سایہ جانب شرقی معدوم تھا اور مساوات نہ تھی ٹیلوں سے کیونکہ وہ موجود نہیں اور وقت اذان کے سایہ جانب شرقی بھی ظاہر ہوگیا پس برابر ہوگیا ٹیلوں کے ظاہر ہونے میں اور موجود ہونے میں نہ مقدار میں اس جواب کی قدر۔ ملّاجی اپنے ہی ایمان سے بتادیں وقت ظہر فرمایا یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آیا اس کے یہ معنی کہ ٹیلے بھی موجود تھے سایہ بھی موجود ہوگیا اگرچہ وہ دس گز ہوں یہ جو برا پراے سبحٰن اللہ اسے کیوں تحریف نصوص کہئے گا کہ یہ تو مطلب کی گھڑت ہے۔ ایسا لقب تو خاص بیچارے حنفیہ کا خلعت ہے۔ ملّاجی! اگر کوئی کہے کہ میں ملّاجی کے پاس رہا یہاں تک کہ ان کی داڑھی بانس برابر ہوگئی تو اس کے معنی یہی ہوں گے نہ کہ ملّاجی کا سبزہ آغاز ہوا کہ پہلے بانس موجود تھا اور ملّاجی کی داڑھی معدوم، جب رُواں کچھ چمکا چمکتے ہی بانس برابر ہوگیا کہ اب بانس بھی موجود بال بھی موجود، ع

مرغک از بیضہ بروں آید و دانہ طلبد

(مرغ جب انڈے سے باہر آتا ہے تو دانہ طلب کرتا ہے)

لطیفہ ۵ - اقول یہ بکفِ چراغی و تحریف صریح قابل ملاحظہ کہ خود ہی حنفیہ و شافعیہ کے مسئلہ مختلف فیہا میں شافعیہ سے حجت لانے کو فتح الباری امام قسطلانی سے یہ عبارت نقل کی کہ:

یحتمل ان یراد بھذہ المساواۃ ظھور الظل بجنب التل بعد ان لم یکن ظاھرا اھ[1]

ہوسکتا ہے اس مساوات سے مراد یہ ہو کہ ٹیلے کے پہلو میں سایہ ظاہر ہوگیا جبکہ پہلے ظاہر نہیں تھا۔ (ت)

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۱۷

ف معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴ ف۲ معیار الحق ص ۳۵۴

جس میں ٹیلوں کے لیے سایۂ اصلی ہونے کی صاف نفی تھی حضرت تو وہ دعوے کر چکے تھے کہ ان کا سایۂ اصلی آدھے مثل کے قریب ہوتا ہے لاجرم معدوم ہونے میں جانب شرق کی قید بڑھائی کہ مشرق کی طرف معدوم تھا اور لے کے فتح الباری کی طرف نسبت کر دیا کہ جیسا کہ فتح الباری میں ویحتمل ان یراد الخ ملا جی! دھرم سے کہنا یہ تحریف تو نہیں۔

لطیفہ ۶۔ اقول فتح الباری کے طور پر تو مشارکت فی الوجود غایت بن سکتی ہے کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ اصلاً نہ تھا دیر فرمائی یہاں تک کہ موجود ہوا اگرچہ ٹیلوں سے سایہ متساوی ہونے کے ہرگز یہ معنے نہیں مگر آپ اپنی خبر لیجئے آپ کے نزدیک تو ٹھیک دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ آدھا مثل تھا تو ظہور و وجود میں برابری صبح سے شام تک دن بھر رہی اس غایت مقرر کرنے کے کیا معنے کہ وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ سایہ وجود میں ٹیلوں کے برابر ہوگیا اور جانب شرقی کی قید حدیث میں کہاں' یہ آپ کی نری من گھڑت ہے، تاویل گھڑی مساوات فی الظہور، تفریع کی مساوات فی الوجود، اور مفرع علیہ وجود شرقی، کیا جب تک وجود غربی شمالی تھا مساوات فی الوجود نہ تھی، اب کہ وجود شرقی ملا مساوات ہوئی کچھ بھی ٹھکانے کی کہتے ہو۔

لطیفہ ۷۔ اقول ملا جی! جب آپ کے دھرم میں سایہ وقت نصف النہار بھی موجود تھا تو زوال ہوتے ہی قطعاً معاً شرقی ہوا تو یہ مساوات خاص آغاز وقت ظہر رسیدہ ہوئی اور حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مؤذن نے تین بار ارادۂ اذان کیا ہر بار حکم ابراد و تاخیر ملا یہاں تک کہ سایہ مساوی ہوا کیا یہ ارادہ ہائے اذان و حکم ہائے ابراد سب پیش از زوال ہو لیے تھے شاید پہر دن چڑھے ظہر کا وقت ہو جاتا ہوگا، ملا جی! تحریف نصوص اسے کہتے ہیں، ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پہ

لطیفہ ۸۔ اقول جب کچھ نہ بنی تو ہارے درجے یہ تیسری نزاکت اس حدیث کے جواب میں[ف] فرمائی کہ یہ تاخیر آنحضرت[1] سے سفر میں ہوئی شاید آنحضرت[2] نے اس ارادہ سے کی ہو کہ ظہر کو عصر سے جمع کریں گے پس سفر پر حضر کو قیاس مع الفارق ہے۔ ملا جی! ایمان سے کہنا یہ حدیث ابراد ظہر کی ہے یعنی وقت ٹھنڈا کرکے پڑھنا یا تفویت ظہر کی کہ وقت کھو کر پڑھنا، حدیث میں علت حکم یہ ارشاد ہوئی ہے کہ شدت گرمی جوشِ جہنم سے ہے تو گرمی میں ظہر ٹھنڈا کرو یا یہ کہ ابھی اذان نہ کہو ہم عصر سے ملا کر پڑھیں گے۔ ملا جی! اس حدیث کی شرح میں خود علمائے شافعیہ کا کلام سنو کہ معنی ابراد میں آپ کی یہ گھڑت بھی ٹوٹے اور سفر و حضر سے فرق کی بھی قسمت پھوٹے ارشاد الساری امام قسطلانی شافعی شرح صحیح بخاری باب الابراد بالظہر فی السفر میں اسی حدیث ابوذر

---

[1] و [2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم ۱۲ منہ

ف۔ معیار الحق ص ۳۵۴

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نیچے ہے:

(قال، کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر) قیدہ ھنا بالسفر، واطلقہ فی السابقۃ، مشیرا بذلک الی ان تلک الروایۃ المطلقۃ محمولۃ علی ھذہ المقیدۃ، لان المراد من الابراد التسھیل و دفع المشقۃ، فلا تفاوت بین السفر والحضر[1]

(کہا: ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھے سفر میں) یہاں سفر کے ساتھ مقید کیا ہے اور سابقہ روایت میں مطلق رکھا ہے یہ بتانے کے لیے کہ سابقہ مطلق روایت اسی مقید پر محمول ہے کیونکہ ٹھنڈا کرنے کا مقصد آسانی پیدا کرنا اور مشقت دُور کرنا ہے اور اس میں سفر حضر کا کوئی فرق نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

(فقال لہ: ابرد، حتی رأینا فیئ التلول) وغایۃ الابراد حتی یصیر الظل ذراعا بعد ظل الزوال، اوربع قامۃ اوثلثھا او نصفھا، وقیل غیر ذلک۔ ویختلف باختلاف الاوقات، لکن یشترط ان لایمتد الی اٰخر الوقت[2]

(اس کو کہا کہ ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) ابراد کی انتہا یہ ہے کہ سایہ ایک گز ہوجائے زوال کے سائے کے بغیر، یا قد کا چوتھائی یا تہائی یا نصف ہوجائے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ اور اختلاف اوقات کے ساتھ ابراد میں بھی اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ابراد اتنا زیادہ نہ ہو کہ وقت آخر ہوجائے۔ (ت)

ف ہاں خوب یاد آیا علمائے شافعیہ کی کیوں سُنیے آپ اپنے ہی لکھے کو نہ دیکھیے مسئلہ وقت مستحب ظہر میں فرماگئے اگر ابراد اختیار کرے تو لازم ہے کہ ایسا ابراد نہ کرے کہ وقت ظہر کا خارج ہوجائے یا قریب آجائے حد میں ابراد کی علماء میں اختلاف ہے لیکن یہ سب کے نزدیک شرط ہے کہ ابراد اس مرتبہ کا نہ کرے کہ ظہر کے آخر وقت کو پہنچ جائے کما فی فتح الباری میں اختلف العلماء فی غایۃ الابراد، لکن یشترط ان لایمتد الی اخر الوقت ملخصاً (ابراد کی انتہاء میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ شرط ہے کہ آخر وقت تک نہ پہنچے۔ ت)

جب آخر وقت کے قریب تک نہ آنا لازم و شرط ابراد ہے تو حکم ابراد کو خارج وقت پر حمل کرنا کیسا

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱/۴۸۸

[2] ...

ف: معیار الحق "مسئلہ سوم" "وقت مستحب ظہر" ص ۳۱۱، ۳۱۲

عذر بارد ہے، ملا جی! ایمان سے کہنا یہ حدیث سے جواب ہے یا اپنی سخن پروری کے لیے صراحۃً نص شرع کی تحریف حدیث صحیح کا رد۔ شافعیہ حنفیہ کے مکالمات محض تفنن طبع کے لیے ہیں ورنہ مذاہب متقرر ہو چکے علامہ زرقانی مالکی شرح مواہب آخر جلد ہفتم میں فرماتے ہیں:

قد اجاب الحافظ ابن حجر، عن ذلك وعن غيره من ادلة المانعين، وهي عشرة، بما يطول ذكره، مع انه لا كبير فائدة فيه، اذ المذاهب تقررت، انما هو تشحيذ اذهان[1]۔

ابن حجر نے اس دلیل کا بھی اور مانعین کی دیگر دس دلیلوں کا بھی جواب دیا ہے مگر ان کے ذکر سے طوالت ہوتی ہے اور کوئی نمایاں فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ مذاہب تو مقرر ہو چکے ہیں (اور ایسے سوال جواب محض ذہن کو تیز کرنے کا کام دیتے ہیں۔ (ت)

آپ اپنی خیر لیجئے آپ تو محقق مجتہد ہیں سب ارباب مذاہب کی ضد ہیں آپ کیوں صحیح بخاری کی حدیث جلیل میں یوں کھلی تحریفیں کر رہے ہیں دعوے باطلہ عمل بالحدیث کے چھلکے اتر رہے ہیں۔ ع

شرم بادت از خدا و از رسول

(تم خدا اور رسول سے شرم کھاؤ)

لطیفہ ۹ - اقول ملا جی تو جانتے تھے یہ تاویلیں نہیں محض مہمل پوچ تقریروں سے جیسے بنے حدیث کو رد کرنا ہے لہذا عذر بدتر از گناہ کے لیے ارشاد ہوتا ہے منشا تاویلات کا یہی ہے کہ احادیث صحیحہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعا بین الادلہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ ان تاویلوں کو حقہ کہنا تو دل میں خوب جانتے ہو گے کہ جھوٹ کہہ رہے ہو خاک حقہ تھیں کہ ایک دم میں شلغم ہو گئیں مگر اس ڈھٹائی کا کہاں ٹھکانا کہ صحیح حدیث بخاری شریف کو بحیلۂ جمع بین الادلہ یوں دانستہ بگاڑ لے حالانکہ نہ قصہ واحد نہ لفظ مساعد اور حدیث ابن عمر دربارۂ غیبت شفق میں باوصف اتحاد قصہ جمع بین الادلہ حرام اور رد احادیث صحاح واجب الالتزام۔

لطیفہ ۱۰ - اقول جمع تقدیم کی نامندمل جراحت بھرنے کو حدیث ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں وہ لن ترانیاں تھیں کہ ظاہر پر حمل واجب ہے جب تک مانع قطعی نہ ہو اب اپنے داؤں کو ظاہر نص صریح کے یوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے خیر بحمد اللہ آپ ہی کی گواہی سے ثابت ہو لیا کہ جمع بین الادلہ کے لیے ایسی رکیک و پوچ و لچر تاویلات تک روا ہیں تو یہ صاف و نظیف و شائع و لطیف معانی و محامل کہ ہم نے جمعا بین الادلہ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر تہجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۴۵۰

ف۔ معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴

احادیث ابن عمرو انس رضی اللہ تعالٰی عنہم میں اختیار کیے ان میں اپنی چوں وچرا کی گلی آپ نے خود بند کر لی، وللہ الحمد، ع:

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

طرفہ یہ کہ آپ مستدل ہیں اور ہم خصم جب آپ کو ایسے لچر بایات نفع دیں گے ہمیں یہ واضحات بدرجۂ اولٰی نافع اور آپ کے تمام ہواجس و وساوس کے قاطع ہوں گے۔

فائدہ عائدہ: سُنن میں ایک حدیث اور ہے جس سے ناواقف کو جمع تاخیر کا وہم ہو سکے فقیر نے کلامِ فریقین میں اُس سے استناداً جواباً اصلاً تعرض نہ دیکھا، ملاجی بہت دُور دُور کے چکر لگا آئے جہاں کچھ بھی لگتی پائی بلکہ زری بے لگاؤ بھی جمع کر لائے سُنن کچھ دُور نہ تھیں اُس کے آس پاس گھوما کئے مگر اُس سے دہنے بائیں کترائے اسی سے اس کا نہایت نامفیدی میں ہونا ظاہر مگر شاید اب کسی نئے متوہم یا خود حضرت ہی کو تازہ وہم جاگے لہذا اس سے تعرض کر دینا مناسب،

ففی سنن ابی داود، حدثنا احمد بن صالح ثنا یحیی بن محمد الجاری[عـہ]، وفی سنن النسائی اخبرنا المؤمل بن اھاب، قال حدثنی یحیی بن محمد الجاری[عـہ]، وفی مصنف الطحاوی، حدثنا علی بن عبدالرحمٰن ثنا نعیم بن حماد[عـہ] قالا نا عبدالعزیز بن محمد (زاد نعیم) الدراوردی، عن مالک عن ابی الزبیر عن جابر، ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

سنن ابوداؤد میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے احمد ابن صالح نے اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں یحیٰی ابن محمد جاری نے! اور سنن نسائی میں ہے کہ خبر دی ہمیں مؤمل ابن اہاب نے، اس نے کہا حدیث بیان کی مجھ سے یحیٰی ابن محمد جاری نے۔ اور مصنّف طحاوی میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے علی ابن عبدالرحمٰن نے، اس نے کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے نعیم ابن حماد نے۔ دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو عبدالعزیز ابن محمد نے (نعیم نے دراوردی کا اضافہ کیا ہے)، مالک بن ابی الزبیر سے، اس نے جابر رضی اللہ عنہ سے

عـہ ای یحیی عند الاولین ونعیم عند الطحاوی ۱۲ منہ (م)

یعنی یحیٰی سے پہلے دو (ابوداؤد اور نسائی) کے ہاں اور نعیم طحاوی کے ہاں ۱۲ منہ (ت)

لہ سنن ابی داود باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

لہ سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

لہ شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

غربت له الشمس بمكة، فجمع بينهما بسرف (زاد نعيم) یعنی الصلاة۔ ولفظ المؤمل، غابت الشمس ورسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بمكة، فجمع بین الصلاتین بسرف[2]۔ قال ابو داود، حدثنا محمد بن هشام جار احمد بن حنبل نا جعفر بن عون عن هشام بن سعد، قال: بینهما عشرة امیال، یعنی بین مكة وسرف[3]۔

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو سورج غائب ہوگیا چنانچہ جمع کیا آپ نے دونوں کو سرف میں (نعیم نے اضافہ کیا) یعنی نماز کو۔ اور مؤمل کے الفاظ یُوں ہیں سُورج غائب ہوگیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ نے دونوں نمازوں کو سرف میں جمع کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مجھ کو احمد ابن حنبل کے ہمسائے محمد بن ہشام نے بتایا کہ جعفر ابن عون نے ہشام ابن سعد سے روایت کی ہے کہ دونوں کے درمیان دس میل کا فاصلہ ہے یعنی مکہ اور سرف کے درمیان۔ (ت)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں آفتاب ڈوبا پس مغرب وعشا موضع سرف میں جمع فرمائیں ابوداؤد نے ہشام بن سعد سے (کہ ملاجی کے حسابوں رافضی مجروح مردود الروایہ متروک الحدیث ہے تقریب میں کہا صدوق، له اوہام، ورمی بالتشیع) نقل کی کہ مکہ وسرف میں دس میل کا فاصلہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق اصول حدیث ونیز اصول محدثہ ملاجی پر یہ حدیث ہرگز قابلِ حجت نہیں اصولِ حدیث پر اُس کی سند ضعیف اور اصول مُلائیہ پر ضعیف در ضعیف در ضعیف کیا جانیے کتنے ضعفوں کی طومار اور نری مردود متروک ہے۔

اولاً دو طریق پیشین میں یحیٰی بن محمد جاری ہے تقریب میں کہا، صدوق یخطیئ (سچا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ ت) امام بخاری نے فرمایا: یتکلمون فیه (ائمہ محدثین اُس پر طعن کرتے ہیں۔ ت) میزان میں یہی حدیث اس کے ترجمہ میں داخل کی اور کتب ضعفا میں زیر ترجمہ ضعفا اُن کی منکر حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ طریق دوم میں مؤمل بن اہاب ہے تقریب میں کہا صدوق له اوهام (سچا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ ت) طریق ثالث میں نعیم بن حماد ہے یہ اگرچہ فقیہ وفرائض دان تھا مگر حدیثی حالت میں یحیٰی سے بھی بدتر ہے تقریب میں کہا صدوق یخطیئ کثیرا (سچا ہے مگر خطا بہت کرتا ہے۔ ت) یہاں تک کہ ابوالفتح ازدی نے کہا: حدیثیں اپنے جی سے گھڑتا اور امام ابوحنیفہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا یہ اگرچہ مجازفات ازدی سے ہو مگر ذہبی نے طبقات الحفاظ ومیزان الاعتدال دونوں میں اُس کے حق میں قول اخیر یہ قرار دیا کہ وہ باوصف امامت

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱
[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع المقیم الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹
[3] سنن ابی داود باب الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

منکر الحدیث ہے قابلِ احتجاج نہیں جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطورِ حجیت، امام جلال الدین سیوطی ذیل اللآلی میں اُس کی حدیث اذا اراد اللہ ان ینزل الی السماء الدنیا نزل عن عرشہ بذاتہ (جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اُترنا چاہتا ہے تو بذاتہ عرش سے اُتر آتا ہے۔ ت) ذکر کرکے فرماتے ہیں، اتعبنا نعیم بن حماد، من کثرۃ ما یأتی بھذہ الطامات، وکم ندس عنہ وعن الطرطوسی الراوی عنہ ؟ فلا ادری، البلاء فی الحدیث منہ، اومن شیخہ نعیم[1] اھ ملخصاً یعنی نعیم بن حماد اس کثرت سے یہ طامات روایتیں لاتا ہے کہ ہم تھک گئے کہاں تک اُس کا اور اس کے شاگرد طرطوسی کا بچاؤ کریں مجھے نہیں معلوم کہ اس حدیث میں بلا اُس کی طرف سے اُٹھی یا اُس کے اُستاد نعیم سے۔

ثانیاً پھران سب طرق میں عبدالعزیز بن محمد دراوردی ہے تقریب میں کہا، صدوق، کان یحدث من کتب غیرہ فیخطئ[2] (سچا ہے، مگر دوسروں کی کتابوں سے حدیثیں بیان کرتا ہے اس لیے خطا کرتا ہے۔ ت) تو ہر طریق میں دو راوی صدوق یخطئ (سچا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ ت) ہوئے خصوصاً ثالث میں تو ایک کثیر الخطاء اور ثانی میں تیسرا صدوق لہ اوھام (سچا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ ت) اور ملاجی کے اصول پر ایسے رواۃ کی حدیثیں مردود و متروک و واہیات ہیں۔

ثالثاً مدارِ حدیث ابوالزبیر عن جابر پر ہے ابوالزبیر کی نسبت خود ملاجی کہہ گئے کہ وہ فقط صدوق ہے اور اس کے ساتھ مدلس قال فی التقریب صدوق الا انہ یدلس[3] (تقریب میں کہا کہ سچا ہے مگر مدلس ہے۔ ت) اور یہاں اُن سے[عہ] راوی لیث بن سعد نہیں اور روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنۂ مدلس اصولِ محدثین پر نامقبول۔

عہ قید بھذا، لان الراوی عنہ اذا کان اللیث، زال ما یخشی من تدلیسہ، کما افادہ فی فتح المغیث وغیرہ ؛ فلیحفظ فانھا فائدۃ نفیسۃ۔ وقد بین السبب فی ذٰلک فی المیزان فراجعہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)

یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر اس سے روایت کرنے والا لیث ہو تو پھر اس کی تدلیس کا خطرہ باقی نہیں رہتا، جیسا کہ فتح المغیث اور دوسری کتابوں میں افادہ کیا گیا ہے۔ اس کو یاد رکھو، کیونکہ یہ ایک نفیس فائدہ ہے۔ تدلیس کا خطرہ نہ ہونے کا سبب میزان میں مذکور ہے اس کا مطالعہ کرو۔ (ت)

---

[1] ذیل اللآلی کتاب التوحید، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۳ و ۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ عبدالعزیز بن محمد مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۱۶

[3] " " " محمد بن مسلم " " " " " ص ۳۱۸

رابعاً میلوں کی گنتی حدیث میں نہیں نہ زید وعمرو کی ایسی حکایات پر وہ اعتماد ضرور جس کے سبب توقیت صلاۃ کا حکم معروف ومشہور ثابت بالقرآن العظیم والاحادیث الصحاح چھوڑدیا جائے خصوصاً ملا جی کے نزدیک تو یہ دس میل بتانے والا رافضی متروک ہے زمینوں کا ناپنا میلوں کا گننا ان حملہ و رواۃ کا کام نہ تھا بلکہ سرے سے ان اعصار و امصار میں اس طریقہ کا اصلاً نام نہ تھا یونہی ہر شخص اپنے تخمینہ سے یا کسی اور کی سُنی سنائی بتادیتا و لہذا شمار میں اس قدر شدت سے اختلاف پڑتا ہے کہ ان گنتیوں سے امان اٹھائے دیتا ہے۔ ذوالحلیفہ کہ مکہ معظمہ کے راستے پر مدینہ طیبہ کے قریب ایک مشہور ومعروف مقام ہے اُس کے اختلاف دیکھئے امام اجل رافعی احد شیخین مذہب شافعی اور اُن سے پہلے امام ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسمٰعیل بن احمد شافعی معاصر امام غزالی اور اُن سے بھی پہلے امام ابونصر عبدالسید بن محمد شافعی نے فرمایا: مدینہ سے ایک میل ہے۔ امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: یہ وہم ہے بشہادت مشاہدہ مردود۔ بعض نے کہا دُو ایک میل۔ امام عینی نے فرمایا: چار میل۔ امام حجۃ الاسلام شافعی نے فرمایا: چھ میل ہے۔ اسی طرح امام مجد شافعی نے قاموس میں کہا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے فرمایا: یہی صحیح ہے۔ بعض علما نے کہا: سات میل۔ امام جمال اسنوی شافعی نے فرمایا: حق یہ کہ تین میل ہے یا کچھ قدرے قلیل زیادہ ہو مشاہدہ اس پر گواہ ہے۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے: بعدہ من المدینۃ میل، کما عند الرافعی، لکن فی البسیط انہا علی ستۃ امیال، وصححہ فی المجموع، وھوالذی قالہ فی القاموس۔ وقیل، سبعۃ۔ وفی المہمات، الصواب، المعروف بالمشاہدۃ انہا علی ثلثۃ امیال اوتزید قلیلا[1]۔ اُسی میں ہے، وقول من قال، کابن الصباغ فی الشامل، والرویانی فی البحر، انہ علی میل من المدینۃ وھم، یردہ الحس[2]۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: من المدینۃ علی اربعۃ امیال ومن مکۃ علی مائتی میل، غیر میلین و قیل: بینھما وبین المدینۃ میل اومیلان[3]۔ دیکھیے ایسے معروف مقام میں کہ شارع نے اُسے اہلِ مدینہ کے لیے میقات احرام مقرر فرمایا ایسے اجلّہ ائمہ میں ایسے شدید اختلاف ہیں جنہیں ترازوئے تخمینہ کی جھونک کسی طرح نہیں سہار سکتی ایک دُو تین چار چھ سات میل تک اقوال مختلف پھر تصحیحوں میں بھی دونا دون کا تفاوت، ایک فرمائے چھ میل صحیح ہے دوسری فرمائے تین میل حق ہے۔ موطائے امام مالک میں بسند صحیح علی شرط الشیخین ہے: عن یحیی بن سعید انہ قال لسالم بن عبداللہ ما اشد ما رأیت اباک اخر المغرب فی السفر فقال سالم

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری کتاب المواقیت باب فرض مواقیت الحج والعمرۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۹۸/۳

[2] " " " باب مہل اہل مکۃ للحج والعمرۃ " " " ۹۹/۳

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب قول اللہ تعالٰی یاتوک رجالا الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۳۰/۹

غربت الشمس ونحن بذات الجیش فصلی المغرب بالعقیق[1] (یعنی یحیٰی بن سعید انصاری نے امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے پُوچھا آپ نے اپنے والد ماجد کو سفر میں مغرب کی تاخیر زیادہ سے زیادہ کس قدر کرتے دیکھا فرمایا ذات الجیش میں ہمیں سورج ڈُوبا اور مغرب عقیق میں پڑھی) اب رواۃ موطا تلامذہ امام مالک میں ان دونوں مقاموں کے فاصلہ میں اختلاف پڑا، یحیٰی کی روایت میں ہے دو میل یا کچھ زائد، عبداللہ بن وہب نے کہا چھ میل، محمد بن وضاح اندلسی تلمیذ التلمیذ امام مالک نے کہا سات میل، عبدالرحمٰن بن قاسم نے کہا دس میل، علامہ زرقانی نے جزم کیا کہ بارہ میل شرح مؤطا میں فرمایا: بینھما اثنا عشر میلا، وقال ابن وضاح: سبعۃ امیال، وقال ابن وھب: ستۃ، وقال القعنبی: ذات الجیش علی بریدین من المدینۃ، وقال البونی فی روایۃ یحیٰی، وبینھما میلان او اکثر قلیلا، وفی روایۃ ابن القاسم: عشرۃ امیال[2] ان اختلافات کو خیال کیجئے کہاں دو میل کہاں بارہ میل۔

خامسًا یہ واقعہ عین ہے اور وقائع عین مساغ ہر گونہ احتمالات سرعت سیر کے لیے کوئی حد محدود نہیں کہ اس سے زائد نا متصور ہو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سہ منزلہ کرنا اُوپر گزرا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

اصبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بملل ثم راح وتعشی بسرف[3]۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ملل میں صبح ہوئی پھر تشریف لے چلے اور شام کا کھانا سرف میں تناول فرمایا۔

فصل اول میں گزر چکا کہ ملل مدینۂ طیبہ سے سترہ میل ہے اور وہیں کلام امام بدر محمود عینی سے منقول ہوا کہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے دو کم دو سو میل ہے اب سترہ وہ اور دس میل سرف کے نکال لیجئے تو ایک دن میں ایک سو اکہتر میل راہ طے ہوئی پھر غروب شمس سے اتنے قرب عشا تک کہ ہنوز بقدر تین رکعت پڑھ لینے کے مغرب کا وقت باقی ہو دس میل قطع ہو جانا کیا جائے عجب ہے خصوصًا اواخر جوزا و اوائل سرطان میں کہ ان دنوں حوالیِ مکہ معظمہ میں وقت مغرب[عہ] کم و بیش ڈیڑھ گھنٹا ہوتا ہے اعتبار نہ آئے تو آزما دیکھیے کہ عمدہ گھوڑے تیز ناقے ڈیڑھ پہر ایک ہی

عہ اقول لکن الشمس عند دخول العشاء فی اول السرطان میلہ الاعظم الاتمام (بقیہ برصفحہ آئندہ)

---

[1] مؤطا امام مالک قصر الصلوٰۃ فی السفر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۹

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا " " المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۹۷

[3]

گھنٹے میں دس میل بلکہ زائد قطع کرلیں گے حدیث مؤطا میں کہ ابھی مذکور ہوئی جزم علامہ زرقانی اور نیز روایت ابن القاسم تلمیذ امام مالک پر اس کی نظیر یہیں پیش نظر اور ثابت ہوچکا کہ سالم قائل جمع نہیں وہ تصریحاً فرماچکے کہ اُن کے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ فرمائی تو لاجرم غروب آفتاب کے بعد دس بارہ میل چلے اور مغرب وقت میں پڑھی ولہذا ابوالولید باجی مالکی نے اس حدیث کی شرح میں کہا: اراد ان یعرف اخر وقتھا المختار[1] یحیٰی بن سعید انصاری کا اس سوال سے یہ ارادہ تھا کہ مغرب کا آخر وقت مختار معلوم کریں۔ منتقی میں کہا: وحمل ذٰلک علی المعروف من سیرمن[2] جد خروج وقت پر پڑھنا ہوتا تو کوشش سیر پر حمل کی کیا حاجت تھی بالجملہ حدیث بر تقدیر صحت بھی اصلاً جمع حقیقی کی مفید نہ جمع صوری سے جدا وبعید والحمد للہ العلی المجید۔

الحمد للہ کلام اپنے ذروۂ اقصٰے کو پہنچا اور جمع تقدیم و تاخیر دونوں میں ملاجی کا ہاتھ بالکل خالی رہ گیا، ایک حدیث سے بھی جمع حقیقی اصلاً ثابت نہ ہوسکی وللہ الحجۃ السامیہ امید کرتا ہوں کہ اس فصل بلکہ تمام رسالہ میں ایسا کلام شافی و متین و کافی و مبین برکات قدسیہ روح زکیہ طیبہ علیہ امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم واقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حصہ خاصہ فقیر مہین ہو والحمد للہ رب العٰلمین۔

فصل چہارم نصوص نفی جمع و ہدایت التزام اوقات میں

یہ نصوص دو قسم ہیں اوّل عامہ جن میں تعیین اوقات کا بیان یا اُن کی محافظت کی ترغیب یا اُن کی محافظت سے ترہیب ہے جس سے ثابت ہو کہ ہر نماز کے لیے شرع مطہر نے جُدا وقت مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے ہوسکے نہ اُسے کھو کر دوسرے وقت پر اٹھا رکھی جائے بلکہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہونی چاہیے۔ دوم خاصہ جن میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) عرض لمکۃ المکرمۃ سحہ کغایۃ الانحطاط بالتفریق مد فم جیبہ مہ ک الکل ظل عرض مکۃ الحہ ۵ ما مح لمہ ظل المیل الو آلہ الہ لا منحطا دیج ک الجو جیب تعدیل النہار قوسہ طح نہ الجو صہ فتہ لہ نصف قوس اللیل سہمہ مطح لہ لو جیب انحطاط الوقت کح لہ الجو نۃ کمہ الدکم سو مکہ الد کا صدمح۔ مط لطا لو الح ند مط سہم فضل الدائر قوسہ نم و فتہ لو الثہ الد کدا لو کح الطالع ہذا التقریب وجہ التدقیق تعلم ان شاء اللہ تعالٰی من کتابنا تزیح الاوقات للصوم والصلٰوۃ وفقنا اللہ تعالٰی لاکمالہ ونفعنا والمسلمین باعمالہ اٰمین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

---

[1] و [2] بحوالہ المنتقی شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۷

بالخصوص جمع بین الصلاتین کی نفی ہے۔

قسم اول نصوص عامہ (الآیات) رب العزۃ تبارک وتعالٰی نے محافظت والتزام اوقات کاحکم سات سورتوں میں نازل فرمایا:

(۱) بقرہ (۲) نساء (۳) انعام (۴) مریم (۵) مومنون (۶) معارج (۷) ماعون

آیت ۱ قال بناعزمن قائل:

ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتٰبًا موقوتًا[1] ○ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہُوا۔

کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا، بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔ میں یہاں معنی آیت میں کلامِ علمائے کرام لاؤں اس سے بہتر یہی ہے کہ خود ملا جی کی شہادت دلاؤں، مسئلہ وقتِ ظہر میں ایک مثل تک تمامی وقت بتانے کے لئے فرماتے ہیں کہا اللہ تعالٰی نے ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتٰبًا موقوتًا یعنی ہر نماز کا وقت علٰحدہ علٰحدہ ہے تفسیر مظہری میں ہے قولہ تعالٰی: کتٰبًا موقوتًا، یقتضی کون الوقت لکل صلٰوۃ وقتا علیحدہ تو مقتضا آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہوسکتی۔[2] ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

عـہ ہذا، لاخلاف فیہ بین العلماء، الاشیٔ روی عن ابی موسٰی الاشعری وعن بعض التابعین اجمع العلماء علی خلافہ، ولاوجہ لذکرہ ھھنا لانہ لایصح عنھم، وصح عن ابی موسٰی خلافہ مماوافق الجماعۃ، فصار اتفاقا صحیحا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منہ (م)

اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابوموسی اشعری اور بعض تابعین سے جو کچھ مروی ہے اس کے خلاف علماء کا اجماع ہے اور اس کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ابوموسی سے بصحت منقول نہیں ہے بلکہ ابوموسی سے، اس کے خلاف اور جمہور کے موافق قول صحیح طور پر ثابت ہے، اس لئے سب کا متفق ہونا ہی درست قرار پایا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

[2] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۷

آیت ۲ قال مولٰنا جل وعلا :

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطٰی و قوموا للّٰہ قانتین[۱]؎ ○ محافظت کرو سب نمازوں اور خاص بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے ۔

محافظت کرو کہ کوئی نماز اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے ، بیچ والی نماز نمازِ عصر ہے اُس وقت لوگ بازار وغیرہ کے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور وقت بھی تھوڑا ہے اس لیے اُس کی خاص تاکید فرمائی ۔

بیضاوی شریف علامہ ناصر الدین شافعی میں ہے :

حافظوا علی الصلوات ، بالاداء لوقتھا والمداومۃ علیھا[۲]؎ ۔ نمازوں کی محافظت کرو ، یعنی وقت پر ادا کرو اور ہمیشہ کرو ۔ (ت)

مدارک شریف میں ہے :

حافظوا علی الصلوات ، داوموا علیھا لمواقیتھا[۳]؎ ۔ نمازوں پر محافظت کرو ، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو ۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے :

حافظوا علی الصلوات ای داوموا علٰی ادائھا لاوقاتھا من غیر اخلال بشیئ منھا[۴]؎ ۔ نمازوں پر محافظت کرو ، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو اور ان میں کسی قسم کا خلل نہ واقع ہونے دو ۔ (ت)

آیت ۳ قال العلی الاعلٰی تبارک وتعالٰی :

والذین ھم علی صلاتھم یحافظون ○ اولٰئک ھم الوارثون ○ الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون[۵]؎ ○ اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اُسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچے وارث ہیں کہ جنّت کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

معالم شریف امام بغوی شافعی میں ہے :

یحافظون ، ای یداومون علی حفظھا ویراعون ... محافظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے

---

[۱]؎ القرآن الحکیم ۲/۲۳۸

[۲]؎ انوار التنزیل المعروف تفسیر البیضاوی تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۱۱

[۳]؎ تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک 〃 〃 〃 دار الکتاب العربی بیروت ۱/۱۲۱

[۴]؎ ارشاد العقل السلیم 〃 〃 〃 احیاء التراث العربی 〃 ۱/۲۳۵

[۵]؎ القرآن ۲۳/۹ و ۲۳/۱۰ و ۲۳/۱۱

اوقاتها، کرر ذکر الصلٰوۃ لیتبین ان المحافظۃ علیھا واجبۃ[1]۔

اوقات کا خیال رکھتے ہیں۔ نماز کا ذکر مکرر کیا ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ اس کی محافظت واجب ہے۔ (ت)

آیت ۴ قال المولی الاجل عزوجل:

والذین ھم علی صلاتھم یحافظون ○ اولئک فی جنّٰت مکرمون[2]۔

اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنتوں میں عزت کئے جائیں گے۔

جلالین شریف امام جلال الملۃ والدین شافعی میں ہے: یحافظون، بادائھا فی اوقاتھا[3] (محافظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ادا کرتے ہیں۔ ت)

نسفی شریف میں ہے:

المحافظۃ علیھا ان لاتضیع عن مواقیتھا[4]۔

نماز کی محافظت یہ ہے کہ اپنے اوقات سے ضائع نہ ہو۔ (ت)

آیت ۵ قال المولی تقدس وتعالٰی:

والذین یؤمنون بالاٰخرۃ یؤمنون بہ وھم علی صلاتھم یحافظون[5]○

اور جنھیں آخرت پر یقین ہے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

کہ وقت سے باہر نہ ہوجائیں۔ تفسیر کبیرعــہ میں ہے:

المراد بالمحافظۃ التعھد لشروطھا من وقت وطھارۃ وغیرھما والقیام علی ارکانھا واتمامھا حتی یکون ذٰلک دابہ فی کل وقت[6]۔

محافظت سے مراد یہ ہے کہ وقت اور طہارت وغیرہ تمام شروط کو ملحوظ رکھا جائے، اس کے ارکان کو قائم کیا جائے اور اسے مکمل کیا جائے یہاں تک کہ جب نماز کا وقت آئے تو آدمی ان کاموں کو بطور عادت کرنے لگے۔ (ت)

عــہ ذکرہ تحت اٰیۃ المؤمنون ۱۲ منہ (م)

یہ انہوں نے سورۃ مومنون ۲۳ کی آیۃ ۹ کے تحت ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر البغوی المعروف معالم التنزیل مع الخازن تحت آیۃ مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۳

[2] القرآن ۷۰/۳۴ و ۷۰/۳۵

[3] تفسیر جلالین آیۂ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۴۷۲

[4] تفسیر النسفی " " " مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۲۹۲

[5] القرآن ۶/۹۲

[6] التفسیر الکبیر والذین ھم علی صلاتھم یحافظون کے تحت مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۳/۸۱

محافظتِ وقت کے یہ معنی جو ہم نے علمائے حنفیہ کے سوا ہر آیت میں علمائے شافعیہ سے نقل کئے کہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہو خود احادیث میں ارشاد ہوئے جن کا ذکر عنقریب آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

آیت ۶ قال رب العلی عزّ وعلا:

ثم خلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلٰوۃ۔[1] پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندے جنھوں نے نمازیں ضائع کیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، اخروھا عن مواقیتہا و صلوھا لغیر وقتہا۔[2] (یہ لوگ جن کی مذمت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی وہ ہیں جو نمازوں کو اُن کے وقت سے ہٹاتے اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں) ذکرہ الامام البدر فی عمدۃ القاری باب تضییع الصلوات عن وقتہا والامام البغوی فی المعالم۔

افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں، ھو ان لا یصلی الظہر حتی اتی العصر۔[3] (نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا) اثرہ محی السنۃ۔

تفسیر انوار التنزیل میں ہے، اضاعوا الصلٰوۃ ترکوھا او اخروھا عن وقتہا۔[4]

آیت ۷ قال سبحنہ ما اعظم شانہ:

فویل للمصلین o الذین ھم عن صلاتھم ساھون o۔[5] خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (کہ وقت نکال کر پڑھتے ہیں)

تفسیر جلالین میں ہے، ساھون غافلون یؤخرونہا عن وقتہا۔[6] تفسیر مفاتیح الغیب میں ہے، ساھون یفید امرین اخراجہا عن الوقت وکون الانسان غافلا فیہا۔[7] اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر خود

---

[1] القرآن ۱۹/ ۵۹

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب تضییع الصلواۃ حدیث ۸ مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۷

[3] تفسیر البغوی المعروف بمعالم التنزیل مع الخازن تحت آیۃ مذکورہ ؍؍ مصطفٰے البابی مصر ۴/ ۲۵۲

[4] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی ؍؍ ؍؍ ؍؍ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۹

[5] القرآن ۱۰۷/ ۴

[6] تفسیر جلالین تحت آیت مذکورہ مطبوعہ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۵۰۵

[7] مفاتیح الغیب۔ تفسیر کبیر میدان جامع ازہر۔ مصر ۳۲/ ۱۱۵

حدیث میں وارد ہوئی کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(الاحادیث) اقول وباللہ التوفیق ملّاجی نے تو جھوٹ ہی کہہ دیا تھا کہ احادیثِ جمع چودہ[14] صحابیوں سے مروی ہیں جنھیں خود بھی نہ گِنا سکے بلکہ صراحۃً تسلیم کرگئے کہ ان میں اکثر کی روایات اُن کے لئے مفید نہیں صرف چار مفید سمجھیں جن کا حال بتوفیقہ تعالیٰ واضح ہوگیا کہ اصلاً انھیں مفید نہ تھیں اب فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کہتا ہے کہ اس مبحث میں ہمارے مفید حدیثیں جو اس وقت نظر میں جلوہ فرما ہیں چالیس[40] سے زائد ہیں کہ تیئیس[23] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہوئیں،

(۱) عمر فاروق (۲) علی مرتضیٰ (۳) سعد بن ابی وقاص (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) عبداللہ بن عباس (۶) عبداللہ بن عمر (۷) عبداللہ بن عمرو (۸) جابر بن عبداللہ (۹) ابوذر غفاری (۱۰) ابوقتادہ انصاری (۱۱) ابودرداء (۱۲) ابوسعید خدری (۱۳) ابومسعود بدری (۱۴) بشیر بن عقبہ بن عمرو مدنی (۱۵) ابوموسیٰ اشعری (۱۶) بریدہ اسلمی (۱۷) عبادہ بن صامت (۱۸) کعب بن عجرہ (۱۹) فضالہ زہرانی (۲۰) حنظلہ بن الربیع (۲۱) انس بن مالک (۲۲) ابوہریرہ (۲۳) ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالیٰ علی بعلہا وابیہا وعلیہا وعلیہم اجمعین وبارک وسلم۔ ان میں سات حدیثیں اور مولی المسلمین ومحبوب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی روایتیں تو جمع صوری میں گزریں باقی اکیس[21] صحابہ سے چھتیس[36] حدیثیں بتوفیقہ تعالیٰ یہاں سُنئے، مُلّاجی کی طرح اگر مجملات کو بھی شامل کرلیجئے اور واقعی ہمیں اس کا استحقاق بروجہ حق وصحیح حاصل تو معاذ بن جبل[24] واسامہ[25] بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاکر عدد صحابہ پچیس[25] اور احادیث مجملہ شامل کرکے شمارِ احادیث پچاس سے زائد ہوگا، خیر یہاں جو حدیثیں ہمیں لکھنی ہیں وہ چند نوع ہیں:

نوع اوّل: احادیث محافظتِ وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب۔

حدیث ۱: امام احمد بسند صحیح حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول، من حافظ علی الصلوات الخمس، رکوعھن وسجودھن ومواقیتھن، وعلم انھن حق من عند اللہ، دخل الجنۃ، اوقال، وجبت لہ الجنۃ، اوقال، حرم علی النار[1]۔ (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجود واوقات پر محافظت کرے اور یقین جانے کہ وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہیں جنت میں جائے یا فرمایا جنت اس کے لیے واجب ہوجائے یا فرمایا دوزخ پر حرام ہوجائے)

حدیث ۲: ابوداؤد سُنن اور طبرانی معجم میں بسند جید ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من جاء بھن مع ایمان دخل الجنۃ، من حافظ علی الصلوات الخمس،	پانچ چیزیں ہیں کہ جو انھیں ایمان کے ساتھ لائیگا جنت میں جائے گا جو پنجگانہ نمازوں کی اُن کے وضوؤں کے

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حنظلہ کاتب الاسدی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۶۷

علی وضوئھن و رکوعھن وسجودھن و مواقیتھن[1] الحدیث۔ | رکوع اُن کے سجود اُن کے اوقات پر محافظت کرے (اور روزہ و حج و زکوٰۃ وغسلِ جنابت بجالائے)

حدیث ۳: امام مالک و ابوداؤد ونسائی و ابن حبان اپنی صحاح میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس صلوات افترضھن اللہ تعالٰی، من احسن وضوءھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن، کان لہ علی اللہ عھدان یغفرلہ، ومن لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عھد، ان شاء غفرلہ، وان شاء عذبہ۔ ھذا لفظ ابی داؤد[2]۔ | پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے فرض کی ہیں جو اُن کا وضو اچھی طرح کرے اور اُنھیں اُن کے وقت پر پڑھے اور اُن کا رکوع وخشوع پُورا کرے اُس کے لئے اللہ عزوجل پر عہد ہے کہ اُسے بخش دے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ تعالٰی پر کچھ عہد نہیں چاہے بخشے چاہے عذاب کرے۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ (ت)

حدیث ۴: ابوداود و طریق ابن الاعرابی میں حضرت قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انی فرضت علی امتك خمس صلوات، وعھدت | میں نے تیری اُمت پر پانچ نمازیں فرض کیں اور اپنے

علٰی تمامہ، وصام رمضان وحج البیت ان استطاع الیہ سبیلا واعطی الزکوٰۃ طیبۃ بھا نفسہ، وادی الامانۃ، قالوا، یا اباالدرداء، ما اداء الامانۃ؟ قال، الغسل من الجنابۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)
(اس کا ترجمہ متن میں موجود ہے)

عـــہ۲ واوردہ المنذری عنہ فزاد، وسجودھن[3]، بعد قولہ رکوعھن، ولیس فی شیئ من نسخ السنن التی عندی، وقد قال العلامۃ ابرھیم الحلبی فی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مانصہ: اما لفظ "وسجودھن" بعد "رکوعھن" فغیر ثابت[4] الخ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م) | منذری نے بھی ابوداؤد سے اس روایت کو لیا ہے مگر اس نے رکوعھن کے بعد سجودھن کے لفظ بڑھادئے ہیں، حالانکہ ابوداود کے میرے پاس موجود نسخوں میں سجودھن نہیں ہے، اور ابراہیم حلبی نے غنیۃ المستملی میں تصریح کی ہے کہ رکوعھن کے بعد سجودھن کا لفظ ثابت نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد حدیث ۴۲۹ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۶ و ۱۱۷
[2] سنن ابی داؤد حدیث ۴۲۵ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۵
[3] الترغیب والترھیب فی الصلوات الخمس ۱/۱ حدیث ۲۶ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲
[4] غنیۃ المستملی مقدمۃ کتاب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۲

عندی عهدا انه من جاء یحافظ علیهن لوقتهن ادخلته الجنة، ومن لم یحافظ علیهن فلا عهد له عندی[1]۔

پاس عہد مقرر کرلیا جو اُن کے وقتوں پر اُن کی محافظت کرتا آئے گا اُسے جنت میں داخل کروں گا اور جو محافظت نہ کرے گا اس کے لیے میرے پاس کچھ عہد نہیں۔

حدیث ۵: دارمی حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب جل وعلا سے روایت فرماتے ہیں وہ ارشاد کرتا ہے:

من صلی الصلاۃ لوقتہا فاقام حدھا کان له علی عهد ادخله الجنة ومن لم یصل الصلاۃ لوقتہا ولم یقم حدھا لم یکن له عندی عهد ان شئت ادخلته النار وان شئت ادخلته الجنة[2]۔

جو نماز اُس کے وقت میں ٹھیک ٹھیک ادا کرے اُس کے لئے مجھ پر عہد ہے کہ اُسے جنت میں داخل فرماؤں، اور جو وقت میں نہ پڑھے اور ٹھیک ادا نہ کرے اُس کے لیے میرے پاس کوئی عہد نہیں چاہوں اسے دوزخ میں لے جاؤں اور چاہوں تو جنت میں۔

حدیث ۶: طبرانی بسند صالح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا و رسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی خدا و رسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی، خدا و رسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: تمہارا رب جل وعلا فرماتا ہے:

وعزتی وجلالی لا یصلیها عبد لوقتها الا ادخلته الجنة ومن صلاھا لغیر وقتها ان شئت رحمته وان شئت عذبته[3]۔

مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اُسے جنت میں داخل فرماؤں گا اور جو اُس کے غیر وقت میں پڑھے گا چاہوں اُس پر رحم کروں چاہوں عذاب۔

حدیث ۷: نیز طبرانی اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی الصلوات لوقتها واسبغ لها وضوءها واتم لها قیامها وخشوعها و رکوعها و

جو پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر پڑھے اُن کا وضو و قیام و خشوع و رکوع و سجود پُورا کرے وہ نماز

---

[1] سنن ابی داؤد حدیث ۴۳۰ دار احیاء السنۃ النبویۃ مصر ۱/۱۱۷

[2] سنن الدارمی باب استحباب الصلوٰۃ فی اول الوقت حدیث ۱۲۲۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۲۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۵۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/۲۸۱

سجودھا خرجت وھی بیضاء مسفرۃ تقول حفظك اللہ کما حفظتنی، ومن صلاھا الصلٰوۃ لغیر وقتھا فلم یسبغ لھا وضوءھا ولم یتم لھا خشوعھا ولا رکوعھا ولا سجودھا خرجت وھی سوداء مظلمۃ تقول ضیعك اللہ کما ضیعتنی حتّٰی اذا کانت حیث شاء اللہ لفت کما یلف الثوب الخلق ثم ضرب بھا وجھہ[1]

سفید روشن ہوکر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تیری نگہبانی فرمائے جس طرح تُو نے میری حفاظت کی اور جو غیر وقت پر پڑھے اور وضو و خشوع و رکوع و سجود پُورا نہ کرے وہ نماز سیاہ تاریک ہوکر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تجھے ضائع کرے جس طرح تُو نے مجھے ضائع کیا یہاں تک کہ جب اُس مقام پر پہنچے جہاں تک اللہ عزوجل چاہے پُرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹ کر اُس کے مُنہ پر ماری جائے (والعیاذ باللہ رب العالمین)

حدیث ۸ : ابُوداوٗد حضرت فضالہ زہرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :

قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان فیما علمنی وحافظ علی الصلوات الخمس[2]

مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسائلِ دین تعلیم فرمائے اُن میں یہ بھی تعلیم فرمایا کہ نمازِ پنجگانہ کی محافظت کر۔

حدیث ۹ : بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی :

قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلاۃ علی وقتھا[3]

میں نے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پُوچھا سب میں زیادہ کیا عمل اللہ عزوجل کو پیارا ہے، فرمایا نماز اس کے وقت پر ادا کرنا۔

حدیث ۱۰ : بیہقی شعب الایمان میں بطریق عکرمہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :

قال جاء رجل فقال یارسول اللہ ای شیئ احب الی اللہ فی الاسلام قال الصلاۃ لوقتھا ومن ترك الصلاۃ فلا دین لہ والصلاۃ عماد الدین[4]

ایک شخص نے خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ کیا چیز اللہ تعالٰی کو پیاری ہے، فرمایا، نماز وقت پر پڑھنی، اور جس نے نماز چھوڑی اُس کیلئے دین نہ رہا نماز دین کا ستون ہے۔

---

[1] معجم اوسط، حدیث ۳۱۱۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۸۶

[2] سنن ابی داوٗد باب المحافظۃ علی الصلوات مطبوعہ مجتبائی پاکستان ۱/ ۶۱

[3] بخاری شریف باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶

[4] شعب الایمان باب فی الصلوات حدیث ۲۸۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۳/ ۳۹

حدیث ۱۱: طبرانی معجم اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلث من حفظھن فھو ولی حقا ومن ضیعھن فھو عدوی حقا الصلاۃ والصیام والجنابۃ۔[1]

تین چیزیں ہیں کہ جو ان کی حفاظت کرے وہ سچا ولی ہے اور جو انھیں ضائع کرے وُہ پکا دشمن، نماز اور روزے اور غسلِ جنابت۔

حدیث ۱۲: امام مالک مؤطا میں نافع سے راوی:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کتب الی عمالہ ان اھم امرکم عندی الصلاۃ فمن حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع الحدیث۔[2]

امیرالمومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عاملوں کو فرمان بھیجے کہ تمھارے تمام کاموں میں مجھے زیادہ فکر نماز کی ہے جو اسے حفظ اور اس پر محافظت کرے اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی اور جس نے اسے ضائع کیا وُہ اور کاموں کو زیادہ تر ضائع کرے گا۔

(نوعِ آخر) حدیثِ امامت جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام جس میں انھوں نے ہر نماز کے لئے جُدا وقت معین کیا۔

حدیث ۱۳: بخاری ومسلم صحاح اور امام مالک وامام ابن ابی ذئب مؤطا اور ابو محمد عبداللہ دارمی مسند میں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی جبریل نے بعد تعیینِ اوقات عرض کی: بھذا امرت[3] (اسی کا حضور کو حکم دیا گیا ہے) ابن ابی ذئب کے لفظ یوں ہیں: عن ابن شھاب انہ سمع عروۃ بن الزبیر یحدث عمر بن عبدالعزیز عن ابی مسعود الانصاری ان المغیرۃ بن شعبۃ اخر الصلاۃ فدخل علیہ ابومسعود فقال ان جبریل نزل علٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی وصلی وصلی وصلی وصلی ثم صلی ثم صلی ثم صلی ثم صلی ثم قال ھکذا امرت[4] (یعنی جبریل امین نے دونوں روز امامت سے تعیینِ اوقات کرکے عرض کی: ایسا ہی حضور کو حکم ہے) مسند امام ابن راہویہ میں مطول ومفصل ہے فی اخرہ ثم قال جبریل ما بین ھذین وقت صلٰوۃ[5] (پھر جبریل نے عرض کی ان دونوں کے درمیان وقت نماز ہے)

حدیث ۱۴: دارقطنی وطبرانی وابوعمر بن عبدالبر ابومسعود وبشیر بن ابی مسعود دونوں صحابیوں رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] معجم اوسط حدیث ۸۹۵۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۳۴۵

[2] مؤطا امام مالک وقوت الصلٰوۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵

[3] بخاری شریف کتاب مواقیت الصلوٰت مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۵

[4] شرح الزرقانی علی المؤطا باب وقوت الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۵

[5] نصب الرایۃ بحوالہ مسند ابن راہویۃ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳

راوی جبریل نے عرض کی، مابین ھذین وقت[1] یعنی امس والیوم (کل اور آج کے وقتوں کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے)

حدیث ۱۵ : ابوداود، ترمذی، شافعی، طحاوی، ابن حبان، حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی: الوقت مابین ھذین الوقتین[2] (وقت وُہ ہے جوان دو وقتوں کے درمیان ہے)

حدیث ۱۶ : نسائی وطحاوی وحاکم وبزار ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے عرض کی، الصلاۃ مابین صلاتک امس وصلاتک الیوم[3] (نماز دیروزہ وامروزہ کے بیچ میں نماز ہے) بزار کے یہاں ہے: ثم قال مابین ھذین وقت[4] (ان دو کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۷ : نسائی واحمد واسحٰق وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی، مابین ھاتین الصلاتین وقت[5] (ان دو نمازوں کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۸ : طحاوی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے گزارش کی: الصلاۃ فیما بین ھذین الوقتین[6] (نماز ان دو وقتوں کے درمیان ہے)

(**نوع آخر**) حدیث سائل جسے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امامتیں فرماکر ہر نماز کا اول و آخر وقت بتایا۔

حدیث ۱۹ : مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: وقت صلاتکم بین ما رأیتم[7] (تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا) مسلم کے دوسرے طریق میں ہے، مابین ما رأیت وقت[8] (اے سائل جو تُو نے دیکھا اس کے اندر وقت ہے)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی الکبیر باب بیان الوقت — دارالکتاب بیروت — ۱/۳۰۵

[2] جامع الترمذی — باب ما جاء فی مواقیت الصلوات — مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی — ۱/۲۱

[3] سُنن النسائی — کتاب المواقیت آخر وقت الظہر — مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور — ۱/۵۹

[4] کشف الاستار عن زوائد البزار باب ای حین یصلی — مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت — ۱/۱۸۷

[5] سُنن النسائی — کتاب المواقیت آخر وقت العصر — مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور — ۱/۶۱

[6] شرح معانی الآثار — باب مواقیت الصلوات — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۰۲

[7] صحیح مسلم — باب اوقات الصلوات الخمس — ” قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۲۲۳

[8] صحیح مسلم — ” ” ” ” ” ” ” — ۱/۲۲۳

ترمذی کے یہاں یُوں ہے : مواقیت الصلاۃ کمابین ھذین[1] (نمازوں کے وقت ایسے ہیں جیسے ان دو کے درمیان)

حدیث ۲۰ : مسلم ابی داود نسائی ابن ابان طحاوی حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : الوقت بین ھذین[2] (وقت ان دو کے درمیان ہے)

حدیث ۲۱ : طحاوی بطریق عطاء بن ابی رباح بعض صحابہ یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور امام عیسٰی بن ابان بلفظ عن عطاء بن ابی رباح قال بلغنی ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : بین صلاتی فی ھذین الوقتین کلہ[3] (جن دو وقتوں پر میں نے نمازیں پڑھیں ان کے اندر اندر سب وقت ہے) و لفظ الحجج ثم قال ما بینھما وقت[4] (اور کتاب الحجج کے الفاظ یہ ہیں : پھر فرمایا ان دونوں کے درمیان وقت ہے)

حدیث ۲۲ : مالک ونسائی وبزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : مابین ھذین وقت[5] (ان دو کے درمیان وقت ہے) وفیہ الاقتصار علی ذکر الفجر فکانہ مختصر قلت فقد رواہ الدارقطنی فی سننہ من حدیث قتادۃ عن انس مطولا واللہ تعالٰی اعلم (اس روایت میں صرف فجر کا ذکر ہے شاید اس میں اختصار ہے۔ میں نے کہا دارقطنی نے اپنے سنن میں انس سے بروایت قتادہ مفصل ذکر کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم) (ت)

(نوعِ آخر) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشگوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے تم اُن کا اتباع نہ کرنا اسے مطلق فرمایا کچھ سفر وحضر کی تخصیص ارشاد نہ ہوئی۔

حدیث ۲۳ : مسلم ابوداود ترمذی نسائی احمد دارمی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضرب فخذی کیف انت اذا بقیت فی قوم یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا قال قلت ما تامرنی

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا تیرا کیا حال ہوگا جب تُو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۲

[2] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس " قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۲۳

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوات " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۲

[4] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوٰۃ دار المعارف نعمانیہ لاہور ص ۱۲

[5] النسائی کتاب المواقیت " مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۲

قال صل الصلاۃ لوقتہا الحدیث[1]۔ کریں گے، میں نے عرض کی حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں، فرمایا تو وقت پر پڑھ لینا۔

حدیث ۲۴: احمد ابو داود و ابن ماجہ بسند صحیح عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ستکون علیکم بعدی امراء تشغلھم اشیاء عن الصلاۃ لوقتہا حتی یذھب وقتہا فصلوا الصلاۃ لوقتہا الحدیث[2]۔ میرے بعد تم پر کچھ حاکم ہوں گے کہ اُن کے کام وقت پر انھیں نماز سے روکیں گے یہاں تک کہ وقت نکل جائے گا تم وقت پر نماز پڑھنا۔

حدیث ۲۵: ابو داود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف بکم اذا اتت علیکم امراء یصلون الصلاۃ لغیر میقاتہا قلت فما تامرنی اذا ادرکنی ذلک یارسول اللہ قال صل الصلاۃ لمیقاتہا واجعل صلاتک معھم سبحۃ[3]۔ فرمایا مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب تم پر وہ حکام آئیں گے کہ غیر وقت پر نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! جب میں ایسا وقت پاؤں تو حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا نماز وقت پر پڑھ اور اُن کے ساتھ نفل کی نیت سے شریک ہوجا۔

(نوع آخر) ارشادِ صریح کہ جب ایک نماز کا وقت آیا دوسری کا وقت جاتا رہا قضا ہوگئی اور اس کی ممانعت و مذمّت۔

حدیث ۲۶: مسلم و ابو داود و نسائی و عیسٰی بن ابان حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

وقت الظھر مالم یحضر العصر ووقت المغرب مالم یسقط ثور الشفق[4] ھذا مختصر۔ ظہر کا وقت جب تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آئے اور مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق نہ ڈوبے۔

---

[1] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۱

[2] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی اذا اخروا الصلوٰۃ عن وقتہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۰

[3] سنن ابی داود اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت " مجتبائی دہلی ۱/۶۲

[4] صحیح المسلم باب اوقات الصلوات الخمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

حدیث ۲۷: ترمذی وطحاوی بسند صحیح بطریق محمد بن فضیل عن الاعمش عن ابی صالح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلاۃ اولا و اٰخرا وان اول وقت صلاۃ الظھر حین تزول الشمس و اٰخر وقتھا حین یدخل وقت العصر وفیہ ان اول وقت المغرب حین تغرب الشمس وان اٰخر وقتھا حین یغیب الشفق[1]۔

بیشک نماز کے لیے اوّل و آخر ہے اور بیشک آغاز وقت ظہر کا سورج ڈھلنے سے اور ختم وقت ظہر کا وقتِ عصر آنے پر ہے اور بیشک ابتدا وقت مغرب کی سورج چھپے ہے اور بیشک انتہا اُس کے وقت کی شفق ڈوبے۔

حدیث ۲۸: مسلم واحمد و ابوداود و ابن ماجہ وطحاوی و ابن حبان حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ ان تؤخر صلاۃ حتی یدخل وقت صلاۃ اخری[2]

سوتے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگتے میں ہے کہ تُو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی حین فاتتھم صلاۃ الصبح لیلۃ التعریس وھو عند ابی داود و ابن ماجۃ من دون قولہ ان تؤخر (جب "لیلۃ التعریس" کی صبح کو ان سے فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی۔ یہ روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر اس میں "ان تؤخر" کا لفظ نہیں ہے۔ ت)

یہ حدیث نص صریح ہے کہ ایک نماز کی یہاں تک تاخیر کرنی کہ دوسری کا وقت آجائے تقصیر و گناہ ہے۔

حدیث ۲۹: بزار و محی السنۃ بغوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قول اللہ عزوجل الذین ھم عن صلوتھم ساھون ○ قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا[3]۔

فرمایا میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پُوچھا وُہ کون لوگ ہیں جنھیں اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے خرابی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں ارشاد فرمایا وہ لوگ جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں۔

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ مطبوعہ مطبع رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۲

[2] سنن ابی داؤد باب فی من نام الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۴

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی الذین یؤخرون الصلوٰۃ عن وقتھا مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۹۶

بغوی کی روایت یوں ہے:

اخبرنا احمد بن عبد اللہ الصالحی (فساق بسندہ) عن مصعب بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الذین ہم فی صلوتہم ساہون قال اضاعۃ الوقت[1]

ہمیں احمد بن عبد اللہ الصالحی نے خبر دی (پوری سند کو ذکر کیا) مصعب بن سعد سے وہ اپنے باپ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا، فرمایا اس سے مراد وقت کھونا ہے۔

حدیث ۳۰: امام ابن ابان حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی:

قال وقت الظہر الی العصر و وقت العصر الی المغرب و وقت المغرب الی العشاء و وقت العشاء الی الفجر[2]

فرمایا ظہر کا وقت عصر تک ہے اور عصر کا وقت مغرب تک اور مغرب کا عشاء اور عشاء کا فجر تک۔

حدیث ۳۱: امام طحاوی شرح معانی الآثار میں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال ہوا: ما التفریط فی الصلاۃ (نماز میں تفریط کیا ہے؟) فرمایا: ان تؤخر حتی یجیئ وقت الاخری[3] (یہ کہ تو ایک نماز کی تاخیر کرے یہاں تک کہ دوسری کا وقت آجائے)

حدیث ۳۲: نیز اُسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی قال تفوت صلاۃ حتی یجیئ وقت الاخری[4] (فرمایا نماز فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری کا وقت نہ آجائے) یعنی جب دوسری کا وقت آیا پہلی قضا ہوگئی۔

تنبیہ: ان آیات واحادیث سے جواب میں قائلین جمع کی غایت سعی ادعائے تخصیص ہے جسے ملا جی نے کئی ورق کی طولانی تقریر میں بہت ہی چمک کر بیان کیا جس کا مآل یہ کہ اگرچہ متکاثرہ واحادیث متواترہ ہر نماز کے لیے جُدا وقت بتارہی ہیں محافظت وقت کی نہایت تاکید شدید فرمارہی ہیں وقت ضائع کرنے کو گناہ عظیم و موجب عذاب الیم ٹھہرا رہی ہیں مگر ہمیں سفر وغیرہ حالات میں ظہر وعصر ومغرب وعشاء چار نمازوں کی پابندیٔ وقت

---

[1] شرح السنۃ للامام البغوی باب مراعاۃ الوقت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۳۶/۱

[2] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوات الخ دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۱/۱-۱۰۱

[3] شرح معانی الآثار باب جمع بین الصلوتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۴/۱

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

کچھ ضرور نہیں چاہے وقت سے پہلے پڑھ لیں چاہیں وقت کھو کر پڑھیں اصلاً محذور نہیں کہ دو چار روایتیں ہمارے خیال کے مطابق قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مخالف آگئیں وہ ہمیں بے قیدی بنا گئی ہیں یہاں ملّاجی نے بہت کچھ ابحاثِ اصول کو خرچ کیا ہے جس کا جواب ایسا ہی عریض وطویل دیا گیا ہے **وانا اقول** (اور میں کہتا ہوں۔ت) ثبّت العرش ثم انقش ارشاداتِ صریحہ قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل ایسا ہی سامان جمع کر لیا ہوتا تو ان کے مقابلہ کا نام لینا تھا سبحٰن اللہ چند محتمل روایات جن میں روایۃً درایۃً صدہا احتمالات، نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُن کے ثبوت ہی پر یقین نہ بعد تسلیم ثبوت خواہی نخواہی معنی جمع حقیقی کی تعیین، احتمالی باتوں پر خدا ورسول کے صریح احکام کیونکر اُٹھا دیے جائیں ایسے حکموں کے مقابلہ کو انھیں کے پایہ کا جلی واضح ثبوت درکار تھا نہ یہ کہ بزور بزبان ابتداءً میں کہہ دیجئے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں انتہا میں لکھ دیجئے احادیثِ صحاح جو جمع پر قطعاً ویقیناً دلالت کرتی ہیں اور بس آپ کے فرمانے سے وہ نصوص قاطعہ یقینیہ مفسرہ ہوگئیں ملّاجی بس اسی ایک نکتہ پر بحث کا فیصلہ ہے ان روایات کا اثبات جمع حقیقی تقدیم وتاخیر میں نص قطعی یقینی مفسر ناقابلِ تاویل ہونا ثابت کر دیجئے یا قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل نری زبان زوریوں سے کام نکالنے کا اقرار کیجئے میں صرف نصوص قرآن وحدیث کا نام لیتا ہوں اے حضرت نمازوں کی توقیت اُن کے لیے اوقات کی تعیین تو ضروریاتِ دین سے ہے اور ہمارا آپ کا تمام اُمتِ مرحومہ کا اجماع قائم کہ وقت سے پہلے نماز باطل اور عمداً قضا کر دینا وقت کھو دینا حرام تو اب ظنیت وقطعیت عمومات کی بحث سے کچھ علاقہ نہ رہا۔ اس فعل جمع کا جو حاصل ہے یعنی نماز پیش از وقت یا تفویت وقت اُس کی حرمت پر تو ہم اور آپ سب متفق ہو لئے اب آپ مدعی ہیں کہ اس حرام قطعی کی یہ صورت خاص حلال ہے جیسا وہ حرام قطعی ہے ویسا ہی قطعی ثبوت اس کی حلّت کا دیجئے ورنہ یقینی کے حضور ظنی محتمل کا نام نہ لیجئے خدا کی شان اور تو اور جمع تقدیم میں بھی یہی جرأت کے ادعا کہ تاویل کو دخل نہیں احادیثِ صحاح قطعاً دلالت کرتی ہیں حالانکہ مفسر ویقینی ہونا درکنار ابوداؤد سا امام جلیل الشان تصریح فرما گیا کہ اس کے بارے میں اصلاً کوئی حدیث صحیح بھی نہ ہوئی مگر ہاں یہ کہئے کہ اپنی زبان اپنا دعوٰی ہے ثبوت مانگنے والے کا کچھ دینا دھرایا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لطیفہ: مُلّاجی نے ایک مثل پر انتہائے ظہر کے اثبات میں حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ وحدیث امامت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استدلال کیا جن میں تھا کہ پہلے دن کی ظہر حضور[عہ] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُورج ڈھلتے ہی پڑھی اور دُوسرے دن کی اُس وقت کہ سایہ ایک مثل کو پہنچ گیا اس تمسک پر اعتراض ہوتا تھا کہ ان حدیثوں میں کل کی عصر بھی تو اسی وقت پڑھنی آئی ہے تو ایک مثل پر وقتِ ظہر ختم ہو جانا نہ نکلا بلکہ بعد مثل ظہر وعصر دونوں نمازوں میں وقت مشترک ہونا مستفاد ہوا ملّاجی اُس کے دفع میں فرماتے ہیں روایت نسائی کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت[عہ] نے پہلے دن عصر جب پڑھی کہ ایک مثل سایہ آگیا اور دوسرے دن ظہر سے

[عہ] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ ف: معیار الحق ص ۳۰۳

ایک مثل پر فارغ ہو لئے یہ معنے نہیں کہ کچھ وقت بطور چار رکعت دونوں نمازوں میں مشترک ہے دلیل مرجح باعث اختیار کرنے معنی اول کی یہ ہے کہ روایت کی ہے مسلم نے عبداللہ بن عمرو سے ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال وقت الظھر الی ان یحضر العصر اور کہا اللہ تعالٰی نے ان الصلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتٰبا موقوتا یعنی ہر نماز کا وقت علٰحدہ علٰحدہ ہے اسی واسطے فرمایا آنحضرت[ع] نے انما التفریط علی من لم یصل حتی یجیٔ وقت الصلاۃ الاخری رواہ مسلم وغیرہ تو مقتضا احادیث اور اس آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی پھر اگر حدیث جابر میں معنی وہ نہ کریں جو ہم نے کیے ہیں کہ پڑھ چکے ایک مثل میں بلکہ یہ کریں کہ پڑھنی شروع کی جب کہ ایک مثل ہوئی تو تعارض ہو گا درمیان ان احادیث کے جن سے امتیاز اوقات ہر نماز کی معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث جابر میں جس سے اشتراک نکالتے ہیں اور وقت تعارض موافقت کرنی چاہیے اور صورت موافقت کی یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور شاہد اس کی حدیث جبریل ہے معنی اس کے بھی وہی ہیں بعینہٖ اسی دلیل سے جو گزری حدیث نسائی میں[1] اھ ملخصاً۔

الحمد للہ یہ تو آیہ کریمہ اور ہماری حدیثوں سے حدیث ۲۶ و ۲۸ کی نسبت ملاجی کی شہادت ہے کہ مقتضی احادیث و آیات کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری ادا نہیں ہو سکتی مگر مجھے یہاں ملاجی کا ظلم ظاہر کرنا ہے **فاقول** باللہ التوفیق **اوّلاً**[2] حدیث جبریل و حدیث سائل میں یہ معنے کہ ملاجی نے شافعیہ کی تقلید جامد سے سیکھ کر جمائے ہرگز نہیں جمتے حدیث جبریل بروایت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں نسائی کے یہاں یوں ہے:

ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین کان الظل مثل شخصہ فصلی العصر ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین کان ظل الرجل مثل شخصہ فصلی الظھر[3]۔

دوسری روایت میں ہے: ثم مکث حتی اذا کان فیٔ الرجل مثلہ جاءہ للعصر فقال قم یا محمد فصلی العصر ثم جاءہ من الغد حین کان فیٔ الرجل مثلہ فقال قم یا محمد فصل فصلی الظھر[4]۔

ع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] معیار الحق، مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۶ تا ۳۲۱

[2] واضح رہے کہ "اوّلاً" کے ذیل میں مذکور تمام روایات کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو صفحہ ۲۰۸ کی طرف رجوع کریں۔ دائم

[3] النسائی کتاب المواقیت آخر وقت العصر مطبوعہ سلفیہ لاہور ۱/۶۰

[4] النسائی 〃 〃 اول وقت العشاء 〃 〃 〃 ۱/۶۲

مسند اسحٰق میں ابی مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں ہے: اتاہ حین کان ظلہ مثلہ فقال قم فصل فقام فصلی العصر اربعا ثم اتاہ من الغد حین کان ظلہ مثلہ فقال لہ قم فصل فقام فصلی الظہر اربعا[1]۔
دارقطنی وطبرانی وابوعمر کے یہاں بروایت عقبہ بن عمرو وبشیر بن عقبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں ہے: جاءہ حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال یا محمد صل العصر فصلی ثم جاءہ الغد حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال صل الظہر فصلی[2]۔

یہ سب حدیثیں تصریح صریح ہیں کہ روح امین علیہ الصلاۃ والتسلیم ظہر کے لیے حاضر اس وقت ہوئے جب سایہ ایک مثل کو پہنچ چکا تھا اس وقت نماز پڑھنے کے لیے عرض کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس کے یہ معنی کیونکر ممکن کہ ختم مثل تک نماز سے فارغ ہولیے تھے۔ حدیث سائل بروایت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابوداؤد کے یہاں یوں ہے: امر بلالا فاقام الفجر حین انشق (الی قولہ) فاقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ[3]۔ اس میں تصریح ہے کہ ایک مثل ہونے پر بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ظہر کی تکبیر کہی تو مثل تک فراغ کیسا۔

ثانیاً آیہ کریمہ تو آپ کے نزدیک عام ہے اور احادیث جبریل وسائل خاص اور آپ کے اصول میں عام وخاص متعارض نہیں بلکہ عام اُس خاص سے مخصص ہوجائے گا تو لاجرم یہاں معارضہ صرف احادیث میں مانا نہ آیت وحدیث میں پھر اُن حدیثوں کے مقابل آیت کا پیش کرنا کیا معنی، کیا آپ کے داؤں کو آیت عام نہیں رہتی تخصیص حرام ہوجاتی ہے۔

ثالثاً احادیث میں دفع معارضہ یوں بھی ممکن کہ حدیث تفریط میں وقت الصلاۃ الاخری[4] سے اُس کا وقت خاص مراد لیجئے یعنی نماز قضا جب ہوتی ہے کہ دوسری نماز کا وقتِ خاص آجائے جب تک وقتِ مشترک باقی ہے قضا نہ ہُوئی اور حدیث عبداللہ بن عمرو میں ظہر خواہ عصر دونوں سے جس میں چاہئے وقت خاص لے لیجئے اور دوسری میں وقت مطلق یعنی ظہر کا وقت خاص وقت عصر آنے تک ہے جب عصر کا وقت آیا ظہر کا خاص وقت نہ رہا اگرچہ مشترک باقی ہو یا ظہر کا وقت عصر کے وقت خاص آنے تک ہے کہ اس کے بعد ظہر کا وقت خاص خواہ

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ مسند اسحٰق بن راہویہ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳
[2] دارقطنی ۱/۲۵۶
[3] سنن ابوداؤد اول کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۷
[4] ترمذی باب المواقیت مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۵

مشترک اصلاً نہیں رہتا تو صورت موافقت اسی میں منحصر نہ تھی جس سے آپ احتمالِ اشتراک[ع] کو دفع کرسکیں ، ملاجی مدعی بننا آسان ہے مگر اقامت دلیل کے گرانبار عہدوں سے سلامت نکل جانا مشکل۔

اب اس صریح ظلم و ناانصافی کو دیکھیے کہ مسئلہ وقتِ ظہر میں آیت و احادیث توقیت کے عموم وظواہر پر وہ ایمان کہ نہ آیت صالح تخصیص نہ یہ حدیثیں لائق تاویل نہ ان کے مقابل صحاح حدیث قابل قبول بلکہ واجب کہ وہ حدیثیں تاویلوں کی گھڑت سے موافق کرلی جائیں اگرچہ وہ اُس تاویل سے صاف ابا کرتی ہوں اور ان میں ہرگز تاویل نہ کی جائے اگرچہ بے دقت اُسے جگہ دیتی ہوں۔ اور جب مسئلہ جمع کی باری آئے فوراً نگاہ پلٹ جائے اب آیت و احادیث واجب التخصیص، اور اُن کے مقابل نری احتمالی چند روایات واجب الاعتماد و قطعی التنصیص، اور ان کے لیے آیات و احادیث کے مطابق صاف و نظیف محامل مردود و باطل غرض شریعت اپنے گھر کی ہے، اجتہاد کی کوٹھری دوہرے در کی ہے۔ دیانت کا ٹٹو دونوں باگوں کستا ہے، پورب کی سڑک میں پچھم کا رستہ ہے ؎

گر میں گیا اِدھر سے اُدھر سے نکل گیا

ف[۱] **لطیفہ** حدیث بست وہشتم مروی صحیح مسلم شریف کے جواب میں ملاجی کی نزاکتیں قابل تماشا۔

اولاً یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلا عذر تاخیر کرے نہ اُس کے حق میں جو مسافر ہو، یہ وہی دعوٰی باطلہ تخصیص بے مخصص ہے۔

ثانیاً سبب حدیث تو نماز سفر کا سوتے میں قضا ہوجانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت سفر ہی میں تھے تو نماز سفر کو اس حکم سے خارج ماننا طرفہ جہالت ہے۔

ثالثاً عذر بدتر از گناہ سُنئے فرماتے[ف۲] ہیں اگر کہو کہ یہ حدیث سفر میں فرمائی تھی پس مسافر کو حکم اس کا شامل ہوگا تو کہا جائے گا کہ ظرف قول کی باعث اور قرینہ اُس کی تعمیم یا تخصیص پر نہیں ہوتی۔

اقول ملاجی! کسی پڑھے لکھے سے ظرف وسبب کا فرق سیکھو یہ نہیں کہا جاتا کہ حدیث سفر میں فرمائی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ نمازِ سفر کا قضا ہونا سببِ ارشاد ہوا تو خود سببِ نص حکم نص سے کیونکر جُدا رہے گا کیا ظلم ہے کہ نص کا خاص جس مورد میں ورود وہی خارج و نامقصود، اور نص اس کے ماسِوا پر مقصور و محدود۔

ع **اقول** ظاہر ہے کہ احتمال اشتراک مسئلہ مجمع میں قائل جمع کو اصلاً نافع نہیں جمع تقدیم سے تو اُسے مس ہی نہیں اور جمع تاخیر بھی اس کے قائل کے نزدیک صرف آغاز و ابتدائے وقت آخر بقدر چار رکعت سے مخصوص نہیں معہذا جب وقت مشترک ٹھہرا پہلی نماز بھی اپنے وقت پر ہوئی اور اس کے بعد دوسری بھی اپنے وقت میں، یہ جمع صوری ہے نہ حقیقی کہ ایک نماز اپنے وقت سے خارج ہوکر دوسری کے وقت میں پڑھی جائے کما لا یخفی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف[۱]: معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلاتین ص ۴۱۷   ف[۲]: معیار الحق ص ۴۱۷

رابعاً قیامت دلربا نزاکت تو یہ کی کر فرماتے ہیں ف۱ اگر ظرف کو دخل ہو تو کہا جائے گا کہ یہ قول آنحضرت ؐ نے وقت نماز فجر کے اور فوت ہو جانے نماز فجر کے نیند میں فرمایا تھا پس حکم سفر فجر ہی کا بیان کیا جس کا جمع کرنا کسی نماز سے ممکن نہ تھا نہ ظہر و عصر مغرب عشا سفر کی کا۔

اقول بھئی یہ تو خوب ہی کیکا، ہاں مُلاجی! حدیث میں کاہے کا ارشاد ہو رہا ہے فجر سفر کی کا نہ اور نماز وں سفر کی کا یعنی صبح کی نماز میں تقصیر اُس وقت ہوگی کہ تو اُسے نہ پڑھے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آجائے بہت معقول سورج نکلے پہر دن چڑھے ٹھیک دوپہر ہو جب تک نماز فجر اُٹھا رکھئے کچھ تقصیر نہیں جب ظہر کا وقت آئے اُس وقت تقصیر ہوگی انا للہ وانا الیہ راجعون ہ مُلاجی! دِلّی میں تو اچھے اچھے حکیم سُنے گئے ہیں، لکھنے چلے تھے تو پہلے دماغ کی نبض دکھائی ہوتی، نمازیں پانچ ہیں اُن میں چار متوالی الاوقات اور فجر جُدا سب کا حکم بیان کیجئے تو بطور تغلیب یہ کلام صحیح جیسا کہ حدیث ۳۱ و ۳۲ میں اقوالِ حضرت ابوہریرہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گزرا کر خاص فجر کا حکم ان لفظوں سے ارشاد ہو کہ جب تک ظہر نہ آئے فجر نہ پڑھنے میں تقصیر نہیں۔

خامساً اقول مُلاجی! اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا تو اخراج ظہر و عصر و مغرب و عشا کے کیا معنے، یہ کیا ستم جہالت ہے کہ آپ کا خصم اطلاق نص وشمول مورد سے تمسک کرے آپ جواب میں اقتصار علی المورد پیش کردیں یا وہ بے تکی کہ دخول مورد سے صاف انکار یا یہ شورا شوری کہ اُسی پر انقطاع اُسی میں انحصار غرض سیدھا چلنا ہر طرح ناگوار۔

سادساً اب اور آنکھیں کُھلیں تو علاوہ کی پوٹ باندھی کہ ف۲ مسافر جمع کرنے والے کو ضرور ہے کہ ارادہ جمع کا پہلی نماز کے وقت کے اندر اندر کر رکھے جس نے ارادہ نہ کیا اُس کی جمع درست نہ ہوگی پس اگر مسافر کو بھی شامل کرو تو ایسا مسافر مورد و محل حدیث کا ہوگا۔

اقول یہ ایسا ویسا تم کہہ رہے ہو یا حدیث ارشاد فرما رہی ہے حدیث میں تو ایسے ویسے کی کہیں بُو بھی نہیں کیا اپنی ہوائے نفس پر احادیث کا ڈھال لانا ہی عمل بالحدیث ہے۔

سابعاً اقول خود مسافر کو شامل کہہ رہے ہو نہ مسافر سے خاص تو لاجرم حدیث وہ حکم فرما رہی ہے جو مسافر و مقیم سب کو شامل کیا بھلا چنگا مقیم بھی اگر وقت کے اندر اندر نیت رکھے کہ یہ نماز وقت گزر جانے کے بعد پڑھ لوں گا تو تقصیر نہیں کُھلا کُھلا رافضیوں کا مذہب کیوں نہیں لکھ دیتے اور بعد خرابی بصرہ نہیں بلکہ تباہی کوفہ اگر حاصل ٹھہرے گا تو وہی کہ حدیث احادیث جمع سے مخصوص یہ شامت امام سے وہی آپ کا عذر معمولی جابجا ہے پھر اُسے

ع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ (م) ف۱ معیار الحق ص ۴۱۷ ف۲ معیار الحق ص ۴۱۷

علاوہ کس منہ سے کہہ رہے ہو، مُلّاجی! کبھی کسی کرّے سے پالا نہ پڑا ہوگا کہ عمل بالحدیث کا دعوٰی بھُلادیتا، سُبحٰن اللہ تحریفِ احادیث اور اُس کا نام عمل بالحدیث اسمٌ طیّبٌ وعملٌ خبیثٌ، ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

قسم دوم نصوص خصوص، حدیث ۳۳: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و مصنف طحاوی میں بطرق عدیدہ و الفاظ مجملہ و مفصلہ مختصرہ و مطولہ مروی وھذا لفظ البخاری **حدثنا** عمر بن حفص بن غیاث ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی عمارۃ عن عبد الرحمٰن عن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ما رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء، وصلی الفجر قبل میقاتھا[1] ولمسلم **حدثنا** یحیی بن یحیی و ابوبکر بن ابی شیبۃ و ابو کریب جمیعا عن ابی معویۃ قال یحیی اخبرنا ابو معویۃ عن الاعمش عن عمارۃ عن عبد الرحمٰن بن یزید عن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ الا لمیقاتھا الا صلاتین صلاۃ المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا[2] **وحدثناہ** عثمٰن بن ابی شیبۃ و اسحٰق بن ابرٰھیم جمیعا عن جریر عن الاعمش بھذا الاسناد قال قبل وقتھا بغلس (یعنی حضرت حاضر سفر و حضر و مصاحب و ملازم جلوت و خلوت سیّد البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سابقین اوّلین فی الاسلام و ملازمین خاص حضور سیّد الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے تھے بوجہ کمال قرب بارگاہ اہلبیت[ع] رسالت

[ع] بخاری مسلم ترمذی نسائی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

قال قدمت انا و اخی من الیمن فمکثنا حینا ما نری الا ان عبد اللہ بن مسعود رجل من اھل بیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[3] (م)

فرمایا: میں اور میرے بھائی یمن سے آئے تو مدت تک ہم سمجھا کئے کہ عبد اللہ بن مسعود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہیں اُنھیں اور اُن کی ماں کو جو بکثرت کاشانۂ رسالت میں آتے جاتے دیکھتے تھے۔ ۱۲ منہ

---

[1] صحیح بخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱/ ۲۲۸

[2] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/ ۴۱۷

[3] ایضاً صحیح بخاری مناقب عبد اللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۱

سے سمجھے جاتے اور سفر و حضر میں خدمت والا منزلت منزلت بستر گستری و مسواک و مطہرہ داری و کفش برداری محبوب باری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معزز و ممتاز رہتے، ارشاد فرماتے ہیں میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز اُس کے غیر وقت میں پڑھی ہو مگر دو نمازیں کہ ایک اُن میں سے نماز مغرب ہے جسے مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھا تھا اور وہاں فجر بھی روز کے معمولی وقت سے پیشتر تاریکی میں پڑھی)

حدیث ۴۳: سنن ابی داؤد میں ہے: حدثنا قتیبۃ نا عبد اللہ بن نافع عن ابی مودود عن سلیمٰن بن ابی یحیٰی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال ماجمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین المغرب والعشاء قط فی السفر الامرۃ[1] (یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی سفر میں مغرب و عشاء ملا کر نہ پڑھی سوا ایک بار کے) ظاہر ہے کہ وہ بار وہی سفر حجۃ الوداع ہے کہ شب نہم ذی الحجہ مزدلفہ میں جمع فرمائی جس پر سب کا اتفاق ہے۔

اقول اس حدیث کی سند حسن جید ہے، قتیبہ تو قتیبہ ہیں ثقہ ثبت رجال ستہ سے، اور عبد اللہ بن نافع ثقہ صحیح الکتاب رجال صحیح مسلم سے اور سلیمٰن بن ابی یحیٰی لاباس بہ (اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ ت) ابن حبان نے اُنہیں ثقات تابعین میں ذکر کیا، رہے ابو مودود وہ عبد العزیز بن ابی سلیمٰن مدنی ہذلی مقبول ہیں کما فی

؎ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت علقمہ سے مروی ہیں ملک شام میں گیا دو رکعت پڑھ کر دعا مانگی، الٰہی! مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر فرما۔ پھر ایک قوم کی طرف گیا اُن کے پاس بیٹھا تو ایک شیخ تشریف لائے میرے برابر آکر بیٹھ گئے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ میں نے کہا میں نے اللہ عزوجل سے دُعا کی تھی کہ کوئی نیک ہم نشین مجھے میسر کرے اللہ تعالٰی نے آپ ملا دیئے۔ فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے کہا اہل کوفہ سے۔ فرمایا:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادۃ والمطہرۃ۔[2] کیا تمہارے پاس عبد اللہ بن مسعود نہیں وہ نعلین و مسند خواب و ظروف وضو و طہارت والے۔

یعنی جن کے متعلق یہ خدمتیں تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مجلس میں تشریف فرما ہوں نعلین اُٹھا کر رکھیں اُٹھتے وقت سامنے حاضر کریں سوتے وقت بچھونا بچھائیں اوقات نماز پر پانی حاضر لائیں ظاہر ہے کہ انہیں خلوت و جلوت ہر حالت میں کیسی ملازمت دائمی کی دولت عطا فرمائی پھر ان کے علم کے بعد کسی کی کیا حاجت ہے قالہ القاضی کما نقلہ فی المرقاۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین الصلوٰتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۷۱
[2] صحیح بخاری مناقب عبد اللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۱

التقریب۔ حافظ الشان نے تہذیب التہذیب میں فرمایا: سلیمٰن بن ابی یحیٰی حجازی روی عن ابی ھریرۃ وابن عمر، وعنہ ابن عجلان و داؤد بن قیس و ابو مودود عبد العزیز بن ابی سلیمٰن، قال ابوحاتم: ما بحدیثہ باس، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، روی لہ ابوداود حدیثا واحدا فی الجمع بین المغرب والعشاء[1]۔

ثم اقول بعد نظافت سند مثل حدیث کا بروایت ایوب عن نافع عن ابن عمر بلفظ لم یر ابن عمر جمع بینھما قط الا تلک اللیلۃ (ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ دو نمازوں کو جمع کیا ہو سوائے اس رات کے۔ت) مروی ہونا کچھ مضر نہیں اگر یہاں نافع فعل ابن عمر اور وہاں ابن عمر فعل سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت کریں کیا منافات ہے خصوصاً یروی عن ایوب معضل ہے اور معضل ملاجی کے نزدیک محض مردود و مہمل اور وہ بھی بصیغہ مجہول کہ غالباً مشیر ضعف ہے تو ایسی تعلیق حدیث مسند متصل کے کب معارض ہوسکتی ہے۔

حدیث ۳۵: مؤطائے امام محمد میں ہے: قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کتب فی الآفاق ینھاھم ان یجمعوا بین الصلٰوۃ واخبرھم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر اخبرنا بذلک الثقات عن العلاء بن الحارث عن مکحول[2] (یعنی امیر المؤمنین امام العادلین ناطق بالحق والصواب عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع نہ کرنے پائے اور اُن میں ارشاد فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں ملانا گناہ کبیرہ ہے)

الحمد للہ امام عادل فاروق الحق والباطل نے حق واضح فرمادیا اور اُن کے فرمانوں پر کہیں سے انکار نہ آنے نے گویا مسئلے کو درجہ اجماع تک مترقی کیا۔

اقول یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجت ہے علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم و سنن اربعہ سے ہیں۔

واختلاطہ لا یضر عندنا مالم یثبت الاخذ بعدہ فقد ذکر المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر کتاب الصلاۃ باب الشھید

علاء کا مختلط ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت اس سے اختلاط کے بعد لی گئی ہے۔ کیونکہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کی

---

[1] تہذیب التہذیب راوی ۳۰۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۴/۲۲۸

[2] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلٰوتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۲

حديث احمد ثنا عفان بن مسلم ثنا حماد بن سلمة ثنا عطاء بن السائب ومعلوم ان عطاء بن السائب ممن اختلط فقال ارجوان حماد بن سلمة ممن اخذ منه قبل التغير ثم ذكر الدليل عليه ثم قال وعلى الابهام لاينزل عن الحسن [1] (ملخصاً)

کتاب الصلوٰۃ باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کا ایک راوی عطاء ابن سائب ہے اور عطاء ابن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے، مگر ابن ہمام نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حماد ابن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔ پھر اس کی دلیل بیان کی اور کہا کہ اگر ابہام پایا بھی جائے تو حسن کے درجے سے کم نہیں ہے۔ (ت)

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم و اربعہ سے ہیں۔

والمرسل حجة عندنا وعند الجمهور اما ابهام شيوخ محمد فتوثيق المبهم مقبول عندنا كما في المسلم وغيره لاسيما من مثل الامام محمد ومع قطع النظر عنه فلقائل ان يقول قد انجبر بالتعدد في فتح المغيث في ذكر المقلوب رويناها في مشايخ البخاري لابي احمد بن عدي قال سمعت عدة مشايخ يحكون وذكرها ومن طريق ابن عدي رواها الخطيب في تاريخه وغيره ولايضر جهالة شيوخ ابن عدي فيها فانهم عدد ينجبر به جهالتهم [2]

مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ رہا محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا، تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک نزدیک مقبول ہے، جیساکہ مسلم وغیرہ میں ہے خصوصاً جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو، اور اس سے قطع نظر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ متعدد اسناد سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔ فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مشائخ البخاری" میں احمد ابن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے۔ ابن عدی ہی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دیگر علماء نے بھی۔ اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہتے۔ (ت)

حدیث ۲۶: امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ آثار ماثورہ کتاب الحج عیسٰی بن ابان میں روایت فرماتے ہیں:

أخبرنا اسمٰعيل بن ابرهيم البصري عن خالد الحذاء عن حميد بن هلال عن ابي قتادة

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الشہید — مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۴

[2] فتح المغیث المقلوب دارالامام الطبری — مطبوعہ بیروت ۱/ ۳۲۱

العدوی قال سمعت قراءۃ کتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ثلث من الکبائر الجمع بین الصلاتین والفرار من الزحف والنھبۃ[1] (یعنی حضرت ابوقتادہ عدوی کہ اجلّہ اکابر وثقات تابعین سے ہیں بلکہ بعض نے انھیں صحابہ میں گنا، فرماتے ہیں میں نے امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شقہ وفرمان سنا کہ تین باتیں کبیرہ گناہوں سے ہیں: دو نمازیں جمع کرنا اور جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا اور کسی کا مال لُوٹ لینا)

اقول یہ حدیث اعلٰی درجہ کی صحیح ہے اس کے سب رجال اسمٰعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ائمہ ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہیں وللہ الحمد۔

لطیفہ حدیث مؤطا کے جواب میں تو ملّاجی کو وہی اُن کا عذر معمولی عارض ہوا کہ منع کرنا عمر کا حالت اقامت میں بلاعذر تھا۔

اقول اگر ہر جگہ ایسی ہی تخصیص تراش لینے کا دروازہ کھلے تو تمام احکام شرعیہ سے بے قیدوں کو سہل چھٹی ملے جہاں چاہیں کہہ دیں یہ حکم خاص فلاں لوگوں کے لیے ہے، حدیث صحیحین کو تین طرح رد کرنا چاہا:

اوّل انکار جمع اس سے بطور مفہوم نکلتا ہے اور حنفیہ قائل مفہوم نہیں، اس جواب کی حکایت خود اُس کے رد میں کفایت ہے اُس سے اگر بطور مفہوم نکلتی ہے تو منع وتقریر کی جمع کہ ما بعد الا ہمارے نزدیک مسکوت عنہ ہے انکار جمع تو اس کا صریح منطوق ومدلول مطابقی ومنصوص عبارۃ النص ہے۔

اقول اولاً اُس کی نسبت اگر بعض اجلۂ شافعیہ کے قلم سے براہِ بشریت لفظ مفہوم نکل گیا ملّا مدعی اجتہاد وحرمت تقلید ابوحنیفہ وشافعی کو کیا لائق تھا کہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم رد کرنے کے لیے ایسی بدیہی غلطی میں ایک متاخر مقلد کی تقلید جامد کرتے شاید ردِ احادیث صحیحہ میں یہ شرک صریح جائز وصحیح ہوگا اب نہ اُس میں شائبۂ نصرانیت ہے نہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ[2] (انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنالیا۔ ت) کی آفت کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون[3] (اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے کہ تم اس کام کا کہو جو خود نہیں کرتے۔ ت)

ثانیاً بفرض غلط مفہوم ہی سہی اب یہ نامسلّم کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں صرف عبارات شارع غیر متعلقہ

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلوتین — دارالمعارف النعمانیہ لاہور — ۱۶۵/۱

[2] القرآن ۹/۳۱

[3] القرآن ۶۱/۳

بعقوبات ہیں اس کی نفی کرتے ہیں کلام صحابہ ومن بعدہم من العلماء میں مفہوم مخالف بے خلاف مرعی ومعتبر کما نص علیہ فی تحریر الاصول والنہر الفائق والدر المختار وغیرہا من الاسفار قد ذکرنا نصوصہا فی رسالتنا القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ۔

دوم ایک رام پوری ملا سے نقل کیا کہ ابن مسعود سے مسند ابی یعلی میں یہ روایت بھی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلاتین فی السفر[۱] (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔ ت) تو موجہ ہے کہ حدیث صحیحین کو حالت نزول منزل اور روایت ابی یعلی کو حالت سیر پر حمل کریں یہ مذہب امام مالک کی طرف عود کرجائے گا۔

اوّلاً ملاجی خود ہی اسی بحث میں کہہ چکے ہو کہ شاہ صاحب نے مسند ابی یعلی کو طبقہ ثالثہ میں جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح حسن غریب معروف شاذ منکر مقلوب موجود ہیں ٹھہرایا ہے، پھر خود ہی اس طبقے کی کتاب کو کہا اس کتاب کی حدیث بدون تصحیح کسی محدث کے یا پیش کرنے سند کے کیونکر تسلیم کی جاوے یہ کتاب اُس طبقے کی ہے جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح اور سقیم مختلط ہیں یہ کیا دھرم ہے کہ اوروں پر منہ آؤ اور اپنے لیے ایک رام پوری ملا کی تقلید سے حلال بتاؤ اتخذوا احبارھم ورھبانھم[۲]۔

ثانیاً اقول ملاجی! کسی ذی علم سے التجا کرو تو وہ تمہیں صریح ومجمل ومتعین ومحتمل کا فرق سکھائے حدیث صحیحین انکار جمع حقیقی میں نص صریح ہے اور روایت ابویعلی حقیقی جمع کا اصلاً پتا نہیں دیتی بلکہ احادیث جمع صوری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثیں صاف صاف جمع صوری بتارہی ہیں تمہاری ذی ہوشی کہ نص ومحتمل کو لڑا کر اختلاف محامل سے راہ توفیق ڈھونڈتے ہو۔

لطیفہ اقول ملاجی کا اضطراب قابلِ تماشا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہیں راوی جمع ٹھہرا کر عدد رواۃ پندرہ بتاتے ہیں کہیں نافی سمجھ کر چودہ صدر کلام میں جہاں راویانِ جمع گنائے صاف صاف کہا ابن مسعود فی احدی الروایتین اب رامپوری ملا کی تقلید سے وہ احدی الروایتین بھی گئی ابن مسعود خاصے مثبتانِ جمع میں ٹھہر گئے۔

سوم جسے ملاجی بہت ہی علق نفیس سمجھے ہوئے ہیں اُن دو کو عربی میں بولے تھے یہاں چمک چمک کر اردو میں چہک رہے ہیں کہ اگر کہو جس جمع کو ابن مسعود نے نہیں دیکھا وُہ درست نہیں تو تم پر یہ پہاڑ مصیبت کا ٹوٹے گا

---

[۱] مسند ابویعلی مسند ابن مسعود حدیث ۵۳۹۱ مطبوعہ علوم القرآن بیروت ۵/۱۸۱
[۲] القرآن ۹/۳۱ ف[۱] معیار الحق ص۲۹۷ ف[۲] معیار الحق ص۳۰۰ ف[۳] معیار الحق ص۴۱۶

کہ جمع بین الظہر اور عصر کو عرفات میں کیوں درست کہتے ہو باوجودیکہ اس قول ابن مسعود کے سے تو نفی جمع فی العرفات کی بھی مفہوم ہوتی ہے پس جو تم جواب رکھتے ہو اُسی کو ہماری طرف سے سمجھو یعنی اگر کہو نہ ذکر کرنا ابن مسعود کا جمع فی العرفات کو بنا بر شہرت عرفات کے تھا تو ہم کہیں گے کہ جمع فی السفر بھی قرن صحابہ میں مشہور تھی کیونکہ چودہ صحابی سوا ابن مسعود کے اُس کے ناقل ہیں تو اسی واسطے ابن مسعود نے اس کا استثنا نہ کیا اور اب محل نفی کا جمع بلا عذر ہوگی اور اگر کہو کہ جمع فی العرفات بالمقایسہ معلوم ہوتی ہے تو ہم کو کون مانع ہے مقایسہ سے وعلٰی ہذا القیاس جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔ اس جواب کو مُلّاجی نے گُلِ سرسبد بنا کر سب سے اوّل ذکر کیا اُن دو کی تو امام نووی وسلام اللہ رامپوری کی طرف نسبت کی مگر اسے بہت پسند کرکے بلانقل ونسبت اپنے نامۂ اعمال میں ثبت رکھا حالانکہ یہ بھی کلام امام نووی میں مذکور اور فتح الباری وغیرہ میں ماثور تھا شہرت جمع عرفات سے جو جواب امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام وغیرہ علمائے اعلام حنفیہ کرام نے افادہ فرمایا اُس کا نفیس وجلیل مطلب مُلّاجی کی فہم تنگ میں اصلاً نہ دھنسا اجتہاد کے نشہ میں ادعائے باطل شہرت جمع سفر کا آوازہ کسا، اب فقیر غفرلہ المولی القدیر سے تحقیق حق سُنیے **فاقول** وبحول ربی اصول **اوّلاً** مُلّاجی جواب علماء کا یہ مطلب سمجھے کہ سیّدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھیں تو تین نمازیں غیر وقت میں مگر دو ذکر کیں مغرب وصبح مزدلفہ اور تیسری یعنی عصر عرفہ کو بوجہ شہرت ذکر نہ فرمایا جس پر آپ نے یہ کہنے کی گنجائش سمجھی کہ یونہی جمع سفر بھی بوجہ شہرت ترک کی اس ادعائے باطل کا انفا تو بحمد اللہ تعالٰی اوپر کھل چکا کہ شہرت درکنار نفس ثبوت کے لالے پڑے ہیں حضرت نے چوڈہ صحابہ کرام کا نام لیا پھر آپ ہی دس سے دست بردار ہوئے چار باقی ماندہ میں دو کی روایتیں نری بے علاقہ اُتر گئیں، رہے دو، وہاں بعونہٖ تعالٰی وہ قاہر باہر جواب پائے کہ جی ہی جانتا ہوگا، اگر بالفرض دو سے ثبوت ہو بھی جاتا تو کیا صرف دو کی روایت قرنِ صحابہ میں شہرت ہے، مگر یہاں تو کلامِ علماء کا وہ مطلب ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صرف انھیں دو نمازوں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا غیر وقت میں پڑھنا ثابت، انھیں دو کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھا انھیں دونوں کو صلاتین کہہ کر یہاں شمار فرمایا اگرچہ تفصیل میں بوجہ شہرت عامہ تامہ ایک کا نام لیا صرف ذکر مغرب پر اقتصار فرمایا ایسا اکتفا کلام صحیح میں شائع، قال عزوجل:

وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر[1] (اور تمہارے لیے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ت)

خود انھیں نمازوں کے بارے میں امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارشاد دیکھئے کہ پوچھا گیا کیا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں کوئی نماز جمع کرتے تھے؟ فرمایا: لا الا بجمع (نہ مگر مزدلفہ میں) کما قدمنا

---

[1] القرآن ۱۶/ ۸۱

عن سنن النسائی ملاجی! یہاں بھی کہہ دیجیو کہ جمع سفر کو شہرۃً چھوڑ دیا ہے، اور سُنیے امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

العمل علی ھذا عند اھل العلم ان لا یجمع بین الصلاتین الا فی السفر او بعرفۃ۔[1]	اہل علم کے ہاں عمل اسی پر ہے کہ بغیر سفر کے اور یوم عرفہ کے دو نمازیں جمع نہ کرے۔ (ت)

ترمذی نے صرف نماز عرفہ کا استثناء کیا نماز مزدلفہ کو چھوڑ دیا تو ہے یہ کہ یہ دونوں جمعیں متلازم ہیں اور ایک کا ذکر دوسری کا یقیناً ذکر خصوصاً نماز عرفہ کہ اظہر واشہر تو مزدلفہ کا ذکر دونوں کا ذکر ہے غرض ان صلاتین کی دوسری نماز ظہر عرفہ ہے نہ فجر نحرہ وہ مسئلہ جُداگانہ کا افادہ ہے کہ دو نمازیں تو غیر وقت میں پڑھیں اور فجر وقت معمول سے پیشتر تاریکی میں اور بلاشبہہ اجماع اُمت ہے کہ فجر حقیقۃً وقت سے پہلے نہ تھی نہ ہرگز کہیں کبھی اس کا جواز، اور خود اسی حدیث ابومسعود کے لفظ مسلم کے یہاں بروایت جریر عن الاعمش قال قبل وقتھا بغلس[2] اُس پر شاہد، اگر رات ہیں پڑھی جاتی ذکر غلس کے کیا معنی تھے صحیح بخاری میں تو تصریح صریح ہے کہ فجر بعد طلوع فجر پڑھی۔

اذ قال حدثنا عبد اللہ بن رجاء ثنا اسرائیل عن ابی اسحٰق عن عبد الرحمٰن بن یزید قال خرجنا مع عبد اللہ الی مکۃ ثم قدمنا جمعا (وفیہ) ثم صلی الفجر حین طلع الفجر الحدیث[3] وقال حدثنا عمرو بن خالد ثنا زھیر ثنا ابو اسحٰق سمعت عبد الرحمٰن بن یزید یقول حج عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فاتینا المزدلفۃ (وفیہ) فلما طلع الفجر قال ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لا یصلی ھذہ الساعۃ الا ھذہ الصلاۃ فی ھذا المکان من ھذا الیوم الحدیث[4]۔	کہا، حدیث بیان کی ہم سے عبد اللہ ابن رجاء نے اسرائیل سے، اس نے ابواسحٰق سے، اس نے عبد الرحمٰن سے کہ ہم عبد اللہ کے ساتھ مکّہ آئے، پھر مزدلفہ آئے۔ اس روایت میں ہے کہ پھر فجر پڑھی جب فجر طلوع ہوئی، الحدیث۔ اور کہا، حدیث بیان کی عمرو بن خالد نے زہیر سے، اس نے ابواسحاق سے کہ میں نے عبد الرحمٰن ابن یزید سے سُنا ہے کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم مزدلفہ کو آئے۔ اس میں ہے جب فجر طلوع ہوئی تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت میں کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر یہ نماز، اسی جگہ، اسی دن، الحدیث۔ (ت)

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ما جاء فی الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۶

[2] صحیح مسلم استحباب زیادۃ التغلیس الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۷

[3] بخاری شریف کتاب المناسک باب متی یصلی الفجر بجمع " " " اصح المطابع کراچی ۱/۲۲۸

[4] " " باب من اذن واقام لکل واحدۃ منھما " " " " ۱/۲۲۷

اور یہ بھی اجماع موافق و مخالف ہے کہ عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ حقیقۃً غیر وقت میں پڑھیں تو فجر نحر و مغرب مزدلفہ کا حکم یقیناً مختلف ہے ہاں عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ متحد الحکم اور غیر وقت میں پڑھنے کے حقیقی معنی انھیں کے ساتھ خاص اور جب تک حقیقت بنتی ہو مجاز کی طرف عدول جائز نہیں نہ جمع بین الحقیقۃ و المجاز ممکن خصوصاً ملا جی کے نزدیک تو جب تک مانع قطعی موجود نہ ہو ظاہر پر حمل واجب اور شک نہیں کہ بے وقت پڑھنے سے ظاہر و متبادر وہی معنی ہیں جو اُن عصر و مغرب میں حاصل نہ وہ کہ فجر میں واقع تو واجب ہوا کہ جملہ صلّی الفجر اُن صلاتین کا بیان نہ ہو بلکہ یہ جملہ مستقلہ ہے اور صلاتین سے وہی عصر و مغرب مراد تو اُن میں اصلاً کسی کا ذکر ہرگز متروک نہیں، ہاں تفصیل میں پتے کے لیے ایک ہی کا نام لیا بوجہ کمال اشتہار دوسری کا ذکر مطوی کیا بحمد اللہ یہ معنی ہیں جواب علماء کے جس سے ملا جی کی فہم بیس اور ناحق آنچہ انسان میکند کی ہوس، ملا جی! اب اُس برابری کے بڑے بول کی خبریں کہئے کہ جو جواب تمھارا ہے وہی ہمارا سمجھیے خدا کی شان ؎

او گمان بردہ کہ من کردم چو او

فرق را کے بیند آں استیزہ جو

فائدہ: یہ معنے نفیس فیض فتاح علیم جل مجدہ سے قلب فقیر پر القاء ہوئے پھر ارکان اربعہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ مطالعہ میں آئی دیکھا تو بعینہٖ یہی معنے افادہ فرمائے ہیں والحمد للہ علی حسن التفہیم ارشاد فرماتے ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ:

وایضا، خبر الجمع انما نقلوا فی غزوۃ تبوک، وکان فی تلک الغزوۃ الاف من الرجال، وکان کل صلوا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولم یخبر منہم الا واحد او اثنان، ولم یشتہر، ولم یرو غیرہ، بل بعض الحاضرین انکروا ذلک، حتی قال ابن مسعود، ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتہا: الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع، وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتہا، رواہ الشیخان

نیز دو نمازوں کو جمع کرنے کی خبر صرف غزوۂ تبوک میں منقول ہے اور اس غزوے میں ہزاروں لوگ شامل تھے اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھی تھیں، مگر ایک یا دو کے علاوہ کسی نے جمع کرنے کا ذکر نہیں کیا، نہ یہ بات مشہور ہوئی، اس روایت کے علاوہ جمع کی کوئی روایت نہیں آئی ہے، بلکہ بعض حاضرینِ تبوک نے اس جمع سے صاف انکار کیا ہے، حتی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ — جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی باتوں سے تمسک کیا کرو۔

وابوداود والنسائی ، فنفی ابن مسعود ، الذی قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : تمسکوا بعھد ابن اُم عبد ، تقدیم صلاۃ عن الوقت وتاخیرھا ، واخبر بانہ لم یقع الا فی صلاتین ، بیّن احدھما ، وھو المغرب بجمع اخرھا الی وقت العشاء ، ولم یبین الاخر ، وھو العصر یوم عرفۃ ، بتقدیمہ فی وقت الظھر ، لشھرتہ ، ولیعلم بالمقایسۃ ، واخبر خبرا اٰخر ، وھو تقدیم الفجر عن الوقت المسنون المعتاد عندہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ واذا کان حال خبر الجمع ما ذکرنا وجب ردہ او تاویلہ۔[1]

نے فرمایا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی نماز بغیر وقت کے پڑھی ہو مگر دو نمازیں مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور اس دن فجر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی ــ بحوالہ بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، نسائی ــ اس طرح ابن مسعود نے نماز کی اپنے وقت سے تقدیم وتاخیر کی نفی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ ایسا صرف دو نمازوں میں ہُوا تھا ، جن میں سے ایک نماز کا تو انہوں نے ذکر کر دیا ، یعنی مزدلفہ کی مغرب ، کہ اس کو عشاء تک مؤخر کیا تھا ، مگر دوسری نماز کا ذکر نہیں کیا ، یعنی عرفہ کی عصر کا ، کہ اس کے ظہر کے وقت میں مقدم کرکے پڑھا تھا ، عدمِ ذکر کی وجہ ، اس کا مشہور ہونا ہے ، نیز یہ بات قیاس سے بھی معلوم ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ اس کی بجائے انہوں نے دوسرا واقعہ بیان کر دیا کہ فجر کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسنون اور اپنے معتاد وقت سے پہلے پڑھا ، تو جب جمع کی روایت کا حال یہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ، تو ضروری ہے کہ یا تو اس کو رد کر دیا جائے یا کوئی تاویل کی جائے ۔ (ت)

اور اس کے مطالعہ سے بحمد اللہ تعالیٰ ایک اور توارد حسن معلوم ہوا فقیر غفرلہ نے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پہلے جواب میں غروب شفق کو قرب غروب پر حمل اور اس محتمل کو اُن نصوص صریحہ مفسرہ کی طرف رد کیا اور قصّہ مرویہ ابن عمر کو واحد بتایا تھا بعینہٖ یہی مسلک ملک العلماء نے اختیار فرمایا ، فرماتے ہیں :

بل المراد بغروب الشفق ، قرب غروبہ ، لان القصۃ واحدۃ ، وما ذکرنا من قبل مفسر لا یقبل التاویل ، فیأول بقرب غروب الشفق ، او یقال : ھذا من وھم بعض الرواۃ ، واما ما ذکرنا اولا ، فھو مطابق

غروب شفق سے مراد غروب کے قریب ہونا ہے کیونکہ قصہ ایک ہی ہے اور ہم نے پہلے جو روایت بیان کی ہے وہ مفسَّر ہے ، تاویل کا احتمال نہیں رکھتی ، اس لیے یا تو غروب شفق کی ، قرب غروب سے تاویل کرنی پڑے گی ، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اور پہلے

---

[1] ارکان اربعہ بحر العلوم تتمہ فی الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۶

للامر المتقرر فی الشرع من تعیین الاوقات[1]۔

جو ہم نے روایت ذکر کی ہے وُہ شرع میں جو کچھ مقرر ہوچکا ہے یعنی تعیینِ اوقات، اس کے مطابق ہے۔ (ت)

بحمد اللہ تعالٰی تیسیر اتوارد اور واضح ہوا حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ میں کلام فقیر یاد کیجئے کہ اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہُوئی مگر فقیر کہتا ہے اس کا کون ساحرف جمع حقیقی میں نص ہے الخ بعینہٖ سی طریقہ مع شے زائد مولانا بحر قدس سرہٗ چلے بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں:

اما جمع التقدیم فلم یرو الا فی الروایات الشاذۃ لااعتداد بہا عند سطوع شمس القاطع۔ ثم لیس فی روایۃ ابی داود عن معاذ ما یدل علی تقدیم العصر عن وقتہا، وانما فیہ، اذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین الظہر و العصر، و یجوز ان یکون الجمع بان یؤخر الظہر الی اٰخر وقتہا ویعجل العصر اول وقتہا۔ او ان المراد بالجمع، الجمع فی نزول واحد، وانکا نتا ادیتا فی وقتیہما۔ فافہم۔ ھکذا ینبغی ان یفہم المقام[2]۔

رہی جمع تقدیم، تو اس کا ذکر صرف شاذ روایات میں ہے، اور قطعی دلیل کا سورج طلوع ہونے کے بعد ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پھر ابوداود کی روایت میں ایسا لفظ ہے بھی نہیں جو عصر کی اپنے وقت سے تقدیم پر دلالت کرتا ہو۔ اس میں تو صرف اتنا ہے کہ اگر روانگی سے پہلے سُورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر و عصر کو جمع کرلیتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ جمع اسی طرح کرتے ہوں کہ ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کردیتے ہوں اور عصر اوّل وقت میں پڑھ لیتے ہوں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جمع سے مراد یہ ہے کہ دونوں کو پڑھنے کے لیے ایک ہی مرتبہ اُترتے تھے، اگرچہ ادا اپنے اپنے وقت میں کرتے تھے۔ اس کو سمجھو۔ اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیے۔ (ت)

اور واقعی بحمد اللہ تعالٰی یہ تینوں مطالب عالیہ وہ جواہر غالیہ ہیں جن کی قدر اہلِ انصاف ہی جانیں گے علامہ بحر قدس سرہٗ سا فاضل جامع اجل و اغر دقیق النظر اگر ایک بیان مسلسل مجمل مختصر میں اُنھیں افادہ فرما جائے ان کی شان تدقیق سے کیا مستبعد پھر بھی ایک رنگ افتخار اُن کے کلام سے مترشح کر فرماتے ہیں ھکذا ینبغی ان یفہم المقام مگر فقیر حقیر قاصر فاتر پر ان جلائل قدسیہ زاہرہ اور اُن کے ساتھ اور دقائق و حقائق باہرہ مذکورہ کثیرہ وافرہ کا افادہ محض عطیہ علیہ حضرت وہاب جواد بے سبقت استحقاق و تقدم استعداد ہے ذلک فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۵ ربی لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک

---

[1] رسائل الارکان تتمۃ فی الجمع بین الصلوتین مطبوعہ مطبع علوی ص ۱۴۷ و ۱۴۸

[2] ایضاً ص ۱۴۸

وکمال الائک ووفور نعمائک صل وسلم وبارک علی اکرم انبیائک محمد و اٰلہ وسائر اصفیائک اٰمین۔

مولانا قدس سرہٗ ان نفائس عزیزہ کو بیان کرکے فرماتے ہیں:

انظر ما ادق نظر ائمتنا حیث لا تفوت عنھم دقیقۃ[1]

دیکھ تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نظر کیسی دقیق ہے کہ کوئی دقیقہ ان سے فروگزاشت نہیں ہوتا۔ (ت)

فقیر کہتا ہے ہاں واللہ آپ کے ائمہ اور کیا جانا کیسے ائمہ مالکان ازمہ وکاشفان غمہ ایسے ہی دقیق النظر و عالی مدارک وشاہان بزم وشیران معارک ہیں کہ منازل دقیق اجتہاد میں اوروں کے مساعی جمیلہ اُن کے توسن تیز رفتار کی گرد کو نہ پہنچے اور کیوں نہ ہو کہ آخر وہ وہی ہیں کہ اگر ایمان وعلم ثریا پر معلق ہوتا لے آتے آج کل کے کوران بے بصر اُن کے معارج علیہ سے بے خبر، اگر آئینہ عالمتاب میں اپنا منہ دیکھ کر طعن وتشنیع سے پیش آئیں کیا کیجئے ؎

مہ فشاند نور و سگ عوعو کند

ہر کسے بر خلقت خود مے تند

(چاند روشنی پھیلاتا ہے اور کتا بھونکتا ہے ہر کوئی اپنی فطرت کے مطابق چلتا ہے۔)

ان حضرات کی طویل وعریض بدزبانیوں کا نمونہ یہیں دیکھ لیجئے مسئلہ جمع میں مُلّاجی کے دعوے تھے کہ وہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور اُس کا خلاف کسی حدیث سے ثابت نہیں نہ جمع صوری پر اصلاً کوئی دلیل حنفیہ کے پاس ہے اب بحول وقوت رب قدیر سب اہل انصاف نے دیکھ لیا کہ کس ہستی پر یہ لن ترانی کس برتے پر تتا پانی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ثانیاً اقول وباللہ التوفیق اگر نظر تتبع کو رخصت جولاں دیجئے تو بعونہٖ تعالٰی واضح ہو کہ یہ جواب علما محض تنزلی تھا ورنہ اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع عرفات بھی ذکر فرماچکے، یہی حدیث سُنن نسائی کتاب المناسک باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفہ میں یُوں ہے:

اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ عن سلیمٰن عن عمارۃ بن عمیر عن عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلٰوۃ لوقتھا الا بجمع فی مزدلفۃ وعرفات[2]

ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعود نے خالد سے شعبہ سے عمارہ بن عمیر سے عبدالرحمٰن بن یزید سے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ وعرفات میں۔

---

[1] ارکان اربعہ لبحر العلوم تتمہ فی الجمع بین الصلوتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۸

[2] النسائی کتاب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ مکتبہ سلفیہ لاہور ۲/ ۳۹

مُلّاجی! اب کہئے مصیبت کا پہاڑ کس پر ٹوٹا! مُلّاجی! ابھی آپ کی نازک چھاتی پر دلی کی پہاڑی آئی ہے سخت جانی کے آسرے پر سانس باقی ہو تو سر بچایئے کہ عنقریب مکہ کا پہاڑ ابو قبیس آتا ہے۔ ملّاجی! دعوے اجتہاد پر ادھار کھائے پھرتے ہو اور علم حدیث کی ہوا نہ لگی احادیث مرویہ بالمعنے صحیحین وغیرہما صحاح وسنن مسانید ومعاجیم وجوامع واجزا وغیرہا میں دیکھیے صدہا مثالیں اس کی پایئے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دوسرا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے ولہذا امام الشان ابو حاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں ہم جب تک حدیث کو ساٹھ۶۰ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے۔ یہاں بھی مخرج حدیث اعمش بن عمارۃ عن عبد الرحمٰن عن عبد اللہ ہے اعمش کے بعد حدیث منتشر ہوئی اُن سے حفص بن غیاث وابو معٰویہ وابو عوانہ وعبد الواحد بن زیاد وجریر وسفیٰن وداؤد وشعبہ وغیرہم اجلّہ نے روایت کی یہ روایتیں الفاظ واطوار وبسط واختصار و ذکر واقتصار میں طرق شتی پر آئیں کسی میں مغرب وفجر کا ذکر ہے ظہر عرفہ مذکور نہیں کروایۃ الصحیحین کسی میں ظہر عرفہ ومغرب کا بیان ہے فجر مزدلفہ ماثور نہیں کروایۃ النسائی کسی میں صرف مغرب کا تذکرہ ہے ظہر وفجر وصیغہ ما رأیت وغیرہ کچھ مسطور نہیں

کحدیث النسائی ایضا فی المناسك، باب جمع الصلاتین بالمزدلفۃ، اخبرنا القاسم بن زکریا ثنا مصعب بن المقدام عن داود عن الاعمش عن عمارۃ عن عبد الرحمٰن بن یزید عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع بین المغرب والعشاء بجمع۔[1]

جیسا کہ نسائی کی حدیث جو کتاب المناسک، باب جمع الصلاتین بمزدلفہ میں ہے حدیث بیان کی ہم سے قاسم ابن زکریا نے مصعب ابن مقدام سے، اس نے داؤد سے، اس نے اعمش سے، اس نے عمارہ سے، اس نے عبد الرحمٰن ابن یزید سے، اس نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا۔ (ت)

اکثر میں نماز فجر پیش از وقت مذکور ہے وھو بطریق کل ما ذکرنا من رواۃ الاعمش ما خلا جریرا (سوائے جریر کے اعمش کے جتنے راوی ہم نے ذکر کیے ہیں اسی طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ ت) کسی میں لفظ بغلس مفید واقع ومصرح مرام کی تصریح ہے کما مر لمسلم من حدیث الضبی (جیسا کہ مسلم کے حوالے سے ضبی کی حدیث گزری ہے۔ ت) ان تنوعات سے نہ وہ حدیثیں متعدد ہو جائیں گی نہ ایک طریق دوسرے کا نافی ومنافی ہوگا بلکہ ان کے اجتماع سے جو حاصل ہو وہ حدیث تام قرار پائے گا۔ اب خواہ یہ اختلاف رواۃ اعمش کی روایت بالمعنے سے ناشی ہُوا خواہ خود اعمش نے

---

[1] سنن النسائی　الجمع بین الصلاۃ بالمزدلفہ　مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور　۲/ ۴۰

مختلف اوقات میں مختلف طور پر روایت بالمعنے کی اور ہر راوی نے اپنی مسموع پہنچائی چاہے یہ تنویع اعمش نے خود کی چاہے عمارہ یا عبدالرحمٰن سے ہوئی اور وہ سب اعمش نے سُنی یا اعمش کو پہنچی خواہ اصل منتہائے سند سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اوقات عدیدہ میں حسبِ حاجت مختلف طوروں پر ارشاد فرمائی مثلاً شبِ مزدلفہ راہِ مزدلفہ میں یا وہاں پہنچ کر آج کی مغرب وفجر کا مسئلہ ارشاد کرنے کے لیے صرف انھیں دو کا ذکر فرمایا عصر تو سب کے سامنے ابھی جمع کر چکے تھے اُس کے بیان کی حاجت کیا تھی دوسرے وقت جمع بین الصلاتین کا مسئلہ پیش ہو وہاں ذکرِ فجر کی حاجت نہ تھی عصرِ عرفہ ومغربِ مزدلفہ کے ذکر پر قناعت کی کہ سوا ان دو نمازوں کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی جمع نہ فرمائی اور کسی وقت مغرب وعشائے مزدلفہ کا ذکر ہو کہ ان میں سنّت کیا ہے اس وقت یہ پچھلی حدیث مختصر افادہ کی۔

ثم اقول لطف یہ کہ یہی **حدیث** ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسرے مخرج مروی صحیح بخاری وسنن نسائی سے سیدنا امام محمد نے آثار مرویہ کتاب الحج میں بسندِ جلیل وصحیح جس کے سب رواۃ اجلۂ ثقات وائمۂ اثبات ورجال صحیحین بلکہ صحاح ستّہ سے ہیں یُوں روایت فرمائی:

اخبرنا سلام بن سلیم الحنفی عن ابی اسحٰق السبیعی عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن علقمۃ بن قیس والاسود بن یزید قالا کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لاجمع بین الصلاتین الابعرفۃ الظھر والعصر[1]۔

سلام بن سلیمٰن الحنفی ابواسحاق سبیعی سے وہ عبدالرحمٰن بن اسود سے وہ علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید سے راوی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے تھے جمع بین الصلاتین جائز نہیں مگر عرفہ میں ظہر وعصر۔

کیوں مُلّاجی! اب یہاں کہہ دینا کہ ابن مسعود نے فقط جمع عرفات دیکھی جمع مزدلفہ خارج رہی حالانکہ ہرگز نہ اس سے اعراض نہ اس پر اعتراض بلکہ ہر محل وموقع کلام میں وہاں کی قدر حاجت پر اقتصار ہے یہاں مسافر کے جمع بین الظہر والعصر کا ذکر ہوگا اُس پر فرمایا کہ ان میں جمع صرف روزِ عرفہ عرفات میں ہے اس کے سوا ناجائز، ولہذا الصلاتین معرف بلام فرمایا جس میں اصل عہد ہے۔ مُلّاجی! کُتبِ حدیث آنکھ کھول کر دیکھو روایات بالمعنٰی کے یہی انداز آتے ہیں خصوصاً امام بخاری تو بذاتِ خود اپنی جامع صحیح میں اس کے عادی ہیں حدیث کو ابواب مختلفہ میں بقدرِ حاجت پارہ پارہ کرکے لاتے ہیں اس سے ایک پارہ دوسرے کو رَد نہیں کرتا بلکہ وہ مجموع حدیث کا حل ٹھہرتی ہے۔

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلوتین دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۵

پس بحمد اللہ تعالٰی واضح وآشکار ہوا کہ یہ حدیث بھی تمام وکمال یوں ہے کہ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو نمازیں جمع فرمائی ہوں کبھی کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے یا وقت کے بعد پڑھی ہو مگر صرف دو عصر عرفہ وقت ظہر اور مغرب مزدلفہ وقت عشاء، اور اُس دن فجر کو بھی وقت مسنون ومعمول سے پہلے طلوعِ فجر کے بعد ہی تاریکی میں پڑھ لیا تھا اُس دن کے سوا کبھی ایسا بھی نہ کیا۔ الحمد للہ کہ آفتابِ حق وصواب بے پردہ وحجاب رابعۃ النہار پر پہنچا، اب اس حدیث نسائی جامع ذکر عرفہ ومزدلفہ پر مُلّاجی نے بکمال مکابرہ جو چوٹیں کی ہیں اُن کی خدمت گزاری کیجئے اور رسالہ ضیا پناہ رسالہ کو باذنہٖ تعالٰی شب تمام کا مژدہ دیجئے واللہ المعین وبہٖ نستعین۔

لطیفہ یارب جہل جاہلین سے تیری پناہ، مُلّاجی تو ردِ احادیث وجرحِ ثقات وقدحِ صحاح کے دھنی ہیں۔ عمل بالحدیث کے ادعائی راج میں انھیں مکابروں کی دیواریں چُنی ہیں۔ حدیث صحیح نسائی شریف کو دیکھا کہ انھیں مصیبت کا پہاڑ توڑے گی۔ حضرت کے گُلِ سرسبد کو رنگ تہ گلن بنا چھوڑے گی لہٰذا بنامِ حیا سے تیغِ ادانسکالی اور احادیثِ صحاح میں ہمیں مضمون فریقاً تکذبون وفریقاً تقتلون کی یوں بنا ڈالی[ف] حدیثِ نسائی کی نامقبول اور مجروح اور متروک ہے دو راوی اس کے مجروح ہیں ایک سلیمٰن بن ارقم کہ اُس کی توثیق کسی نے نہیں کی بلکہ ضعیف کہا اس کو تقریب میں سلیمٰن بن ارقم ضعیف اور ایک خالد بن مخلد کہ یہ شخص رافضی تھا اور صاحب احادیث افراد کہا تقریب میں خالد بن مخلد صدوق تشیع ولہ افراد۔

اقول اولاً وہی مُلّاجی کی قدیمی سفاہت تشیع ورفض کے فرق سے جہالت۔

ثانیاً صحیحین سے وہی پُرانی عداوت خالد بن مخلد نہ صرف نسائی بلکہ بخاری ومسلم وغیرہما جملہ صحاح ستہ کے رجال سے ہے امام بخاری کا خاص اُستاذ اور مسلم وغیرہ کا اُستاذ الاستاذ۔

ثالثاً مُلّاجی! تم نے تو علمِ حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف ومتشیع وصاحبِ افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحبِ افراد ہوتا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں، صحیحین دیکھیے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع[عہ۱] موجود ہیں اور لہ[عہ۲] افراد والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت لہ اوھام یھم، ربما وھم، یخطئ، یخطئ کثیرا، کثیر الخطاء، کثیر الغلط وغیرہا والے ذکر کر آئے، رہا ضعیف اُس میں اور متروک میں بھی زمین وآسمان کا بل ہے ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول ومطلوب ہے بخلاف متروک اس معنے اور اس کے متعلقات کی

عہ۱ مثل ابانٌ بن یزید العطار، یزیدٌ بن ابی انیسۃ، عبد الرحمٰن بن غزوان وغیرھم ۱۲ منہ (م)

عہ۲ جن میں تیس۳۰ سے زیادہ حواشی فصل اول پر مذکور ہوئے ۱۲ منہ (م)

ف معیار الحق ص۳۸۴

9

تحقیقاتِ جلیلہ فقیر غفرلہ القدیر کے رسالہ **الهاد الکاف فی حکم الضعاف**[۱۳] میں مطالعہ کیجئے اور سرِدست اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھیے کہ ضعیف درجۂ ثامنہ اور متروک اُس کے دو پایہ نیچے درجۂ عاشرہ میں ہے خود[ع] بعض ضعفاء رجال شیخین میں اگرچہ متابعۃً یا یوں بھی واقع جس سے اُن کا نامتروک ہونا واضح۔

ع مثل اسُید بن زید، اسبَاط ابو الیسع، عبُد الکریم بن ابی المخارق، والاشعث بن سوار، زمعۃ بن صالح، محمّد بن یزید الرفاعی، محمد بن عبد الرحمٰن مولی بنی زھرۃ، احمدُ بن یزید الحرانی، اُبی بن عباس وغیرھم، قال فی التقریب فی الخمسۃ الاول: ضعیف، والسادس لیس بالقوی، والسابع مجھول، والثامن ضعفہ ابو حاتم، والتاسع فیہ ضعف۔ وعبد الکریم، علم لہ المزی فی التھذیب خت، وتبعہ فی المیزان، فقال: اخرج لہ خ تعلیقا، و م متابعۃ۔ وکذا تابعہ الحافظ فی رموز التقریب، ثم نبہ ان الصواب خ، حیث ذکر مالہ فی الجامع الصحیح، ثم قال: ھذا موصول ولیس معلقا۔ وقال فی الرفاعی: ذکرہ ابن عدی فی شیوخ البخاری، وجزم الخطیب بان البخاری روی عنہ، لکن قد قال البخاری: رأیتھم مجمعین علی ضعفہ۔[۱] اھ قلت: المثبت اثبت، فلذا

مثلاً (۱) اسید (۲) اسباط (۳) عبد الکریم (۴) اشعث (۵) زمعہ (۶) محمد ابن یزید رفاعی (۷) محمد بن عبد الرحمٰن (۸) احمد (۹) اُبی اور دوسرے۔

تقریب میں کہا کہ پہلے پانچ ضعیف ہیں، چھٹا بھی خاص قوی نہیں ہے، ساتواں مجہول ہے، آٹھویں کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے، نویں میں بھی ضعف ہے۔

عبد الکریم کے لیے مزی نے تہذیب میں "خت" کی علامت لگائی ہے (واضح رہے کہ "خ" سے مراد بخاری ہے اور "ت" سے تعلیق، یعنی بخاری نے بھی اس کی روایت تعلیقاً لی ہے) میزان میں بھی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے بخاری نے تعلیقاً اور مسلم نے متابعۃً روایت کی ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی تقریب کی علامات میں اس کی پیروی کی ہے لیکن پھر متنبہ کیا ہے کہ صحیح "خ" ہے ("خت" نہیں) چنانچہ حافظ نے پہلے تو عبد الکریم کی وُہ روایت ذکر کی ہے جو بخاری میں ہے، پھر کہا ہے کہ یہ روایت وصل کے ساتھ ہے نہ کہ تعلیق کے طور پر۔ (اس لیے "خ" کے ساتھ "ت" نہیں ہونی چاہئے کیونکہ "ت" تعلیق کی علامت ہے)

(محمد ابن یزید) رفاعی کے بارے میں کہا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[۱] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۶۴۲۱ محمد بن یزید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۴۷-۱۴۸

رابعاً یہ سب کلام ملّاجی کی غیبی بول عیبی احکام مان کر تھا حضرت کی اندرونی حالت دیکھیے تو پھر حسبِ عادت جو رواۃِ حدیث بے نسب ونسبت پائے ان میں جہاں تحریف وتصرف کا موقع ملا وہی تبدیل کا رنگ لائے سند میں تھا عن شعبۃ عن سلیمٰن۔ اب ملّاجی اپنی مبلغ علم تقریب کھول کر بیٹھے رواۃ نسائی میں شعبہ نام کا کوئی نہ ملا جس پر تقریب میں کچھ بھی جرح کی ہو لہذا وہاں بس نہ چلا سلیمٰن کو دیکھیں تو پہلی بسم اللہ یہی سلیمٰن بن ارقم ضعیف نظر پڑا حکم جڑ دیا کہ سند میں وہی مراد اور حدیث مردود، ملّاجی! اپنے دھرم کی قسم سچ بتانا یہ جبروتی حکم آپ نے کس دلیل سے جمایا، کیا اسی کا نام محدّثی ہے، سچے ہو تو برہان لاؤ ورنہ اپنے کذب وعیب رجم بالغیب پر ایمان قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین حق طلبان وحق نیوش کو اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ مخرج حدیث اعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ ہے بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہم سب کے یہاں حدیث عمارہ بطریق امام اعمش ہی مذکور، صحیحین کی تین سندیں بطرق حفص بن غیاث وابی معٰویۃ وجریر کلھم عن الاعمش عن عمارۃ صدر کلام میں، اور ایک سند نسائی بطریق داؤد عن الاعمش عن عمارۃ اس کے بعد سن چکے۔ پنجم نسائی کتاب الصلٰوۃ میں ہے: اخبرنا قتیبۃ ثنا سفیٰن نا الاعمش عن عمارۃ الخ[1] ششم نسائی مناسک باب الوقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علمنا علیہ خ، واخرناھا عن لمکان تردد الحافظ۔ والانصاف ان فلیحا وعبادا وامثالھا ایضا ضعفاء، والعذر ما افادہ الامام ابن الصلاح وتبعہ النووی وغیرہ فارجع واعرف۔ واللہ تعالٰی اعلم (م)

کہ اس کو ابن عدی نے بخاری کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور خطیب نے بیقین ظاہر کیا ہے کہ بخاری نے اس سے روایت کی ہے، لیکن بخاری ہی نے کہا ہے کہ میں نے محدثین کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے اھ میں نے کہا ثابت کرنے والے کی بات زیادہ پختہ ہوتی ہے (اور ابن عدی نے اس کا شیخ بخاری ہونا ثابت کیا ہے) اس لیے ہم نے بھی اس کے نام پر "خ" کی علامت لگائی ہے۔ لیکن حافظ کو چونکہ اس کے شیخ بخاری ہونے میں تردد ہے اس لیے "خ" کو ہم نے "م" کے بعد لگایا ہے ("م" سے مراد مسلم ہے) اور انصاف کی بات یہ ہے کہ فلیح، عباد اور ان جیسے اور کئی راوی بھی ضعیف ہیں (اس کے باوجود ان کی روایات صحاح میں پائی جاتی ہیں) امام ابن الصلاح نے اس کی معذرت خواہانہ وجہ بیان کی ہے اور نووی وغیرہ نے بھی ان کا اتباع کیا ہے، اس لیے ان کی طرف مراجعت کرو اور سمجھو! واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] سنن النسائی الجمع بین المغرب والعشاء الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

20
20

الذی یصلی فیہ الصبح بالمزدلفۃ اخبرنا محمد بن العلاء ثنا ابومعٰویۃ عن الاعمش عن عمارۃ[1] الخ ہفتم سنن ابی داؤد حدثنا مسدد ان عبدالواحد بن زیاد وابا عوانۃ واباامعٰویۃ حدثوھم عن الاعمش عن عمارۃ[2] ہشتم امام طحاوی حدثنا حسین بن نصر ثنا قبیصۃ بن عقبۃ والفریابی قالا ثنا سفیٰن عن الاعمش عن عمارۃ بن عمیر[3] الخ۔ یہ امام اعمش امام اجل ثقہ ثبت حجت حافظ ضابط کبیر القدر جلیل الفخر اجلہ ائمہ تابعین و رجال صحاح ستّہ سے ہیں جن کی وثاقت عدالت جلالت آفتاب نیمروز سے روشن تر ان کا اسم مبارک سلیمٰن ہے وہی یہاں مراد، کاش تضعیف ابن ارقم دیکھ پانے کی خوشی ملّاجی کی آنکھیں بند نہ کردیتی تو آگے سوجھتا کہ دنیا میں ایک یہی سلیمٰن نہیں دو ورق لوٹتے تو اسی تقریب میں تھا، سلیمٰن بن مھران الاعمش ثقۃ حافظ عارف بالقراءات ورع[4] (سلیمٰن ابن مہران اعمش، ثقہ ہے، حافظ ہے، قراءۃ کو جاننے والا ہے، متقی ہے۔ ت) جن حضرات کا جوشِ تمیز اس حد تک پہنچا ہوا ُن سے کیا کہا جائے کہ ان سلیمٰن سے راوی بھی آپ نے دیکھے کون ہیں امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج جنھیں التزام تھا کہ ضعیف لوگوں سے حدیث روایت نہ کریں گے جس کی تفصیل فقیر کے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں مذکور وہ اور ابن ارقم سے روایت مگر ناواقفوں سے ان باتوں کی کیا شکایت!

خامساً حضرت کو اپنی پرانی مشق صاف کرنے کو اُسی طرح کا ایک اور نام ہاتھ لگا یعنی خالد امام نسائی نے فرمایا تھا، اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ بیدھڑک حکم لگادیا کہ اس سے مراد خالد بن مخلد رافضی ہے ملّاجی! پانچ پیسے کی شیرینی تو ہم بھی چڑھائیں گے اگر ثبوت دو کہ یہاں خالد سے یہ شخص مراد ہے، مُلّاجی! تم کیا جانو کہ ائمہ محدثین کس حالت میں اپنے شیخ کے مجرد نام بے ذکر ممیز پر اکتفا کرتے ہیں، ملّاجی صحابہ کرام میں عبداللہ کتنے بکثرت ہیں خصوصاً عبادلہ خمسہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر کیا وجہ ہے کہ جب بصری عن عبداللہ کہے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوں گے، اور کوئی کہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر رواۃ مابعد میں تو عبداللہ صدہا ہیں مگر جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو خواہ مخواہ ابن المبارک ہیں، محمدین کا شمار کون کرسکتا ہے مگر جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر کے سوا کسی طرف ذہن نہ جائے گا وعلٰی ہذا القیاس صدہا مثالیں ہیں جنھیں ادنٰی ادنٰی خدّامِ حدیث جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔ مُلّاجی! یہ

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یصلی فیہ الصبح بالمزدلفہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۴۶/۲

[2] سنن ابی داؤد باب الصلوٰۃ بجمع آفتاب عالم پریس لاہور ۲۶۷/۱

[3] شرح معانی الآثار الجمع بین الصلوٰتین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۳/۱

[4] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۲۶۲۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳۹۲/۱

خالد امام اجل ثقہ ثبت حافظ جلیل الشان خالد بن حارث بصری ہیں کہ امام شعبہ بن الحجاج بصری کے خُلّص تلامذہ اور امام اسمٰعیل بن مسعود بصری کے اجل اساتذہ اور رجال صحاح ستّہ سے ہیں اسمٰعیل بن مسعود کو اُن سے اور انھیں شعبہ سے اکثار روایت بدرجہ غایت ہے، اسی سنن نسائی میں اسمٰعیل کی بیسیوں روایات اُن سے موجود، ان میں بہت خاص اسی طریق سے ہیں کہ اسمٰعیل خالد بن حارث سے اور خالد شعبہ بن الحجاج سے ان میں بہت جگہ خود اسمٰعیل نے نسبِ خالد مصرحاً بیان کیا ہے۔ بہت جگہ انھوں نے حسبِ عادت مطلق چھوڑا۔ امام نسائی نے واضح فرمادیا ہے بہت جگہ سابق و لاحق بیانوں کے اعتماد پر یوں ہی مطلق باقی رکھا ہے ہیں آپ کا حجاب ناواقفی توڑنے کو ہر قسم کی مصرح روایات سے بہ نشان کتاب و باب کچھ حاضر کروں۔

طریق شعبة: (۱) کتاب الافتتاح باب التطبیق اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبة عن سلیمٰن[۱] الخ۔

(۲) کتاب الطہارة باب النضح اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبة[۲] الخ۔

(۳) کتاب المواقیت الرخصة فی الصلاة بعد العصر اخبرنا اسمعیل بن مسعود عن خالد بن الحارث عن شعبة[۳] الخ۔

(۴) کتاب الامامة الجماعة اذا کانوا اثنین اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث عن شعبة[۴] الخ۔

(۵) کتاب السہو باب التحری اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبة[۵] الخ۔

(تصریح اسمعیل سوے مامر)

(۶) کتاب الامامة الرخصة للامام فی التطویل اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث[۶] الخ۔

---

[۱] النسائی باب التطبیق مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۲۳

[۲] " باب النضح " " " ۱/۱۹

[۳] " الرخصة فی الصلوٰة بعد العصر " " " ۱/۶۷

[۴] " الجماعة اذا کانوا اثنین " " " ۱/۹۷

[۵] " باب التحری " " " ۱/۱۴۶

[۶] " الرخصة للامام فی التطویل " " " ۱/۹۴

(۷) کتاب قیام اللیل باب وقت رکعتی الفجر اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث[۱] الخ۔

(۸) کتاب الزکوٰۃ عطیۃ المرأۃ بغیر اذن زوجھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد بن حارث[۲] الخ۔

(۹) المزارعۃ احادیث النھی عن کری الارض بالثلث والربع اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث[۳] الخ۔

(۱۰) القسامۃ والقود باب عقل الاصابع اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث[۴] الخ۔

(تصریح النسائی)

(۱۱) کتاب الحیض مضاجعۃ الحیض فی ثیاب حیضتھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد ھو ابن الحارث[۵] الخ۔

(۱۲) قبیل کتاب الجمعۃ باب اذا قیل للرجل ھل صلیت اخبرنا اسمعیل بن مسعود و محمد بن عبد الاعلی قالا حدثنا خالد ھو ابن الحارث[۶] الخ۔

(۱۳) کتاب الصیام التقدم قبل شھر رمضان اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد و ھو ابن الحارث[۷]۔

(۱۴) المزارعۃ من الاحادیث المذکورۃ اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد و ھو ابن الحارث[۸]۔

(۱۵) کتاب الاشربۃ الترخیص فی انتباذ البسر اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد یعنی ابن الحارث[۹] الخ۔

کیوں ملاجی! یہ کیا دین و دیانت ہے کہ حدیثیں رد کرنے کو ایسے جھوٹے فقرے بناؤ اور بے تکان جزم کرتے ہوئے پلک تک نہ جھپکاؤ، وہ تو خدا نے خیر کر لی کہ امام نسائی نے اسمٰعیل بن مسعود کہہ دیا تھا کہیں نرا اسمٰعیل ہوتا تو ملاجی کو کہتے کیا لگتا کہ یہ حدیث تم اہل سنت کے نزدیک سخت مردود کہ اس کی سند میں اسمٰعیل دہلوی موجود۔

۱؎ سنن النسائی	باب وقت رکعتی الفجر	مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور		۱/۲۰۶
۲؎ 〃 〃	عطیۃ المرأۃ الخ	〃 〃 〃		۱/۲۸۹
۳؎ سنن النسائی	الثالث من الشروط فیہ المزارعۃ والوثائق	〃 〃 〃		۲/۱۴۳
۴؎ سنن النسائی	باب عقل الاصابع	مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور		۲/۲۴۷
۵؎ سنن النسائی	مضاجعۃ الحیض الخ	〃 〃 〃		۱/۴۳
۶؎ 〃 〃	باب اذا قیل للرجل الخ	〃 〃 〃		۱/۱۶۰
۷؎ 〃 〃	التقدم قبل شھر رمضان	〃		۱/۲۴۹
۸؎ 〃 〃	المزارعۃ من الاحادیث مذکورۃ			۲/۱۴۶
۹؎ 〃 〃	الترخیص فی انتباذ البسر الخ	〃 مطبع سلفیہ لاہور		۲/۳۲۱

مُلاّجی! صرف ایک مسئلے میں اول تا آخر اتنی خرافات، علمِ حدیث کی کُھلی کُھلی باتوں سے یہ جاہلانہ مخالفات، اگر دیدہ و دانستہ ہیں تو شکایت کیا ہے کہ اخفائے حق و تلبیسِ باطل و تلبیسِ عامی و اغوائے جاہل، طوائف ضالہ کا ہمیشہ داب رہا ہے، اور اگر خود حضرت کی حدیث دانی اتنی ہے تو خدا را خدا و رسول سے حیا کیجئے، اپنے دین دھرم پر دیا کیجئے یہ مُنہ اور اجتہاد کی لپک، یہ لیاقت اور مجتہدین پر ہمک، عمرو فا کرے تو آٹھ دس برس کسی ذی علم مقلد کی کفش برداری کیجئے، حدیث کے متون و شروح و اصول و رجال کی کتابیں سمجھ کر پڑھ لیجئے اور یہ نہ شرمائیے کہ بوڑھے طوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں، ہنسنے دو ہنستے ہی گھر بستے ہیں، اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مر گئے جب بھی شہادت، بشرطِ صحت ایمان و حسنِ نیت واللہ الهادی لقلب اخبت۔

الحمد للہ مہرِ حق متجلی ہوا اور آفتابِ صواب متجلی، جن جن احادیث سے جمع بین الصلاتین کا ثبوت نہ سہل ثبوت بلکہ قطعی ثبوت زعم کیا گیا تھا واضح ہُوا کہ اُن میں ایک حرف مثبت مقال نہیں مذہب حنفی اثبات صوری و نفی حقیقی دونوں میں بے دلیل بتادیا تھا، روشن ہُوا کہ قرآن و حدیث اُسی کے موافق دلائل ساطعہ اُسی پر ناطق جن میں رد و انکار کی اصلاً مجال نہیں، اور بعونہ تعالیٰ بطفیل مسئلہ وہ تازہ مجملہ کہنہ مشغلہ ادعائے عمل بالحدیث کا اُشغلا اُس کا بھرم بھی من ماننا کھلا کہ ہماسے غرض ہوس سے کام اور اتباعِ حدیث کا نام بدنام، پُرانے پُرانے حد کے سیانے جب اپنی سخن پروری پر آئیں صحیح حدیثوں کو مردود بتائیں فقہا ائمہ کو مطعون بتائیں، بخاری و مسلم پس پشت ڈالیں، اُن کے رواۃ و اسانید میں شاخسانے نکالیں، ہزار چھل کریں سو ہزار پیچ جیسے بنے صحیح حدیثیں پیچ، امام مالک و امام شافعی کی تقلید حرام نہ فقط حرام کہ شرک کا پیغام، مگر جب حنفیہ کے مقابل دم پر بنے مجتہد چھوڑ مقلدوں کی تقلید سے گاڑھی چھنے، اب ایک ایک شافعی مالکی کو جھک جھک کر سلام اُس کے پاؤں پکڑ اُس کا دامن تھام، یہ بڑا پیشوا وُہ ہماری امام، اُن میں جس کا کلام کہیں ہاتھ لگ گیا اگرچہ کیسا ہی ضعیف کتنا ہی خطا بس خضر مل گئے غنچے کھل گئے، اندر کے جی کے کواڑ کھل گئے سب کوفت سوخت کے غبار دُھل گئے، وحی مل گئی ایمان لے آئے اُسی سے حنفیہ پر حجت لائے، اب خبردار کوئی پیچھے نہ پڑو اجبار و رہبان کی آیت نہ پڑھو، چھٹکارے کی گھڑی بچاؤ کا وقت ہے، شرک بلا سے ہواب تو مکت ہے۔ مسلمانو حضرات کے یہ انداز دیکھے بھالے اپنا ایمان بچائیے سنبھالے، فریب میں نہ آنا یہ زہر در جام ہیں دھوکا نہ کھانا، سبزہ بر دام ہیں بے مہاروں کی چال ہر حال بُری ہے تقلید سے بری ائمہ سے بری ہے، بے راہ روی کا دھیان نہ لانا چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلانا، اتباعِ ائمہ راہِ ہُدیٰ ہے راہِ ہُدیٰ کا والی خدا ہے، وللہ الحمد ولی الهدایة منه البدایة والیه النهایة۔

خلاصة الكلام وحسن الختام الحمد للہ سخن اپنے ذروۂ اقصیٰ کو پہنچا اب ملخص کلام و حاصل مرام چند باتیں یاد رکھئے:

اوّلاً جمع صوری بدلائل صحیحہ روشن ثبوت سے بے پردہ وحجاب اور اُس کا انکار انکارِ آفتاب۔

ثانیاً کسی حدیث صحیح میں جمع تقدیم کا نام کو بھی اصلاً پتا نہیں اُس کی نسبت ادعائے قطعی ثبوت محض نسج العنکبوت۔

ثالثاً جمع تاخیر میں بھی کوئی حدیث صحیح صریح جیسا کہ ادعا کیا جاتا ہے ہرگز موجود نہیں یا ضعاف ومناکیر ہیں یا محض بے علاقہ یا صاف محتمل اور محتملات سے ہوسِ اثبات مہمل و مختل۔

رابعاً جب جمع صوری پر ثبوت مفسر متعین ناقابل تاویل قائم تو محتملات خصوصاً حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اُسی کی طرف رجوع لازم کہ قاعدہ ارجاع محتمل بہ متعین ہے نہ عکس کہ سراسر نکس۔

خامساً نماز بعد شہادتین اہم فرائض واعظم ارکان اسلام ہے اور اُس میں رعایت وقت کی فرضیت اوراظہر ضروریاتِ دین سے جسے مسلمانوں کا ایک ایک بچّہ جانتا ہے یوہیں اوقاتِ خمسہ غایت شہرت واستفاضہ پر بالغ حد تواتر ہیں اگر حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حالتِ سفر میں جس کی ضرورت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر شخص کو رہی اور رہتی ہے چار نمازوں کے لیے اوقاتِ مشہورہ معلومہ معروفہ کے سوا قولاً یا فعلاً کوئی اور حکم عطا فرمایا ہوتا تو واجب تھا کہ جس شہرت جلیلہ کے ساتھ اوقاتِ خمسہ منقول ہوئے اُسی طرح یہ نیا وقت بھی نقل کیا جاتا آخر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فعل کسی خلوت میں نہ کیا غزوۂ تبوک میں ہزارہا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہِ رکاب سعادت مآب تھے اگر حضور جمع فرماتے بلاشبہہ وہ سب کے سب دیکھتے اور کثرت رواۃ سے اسے بھی مشہور کر چھوڑتے یہ کیا کہ ایسی عظیم بات ایسے جلیل فرض کے ایسے ضروری لازم میں ایسی صریح تبدیل ایسے مجمع کثیر کے سامنے واقع ہو اور اُسے یہی دو ایک راوی روایت فرمائیں تو بلاشبہہ یہی جمع صوری فرمائی جس میں نہ وقت بدلا نہ کسی حکم میں تغیر نے راہ پائی کہ اُس کے اشتہار پر دواعی متوفر ہوتے نظرِ انصاف صاف ہو تو صرف ایک یہی کلام تمام دلائل خلاف کے جواب کو بس ہے کہ جب باوصف توفر دواعی نقل آحاد ہے تو لاجرم جمع صوری پر محمول کہ توفر مہجور اور بالفرض کوئی روایتِ مفسرہ ناقابل تاویل ملے تو متروک العمل کہ ایسی جگہ آحاد رہنا عقل سے دُور۔

سادساً نمازوں کے لیے تعین وتخصیص اوقات وآیات قرآن عظیم واحادیثِ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قطعی الثبوت ہے اگر کہیں اُس کا خلاف مانیے تو وہ بھی ویسا ہی قطعی چاہیے جیسے عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل۔

سابعاً بالفرض اگر مثل منع دلائل جمع بھی قابل سمع تسلیم کیجئے تاہم ترجیح منع کو ہے کہ جب حاظر ومبیح مجتمع ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

ثامناً جانب جمع صرف نقل فعل ہے قول اگر ہے تو جمع صوری میں اور جانب منع دلائل قولیہ وفعلیہ دونوں موجود اور قول فعل پر مرجح تو مجموع قول وفعل محض نقل فعل پر بدرجہ اولٰی۔

تاسعاً افقہیت راوی اور مرجح منع ہے کہ ابن عمر وانس میں کسی کو فقاہت جلیلہ عبداللہ بن مسعود تک رسائی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تمسکوا بعهد ابن ام عبد[1] (ابن ام عبد کی باتوں سے تمسک کیا کرو) رواہ الترمذی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (نوٹ، اصل متن ترمذی میں الفاظ یوں ہیں تمسکوا بعهد ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ نذیر احمد)

مرقاۃ میں ہے اسی لیے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُن کی روایت وقول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں[2]۔

یہ وہی ابن مسعود ہیں جنھیں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاحب سرّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے:

ان اشبه الناس دلا وسمتا وهديا برسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لابن ام عبد[3]۔ رواه البخاری والترمذی والنسائی۔

بیشک چال ڈھال روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یہ وہی ابن مسعود ہیں جنھیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے: کنیف ملئ علما[4] (ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہوئی)

نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رضيت لامتی مارضی لها

---

[1] جامع الترمذی، مناقب عبداللہ بن مسعود، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۱

[2] مرقات المفاتیح، جامع المناقب، الفصل الاول، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱/۴۰۹

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ بخاری، باب جامع المناقب، مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۷۴

جامع الترمذی، مناقب عبداللہ بن مسعود، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۲

ف: مشکوٰۃ میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں جبکہ ترمذی میں الفاظ یوں ہیں: کان اقرب الناس هديا ودلا وسمتا برسول الله صلى الله وسلم ابن مسعود اور بخاری میں الفاظ یوں ہیں ما اعلم احدا اقرب سمتا وهديا ودلا بالنبی صلى الله عليه وسلم من ابن ام عبد۔ ۲/۲۵۹

[4] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ عبداللہ بن مسعود (مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ

[5] المستدرک کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت) ۳/۳۱۷

ابن ام عبد (میں نے اپنی اُمت کے لیے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لیے پسند کرے) رواہ الحاکم بسند صحیح۔

لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم و فقاہت میں زائد ہیں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

ھو عند ائمتنا افقہ الصحابۃ بعد الخلفاء الاربعۃ[2]۔ ہمارے ائمہ کے نزدیک ابن مسعود خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (ت)

عاشراً اگر بالفرض براہین منع و ادلۂ جمع کا نٹے کی تول برابر ہی سہی تاہم منع ہی کو ترجیح رہے گی کہ اس میں احتیاط زائد ہے اگر عند اللہ جمع درست بھی ہوئی تو ایک جائز بات ہے جس کے ترک میں بالاجماع گناہ نہیں بلکہ اتفاق اُس کا ترک ہی افضل ہے اور اگر عند اللہ نادرست ہے تو جمع تاخیر میں نماز دانستہ قضا کرنی ہوگی اور جمع تقدیم میں سرے سے ادا ہی نہ ہوگی فرض گردن پر رہے گا تو ایسی بات جس کا ایک پہلو خلاف اولیٰ اور دوسری جانب حرام و گناہِ کبیرہ ہو عاقل کا کام یہی ہے کہ اُس سے احتراز کرے، یہاں جو ملا جی ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر لکھ گئے ہیں کہ تشکیک مذکور اُس صورت میں جاری ہوتی ہے جس میں طرفین کا مذہب مدلل بدلائل ہو اور صورت اختلاف کی ہو حالانکہ مسئلہ جمع میں مانعین کا دعویٰ بے دلیل ہے اور ناجائز کہنا ان کا خلاف ہے اختلاف نہیں پس اگر صحت میں عمل مدلل بدلائل کے قول بے دلیل شک ڈال دیا کرے تو سینکڑوں اعمال باطل ہوجائیں اور حق و باطل میں کچھ تمیز نہ رہے[3]، ان جھوٹی بالاخوانیوں سینہ زوری کی لن ترانیوں کا کچا چٹھا بعونہ تعالیٰ سب کھل چکا مگر حیا کا بھلا ہو جس کے آسرے جیتے ہیں یوہیں تو آفتاب پر خاک اُڑا کر اندھوں کو سُجھا دیا کرتے ہیں کہ حنفیہ کا مذہب بے دلیل و خلاف حدیث ہے، خدا کی شان قرآن عظیم و احادیث رسول کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی اُن قاہر دلیلوں کو جنھیں سُن کر جگر تک دھمک پہنچی ہوگی بے دلیل ٹھہراؤ اور اپنے ضعیف و بے ثبوت قول کو قطعی یقینی مدلل بناؤ اور عمل بالحدیث و دین و دیانت کا نام لیتے نہ شرماؤ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آدمیاں گم شدند ملک گرفت اجتہاد

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ چند اوراق کہ بنظر احقاق حق لکھے۔ مولیٰ تعالیٰ عزوجل اپنے کرم سے قبول فرمائے

ع یعنی نصوص منقول و قواعد اصول سے قطع نظر کرکے بہ مقتضائے عقول ہے۔ (م)

[1] المستدرک کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۱۷

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب جامع المناقب الفصل الاول عن عبداللہ بن عمر مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱۱/ ۴۰۹

[3] معیار الحق ص ۴۱۵

شرِ حُسّاد و شامتِ ذنوب سے محفوظ رکھے۔ وجہ ثبات و استقامت مقلدین کرام بنائے، یہ امید تو ان شاء اللہ تعالٰی القریب المجیب نقد وقت ہے مگر دشمنانِ حنفیت کو ہدایت ملنے عناد حنفیہ کی راہ نہ چلنے کی طرف سے یاس سخت ہے کہ کھلے مکابروں میں جن صاحبوں کی یہ ہمتیں بڑھی ہیں یہ مشقیں چڑھی ہیں اُنھیں آئندہ ایسی اور ان سے بڑھ کر اور ہزار ہٹ دھرمیاں کرتے کیا لگتا ہے، تحریف تعصب مکابرے تحکم کا کیا علاج ہے سوا اس کے کہ شرِ شریراں سے اپنے رب عزوجل کی پناہ لُوں اور بتوسل روح اکرم امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس سے عرض کروں رب انّی اعوذبك من همزات الشّیٰطین واعوذبك رب ان یحضرون ٥ وصلی اللہ تعالٰی علی الهادی الامین الامان المامون محمّد واٰله وصحبه الکرام والذین هم بهدیهم یهتدون الحمد للہ کہ یہ مبارک رسالہ نفیس عجالہ پانزدہم ماہ رجب مرجب ۱۳۱۳ھ ہجریہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ کو تمام اور بلحاظ تاریخ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین نام ہوا ربّنا تقبل منّا انك انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیّد المرسلین محمد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ (۲۸۷) ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نابینا نے صبح کی نماز پڑھاتے وقت ایسی بڑی سورت پڑھی کہ جب نماز شروع کی تھی اُس وقت سُورج نہیں نکلا تھا اور جب سلام پھیرا تو سُورج نکل آیا یہ نماز ہوئی یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

نمازِ فجر میں اگر قعدہ سے پہلے آفتاب نکل آیا یعنی ہنوز اتنی دیر جس میں التحیات پڑھ لی جائے نہ بیٹھنے پایا کہ سُورج کی کرن چمکی تو بالاتفاق جاتی رہی اور اگر تحریمہ نماز سے باہر آنے کے بعد نکلا تو بالاتفاق ہوگئی مثلاً جب تک پہلی بار لفظ السلام کہا تھا سورج نہ نکلا تھا السلام کہتے ہی فوراً چمک آیا کہ علیکم ورحمۃ اللہ سورج نکلنے میں کہا تو نماز صحیح ہوگئی کہ فقط السلام کہنا تحریمہ نماز سے باہر کردیتا ہے الامن علیه سهو، بشرط ان یأتی بالسجود (مگر جس پر سجدۂ سہو ہو، بشرطیکہ سجدہ کرے۔ ت) اور اگر طلوعِ شمس دونوں امر کے بیچ میں ہوا یعنی قعدہ بقدر تشہد کرچکا اور ہنوز تحریمہ نماز میں تھا کہ آفتاب طالع ہُوا تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جاتی رہی یعنی یہ فرض نفل ہو کر رہ گئے فرضوں کی قضا ذمہ پر رہی۔

فی الدرالمختار، ولو وجد المنافی بلاصنعه   درمختار میں ہے: ایسا منافیِ نماز کہ جس میں نمازی کے

قبل القعود بطلت اتفاقا، ولو بعدہ بطلت عندہ، کطلوع الشمس فی الفجر۔ ولا تنقلب الصلاۃ نفلا الا فیما اذا اطلعت[1] اوالخ اھ ملتقطا وفی ش عن الرحمتی عن التجنیس، الامام اذا فرغ من صلاتہ، فلما قال، السلام، جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول، علیکم، لا یصیر داخلا فی صلاتہ، لان ھذا سلام، الا تری انہ لو اراد ان یسلم علی احد فی صلاتہ ساھیا فقال السلام، ثم علم فسکت، تفسد صلاتہ[2]۔

عمل کو دخل نہ ہو، اگر قعدے سے پہلے پایا جائے تو نماز بالاتفاق باطل ہوجائے گی اور اگر قعدے سے بعد پایا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہوجائے گی، مثلاً فجر کی نماز کے دوران سورج کا طلوع ہوجانا اور یہ نماز نفل نہیں بنتی، ہاں اگر طلوع ہو... الخ اور شامی میں رحمتی سے، اس نے تجنیس سے نقل کیا ہے کہ امام جب نماز سے فارغ ہُوا اور کہا "السلام" تو ایک شخص آیا اور "علیکم" کہنے سے پہلے اقتدا کرلی تو وہ اس نماز میں داخل شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صرف "السلام" کہنا بھی سلام ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بھُول کر نماز میں کسی کو سلام دینا چاہے اور کہے "السلام" پھر اسے یاد آجائے (کہ میں نماز میں ہوں) اور چُپ ہوجائے تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (ت)

مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے اس نابینا امام کو پیش از شروع متنبہ کردیا کریں کہ آج وقت اس قدر ہے پھر بھی اگر تطویل سے باز نہ آئے اور یونہی نماز کھوئے تو آپ ہی امامت سے معزولی کا مستحق ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۸) از جبل پور عقب کوتوالی مرسلہ مولوی محمد برہان الحق صاحب سلمہ سلخ شعبان ۱۳۳۵ھ

حضور پُرنور بعد سلام نیاز گزارش ضحوۂ کبرٰی نکالنے کا کیا قاعدہ ہے ایک بار پہلے ارشاد ہوا تھا مگر غلام بھُول گیا۔

الجواب

نورِ دیدۂ سعادت مولٰنا المکرم جعلہ المولی تعالٰی کاسمہ برہان الحق السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خیریت مزاج جناب مولٰنا المکرم اکرمہم السلام وسلمہ سے اطلاع دیجئے اور میرے لیے بھی طلب دعا کیجئے ابھی ایک ہفتہ میں تین دورے بخار کے ہوچکے ہیں ضعف قوی ہے اور قوٰی ضعیف وحسبنا المولی الکریم اللطیف جس دن کا ضحوۂ کبرٰی نکالنا منظور ہو اُس دن کے وقتِ صبح و وقتِ غروب کو جمع کرکے تنصیف کریں اور اس پر چھ گھنٹے بڑھالیں یہ وقت ضحوۂ کبرٰی ہوگا اس سے لے کر نصف النہار حقیقی تک نماز مکروہ ہے یہ وقت ہمارے بلاد میں کم سے کم

---

[1] دُرمختار باب الاستخلاف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۷-۸۸

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۴

۳۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۴۷ منٹ ہوتا ہے مثلاً کل روز پنجشنبہ بحساب قواعد بشرط رویت یکم ماہ مبارک ہے اوقات یہ ہیں:

ختم سحری	۲۶	۴۷	۳ ت
+ افطار	۷	۱۶	۷
	۳۳	۵۳	۱۰
+ ۲ =	۴۶٫۲۵	۲۶	۵/۶
+ ½ =	۴۶٫۲۵	۲۶	۱۱
ختم سحری	۵۷	۵۲	۳ ت
+ افطار	۲۹	۱۳	۷
	۳۶	۶	۱۱
÷ ۲ =	۱۸	۳۳	۵/۶
±	۱۸	۳۳	۱۱

نقشے میں تمام اوقات ثانیوں سے اعشاریہ تک تھے جن کے رفع اسقاط کے سبب ۲ یعنی تفاوت آیا

مثال دوم ۳۰ ماہ مبارک کو

انس علیہ السلام[1]، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۸۹) از شہسرام مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی ظفر الدین صاحب مدرس اول مدرسہ مذکور
۹ رمضان ۱۳۳۵ھ

بحضور اعلٰحضرت عظیم البرکت قبلہ وکعبہ دام ظلہم الاقدس۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ خاکسار حضور والا کے قواعد فرمودہ کے مطابق برابر وقت نکالا کرتا تھا مگر اس دفعہ جب میں مدراس گیا وہاں مولوی عبداللہ صاحب کی احقر سے ملاقات ہوئی وہ برابر وقت مدراس شائع کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک تختہ جس پر سالتمام شمسی کے اوقات اُنھوں نے استخراج کرکے شائع کیا ہے مجھے دیا اور یہ کہا کہ: پرچہ میں نے بریلی بھی روانہ کیا ہے تاکہ وہ حضرات میری غلطی پر مجھے متنبہ فرمائیں اس کی طرف توجہ فرمائیے جناب کو میں بھی اسی غرض سے دیتا ہوں، چنانچہ وہ پرچہ لیتا ہوا میں یہاں آیا ۲۲ جون ۱۹۱۷ء سے میں نے جانچ شروع کیا وقت غروب میرے قاعدہ کے مطابق ۶ بج کر ۴۷ منٹ ۲۵ سکنڈ اور طلوع ۵ بج کر ۴۴ منٹ ۱۹ سکنڈ ہوا اور اس نقشہ میں غروب ۶ بج کر ۴۳، اور طلوع ۵ بج کر ۴۸ منٹ لکھا ہے، غرض ۳، ۴ منٹ کا فرق ہے عشاء کا وقت نقشہ میں ۷ بج کر ۵۶ منٹ لکھا ہے میں پریشان ہوا کہ آخر فن کا جاننے والا اس قدر غلطی کیا کرے گا لاجرم میں نے اپنے ہی مستخرج وقت کو غلط سمجھ کر اس غلطی کی جستجو میں ہوا تو سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ میں نے بوجہ موافق الجہۃ ہونے کے عرض بلد اور میل سے تفریق کرکے حاصل فرق کو جمع کرکے عمل کیا ہے اور جگہ کے لیے میل کو عرض بلد سے کم

[1] نوٹ: انس علیہ السلام، واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ غیر مربوط عبارت اصل مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے۔

کر کے حاصل فرق الحہ الونخ میل سے عمل کرنا ہوتا ہے اور یہاں عرض بلد بہت کم ہونے کی وجہ سے میل کو عرض بلد سے کم کیا گیا ہے اُس کے بعد یہ خیال ہُوا کہ یہ وقت تو اخیر پنجاب قریب کشمیر کا ہونا چاہیئے جہاں کا عرض لحہ مطاعج ہو کہ الحہ الونخ کو اُس کو تفریق کرکے ی الـ ۃ بچتا ہے اب پریشانی ہے کہ یہاں کا عمل کس طرح ہوگا اگرچہ قاعدہ کے یہ لفظ (اگر موافق الجہۃ ہو تفاضل لیں) اس کو بھی عام ہے اس لیے اس کا قاعدہ ارشاد ہو کہ جب عرض مَیل سے کم ہوگا تو کیا کیا جائے گا۔

لحہ مح عرض
ی الـ ۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب

ولدی الاعز جلہ اللہ تعالےٰ کاسمہ ظفر الدین المتین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولوی عبداللہ صاحب کا کوئی تحفۃ اوقاتِ مدراس یہاں نہ آیا صرف ایک چھوٹے رسالہ تحفۃ المصلے کے کہ سمت قبلہ میں ہے ۲ نسخے ایک پلندے میں آئے تھے وقت کا قاعدہ یقیناً وہی ہے کہ جب عرض و مَیل متفق الجہۃ ہوں تفاضل لیا جائیگا یعنی اُن میں جو اصغر ہو اکبر سے تفریق کیا جائے گا عرض ہو خواہ مَیل تو مدراس جس کا عرض لحہ ہے اُس میں راس السرطان کا بعد اقل جس کا میل مَیلِ کلی الحہ الر ہے ی الحہ ہوا، نیز وہ شہر جس کا عرض شمالی لحہ ۃ ہو اُس میں بھی راس السرطان کا بعد اقل وہی ی الحہ ہوگا غایت یہ کہ مدراس میں یہ بعد سمت الراس سے شمالی ہوگا اور اُس شہر میں جنوبی دونوں نصف اوران کی جیبیں اور قاطع مَیل سب بدستور رہیں گے اور فرق وقت بوجہ قاطع عرض ہوگا مثلاً صبح وعشا ہے راس السرطان بہ مدراس کا حساب بھیجتا ہوں یہاں مجموعۂ اربعہ ۹۲۷۸۶۵۹۲۸۰۹ ہوا اور وقت عشا ۴ ۲۶ ۴ آیا اور اس شہر میں مجموعہ ۹۲۸۴۶۱۹۹۲۸۰۹ ہوا اور وقت عشا ۳۱ ۵۶ ۸ ایک گھنٹہ دس منٹ سے زیادہ فرق ہوگیا طلوع وغروب کہ آپ نے نکالے یہی صحیح ہیں جن کی صحت اس پرچہ سے متوامرہ ظاہر یہ حقیقی وقت ہیں اور راس السرطان کی تعدیل الایام مزید ۴۴ ۳۴ ۱ اور وسط ہند سے فصل غربی مدراس ۹ تو مجموعہ ۴۴ ۳۳ ۱۰ بڑھانے سے مدراس کا وقت ریلوے حاصل ہوگا یہ وقت غروب وہی ہے

غروب	۶۲۶۵۴۳۱
+	۱۰۳۴۴۳۴
	۶۳۲۸۵۵

طلوع	۵۴۳ ۵ ۷ ۹
+	۱۰۳۴ ۳۴
	۵۴۳۴ ۰ ۱۳

جو آپ نے نکالا تین سکنڈ کا تفاوت ان فرقوں سے ہوا کہ آپ نے مَیل الحہ الونخ لیا جو ۲۲ جون سنہ حال کو گرینچ کے نصف النہار کا تھا اور میں نے الحہ الرجو باسقاطِ خفیفِ ثوانی مَیلِ کلی ہے پھر آپ نے بُعدِ سمتی افق مطلق حسبِ دستورِ سابق کہ میرے یہاں معمول تھا حصہ لب نا لیا ہوگا اور اب میں حصہ لدھ رکھتا ہوں البتہ طلوع میں ۳۹ سکنڈ کا تفاوت آنا اس پر دال ہے کہ آپ نے تعدیل الایام ۲ ۵ ۱ لی جو ۲۳ جون کی تعدیل مرصدی ہے اور ۹ منٹ فصل طول مل کر ۵۲ ۱۰ دونوں وقت حقیقی غروب وطلوع پر زائد کیے۔ دلیل یہ کہ آپ کے یہاں

معدل بتعدیلِ ریلوے وقت غروب ۲۵، ۴۳ ۶ اور طلوع ۱۹، ۲۲ ۵

اس کا تمام ۵ ۲۲۳۵ ـ تمام غروب ۵ ۲۲۳۵

= ۲۱۴۴

نصفہ ۱۰۵۲

یہی منٹ سکنڈ آگئے جو تعدیل مرصدی ۲۳ جون کے تھے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ آپ کے یہاں وقت حقیقی غروب ۳۲ ۲۶ ۶ آیا اور طلوع ۲۷ ۳۳ ۵ تو آپ کے اور یہاں کے محسوب میں ۱۲ سکنڈ کا تفاوت ہے خیر ایسا کثیر نہیں۔ مدراسی صاحب کا حساب یقیناً وجہ صحت نہیں رکھتا کہ غروب ساڑھے تین منٹ کم ہے اور طلوع سوا چار منٹ زیادہ، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے طلوع وغروب نکالنے کا قاعدہ ہی استعمال نہ کیا بلکہ معمولِ عوام بے علم کی طرح طلوع وغروبِ نجومی حقیقی مرکزی لے کر ان میں تعدیل ریلوے ملادی ظلِ میلِ راس السرطان ۱ ۹٬۶۳۷۲۶۴ اس جیب کی قوس تقریباً ۷۵ھ ہے جس کا وقت + ظلِ عرضِ مدراس ۱ ۹٬۳۶۵۶۶۴ الحج = غروب نجومی ۶ الحج طلوع نجومی ۵ لونب

۹٬۰۰۲۹۲۰۶

اور دقائق تعدیل بھی

انھوں نے لوظاہروہی قج نب لیے ہیں: و الحج ۵ لونب

+ ی نب + ی کا نب

= مرمد = ولدہا

غروب	طلوع
۶ ۳۴	۵ ۴۸

یہ اُن کا منشا غلط ہے۔ رہا وقتِ عشاء، وہ انہوں نے صحیح دیا ہے پرچہ حساب ملاحظہ ہو۔

وقت حقیقی ۴ ۴۶ ۷ یہ وقت ہوا

+ تعدیل ریلوے ۱۰۳۴

۷ ۵۶ ۳۸

سکنڈوں میں فرق ہے ویس۔

مؤامرات

صرف نصف اوّل

مدراس ف ہ طول ــ کح عرض

۹٬۹۳۳۸۹۷۶

ما ۳۷۷

۹٬۹۳۳۹۳۵۳

الحج الر = ۲۷ ــ ۳ ۲

ـ عرض = ۴ ــ ۱۳

بعد اقل = ۲۳ ــ ۱۰

صرف نصف دوم
۹٫۸۶۶۴۵۷۴
فائدہ ۵۵۳
۹٫۸۶۶۵۱۲۷

وقت لومربع
۰ — ۴۶ — ۷ت
۱۰٫۲۶۵۶
وفصل

۱۰۸
۲|۱۱۸ — ۲۳

نصف اول = ۳۰ — ۱۱ — ۵۹
نصف دوم = ۳۰ ۴۸ ۴۸
صرف نصف اول = ۹٫۹۳۳۹۳۵۳
〃 〃 دوم = ۹٫۸۶۶۵۱۲۷
قاطع میل = ۰٫۰۳۷۴۳۷۶
〃 عرض = ۰٫۰۱۱۳۹۳۰
لومربع = ۹٫۸۵۹۲۷۸۶
لومربع = ۱۹۷۸
۸۰۸
لا = ۹٫۳۵۱۱
+ لوفصل = ۱۰٫۲۶۵۶
۹٫۶۱۶۷
تحویل = ۴٫۱۳۶
+ وقت لومربع = ۰ — ۴۶ — ۷
عشا = ۴٫۱۳۶ — ۴۶ — ۷
صبح = ۵۵٫۸۶۴ — ۱۳ — ۴

صرف نصف اول
۹٫۸۸۸۰۲۹۸
فائدہ ۷۸۶
۹٫۸۸۸۱۰۸۴

۴۵٫۵۰
۱۰۳۷
۳۱۸۵۰
۱۳۶۵۰
۴۵۵۰۰
۴۷۱۸۳

۱٫۵۴ — ۳۴ — ۹۰
۸٫۷۸
بعد سمتی افقی مطلق = ۴۵٫۳۲ — ۳۴ — ۹۰
+ نصف قطر راس السرطان = ۶۷ ۔ ۴۵ — ۱۵
بعد حقیقی افقی راس السرطان = ۳۰٫۹۹ — ۵۰ — ۹۰
+ بعد افق راس السرطان پر راس = — ۲۳ — ۱۰
مجموعہ = ۳۰٫۹۹ — ۱۳ — ۱۰۱(۲
نصف اول = ۴۵٫۵۰ — ۳۶ — ۵۰

نصف دوم = ۴۵،۴۹ — ۱۳ — ۴۰
نصف اوّل = ۹،۸۸۸۱۰۸۴
نصف دوم = ۹،۸۱۰۱۳۰۵
قاطع میل = ،۰۳۷۴۳۷۶
" عرض = ،۰۱۱۳۹۳۰
لو مربع = ،۷۴۷۰۶۹۵
لو مربع = ۶۹۵۱۴
۱۱۸۱
لا = ۹،۵۱۵۹
+ لو فضل = ۱۰،۱۰۸۱
۹،۶۲۴۰
تحویل = ۴،۳۰۸
+ وقت لو مربع = ۶ — ۲۶ — ۵۰
غروب ۶ — ۲۶ — ۵۴،۳۰۸
طلوع ۵ — ۳۳ — ۵،۷۹۲

ملاحظہ { وقت لو مربع ۶–۲۶–۵۰ / ۱۰،۱۰۸۱ لو فضل }

۶۰) ۴۷۱۸۳ (۷۸۶
۴۲۰
۵۱۸
۴۸۰
۳۸۳
۳۶۰
۲۳

صرف نصف دوم
،۸۱۰۰۱۷۲
۱۱۳۳
۹،۸۱۰۱۳۰۵

۴۵،۴۹
۱۴۹۴
۱۸۱۹۶
۴۰۹۴۱
۱۸۱۹۶
۴۵۴۹
۶۰) ۶۷۹۶۲ (۱۱۳۳
۶۰
۷۹
۶۰
۱۹۶
۱۸۰
۱۶۲
۱۲۰
۴۲

مسئلہ (۲۹۰، ۲۹۱) از شہر۔ جامع مسجد مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب بخاری طالب علم منظر اسلام

شخصے در نماز فجر بود کہ ناگاہ بشنید کہ گویندہ میگفت کہ آفتاب برآمد الحال ایں کس در نماز است نماز را بگذارد یا زود اپس اعادہ کند یا سلام بدہد بعد از طلوع

کوئی آدمی فجر کی نماز پڑھ رہا تھا اچانک اس نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "سورج نکل آیا ہے" اب یہ آدمی جو فی الحال نماز میں ہے اپنی نماز پوری کرکے اس کا اعادہ کرے یا

آفتاب بخواند، بیّنوا توجروا۔

سلام پھیردے اور طلوع کے بعد دوبارہ پڑھے؟ بیّنوا، توجروا۔ (ت)

الجواب

نماز تمام کند و باز اگر صدق قائل دریابد اعادہ نماید، این زمان بسیارے از مردم وقت نمی شناسند و بقرب طلوع بانگ برآرند کہ آفتاب برآمد واللہ تعالٰی اعلم۔

نماز پوری کرے، بعد میں اگر ثابت ہوجائے کہ سورج نکلنے والی بات درست تھی تو اعادہ کرے۔ آج کل اکثر لوگ وقت کا صحیح علم نہیں رکھتے اور طلوع قریب ہونے پر شور مچادیتے ہیں کہ سورج نکل آیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال دوم: چہ میفرمایند علمائے دین کہ امام نماز صبح را این قدر تاخیر میکند کہ از برآمدنِ آفتاب پنج دقیقہ یا دہ دقیقہ میماند کہ سلام میدہد این طور نماز بغیرِ کراہت ادا میشود یا نہ، بیّنوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک امام صبح کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھاتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سورج طلوع ہونے میں صرف پانچ منٹ یا دس منٹ باقی رہتے ہیں کیا نماز بغیر کراہت کے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

الجواب

در بحرالرائق وغیرہ تصریح فرمودہ اند کہ وقت فجر و وقت ظہر اول تا آخر ہیچ کراہت ندارد یعنی بخلاف باقی اوقات کہ آخر آنہا مکروہ است پس ہرکہ در وقت شناسی دستگاہ کافی دارد بایں طور نماز او بلاشبہہ بے کراہت است کہ بوئے از کراہت ندارد، واللہ تعالٰی اعلم۔

البحرالرائق وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ فجر اور ظہر کے اوقات میں اوّل سے آخر تک کوئی کراہت نہیں ہے بخلاف باقی اوقات کے کہ وہ آخر میں مکروہ ہوجاتے ہیں، اس لیے جو شخص وقت شناسی میں مہارت رکھتا ہو، اگر اس طرح نماز پڑھے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو اس کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے۔ اس میں کراہت کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۲ تا ۲۹۶: از جڑودہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

(۱) فجر کی نماز کا مستحب وقت کون سا ہے اور جس جگہ اُفق صاف نظر آتا ہو وہاں طلوع کی کیا پہچان ہے؟

(۲) ظہر کا اول وقت کے بجے ہوتا ہے اور ضلع میرٹھ میں کے بجے سے کے بجے تک رہتا ہے اور جماعت کے بجے ہونا چاہیے موسم گرما اور موسم سرما کب سے کب تک مانے جاتے ہیں اور ان میں ظہر کے مستحب اوقات

کیا ہیں ؟

(۳) عصر کا مستحب وقت کون سا ہے، جماعت کے بجے ہونا چاہیے ؟

(۴) جس جگہ اُفق نظر آتا ہو وہاں غروب کی کیا پہچان ہے اور غروب سے کتنی دیر بعد مغرب کی اذان اور جماعت ہونا چاہیے اور مغرب کا وقت کتنی دیر تک رہتا ہے ؟

(۵) عشا کا وقت مغرب سے کتنی دیر بعد ہوتا ہے ؟

الجواب الملفوظ

(۱ و ۵) فجر کا مستحب وقت اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مثلاً اگر آج ایک گھنٹہ بیس منٹ کی صبح ہو تو اس وقت کے طلوعِ شمس میں چالیس منٹ باقی رہیں اور افضل یہ ہے کہ ایسے وقت ۴۰ یا ۶۰ آیتوں سے پڑھی جائے کہ اگر فسادِ نماز ثابت ہو تو پھر طلوع سے پہلے یونہی اعادہ ہو سکے اس کا لحاظ رکھ کر جتنی بھی تاخیر کی جائے افضل ہے، جب اُفق صاف نظر آتا ہے اور بیچ میں درخت وغیرہ کچھ حائل نہیں تو طلوع یہ ہے کہ آفتاب کی پہلی کرن چمکے اور غروب یہ کہ پچھلی کرن نگاہ سے غائب ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ظہر کا اول وقت آفتاب نصف النہار سے ڈھلتے ہی شروع ہوتا ہے اور گھنٹوں کے اعتبار سے باختلافِ بلاد مختلف ہوگا یہاں تک کہ بعض بلادِ ہندوستان میں بعض ایام میں ریلوے گھڑی سے ۱۲ بجے بھی وقت شروع ہوگا اور بعض یعنی بعض ایام میں ۱۱ بجے سے پہلے ظہر کا وقت ہو جائے گا یہ تعدیلِ ایام و اختلافاتِ طول معلوم ہونے پر موقوف ہے جماعت گرمی میں وقتِ ظہر کے نصف آخر میں ہو اور جاڑوں میں نصف اول میں، میرٹھ میں کبھی ۵ بجے سے بعد تک وقتِ ظہر باقی رہتا ہے اور کبھی پونے چار بجے سے پہلے ختم ہو جاتا ہے اس میں بیانات کا اختلاف ہے اصل تقسیم اہلِ ہیئت نے یہ کی ہے کہ راس الحمل سے ختم جوزا تک بہار اور راس السرطان سے ختم سنبلہ تک گرما اور راس المیزان سے ختم قوس تک خریف اور راس الجدی سے ختم حوت تک سرما مگر یہ یہاں کی فصلوں سے مطابق نہیں آتی، صاحبِ بحر نے ربیع کو گرما سے ملحق کیا ہے اور یہی قرینِ قیاس کہ آخر ستمبر سے دو ثلث مارچ تک سرما سمجھنا چاہیے اور باقی گرما، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) عصر کا وقت مستحب ہمیشہ اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مگر روزِ ابر تعجیل چاہیے، واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) غروب کا جس وقت یقین ہو جائے اصلاً دیر اذان و افطار میں نہ کی جائے اس کی اذان و جماعت میں فاصلہ نہیں، مغرب کا وقت میرٹھ میں کم از کم ایک گھنٹا ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۶ منٹ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۹۷) از موضع سراں ڈاک خانہ لشند ور تحصیل ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۷ شعبان ۱۳۲۷ھ

بخدمت جناب فیض مآب سرتاج حنفیان حضرت احمد رضا خان صاحب ادام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی کے بعد بہزار آداب التماس کہ ہم حنفیان کو بڑا فخر ہے کہ آپ جیسے مجتہد فقیہ خلیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی و امام اعظم اس زمانے کے آپ موجود ہیں اِن مسئلوں مفصلہ ذیل کی سخت ضرورت ہے مہربانی فرماکر بتحقیق عمیق و تدقیق مالیطیق ارشاد فرمادیں عنداللہ ماجور ہوں گے اما مسئلہ اولٰی فی الزوال کی اور شناخت وقت ظہر کی سخت ضرورت ہے میں اس میں بہت حیران ہوں بعض اوقات مجمع عام میں نماز ظہر تو بدخول وقت اول ہی پڑھی جاتی ہے مگر مجھے یقین دخولِ وقت کا بھی نہیں ہوتا آپ تحریر فرمائیں کہ بارہ ۱۲ بجے کے بعد ایک دو منٹ پر وقت ظہر داخل ہوتا ہے یا نہیں اور جن دیہات میں حساب گھڑی کا نہ ہو تو مسجد کے دروازہ سے اگر سایہ باہر ایک دو انگشت نکلے تو ظہر داخل ہے یا نہ، پھر جب سایہ بڑھنے میں ہو تو وقت ظہر داخل ہے یا نہ قبل قیام ظہیرہ نصف نہار کے سایہ گھٹتا رہتا ہے نصف نہار کو کھڑا ہوتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے جب سایہ بڑھ جائے میں ہو تو ظہر داخل ہے یا نہ، اور سایۂ اصلی ظہر کے واسطے نکالا جاتا ہے یا نہ شناخت ظہر سفر حضر میں کس طرح ہوتی ہے اور سایہ اصلی قبل زوال یا وقت زوال یا بعد زوال کیا ہوتا ہے اور سایہ اصلی بوقتِ دوپہر بطرف شمال ہوتا ہے پس عصر کے واسطے مقیاس کی بیخ سے سایہ اصلی خارج بطرف مشرق کیا جاتا ہے یا کہ بطرف شمال خارج کرکے پھر دو چند کیا جائے۔ فرائد سنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بطرف شمال سایہ اصلی کو چھوڑ کر دو چند کیا جائے۔ عبارت فرائد سنیہ کی یہ ہے۔

معرفۃ فیئ الزوال بغرز خشبۃ مستویۃ فی ارض مستویۃ قبل الزوال فالظل ینقص فاذا وقف لم ینقص ولم یزد فھو قیام الظھیرۃ فاذا اخذ فی الزیادۃ فقد زالت الشمس فخط علی راس الزیادۃ خطا فیکون من راس الخط الی العود فیئ الزوال فاذا صار ظل العود مثلہ او مثلیہ من راس الخط لا من موضع غرز العود خرج وقت الظھر و دخل وقت العصر وفیئ الزوال یکون الی الشمال۔[1]

فیئ الزوال کی پہچان۔ زوال سے پہلے ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین میں نصب کی جائے تو اس کا سایہ کم ہوتا جائے گا، جب سایہ ٹھہر جائے اور گھٹے بڑھے نہ تو یہ قیام ظہیرہ کا وقت ہے۔ جب بڑھنے لگے تو سورج کا زوال شروع ہوجاتا ہے، اب جہاں سے بڑھنے کا آغاز ہوا ہے وہاں ایک لکیر بطور نشانی لگادو، اس لکیر سے لکڑی تک جو سایہ ہے یہ فیئ الزوال ہے، جب لکڑی کا سایہ اس کی ایک مثل یا دو مثل ہوجائے یعنی لکیر سے، نہ کہ لکڑی کی جڑ سے، تو ظہر کا وقت ختم ہوجائے گا اور عصر کا وقت داخل ہوجائے گا اور زوال کا سایہ شمال کی جانب ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] فرائد سنیہ

اس مسئلہ کی مجھے سخت ضرورت ہے مہربانی فرماکر اس میں اچھی غور فرماکر پھر ان میں جو جو میرے سوالات ہیں جن کے سبب میں غلطی میں پڑا ہوں ان کو بنور سواد منور فرماؤ۔

الجواب

نصف النہار و فئ الزوال کی یہ کافی پہچان ہے جو آپ نے فرائد سنیہ سے نقل کی ہموار زمین میں سیدھی لکڑی عمودی حالت پر قائم کی جائے اور وقتاً فوقتاً سایہ کو دیکھتے رہیں جب تک سایہ گھٹتے میں ہے دوپہر نہیں ہوا اور جب ٹھہر گیا نصف النہار ہو گیا اس وقت کا سایہ ٹھیک نقطۂ شمال کی جانب ہوگا اسے ناپ رکھا جائے کہ یہی فئ الزوال ہے اس سے پہلے سایہ مغرب کی طرف تھا جب سایہ بڑھنے لگا دوپہر ڈھل گیا اب سایہ مشرق کی طرف ہو جائے گا جب لکڑی کا سایہ مشرق و شمال کے گوشہ میں اس فئ الزوال کی مقدار اور لکڑی کے دو مثل کو پہنچ گیا مثلاً آج ٹھیک دوپہر کو لکڑی کا سایہ اس کے نصف مثل تھا اور اس وقت خاص نقطہ شمال کو تھا اب وقتاً فوقتاً بڑھے گا اور مشرق کی طرف جھکے گا جب سایہ لکڑی کا ڈھائی مثل ہو جائے عصر ہو گیا اور اس سے زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ صحیح کمپاس سے نہایت ہموار زمین میں سیدھا خط جانب قطب کھینچ لیجئے اور اس خط کے جنوبی کنارے پر وہ لکڑی عموداً قائم کیجئے لکڑی کا سایہ جب تک اس خط سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہوا جب سایہ اس خط پر منطبق ہو جائے ٹھیک دوپہر ہے اور اسی وقت کا سایہ فئ الزوال ہے جب سایہ اس خط سے مشرق کو ہٹے دوپہر ڈھل گیا مسجد کی مشرقی دیوار اگر سیدھی ہموار اور ٹھیک نقطتین جنوب و شمال کو ہے اور اس کے دونوں پہلو پر زمین ہموار ہے تو اس سے بھی شناخت ہو سکتی ہے دیوار کا سایہ جب تک اس سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہوا اور جب مشرق کو پڑے دوپہر ڈھل گیا اور جب دونوں پہلوؤں پر سایہ نہ ہو تو ٹھیک دوپہر ہے گھڑیوں کے بارہ سے اس کی شناخت تعدیل الایام و فصل طول جاننے پر منحصر ہے اصل بلدی وقت سے دوپہر کبھی سوا بارہ بجے بھی نہیں ہوتا اور کبھی پونے گیارہ بجے ظہر ہو جاتا ہے اور بکہ گھڑیاں مقامی وقت پر نہ چلیں بلکہ دوسری جگہ کے وقت پر جیسے ہندوستان میں مشرق سے مغرب تک ساری گھڑیاں وسط ہند کے وقت پر جاری ہیں جس کا طول ۸۲ درجہ ۳۰ دقیقے ہے جب تو بہت کثیر تفاوت ہو جائے گا مثلاً جہلم میں ۱۱ فروری کو ۱۲ بج کر انچاس منٹ تک بھی دوپہر نہ ہوگا اور کلکتہ میں نومبر کی چوتھی کو ۱۱ بج کر ۲۰ منٹ پر وقت ظہر ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۹۸) از مزنگ لاہور مرسلہ ابوالرشید محمد عبدالعزیز خطیب و امام جامع مسجد ملک سردار خاں مرحوم

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اوقات نماز جو شارع علیہ السلام نے معین فرمائے ہیں ان کے بیچ میں کسی نماز کا فاصل وقت مقرر کرنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب

حدیث میں سنّتِ اقدس یوں مروی ہے کہ جب لوگ جلد حاضر ہوجاتے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جلد پڑھ لیتے اور حاضری میں دیر ملاحظہ فرماتے تو تاخیر فرماتے اور کبھی سب لوگ حاضر ہوجاتے اور تاخیر فرماتے یہاں تک کہ ایک بار نمازِ عشا میں تشریف آوری کا بہت انتظارِ طویل صحابہ کرام نے کیا بہت دیر کے بعد مجبور ہوکر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درِ اقدس پر عرض کی کہ عورتیں اور بچے سو گئے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا: "روئے زمین پر تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کرتا ہو اور تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو"۔ نمازوں کے لیے اگر گھنٹے گھڑی کے حساب سے اگر کوئی وقت معین کردیا جائے جس سے لوگوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے اور وقت معیّن پر جلد جمع ہوجائیں جیسا حرمین طیّبین میں اب معمول ہے تو اس میں بھی حرج نہیں جبکہ ضعیفوں اور مریضوں پر تکلیف اور جماعت کی تفریق نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۹) ازمرادآباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی امام عادتاً مغرب کی اذان اس وقت دِلاوے کہ اس شہر کی سب مساجد میں یقیناً نماز ہوچکی ہو مثلاً ۲۰ منٹ کے بعد اور اپنے پیر کے دکھانے کو یعنی اس کی موجودگی میں بیس منٹ قبل قصداً ایسا کرے اور ساتھ ہی اس کے رکوع و سجود کو وہ عادتاً کرتا تھا اپنے پیر کی موجودگی اس سے سرگنے وقت میں ادا کرے تو یہ اذان و نماز کہاں تک ریا و مکاری پر دال ہے۔

الجواب

اذانِ مغرب میں بلا وجہ شرعی تاخیر خلافِ سنّت ہے پیر کے سامنے جلد دلوانا ریا پر کیوں محمول کیا جائے بلکہ پیر کے خوف یا لحاظ سے اس خلافِ سنّت کا ترک پیر کے سامنے رکوع و سجود میں دیر بھی خواہ نخواہ ریا اور مکاری پر دلیل نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے سے تاثر بھی ممکن اور مسلمان کا فعل حتی الامکان محلِ حسن پر محمول کرنا واجب اور بدگمانی ریا سے کچھ کم حرام نہیں، ہاں اگر رکوع و سجود میں اتنی دیر لگاتا ہو کہ سنّت سے زائد اور مقتدیوں پر گراں ہو تو ضرور گنہگار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال دوم کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلوعِ آفتاب ہونے کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے اور وہ شخص جس نے کہ سنتیں فجر کی نہ پڑھی ہوں اور دس بارہ منٹ طلوع میں باقی ہوں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح پر ظہر کی سنت بے پڑھے امامت کرسکتا ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

طلوع کے بعد کم از کم بیس منٹ کا انتظار واجب ہے۔ دس بارہ منٹ میں سنتیں اور فرض دونوں ہو سکتے ہیں سنتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، اگر وقت بقدر فرض ہی کے باقی ہے تو آپ ہی سنتیں چھوڑے گا پھر اگر جماعت میں کسی نے ابھی سنتیں نہ پڑھیں یا جس نے پڑھیں وہ قابلِ امامت نہیں تو جس نے نہ پڑھیں وہی امامت کرے گا اور اگر وقت میں وسعت ہے تو سنتِ قبلیہ کا ترک گناہ ہے اور اُس کی امامت مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۱) از موضع باکڑی ضلع گوڑگانوہ ڈاک خانہ ڈھنیہ مسئولہ محمد لیسین خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۱ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں ایک مولوی صاحب مولود شریف عشا سے لے کر ایک بجے رات تک پڑھتے اور نمازِ عشا بعد مولود شریف کے ایک بجے کے بعد پڑھتے ہیں بغیر عذر کے، فقط۔

الجواب الملفوظ

نمازِ عشا کی نصف شب سے زائد تاخیر مکروہ ہے اُن کو چاہئے عشا پڑھ کر مجلس شریف پڑھا کریں، وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۲) از جے پور بیرون اجمیری دروازہ، کوٹھی حاجی عبدالواجد علی خاں مسئولہ حامد حسن قادری

۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ مغرب اور افطار کا حکم ایسے وقت دینا کہ چند حضار مسلمانوں کو غروب میں کلام ہوگیا ہے اور ان دونوں کا صحیح وقت کیا اور اس کی شناخت کیا ہے؟

(۲) نمازِ مغرب اور اذانِ عشا میں کس قدر فاصلہ درکار ہے، کیا جس جگہ پر بحساب دھوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کو اذانِ مغرب ہوتی ہو وہاں آٹھ بجے فرضِ عشا پڑھ سکتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹا پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب و اذانِ عشا میں ہونا چاہئے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب مشرق سے سیاہی بلند ہو اور مغرب میں دن چھپے اور آفتاب ڈوبنے پر یقین یعنی پورا ظنِ غالب ہو جائے اُس وقت افطار کیا جائے اُس کے بعد دیر لگانا نہ چاہئے، یہی علامات حدیث میں ارشاد ہوئیں اور جو عالم معتمد ہو اور علمِ توقیت جانتا ہو اور اُسے قرائن صحیحہ سے غروب کا یقین ہوگیا ہو وہ افطار کا فتوٰی دے سکتا ہے اگرچہ بعض ناواقفوں کو غروب میں ابھی تردد ہو کما دلّ علیہ حدیث انزل فاجدح لنا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ فاصلے باختلافِ عرضِ بلد مختلف ہوتے ہیں، ان بلاد میں کم از کم ایک گھنٹہ ۸ منٹ کا فاصلہ ہے سوا سات پر آفتاب ڈوبے اور پون گھنٹے بعد عشا ہوجائے ایسا تمام جہان میں کہیں نہیں جس زمانے میں سوا سات کے قریب غروب ہوتا ہے اذانِ مغرب وعشا کا فاصلہ اور بھی بہت زائد ہوجاتا ہے مثلاً ان بلاد میں ایک گھنٹا چھتیس منٹ اور پون گھنٹے کا فاصلہ تو ان بلاد میں کسی طرح مذہب صاحبین پر بھی صحیح نہیں تو وہ نمازِ عشا از روئے مذہبِ حنفی بالکل باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۳) چہ میفرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ فرائض داخل نماز در ہر صلاۃ فرضیت او یکسان ست یا صرف در نماز فرض، بیّنوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جو فرائض نماز میں داخل ہیں، ان کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف فرضی نمازوں کے ساتھ مختص ہے؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

الجواب

تکبیر تحریمہ در ہر نماز مطلقاً حتی صلاۃ الجنازۃ و رکوع وسجود وقراءت وقعود در ہر نمازِ مطلق اگرچہ نافلہ باشد وقیام در ہر نماز فرض و واجب و نیز در سنّتِ فجر علی الاصح وخروج بصنع خود علی تخریج البردعی بخلاف الکرخی اینہمہ فرض است وتعدیل ارکان واجب و قدرت ہمہ جا شرط است اخرس را بتکبیر وقراءت ومریض مومی را بر رکوع وسجود تکلیف ندہند وفی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح للعلامۃ الشرنبلالی الاحدب اذا بلغت حدبتہ الرکوع یشیر برأسہ للرکوع لانہ عاجز عما ھو اعلٰی[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

تکبیر تحریمہ، ہر نماز میں، حتی کہ نماز جنازہ میں بھی۔ رکوع، سجود، قراءت اور قعود (نماز جنازہ کے علاوہ) ہر نماز میں، خواہ نفل نماز ہو۔ قیام، ہر اس نماز میں جو فرض اور واجب ہو اور اصح قول کے مطابق فجر کی سُنّتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے خارج ہونا۔ بردعی کی تخریج کے مطابق، کرخی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ سب فرائض ہیں اور تعدیلِ ارکان واجب ہے۔ لیکن استطاعت سب میں شرط ہے۔ گونگا تکبیر و قراءت کا اور اشارہ کرنے والا مریض رکوع وسجود کا مکلّف نہیں ہے۔ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے کہ اگر کُبڑے کا کُبڑا پن رکوع کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو وہ رکوع کے لیے سر سے اشارہ کرے گا کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵

مسئلہ (۳۰۴) نہار عرفی و شرعی میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہار عرفی طلوع مرئی کنارۂ شمس سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے

واحترزت بذلك عن النهار النجومی فانه من انطباق مركز الشمس علی دائرة الافق من قبل المشرق الی انطباقه علیها فی جهة المغرب، فیكون العرفی اكبر من النجومی ابداً بقدر ما یطلع نصف كرة الشمس و یغرب النصف كما لا یخفی، ویقدر ما یقتضیه الانكسار الافقی فی الجانبین، وهو قدر اربع وثلثین دقیقة من دقائق فلك البروج فی كل جانب۔

اس سے میں نے احتراز کیا ہے نہار نجومی سے، کیونکہ وہ مشرقی جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے سے شروع ہوتی ہے اور مغربی جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے پر ختم ہوتی ہے تو نہار عرفی، نہار نجومی سے ہمیشہ اتنی بڑی ہوتی ہے جتنی دیر میں سورج کا آدھا کرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دونوں طرف جو افقی انکسار واقع ہوتا ہے اس کے تقاضے کا اندازہ کیا جائے گا اور وہ ہر جانب، فلک بروج کے دقیقوں میں سے چونتیس ۳۴ دقیقوں کے برابر ہوتا ہے۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب مرئی کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اس کے نصف سے پہلے ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ جو تحویل حمل کا دن ہے کہ آفتاب بریلی اور اس کے قریب کے مواضع میں چھ ۶ بجے نکلا اور چھ ۶ بج کر چودہ ۱۴ منٹ پر ڈوبا اور تقریباً پونے پانچ بجے صبح صادق چمکی تو اس دن نہار شرعی ساڑھے تیرہ (۱۳½) گھنٹے کا ہے جس کا آدھا چھ ۶ گھنٹے پینتالیس ۴۵ منٹ، اسی مقدار کو پونے پانچ (۴¾) پر بڑھایا تو ساڑھے گیارہ بجے کا وقت آیا اسی کو ضحوۂ کبرٰی کہتے ہیں اس وقت تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ کی نیت جائز ہے اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار حقیقی تک کہ روز تحویل حمل یعنی بیس اکیس ۲۱ مارچ کو تقریباً بارہ بجے سات منٹ پر ہوتا ہے سارا وقت سینتیس ۳۷ منٹ کا وقت استوا ہے جس میں نماز ناجائز و ممنوع اور یہ ظاہر کہ یہ مقداریں اختلاف موسم سے گھٹتی بڑھتی رہیں گی، یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوٰی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزا فی القهستانی، القول بان المراد انتصاف النهار العرفی، الی ائمة

قہستانی میں اس قول کو کہ مراد نہار عرفی کا انتصاف ہے، ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب کیا ہے اور

ماوراء النھر، وبان المراد انتصاف النھار الشرعی، وھو الضحوۃ الکبرٰی الی الزوال[1] الی ائمۃ خوارزم وھنا ابحاث سنوردھا ان شاء اللہ تعالٰی فی غیر ھذا التحریر[عہ]۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس قول کو کہ نہار شرعی کا انتصاف مراد ہے، یعنی ضحوۂ کبرٰی زوال تک، ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے اور یہاں کچھ اور بحثیں ہیں جنہیں ہم کسی اور تحریر میں بیان کریں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۰۵) مسئولہ حافظ علی بخش ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلہ گنج مسجد خلیفان ۲۵ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) ۱۴ اگست کو دھوپ گھڑی سے ۱۱ بج کر ۱۷ منٹ پر اور مدراس ٹائم سے ۱۱ بج کر ۳۳ منٹ سے ضحوۂ کبرٰی شروع ہوا اور دھوپ گھڑی سے ۱۲ بجے اور ریلوے ٹائم سے ۱۲ بج کر ۱۶ منٹ پر تمام ہوا تو ضحوۂ کبرٰی سے لے کر حقیقی نصف النہار تک کوئی نماز مثل عیدین و جنازہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) مدراسی ٹائم شرعی وقت سے جنوری فروری میں ۲۰ منٹ آگے ہوتا ہے جبکہ شرعی وقت میں ۱۲ بجتے ہیں تو مدراسی ٹائم میں ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ آتے ہیں اگر کسی مسجد میں مدراسی ٹائم سے گھڑی ہو اسی حساب سے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ باقی ہیں اور زوال دھوپ گھڑی سے مانا جائے گا یا مدراسی ٹائم سے اور یوم جمعہ کو زوال ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اصح واحسن یہی ہے کہ ضحوۂ کبرٰی سے نصف النہار حقیقی تک سارا وقت وہ ہے جس میں نماز نہیں، ہاں جنازہ اسی وقت میں آیا تو پڑھ سکتے ہیں لما دیما کما وجبت۔

(۲) ہمارے مذہب میں بروزِ جمعہ بھی وقتِ استوا پر وہی احکام ہیں جسے لوگ وقتِ زوال بولتے ہیں، زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے مدراس وغیرہ کے اوقات کا کچھ لحاظ نہیں، جو اذان زوال سے پہلے ہوئی ناجائز ہوئی زوال آنے پر پھر کہی جائے کما ھو حکم کل اذان اذن قبل الوقت اب ریلوے گھڑیوں میں جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراسی وقت بھی نہیں بلکہ وسطِ ہند کا وقت ہے جہاں فصل طول ساڑھے بیاسی درجے یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے کا ہے لہٰذا ہندوستان بھر کی گھڑیاں جب سے نومنٹ زائد کردی گئی ہیں اس زیادت پر بھی جنوری کی ابتدائی تاریخوں

عہ بیاض فی الاصل بخط الناسخ ختمہ علی لفظ التی فبدلناہ بالتحریر ۱۲ مصححہ الفقیر حامد رضا خاں غفرلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

میں ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ سے پہلے زوال ہے، ہاں بعد کی تاریخوں اور فروری میں اتنا اور اتنے سے زائد آنولہ میں ۱۲ بج کر ۲۶ منٹ تک ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۶) مسئولہ عبداللہ دکاندار مقام درو ضلع نینی تال روز سہ شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس میں کہ:

(۱) صبح کاذب اور صبح صادق کی مجھے قطعی پہچان نہیں ہے کہ صبح صادق کتنی دیر کی ہوتی ہے کل میعاد لگادی جائے کہ گھنٹہ بھر کا یا کم وبیش مجھے نفلوں میں شک رہتا ہے اور بارہ مہینے ایک ہی برابر ہوتا ہے یا کچھ فرق ہے ہر مہینہ کی علیحدہ علیحدہ میعاد لگا دیجئے تاکہ تسکین ہو۔

(۲) تہجد کے وقت بیس رکعت قضا پڑھے تو ہر نیت کے ساتھ اقامت کرے یا کہ پہلی نیت کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹہ انیس منٹ کی ہوتی ہے یعنی صبح صادق ہونے سے طلوعِ آفتاب تک اتنا وقت رہتا ہے یہ مارچ کے مہینہ میں ہے پھر وقت بڑھتا جاتا ہے اخیر جون میں ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہو جاتا ہے اس سے زیادہ صبح کی مقدار ان شہروں میں نہیں ہوتی پھر گھٹتا جاتا ہے اخیر ستمبر میں وہی ایک گھنٹہ انیس منٹ رہ جاتا ہے چوبیس اکتوبر تک یہی رہتا ہے پھر بڑھتا ہے ۲۲ دسمبر کو ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ ہو جاتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں اس سے زیادہ نہیں بڑھتا پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے مارچ میں وہی ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ رہ جاتا ہے انھیں ۱۶ منٹ کے اندر دورہ کرتا ہے یعنی کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ۔

(۲) قضا کہ تنہا پڑھے اس میں ایک دفعہ بھی اقامت نہ چاہیے کہ قضا کرنا گناہ تھا اور گناہ کے چھپانے کا حکم تھا نہ کہ اعلان کا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۷) مسئولہ محمد یوسف از فتح پور ڈاکخانہ سیور ضلع بھاگل پور بتاریخ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اوقاتِ نماز کو مقرر کرنا چاہیے یا جس وقت خاص لوگ آلیں اس وقت نماز شروع کرنا چاہیے، بینوا توجروا۔

الجواب

عادت کریمہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ تھی جب لوگ جلد جمع ہو جاتے نماز پڑھ لیتے ورنہ دیر فرماتے مگر آج کل لوگوں کو شوقِ جماعت کم ہے وقت مستحب کی تعیین مناسب ہے پھر بھی اگر تاخیر دیکھیں تو اتنا انتظار کریں کہ حاضرین پر بار نہ ہو اور کسی خاص شخص کے انتظار کے لیے تاخیر نہ چاہیے مگر چند صورتوں میں، اول کہ وہ امام معین ہو، دوم عالم دین، سوم حاکم اسلام، چہارم پابندِ جماعت کہ بعض اوقات مرض وغیرہ عذر

کی وجہ سے اسے دیر ہوجائے، پنجم سر برآوردہ شریر جس کا انتظار نہ کرنے سے ایذا کا خوف ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۸) از مقام آہور علاقہ مارواڑ متصل ایرپتوراپیر محمد امیر الدین بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ
نمازِ عصر کے بعد قرآن شریف پڑھنا دیکھ کر یا زبانی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

بعد نمازِ عصر تلاوتِ قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یاد پر، مگر جب آفتاب قریبِ غروب پہنچے اور وقتِ کراہت آئے اُس وقت تلاوت ملتوی کی جائے اور اذکارِ الٰہیہ کیے جائیں کہ آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۹) بعد نمازِ عصر کے اور فجر کے سجدہ کرنا یا فقہ پڑھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے مگر جب عصر میں وقتِ کراہت آجائے تو قضا بھی جائز نہیں اور سجدہ مکروہ اگرچہ سہو یا تلاوت کا ہو اور سجدۂ شکر تو بعد نمازِ فجر و عصر مطلقاً مکروہ، درمختار میں ہے:

وکرہ تحریما، وکل مالا یجوز مکروہ، صلاۃ مطلقا، ولو قضاءً او واجبۃ او نفلا او علی جنازۃ و سجدۃ تلاوۃ و سہو، مع شروق واستواء و غروب[1]

مکروہ تحریمی ہے ___ اور جو کام جائز نہ ہو وہ مکروہ ہی ہوتا ہے ___ نماز مطلقاً خواہ قضا ہو، واجب ہو، نفل ہو یا نماز جنازہ ہو۔ اور سجدۂ تلاوت اور سجدۂ سہو۔ بوقتِ طلوع، استواء اور غروب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ ان یسجد شکرا بعد الصلاۃ، فی الوقت الذی یکرہ فیہ النفل ولا یکرہ فی غیرہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم

نماز کے بعد سجدۂ شکر کرنا ان اوقات میں مکروہ ہے جن میں نماز مکروہ ہے، اس کے علاوہ مکروہ نہیں (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ یستحب تاخیر العصر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱
[2] ردالمحتار ؍؍ مطلب طلوع الشمس من مغربہا ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

مسئلہ (۳۱۰) از سہاور ضلع ایٹہ مسئولہ اولاد علی صاحب بروز شنبہ بتاریخ ۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) زید نے نمازِ فجر طلوعِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور اُس کے نماز پڑھنے میں آفتاب نکل آیا تو وہ نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) نمازِ مغرب غروبِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور نماز پڑھتے ہی میں آفتاب غروب ہوگیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) نمازِ فجر میں سلام سے پہلے اگر ایک ذرا سا کنارہ طلوع ہوا نماز نہ ہوگی۔

(۲) اگر ایک نقطہ بھر کنارۂ شمس غروب کو باقی ہے اور اُس نے مغرب کی تکبیرِ تحریمہ کہی نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۱) مسئولہ منشی عبد الرحمٰن صاحب اعظمی از ریاست جے پور گھاٹ دروازہ ۲۴ محرم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز جو اصحاب حنفیہ کے یہاں اسفار میں ہے کہ وہ کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب سے کتنے پر نماز ختم ہونی چاہئے، اس کی کیا مقدار ہے اور بعد اختتامِ نمازِ فجر کتنے منٹ طلوعِ آفتاب کو باقی رہنا چاہئیں، مفصل طور پر بیان فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب

آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقتِ مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر[1] (فجر کو خوب روشن کرو کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ ت) مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولٰی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۱۲) مرسلہ ولی احمد قلعی گر رانی کھیت صدر بازار ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

جناب پیر صاحب قبلہ السلام علیکم، بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ جمعہ کا وقت جاڑے کے دنوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے اور گرمیوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے خلاصہ حال سے براہِ مہربانی اطلاع دیجئے اور عصر کا وقت کتنے بجے تک رہتا ہے یہ بھی اطلاع دیجئے ایک شخص اعتراض کرتے ہیں جمعہ کے وقت کا اس وجہ سے آپ کو تکلیف دی فقط والسلام۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب تعجیل الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۱

الجواب

جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے سایہ جب تک سایۂ اصلی کے سوا دو مثل کو پہنچے جمعہ و ظہر دونوں کا وقت باقی رہتا ہے، بریلی میں ریلوے وقت سے جاڑوں میں کم از کم ۳ بج کر چالیس منٹ تک وقت رہتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ ۵ بج کے ۲ منٹ تک، عصر کا وقت غروب تک ہے اور اس سے تقریباً بیس منٹ پہلے وقتِ کراہت شروع ہو جاتا ہے، غروب جاڑوں میں ۵ بج کر ساڑھے ۵ منٹ پر ہوتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ سات بج کے چودہ منٹ پر، و ھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۳) ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ناجائز ہے، قال اللہ تعالٰی: ان الصلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتٰبا موقوتا[1] (بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا) کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کھو کر پڑھنا روا بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ ان تؤخر صلاۃ حتی یدخل وقت صلاۃ اخری[2]۔

سونے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگنے میں ہے کہ تو ایک نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی رواہ مسلم و احمد و ابوداود والطحاوی وابن حبان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سفر و حضر میں حاضر بارگاہِ رسالت پناہ ہم رکاب نبوت مآب رہا کرتے صاف صریح انکار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کبھی دو نمازیں جمع فرماتے نہ دیکھا مگر مزدلفہ و عرفات میں جہاں کی جمع ہنگام حج حجاج کے لیے سب کے نزدیک متفق علیہ ہے نویں تاریخ عرفات میں ظہر و عصر پھر نویں شب مزدلفہ میں مغرب عشا ملا کر پڑھتے ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم و سنن ابی داود و سنن نسائی و شرح معانی الآثار امام طحاوی میں اس جناب

---

[1] القرآن ۴/۱۰۳

[2] مسند احمد بن حنبل مسانید ابن ابی قتادۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۳۰۵

سے ہے: قال ما رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتہا الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتہا[1]۔ وفی لفظ للنسائی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلاۃ لوقتہا الا بجمع وعرفات[2]۔ سیدنا امام محمد مؤطا شریف میں بسند صحیح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: انہ کتب فی الاٰفاق ینہاہم ان یجمعوا بین الصلاتین ویخبرہم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر[3] (یعنی اُس جناب خلافت مآب ناطق بالحق والصواب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان تحریر فرما بھیجے کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع نہ کرے اور اُن میں ارشاد فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں ملانا کبیرہ گناہوں سے ایک گناہ کبیرہ ہے)

مخالفین کے پاس جمع حقیقی پر قرآن وحدیث سے اصلاً کوئی دلیل نہیں جو کچھ پیش کرتے ہیں یا تو جمع صوری صریح ہے یعنی ظہر یا مغرب کو اُس کے ایسے آخر وقت میں پڑھنا کہ فارغ ہوتے ہی فوراً یا ایک وقفہ قلیل کے بعد عصر یا عشا کا وقت آجائے پھر وقت ہوتے ہی معاً عصر یا عشا کا پڑھ لینا کہ حقیقت میں تو ہر نماز اپنے وقت پر ہُوئی مگر دیکھنے میں مل گئیں ایسی جمع مریض ومسافر کے لیے ہم بھی جائز مانتے ہیں اور حدیثوں سے یہی ثابت ہے یا محض مجمل ہے جس میں جمع حقیقی کی اصلاً بُو نہیں یا صاف محتمل کہ احادیث جمع صوری سے بہت اچھے طور پر متفق ہوسکتی ہے غرض کوئی حدیث صحیح وصریح مفسر اُن کے ہاتھ میں اصلاً نہیں بعونہٖ تعالٰی اس کا نہایت شافی ووافی بیان فقیر نے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ میں لکھا کہ اس سوال کے آنے پر تحریر کیا جسے تحقیقِ حق منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۴: مرسلہ جناب مولانا مولوی شاہ عبدالغفار صاحب قادری قدوسی مدرس اول مدرسہ جامع العلوم معسکر بنگلور

مولنٰا المولوی جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب قادری الحنفی البرکاتی البریلوی ادام برکاتکم والطافکم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم حضرت قاضی مفتی ارتضا علی خاں صاحب جو وقت اخراج کے اس طور سے کہ پہلے ایک تختۂ اصطرلاب اپنے سامنے رکھے تھے اور دو دائرہ ہندیہ پتھر پر تیار کرکے اصطرلاب پر شاقول پھرائے اور دائرہ ہندیہ پر نظر کرکے ایسا ایک ہی کامل محنت کرکے یہ رسالہ لکھے ہیں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ مدار اس تیرہ[13]

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۷

[2] سنن النسائی الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ 〃 سلفیہ لاہور ۲/۴۹

[3] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس مجتبائی لاہور ص ۱۳۲

درجہ پر واقع ہے اور یہ معسکر بنگلور دوسو ستر[274] میل پر ساڑھے سترہ درجہ پر ہے ہم اس حساب سے ۵ لحظہ بڑھا کر لیتے ہیں اس رسالہ میں جو ۵ لحظہ دیری کرنا لکھے ہیں حاجت نہیں ریلوے حساب سے مدراس اور یہاں دو لحظہ ہی کا فرق ہے اگر ۵ لحظہ تاخیر کریں تو کافی رہا آپ کا بریلی شہر اس حساب کے موافق ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اغلباً شاید چودہ[14] درجہ پر ہے، بینوا توجروا۔

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اختلاف اوقات بہ تقدم وتاخر تو ضرور تبدیل طول بلد سے ہوجاتا ہے مگر وہ وجہ تغیر حساب نہیں مثلاً جس بلد میں طلوع شمس کسی جز میں سات بجے پر ہو تو اس عرض کے جتنے بلاد وآفاق ہیں سب میں طلوع شمس جز مذکور میں سات ہی بجے ہوگا بلاتفاوت اگرچہ بلد شرقی میں سات پہلے بجیں گے اور غربی میں بعد، ہاں اختلاف عرض موجب تزاید وتناقص وتغیر حساب ہوتا ہے کہ اس کے باعث تعدیل النہار ومطالع البروج و قوس النہار وقوس اللیل وغایت ارتفاع وغایت انحفاض وغیرہا امور جن پر ابتنائے حساب اوقات ہے متبدل ہوجاتے ہیں مدراس بنگلور کے عرض میں ایسا تفاوت نہیں کہ تغیر معتد بہ دے، مدراس تیرہ[13] درجے ۵ دقیقہ پر ہے اور بنگلور جہاں تک مجھے مراجعت اطالس سے معلوم ہوا ہے علی قول بارہ[12] درجے انسٹھ[59] دقیقہ اور علی قول آخر ۱۲ درجے ۵۵ دقیقے پر ہے۔ یہ چھ یا دس دقیقے کا تفاوت چنداں مغیر اوقات نہ ہوگا، پانچ دقیقہ ساعت جو آپ نے مقرر فرمائے کثیر ہیں بریلی کا عرض ۲۸ درجے ۲۱ دقیقے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر کا کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے اور جو شخص نہایت اندھیرے میں اول وقت نمازِ فجر پڑھے اور لوگوں کو اُسی وقت پڑھنے کی تاکید کرے اور کہے بعد روشنی کے نماز مکروہ ہوتی ہے وہ شخص سچا ہے یا نہیں اور وہ نماز اُس کی مستحب وقت پر ہوتی یا نہیں، اور مستحب وقت اس نماز کا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وقت نمازِ فجر کا طلوع یا انتشار صبح صادق سے ہے علی اختلاف المشائخ اور انتہا اس کی طلوع اول کنارۂ شمس ہے اور ہمارے علماء کے نزدیک مردوں کو دواماً ہر زمان و ہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہوجائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس چاہئے صرح به فی عامة کتبهم (فقہا کی عام کتب میں اس بات کی تصریح ہے) اس میں احادیث صریحہ معتبرہ وارد، ترمذی ابوداود ونسائی دارمی ابن حبان طبرانی حضرت رافع بن خدیج سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر[1] (یعنی صبح کو خوب روشن کرو کہ اسفار میں اجر زیادہ ہے) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ولفظ الطبرانی، فکلما اسفرتم بالفجر فانه اعظم للاجر[2]۔ ولفظ ابن حبان: کلما اصبحتم بالصبح فانه اعظم لاجورکم[3]۔ ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ جس قدر اسفار میں مبالغہ کرو گے ثواب زیادہ پاؤ گے اور طبرانی و ابن عدی نے انہی صحابی سے روایت کیا:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبلال: یا بلال! ناد بصلاۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان اس وقت دیا کرو جب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ لیں بسبب روشنی کے۔

اور پُرظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہوجائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی، ابن خزیمہ اپنی صحیح اور امام طحاوی شرح معانی الآثار میں بسند صحیح حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی شیئ، کما اجتمعوا علی التنویر[5]۔	اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کسی بات پر اتفاق نہ کیا جیسا تنویر و اسفار پر۔

حدیث صحیحین سے ثابت کہ نمازِ فجر اول وقت پڑھنا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے خلاف تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ میں حضور کے مغرب کو بوقتِ عشا اور فجر کو اول وقت پڑھنے کی نسبت فرمایا: ان ھاتین الصلاتین حولتا عن وقتیھما فی ھذا المکان[6] (یعنی یہ دونوں

---

[1] مشکوۃ المصابیح باب تعجیل الصلوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۱
جامع الترمذی ماجاء بالاسفار بالفجر " مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۲
[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رافع بن خدیج " المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵۱
[3] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان کتاب الصلوۃ حدیث ۱۴۸۷ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۳/ ۲۳
[4] مجمع الزوائد باب وقت صلاۃ الصبح مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۱/ ۳۱۶
[5] شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلی ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۶
[6] صحیح بخاری کتاب الصلوۃ متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۸

نمازیں اپنے وقت سے پھیردی گئیں اس مکان میں) بخاری و مسلم کی دُوسری روایت میں ہے ، صلی الفجر قبل وقتہا بغلس[1] صبح کی نماز پڑھی قبل اس کے وقت کے تاریکی میں اور قبل وقت سے قبل از طلوع فجر مراد نہیں کہ یہ خلاف اجماع ہے معہذا حدیث بخاری سے ثابت کہ فجر طالع ہوچکی تھی تو بالضرور قبل از وقت معہود مقصود ہے و ہو المطلوب ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اس حدیث کے راوی ہیں حضر و سفر میں ملازمت والا سے مشرف رہتے یہاں تک کہ لوگ انھیں اہل بیت نبوت سے گمان کرتے اور ان کے لیے استیذان معاف تھا کل ذلك ثابت بالاحادیث (یہ سب احادیث سے ثابت ہے ۔ ت) تو اُن کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ کسی نماز کو غیر وقت پر پڑھا ہو سوا اِن دُو نمازوں کے ، اس مضمون کا مؤکد و مؤید ہے اور حکمت فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیر جماعت ہے جو شارع کو مطلوب و محبوب اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا اور یہ دونوں ناپسند و مکروہ ، اسی لیے امام کو تخفیف صلاۃ اور کبیر و ضعیف و مریض و حاجتمند کی مراعات کا حکم فرمایا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جماعت میں قرأت طویل پڑھی لوگ شاکی ہُوئے ، ارشاد ہُوا :

یامعاذ! افتان انت ؟ یامعاذ! افتان انت ؟ فالہ ثلثا[2] ۔ اے معاذ! کیا تم ، لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی ۔ (ت)

اور اوّل وقت نماز کی افضلیت اگر مطلقاً تسلیم کربھی لی جائے تاہم دفع مفاسد جلب مصالح سے اہم و اقدم ہے ، آخر نہ دیکھا کہ تطویلِ قرأت پر عتاب ہوا حالانکہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن و افضل ہی ہے معہذا نماز فجر کے بعد تا اشراق ذکرِ الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار ، اب رہا یہ کہ حدِ اسفار کیا ہے ، بدائع و سراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دُو حصے کیے جائیں حصّہ اوّل تغلیس اور آخر میں اسفار ہے ۔ اور امام حلوائی و قاضی امام ابو علی نسفی وغیرہما عامہ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقرأت مسنونہ ترتیل و اطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کرکے پھر اُسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے ، بعض کہتے ہیں کہ نہایت تاخیر چاہیے کہ فساد موہوم ہے اور اسفار مستحب ، مستحب کو موہوم کے لیے نہ چھوڑیں گے مگر ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہوجائے بالاجماع مکروہ ،

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب التغلیس بصلوٰۃ الصبح کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۴

[2] ” باب قرأۃ فی العشاء ” ” ” ۱/ ۱۸۷

ففی غنیۃ المستملی للعلامۃ الحلبی اثرًا عن البدائع، وحدہ (یعنی التغلیس) مادام فی النصف الاول من الوقت۔ وفیھا عن الفتاوی الخانیۃ، وحد التنویر ما قال شمس الائمۃ الحلوانی والقاضی الامام ابو علی النسفی، انہ یبدأ الصلوۃ بعد انتشار البیاض فی وقت لو صلی الفجر بقراءۃ مسنونۃ ما بین اربعین اٰیۃ الی ستین اٰیۃ، ویرتل القراءۃ، فاذا فرغ من الصلاۃ، ثم ظھر لہ سھو فی طھارتہ، یمکنہ ان یتوضأ ویعید الصلاۃ قبل طلوع الشمس. کما فعل ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما. وعلی ھذا، ما فی محیط رضی الدین و الخلاصۃ والکافی وغیرھا[1]؛ انتھٰی. قلت، ومثلہ فی فتاوی قاضی خان، ونحوہ فی الفتاوی العالمگیریۃ عن التبیین۔ وقیل: یؤخرھا جدا، لان الفساد موھوم فلم یترک المستحب

غنیۃ المستملی میں علامہ حلبی نے بدائع سے یہ اثر نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار (یعنی تغلیس کی) یہ ہے کہ وقت فجر کے پہلے نصف تک۔ اسی میں فتاوٰی خانیہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ حلوانی اور قاضی امام ابوعلی نسفی کے بقول تنویر کی مقدار یہ ہے کہ نماز سفیدی پھیلنے کے بعد اس وقت شروع کرے کہ اگر فجر کی نماز قراءۃ مسنونہ سے پڑھے، یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیتیں ترتیل کے ساتھ پڑھے، اور جب نماز سے فارغ ہو تو یاد آئے کہ طہارت میں سہو ہوگیا تھا تو (اتنا وقت باقی ہو کہ) وضو کرکے طلوع سے پہلے دوبارہ نماز پڑھ سکے، جیسا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا۔ محیط رضی الدین، خلاصہ اور کافی وغیرہ میں بھی اسی کے مطابق ہے۔ انتہٰی۔ میں نے کہا اسی کے مطابق فتاوٰی قاضی خان میں بھی ہے اور عالمگیری میں بھی تبیین سے منقول ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ (نماز فجر میں) بہت زیادہ تاخیر کرے کیونکہ (نماز کے بعد طہارت میں غلطی رہ جانے کا خیال آنا اور اس طرح) نماز کا فاسد ہونا، محض فرضی صورت ہے،

---

[1] التعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی شرط خامس الوقت مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۰۶

نوٹ: اعلٰیحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فی غنیۃ المستملی فرما کر منیۃ المصلی کی شرح حلبی کبیر کی طرف اشارہ کیا ہے، فقیر نے حلبی کبیر کو کافی کوشش کے ساتھ دیکھا ہے۔ اس میں یہ عبارت نہیں مل سکی، ہوسکتا ہے کاتب کی غلطی سے غنیۃ المستملی لکھا گیا ہو اصل لفظ حلیۃ المحلی ہو، کیونکہ التعلیق المجلی جو منیۃ المصلی کی شرح پہ ایک حاشیہ ہے۔ اس میں یہ عبارت حلیۃ المحلی کے حوالے سے ملی ہے اور چونکہ حلیۃ المحلی بھی اس وقت دستیاب نہیں۔ اسی لیے التعلیق المجلی سے حوالہ نقل کیا ہے۔ (نذیر احمد سعیدی)

لاجله ـ وقيل ، حده ان يرى مواضع النبل ـ ثم كما فى محيط رضى الدين وغيره ، لا يؤخرها تاخيرا يقع الشك فى طلوع الشمس[1] ـ انتهى ملخصًا ـ وفى البحر الرائق ، قالوا : يسفربها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه ان يعيدها فى الوقت ، بقراءة مستحبة ـ و قيل : يؤخرها جدا ، لان الفساد موهوم فلا يترك المستحب لاجله ـ وهو ظاهر اطلاق الكتاب (يعنى الكنز ، حيث قال ، وندب تاخير الفجر ، ولم يقيد بشئ) لكن لا يؤخرها بحيث يقع الشك فى طلوع الشمس ـ وفى السراج الوهاج ، حد الاسفار ان يصلى فى النصف الثانى ، ولا يخفى ان الحاج بمزدلفة لا يؤخرها ـ وفى المبتغى ، بالغين المعجمة ، الافضل للمرأة فى الفجر الغلس ، وفى غيرها الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة[2] ـ انتهى ما فى البحر ـ وفى الدر المختار ، والمستحب للرجل الابتداء فى الفجر باسفار والختم به ، هو المختار ، بحيث يرتل اربعين اٰية ثم يعيده بطهارة لو فسد ـ وقيل : يؤخر جدا ، لان الفساد موهوم ، الا الحاج بمزدلفة ،

اس لیے اس کی وجہ سے مستحب (تنویر) کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اتنی تنویر ہونی چاہئے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آسکے ــــ پھر ــــ جیسا کہ محیط وغیرہ میں ہے ــــ یہ خیال رکھے اتنی تاخیر نہ ہونے پائے کہ سورج طلوع ہونے کا شک ہونے لگے۔ انتہیٰ ملخصا۔ اور بحرالرائق میں ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اتنی تنویر کرے کہ اگر (نماز کے بعد) نماز کے فاسد ہونے کا پتا چلے تو قراءتِ مستحبہ کے ساتھ اسی وقت میں لوٹا سکے۔ اور بعض نے کہا کہ بہت تاخیر کرے کیونکہ (اس طرح نماز کا) فاسد ہونا ایک مفروضہ ہے۔ اس کی وجہ سے مستحب کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کتاب کے اطلاق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے (کتاب سے مراد کنز ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ فجر کی تاخیر مستحب ہے اور کوئی قید نہیں لگائی) لیکن اتنی تاخیر بہرحال نہ کرے کہ سورج چڑھ جانے کا شک ہونے لگے۔ اور السراج الوہاج میں ہے کہ تنویر کی مقدار یہ ہے کہ وقت کے نصف ثانی میں پڑھے، لیکن واضح رہے کہ مزدلفہ میں حاجی تاخیر نہ کرے۔ اور ملتقیٰ میں ہے کہ عورت کے لیے صبح میں تغلیس بہتر ہے۔ اور دیگر نمازوں میں لوگوں کے جماعت سے فارغ ہونے تک انتظار بہتر ہے۔ انتہیٰ ما فی البحر۔ اور درمختار میں ہے کہ مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ صبح

---

[1] التعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی شرط خامس الوقت مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۰۶

[2] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

فالتغلیس افضل، کمرأۃ مطلقا۔[1]

کی نماز شروع بھی تنویر میں کرے اور ختم بھی تنویر میں کرے۔ یہی مختار ہے، اس طرح کہ اس میں چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھے اور بعد میں اگر فاسد ہونے کا پتا چلے تو وضو کرکے لوٹا سکے، اور بعض نے کہا ہے کہ بہت مؤخر کرے کیونکہ ایسا فاسد ہونا موہوم ہے، البتہ مزدلفہ میں حاجی کے لیے تغلیس بہتر ہے جیسا کہ عورت کے لیے ہر جگہ تغلیس بہتر ہے۔ (ت)

اُس شخص کا اول وقت اندھیرے میں نماز پڑھنا سنّت کی مخالفت کرنا ہے اور اُن کو اس کی تاکید کرنی مخالف سنّت کی طرف بلانا ہے اور یہ کہنا کہ روشنی میں نماز مکروہ ہوتی ہے سنّت کو مکروہ کہنا اور شریعت مطہرہ پر بہتان اٹھانا ہے۔ اللہ تعالٰی ہدایت دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱۶۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت مستحب ظہر کا گرما میں کیا ہے اور جو شخص موسم مذکور میں بعد زوال اوّل وقت نمازِ ظہر پڑھے اور لوگوں کو بھی تاکید کرے کہ وقت اولٰی یہی ہے، آیا وہ شخص حق پر ہے یا ناحق پر، بیّنوا توجروا۔

الجواب

موسم گرما میں ظہر کا ابراد کرکے پڑھنا مستحب ہے تمام کتب حنفیہ میں یہ معنی مصرح ہے اور اوّل وقت میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکمِ اقدس سے عدول، حضور فرماتے ہیں:

اذا اشتد الحر فابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم۔ متفق علیہ[2]

جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرو کہ شدتِ گرمی وسعت دم دوزخ سے ہے۔

اور بخاری و نسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للنسائی قال:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کان الحر ابرد بالصلٰوۃ واذا کان البرد عجل۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب گرمی ہوتی نماز ٹھنڈی کرتے اور جب سردی ہوتی تعجیل فرماتے۔

اور بخاری مسلم ابوداود و ابن ماجہ نے سیدنا ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، قال:

اذن مؤذن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

یعنی مؤذنِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ ظہر

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۶۰/۱

[2] صحیح لمسلم استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر الخ ” قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۲۲۴/۱

[3] سنن النسائی تعجیل الظہر فی البرد ” مکتبہ سلفیہ لاہور ۵۸/۱

الظہر، فقال: ابرد، ابرد، اوقال: انتظر، انتظر، وقال: شدۃ الحر من فیح جہنم، فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ۔ حتی رأینا فیئ التلول[1]

دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا فرمایا: انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا: سختی گرما جہنم کی وسعت نفس سے ہے تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو، یہاں تک کہ ہم نے دیکھا ٹیلوں کا سایہ۔

دوسرے طریق میں ہے:

کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر فاراد المؤذن ان یؤذن الظہر فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال لہ ابرد حتی رأینا فیئ التلول[2] الحدیث۔

ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر پھر چاہا کہ اذان دے پھر فرمایا: ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔

اور مسلم میں ابراہیم کے طریق میں شعبہ سے مؤذن کا تین بار ارادہ اور حضور کا یہی حکم فرمانا وارد ہوا قلت و مسلم ثقۃ فزیادتہ مقبولۃ (میں کہتا ہوں کہ مسلم ثقہ ہے اس لیے اس کا اضافہ مقبول ہے۔ ت)

اقول اب یہاں سے مبالغہ تاخیر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ مؤذن نے تین بار اذان کا ارادہ کیا اور ہر دفعہ ابراد کا حکم ہوا اور یقیناً معلوم ہے کہ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ ضرور تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور وہ وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو ورنہ لازم آئے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تعمیل حکم نہ کی اور جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بھی دیر میں ہوئی ہوگی۔ علما فرماتے ہیں ٹیلے غالباً بسیط اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کا سایہ دوپہر کے بہت دیر بعد ظاہر ہوتا بخلاف اشیائے مستطیلہ مانند منارہ و دیوار وغیرہما، امام ہمام احمد بن محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: ٹیلوں کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا مگر جب اکثر وقت ظہر کا جاتا رہے ابوداود و نسائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں قال:

کان قدر صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظہر فی الصیف، ثلثۃ اقدام

گرمی میں نماز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مقدار تین قدم سے پانچ قدم

---

[1] سنن ابی داود وقت صلٰوۃ الظہر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۸

[2] " " " " "

الی خمسۃ اقدام[1]۔ تک تھے۔

یعنی جب سایہ ہر چیز کا اس کے ساتویں حصہ کے تین یا پانچ مثل ہو جاتا تو حضور پُرنور نماز ادا فرماتے اور معلوم ہے کہ حرمین شریفین زادہما اللہ تعالٰی شرفاً میں گرمی کے موسم میں اس قدر سایہ نہایت دیر میں واقع ہوگا کہ وہاں سایۂ اصلی اس موسم میں نہایت قلت پر ہوتا ہے بعض اوقات میں دو انگل سے زائد نہیں پڑتا اور مکہ معظمہ میں تو بعض اوقات یعنی آفتاب سمت الراس پر گزرے مطلقاً نہیں ہوتا یہ بات وہاں اُس وقت ہوتی ہے جب آفتاب ہشتم جوزا یا بست و دوم سرطان پر ہو یعنی ۳۰ مئی اور ۲۴ جولائی،

اخرج ابوداود والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم : امنی جبریل عند البیت مرتین، فصلی بی الظہر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک[2]، الحدیث۔ وفی البحر الرائق عن المبسوط، واعلم ان لکل شیئ ظلا وقت الزوال الا بمکۃ والمدینۃ فی اطول ایام السنۃ، لان الشمس فیہا تاخذ الحیطان الاربعۃ[3] اھ

ابوداود وترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ میرے امام بنے، تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے جتنا ہو گیا، الحدیث۔ اور بحرالرائق میں مبسوط سے منقول ہے کہ جان لو، زوال کے وقت ہر چیز کا سایہ ہوتا ہے، مگر سال کے سب سے طویل دن میں مکہ اور مدینہ میں سایہ نہیں ہوتا کیونکہ ان دنوں سورج چاروں دیواروں پر پڑ رہا ہوتا ہے، اھ

اقول وکانہ رحمہ اللہ، اطلق العدم واراد القلۃ، والا فالمدینۃ الطیبۃ عرضہا "الہ" زائد اعلی المیل کلی بدرجۃ وثلث وثلثین دقیقۃ، فکیف ینعدم فیہا الظل؟ ومکۃ عرضہا "کاجم" اقل من المیل الاعظم بدرجۃ وسبع واربعین دقیقۃ، فلا ینعدم فیہا الظل

میں کہتا ہوں: یوں لگتا ہے کہ صاحبِ مبسوط رحمہ اللہ تعالٰی نے سایہ نہ ہونے سے مراد سایہ تھوڑا ہونا لیا ہے، ورنہ مدینہ طیبہ کا عرض "الہ" ہے جو میلِ کلی سے ایک درجہ اور تینتیس دقیقہ زائد ہے، تو وہاں سایہ کیسے معدوم ہوسکتا ہے؟ اور مکہ کا عرض "کاجم" ہے جو میلِ اعظم سے ایک درجہ اور سینتالیس دقیقہ کم ہے، اس لیے سب سے طویل دن میں

---

[1] سنن النسائی باب الابراد بالظہر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۹
[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۶
[3] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

فی اطول الایام ، بل یکون جنوبیا ، وانما ینعدم حیث ذکرنا ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

وہاں سایہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ جنوبی طرف ہوتا ہے ۔ معدوم ہونے کا وقت وہ ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں (یعنی جب آفتاب سمت الراس پر گزرے) ۔ (ت)

اور حد ابراد فعل شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باحادیث سیدنا ابی ذر و سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما معلوم ہو چکی مگر سایہ کا حال اختلاف بلاد سے مختلف ہوتا ہے اور فقہ میں اس کی یہ حد ذکر کی گئی کہ سائے سائے میں مسجد تک چلا آئے فی الدرالمختار وتاخیر الصیف بحیث یمشی فی الظل[1] اور اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہوا اور بحرالرائق میں ہے کہ قبل اس کے کہ سایہ ایک مثل کو پہنچے ادا کرے حیث قال وحدہ ان یصلی قبل المثل[2] شاید یہ اس پر مبنی ہے کہ انتہائے وقت ظہر میں علما مختلف ہیں امام کے نزدیک دو مثل اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل معتبر ہے تو بہتر یہ ہے کہ ایک مثل تک ادا ہو جائے ورنہ ہدایہ میں تصریح کرتے ہیں کہ ظہر میں ابراد کا حکم ہے اور حرمین شریفین میں جب سایہ ایک مثل کو پہنچتا ہے عین اشتداد گرمی کا وقت ہوتا ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

---

[1] دُرمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰
[2] البحرالرائق " مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

فصل فی اماکن الصلوٰۃ

مسئلہ (۳۱۷) ازمقام چتورگڑھ علاقہ اُدیپور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب بتاریخ ۱۶ ربیع الاول شریف بروز سہ شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایسی جگہ نماز کا وقت آیا کہ دُور دُور تک زمین تر اور ناپاک ہے اگر سجدہ کرتا ہے تو کپڑے تر ہو کر ناپاک ہوتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کہ نیچے بچھا کر اس پر کپڑا پاک ڈال کر نماز پڑھے تو ایسی صورت میں کس طرح نماز ادا کرے اشارہ سے یا سجدہ و رکوع سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع مطہر کسی وقت کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں مگر ایسی صورت میں قبل از وقوع بے اندیشہ صحیحہ وقوع فرض کرکے سوال کرنا وبال لانا ہے اور کبھی اُسے مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے، حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن نقل المسائل۔[1]
رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بے ضرورت مسائل پُوچھنے سے منع کیا ہے۔ (ت)

رہا سوال کا جواب، وہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا[2] (اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔ ت)

[1]

[2] القرآن ۲/۲۸۶

فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم[1] (جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرو۔ ت)

ما جعل علیکم فی الدین من حرج[2] (اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ ت)

نماز کھڑے کھڑے اشارے سے پڑھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۸) مسئولہ محمد خاں نمبردار بڑودہ ڈاک خانہ پنڈراول ضلع بلندشہر یکشنبہ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع بڑودہ ضلع بلندشہر میں کوئی عیدگاہ نہیں ہے عرصہ تخمیناً ۸ سال کا ہوا جب میں نے آبادی دیہہ جانب اُتر جنگل اوسر بملکیت خود میں نے ایک چبوترہ خام واسطے عیدگاہ کے بنوایا تھا جس کی بنیاد جناب مولنا بہاء الدین شاہ صاحب ساکن مرشد آباد نے رکھی تھی اس جنگل اوسر میں جگہ عیدگاہ و متصل چبوترۂ عیدگاہ اہل ہنود کے مُردے جلا کرتے تھے جب چبوترۂ عیدگاہ قائم ہوگیا تو اہل ہنود نے دوسری جگہ مُردے جلانے شروع کردیے اب بعض اشخاص اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرگھٹ قبر کی تعریف میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہوا و بارش سے ہڈیاں و خاک بہہ جاتی ہے اور قبر کے اندر مُردہ دفن ہوتا ہے امید کہ جواب سے معزز فرمایا جائے۔

الجواب

اگر چبوترہ ایسی مٹی سے بنایا گیا جس میں مُردہ ہندوؤں کی نجاست نہ تھی یا اُس زمین کی مٹی جہاں تک اُن کی نجاستیں تھیں کھود کر پھنکوادی پھر اُس زمین ہی کو نماز کے لیے کردیا تو اس میں کوئی حرج نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنا فرمائی وہ ایک نخلستان تھا جس میں مشرکین دفن ہوتے تھے فامر بقبور المشرکین حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی[3] کما فی صحیح البخاری وغیرہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۹) مسئولہ شمشیر خاں درگاہ جیلانی موضع بڑودہ ضلع بلندشہر معرفت مولوی اسمعیل صاحب محمود آبادی سہ شنبہ ۲۳ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ۔

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ کو جس میں ہڈیاں تک مشرکین کی نظر آتی ہیں اُسے چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کرنے سے خاطی و گنہگار تو نہ ہوں گے اختلاف اُس

---

[1] القرآن ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن ۲۲/ ۷۸

[3] صحیح البخاری باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۱

چبوترہ پر نماز ادا کرنے سے اکثر لوگوں کو ہے جبکہ کئی سال ہوئے جب سے چبوترہ بنایا گیا اکثر مسلمان دوسری جگہ نماز پڑھنے جاتے تھے اس سال سبھوں نے مل کر عیدگاہ پختہ بنوانا شروع کردی، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب

۱۶ شعبان کو یہ سوال آیا تھا جواب دیا گیا کہ اگر چبوترہ کی مٹی میں نجاست کی آمیزش نہیں یا زمین ہی کھود کر اُن نجاستوں سے پاک کردی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں اب سوال میں اظہار ہے کہ اس میں مشرکوں کی ہڈیاں تک نظر آتی ہیں ایسی حالت میں اُس پر نماز پڑھنا ہی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۰) از ندی پار بتی علاقہ ریاست گوالیار گونا باورریلوے ڈاک خانہ ندی مذکور مرسلہ سید کرامت علی صاحب محرر منشی محمد امین صاحب ٹھیکیدار ریلوے مذکور ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

بخدمت فیض درجت جناب مولانا و مرشدنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام اقبالہ بعد السلام علیک واضح رائے شریف ہو کہ بوجہ چند ضروریات کے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ بنظر توجہ بزرگانہ جواب سے معزز فرمایا جاؤں، اوّل یہ کہ جس مکان میں کوئی شخص شراب پیے اُس میں نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ دُوسرے یہ کہ جائے نماز برابر کسی شخص کی چارپائی کے بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اُس صورت میں کہ اُس چارپائی پر وہ شخص سوتا ہو یا بیٹھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر وہ شخص وہاں اُس وقت شراب پینے میں مشغول نہیں، نہ وہاں شراب کی نجاست ہے تو ایسے وقت وہاں نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں اور اگر بالفعل وہ شخص شراب پی رہا ہے تو بلاضرورت وہاں نماز نہ پڑھے کہ شراب خور پر بحکم احادیث صحیحہ لعنتِ الٰہی اُترتی ہے اور محلِ نزولِ لعنت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے اس لیے سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قوم ثمود کی جائے ہلاک میں نماز نہ پڑھی کہ وہاں عذاب نازل ہُوا تھا نیز شراب پیتے وقت شیطان حاضر اور اس کا غلبہ واستیلا ظاہر ہے اور محل غلبۂ شیطان میں نماز نہ پڑھنی چاہیے اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ تعریس جب نمازِ فجر سوتے میں قضا ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھو کہ یہاں تمہارے پاس شیطان حاضر ہوا تھا حالانکہ وہ فوت قصدی نہ تھا سوتے سے آنکھ بحکمتِ الٰہی نہ کھلی تھی اور اگر وُہ مکان ہی شراب خوری کا ہو کہ فساق فجار اپنا یہ مجمع ناجائز وہاں کیا کرتے ہوں جب تو بدرجہ اولٰی وہاں نماز مکروہ ہے کہ اب وہ مکان حمام سے زیادہ مرجع و ماوائے شیاطین ہے اور علماء نے حمام میں کراہت نماز کی یہ وجہ ارشاد فرمائی کہ وہ شیطان کا ماوٰی ہے

کما فی رد المحتار وغیرہ ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۔

(۲) اگر کوئی شخص چارپائی پر بیٹھا خواہ لیٹا ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے تو اس کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اُس طرف پیٹھ کیے سورہا ہے جب بھی مضائقہ نہیں، مگر سوتے کے پیچھے پڑھنے سے احتراز مناسب ہے دو وجہ سے، ایک یہ کہ کیا معلوم اس کے نماز پڑھنے میں وہ اس طرف کروٹ لے اور ادھر اس کا مُنہ ہوجائے، دوسرے محتمل ہے کہ سوتے میں اس سے کوئی ایسی شے صادر ہو جس سے نماز میں اسے ہنسی آجانے کا اندیشہ ہو المسألۃ فی رد المحتار عن الغنیۃ والوجہ الاول مما زدتہ (یہ مسئلہ درمختار میں غنیہ سے منقول ہے اور پہلی وجہ میں نے اضافہ کیا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ (۳۲۱) از موضع منڈنپور تھانہ ڈاکخانہ میرگنج ضلع بریلی مرسلہ غلام ربانی صاحب زمیندار

یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جنگل میں ہے اور نماز کا وقت ہوگیا تو کھیت یا بنجر ملکیت غیر میں نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں اور ٹانڈ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

دوسرے کی کھیتی میں نماز پڑھنا ممنوع ہے بے اس کی اجازت صریح کے گنہگار ہوگا مگر نماز ادا ہوجائے گی اور بنجر میں پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یونہی وہ کھیت جس میں کھیتی نہ ہو۔ ٹانڈ پر نماز نہیں ہوسکتی مگر اس حالت میں کہ وہ مثل تخت کے ہو مثلاً لکڑیاں باندھ کر اُن پر تخت رکھ لیے ہوں یا خود تخت ہی باندھ لیا ہو یا ایسا سخت بنا ہُوا ہو کہ سجدہ میں سر ٹھہر جائے زور کرنے سے زیادہ نیچا نہ جُھکے، وہو تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ (۳۲۲) از مین پوری مکان مولوی محمد حسن صاحب وکیل مرسلہ شیخ انوار الحسن صاحب ابن مولوی صاحب مذکور

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے کے سبب بندر ہوگئے یہ بات ثابت ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اُس پر مستقر ہوجائے یعنی اُس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کریں اس سے زائد نہ دبے ایسی چیز پر نماز جائز ہے خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہُوا گاڑی کا کھٹولا یا کوئی شے، اور یہ جو جاہلوں میں بلکہ عورتوں میں مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے سے مسخ ہوگئے محض غلط وباطل ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

ضابطه ان لا یتسفل بالتسفیل، فحینئذ جاز سجوده علیه[1]

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر دبانے سے نیچے نہ دبے تو اس پر سجدہ جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تفسیرہ، ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلك، فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان کانت علی الارض[2]

اس کی تشریح یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اگر سر کو مزید نیچے کرنا چاہے تو نہ کر سکے، اس لیے دبیز کپڑے پر، چھُوٹی پر، گندم پر، جَو پر، تخت پر اور گاڑی پر اگر وہ زمین پر کھڑی ہو تو سجدہ صحیح ہے۔ (ت)

نظر کیجئے تو یہ خاص مسئلہ کا جزیہ ہے زبانِ عرب میں سریر تخت و چارپائی دونوں کو شامل ہے کما لا یخفی علی من طالع الاحادیث الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۲۳) از خیر آباد ضلع سیتاپور محلہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ جناب سید فخر الحسن صاحب نبیرہ مولوی نبی بخش صاحب مرحوم مفتی خیر آباد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسائل:

(۱) حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے تحت حدیث شریف الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ اھ تحریر فرمایا ہے:

اما مقبرہ از جہت آنکہ غالب در وے قذرات و اختلاط تربت اوست بانچہ جدا میگردد از مردہ یا از نجاست واگر مکان طاہر و نظیف باشد پس ہیچ باکے نیست و کراہتے نہ وبعض برانند کہ نماز در مقبرہ مکروہ است مطلقاً از جہت ظاہر ایں حدیث[3]

قبرستان میں نماز اس وجہ سے مکروہ ہے کہ عام طور پر وہاں گندگی ہوتی ہے اور اس کی مٹی مُردوں سے برآمد ہونے والی نجاستوں سے مخلوط ہوتی ہے اور اگر جگہ پاک اور ستھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قبرستان میں بہرصورت نماز پڑھنی منع ہے اس حدیث کی بنا پر۔ (ت)

اور کتاب حصّہ دوم سرورِ عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی کی حسب ذیل عبارت ہے:

"حدیث میں وارد ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے اور اس کی شرح میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے اُس

---

[1] غنیۃ المستملی الخامس من فرائض الصلوٰۃ السجدۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۹
[2] ردالمحتار فصل فی تالیف الصلوٰۃ الٰی انتہائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۷۰
[3] اشعۃ اللمعات باب المساجد الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۳۷

میں بہتر قول یہ ہے کہ اس وجہ سے منع ہے کہ اس میں ایک قسم کی مشابہت کفار کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے اور اس سبب سے یہ حکم ضروری ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور حنفیہ کے کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر قبر نمازی کے سامنے ہو تو یہ زیادہ مکروہ ہے اور اگر قبر داہنے یا بائیں جانب ہو تو اُس سے کم مکروہ ہے اور اگر قبر نمازی کے پیچھے ہو تو یہ اس سے بھی کم مکروہ ہے اور یہی قول اصح ہے اور علما کا عمل اسی پر ہے، اور شافعیہ کے فقہا نے لکھا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ نجاست کی جگہ ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے۔[1]"

حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے اپنے قول کی تائید میں کسی کتاب یا قول کسی مجتہد و امام کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنا مذہب تحریر فرمارہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ عمل علمائے حنفیہ اور کتب فقہ سے اپنے قول کو مضبوط تو کیا ہے مگر کوئی صاف پتا کسی کتاب یا قول کا نہیں تحریر کیا ہے جس سے اطمینان حاصل کیا جائے مگر شاہ صاحب موصوف کے فتوے کی زوردار عبارت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اُس مذہب کو اختیار کیا ہے جو مذہب اصح اور مختار حضرات علمائے حنفیہ کے خلاف اور ملتِ شافعیہ کے مطابق ہے جو علمائے حنفیہ کے نزدیک غیر صحیح ہے اور اپنے اس غیر صحیح مذہب کو اس قدر قوی کیا ہے کہ اُس کی تائید میں فرماتے ہیں:

اگر مکان طاہر و نظیف باشد پس ہیچ باکے نیست وکراہتے نہ۔

اگر جگہ پاک وستھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ (ت)

اس سوال کا جواب ایسی تفصیل کے ساتھ بحوالہ کتب فقہ حنفیہ تحریر فرمایا جائے کہ جس سے تناقض اقوال حضرات شیخ علیہ الرحمۃ و شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا بخوبی فیصلہ ہو کر آئندہ کے واسطے کوئی جھگڑا باقی نہ رہے اور کسی مخالف کو از روئے دلیل نقلی انکار کا موقع نہ ہو سکے۔

(۲) لفظ مقبرہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے سے کونسا مقام مراد ہے آیا محض وہی مقامات ہیں جہاں معمولاً مردگان دفن کیے جاتے ہیں مگر وہاں متعدد قبور سابقہ موجود ہیں یا وہ مقام بھی مراد ہے کہ بوجہ وصیت وغیرہ کے اندر کسی مکان کے یا متصل کسی مسجد کے یا نیچے کسی درخت کے کوئی میت مدفون کی گئی اور اب وہاں قبر موجود ہے یا کسی میدان میں اتفاقیہ کسی وجہ سے ایک یا دو مردے دفن کر دئے گئے اور قبر موجود ہے یا کسی جگہ کوئی قبر اتفاقیہ ہے اور اصطلاح عام میں وہ مقام لفظ قبرستان سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے ہر چہار مقامات متذکرہ بالا کی نسبت کیا کیا حکم ہے اور کون کون مقامات حکم مقبرہ میں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے داخل نہیں ہیں۔

(۳) بموجب فتوٰی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اگر یمیناً و شمالاً و خلفاً قبر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے تو ضرور ہوا

---

[1] فتاوٰی عزیزی الصلوٰۃ فی المقابر کتب خانہ رحیمیہ یوپی (بھارت) ۱۰/۲

کہ متصل قبر اندر مقبرہ جو جگہ نماز کے واسطے حاصل کی گئی یا متصل قبر اتفاقیہ کے یا بیرون مقبرہ غیر محاط متصل اُس کے واسطے دفع کراہت نماز کے سترہ کی یا مقدار فاصلے کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بصورت سامنے قبر ہونے کے سترہ یا فاصلہ کی ضرورت کتبِ فقہ سے معلوم ہوتی ہے اس کی نسبت جو حکم موافقِ قولِ اصح اور موافقِ عملِ حضراتِ علمائے حنفیہ ہو، تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نماز قبر پر مطلقاً مکروہ و ممنوع ہے بلکہ قبر پر پاؤں رکھنا ہی جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت[1] اھ وقد حققنا فی اھلاك الوھابیین[2]۔

قبروں پر پاؤں رکھنے سے گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے اھ اور اس کی تحقیق ہم نے اہلاک الوہابیین میں کی ہے۔ (ت)

اور قبر کی طرف بھی نماز مکروہ و ممنوع ہے جبکہ سترہ نہ ہو اور صحرا یا مسجد کبیر میں قبر موضع سجود میں ہو یعنی اتنے فاصلے پر جبکہ یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے اور اپنی نگاہ خاص موضع سجود پر جمی رکھے تو اس پر نظر پڑے کہ نگاہ کا قاعدہ ہے جس محل خاص پر اُسے جمایا جائے اس سے کچھ دُور آگے بڑھتی ہے مذہب اصح میں بحالت مذکورہ جہاں تک نگاہ پہنچے سب موضع سجود ہے کما نص علیہ فی الحلیۃ وغیرھا۔ مجتبی۔ پھر بحر پھر فتح اللہ المعین میں ہے:

یکرہ ان یطأ القبر او یجلس او ینام علیہ او یصلی علیہ او الیہ[3]۔

مکروہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھے یا سوئے یا اس پر نماز پڑھے یا اس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھے۔ (ت)

جنائز حلیہ پھر جنائز ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصلاۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذلك[4]۔

قبر کے اوپر یا اس کی طرف نماز مکروہ ہے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] واضح رہے کہ "اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین" فتاوٰی رضویہ کے اس مقام کے مترجم قاضی عبدالدائم دائم کے نانا جان قاضی محمد عمر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس پر اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے افادات کا اضافہ فرمایا ہے۔ (دائم)

[3] فتح المعین علی شرح الکنز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۶۲

[4] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیت واہداء ثوابہا لہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۶۷

فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

ان کان بینہ وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلٰوۃ ویمر انسان لایکرہ ، فہنا ایضا لایکرہ ۔ کذا فی التاتارخانیۃ۔[1]

اگر اس کے درمیان اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر یہ شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو ، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے ۔ اسی طرح تتارخانیہ میں ہے ۔ (ت)

درمختار میں ہے :

ولا یفسدھا مرور مار فی الصحراء او بمسجد کبیر بموضع سجودہ ، فی الاصح ، او مرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت و مسجد صغیر ، فانہ کبقعۃ واحدۃ ؛ وان اثم المار[2] اھ۔

اصح یہ ہے کہ صحرا یا بڑی مسجد میں نمازی کی جائے سجدہ سے کسی کا گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ۔ اسی طرح گھر میں یا چھوٹی مسجد میں کہ چھوٹی مسجد ایک ہی قطعے کے حکم میں ہے ، کسی کا قبلے والی جانب سے نمازی کے آگے سے گزرنا ، نماز کو فاسد نہیں کرتا ، اگرچہ گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے ۔ (ت)

اور اگر قبر دہنے بائیں یا پیچھے ہے تو اصلاً موجب کراہت نہیں ، جامع المضمرات پھر جامع الرموز پھر طحطاوی علی مراقی الفلاح و ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے :

لاتکرہ الصلٰوۃ الی جہۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ ، بحیث لو صلی صلٰوۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ۔[3]

قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے ہاں اگر قبر بالکل اس کے سامنے ہو کہ اگر وہ خاشعین والی نماز پڑھے تو قبر پر اس کی نظر پڑے ، اس صورت میں مکروہ ہے ۔ (ت)

علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے ۔ ت) تحریر فرماتے ہیں :

قال ابن الملک : انما حرم اتخاذ المساجد علیہا لان فی الصلٰوۃ فیہا استنانا بسنۃ الیہود

ابن الملک نے کہا ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اس لیے حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان میں نماز پڑھنا یہودیوں کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلٰوۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷
[2] الدرالمختار مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱
[3] ردالمحتار ایضاً مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۴

وقید "علیھا" یفید ان اتخاذ المساجد بجنبھا لاباس بہ۔ ویدل علیہ قولہ علیہ السلام، لعن اللہ الیھود والنصاری، الذین اتخذوا قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد[1]۔ اھ

طریقے کی پیروی ہے۔ اھ۔ اور "قبروں پر" کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر "قبروں کے پاس" مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ یہود و نصارٰی پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، اسی پر دلالت کرتا ہے۔ (ت)

بلکہ اگر مزاراتِ اولیائے کرام ہوں اور اُن کی ارواحِ طیبہ سے استمداد کے لیے ان کی قبور کریمہ کے پاس ﺫﺑﻨﮯ یا بامیں نماز پڑھے تو اور زیادہ موجبِ برکت ہے۔ امام علامہ قاضی عیاض مالکی شرح صحیح مسلم شریف پھر علامہ طیبی شافعی شرح مشکوٰۃ شریف پھر علامہ علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں،

کانت الیھود والنصارٰی یسجدون لقبور انبیائھم ویجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلاۃ نحوھا، فقد اتخذوھا اوثانا، فلذلك لعنھم، و منع المسلمین عن مثل ذلك، اما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح، اوصلی فی مقبرۃ، وقصد الاستظھار بروحہ، او وصول اثر مامن اثر عبادتہ الیہ، لا للتعظیم لہ والتوجہ نحوہ، فلا حرج علیہ؛ الاتری ان مرقد اسمعیل علیہ الصلاۃ والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلك المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ[2]۔

یہود و نصارٰی اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، انہیں اپنا قبلہ بنالیتے تھے اور نمازمیں انہی کی طرف منہ کرتے تھے، اس طرح انہوں نے قبروں کو بُت بنالیا تھا اس لیے آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں کو ایسے کاموں سے منع کیا، رہا وہ آدمی جو کسی صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائے یا مقبرے میں نماز پڑھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس صالح انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات میں سے کچھ اثر اس تک بھی پہنچ جائے، اور قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے، اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام مقامات سے افضل ہے جنہیں کوئی نمازی نماز پڑھنے کے لیے تلاش کرتا ہے۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، الفصل الاول مطبع امدادیہ ملتان ۲/۲۱۹

[2] " " " " " " " " ۲/۲۰۲

علامہ طاہر حنفی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں :

لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذ وا قبور انبیائھم مساجد۔ کانوا یجعلونھا قبلۃ، یسجدون الیھا فی الصلاۃ، کالوثن، واما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح، او صلی فی مقبرۃ، قاصدا بہ الاستظھار بروحہ، او وصول اثر ما من اٰثار عبادتہ الیہ، لا التوجہ نحوہ والتعظیم لہ، فلا حرج فیہ؛ الا یرٰی ان مرقد اسمٰعیل فی الحجر فی المسجد الحرام والصلٰوۃ فیہ افضل۔[1]

لعنت بھیجے اللہ تعالٰی یہود و نصارٰی پر کہ انھوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا یعنی ان کو قبلہ بنالیا اور نماز میں انھی کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسا کہ بُت کے رُوبرو۔ ہاں اگر کسی نیک انسان کے پڑوس میں کوئی شخص مسجد بنائے یا ایسے ہی مقبرے میں نماز پڑھے اور مقصد یہ ہو کہ اس نیک انسان کی رُوح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات سے کچھ اثر اس شخص تک پہنچ جائے، یہ مقصد نہ ہو کہ اس کی طرف منہ کرے اور اس کی تعظیم کرے، تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیا معلوم نہیں ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے، اس کے باوجود اس میں نماز افضل ہے۔ (ت)

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی پھر امام علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی عمدۃ القاری پھر علامہ احمد محمد خطیب قسطلانی شافعی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

من اتخذ مسجدا فی جوار صالح و قصد التبرک بالقرب منہ، لا التعظیم ولا التوجہ الیہ، فلا یدخل فی الوعید المذکور۔[2] اھ

جو شخص کسی نیک انسان کے پڑوس میں قبر بنائے اور مقصد یہ ہو کہ اس کے قُرب سے برکت حاصل کرے، اس کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو تو ایسا شخص حدیث میں مذکور وعید (یعنی لعنت) میں داخل نہیں ہوگا اھ (ت)

امام علامہ تورپشتی حنفی شرح مصابیح میں زیرِ حدیث اتخذ وا قبور انبیائھم مساجد فرماتے ہیں :

ھو مخرج علی وجھین، احدھما، انھم کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیما لھم و قصدا للعبادۃ فی ذلک۔ وثانیھما، انھم کانوا یتحرون الصلٰوۃ فی مدافن الانبیاء، والتوجہ

اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ یہود و نصارٰی قبورِ انبیاء کو بطورِ تعظیم اور بقصدِ عبادت سجدہ کیا کرتے تھے، دُوسری یہ کہ وہ انبیاء کے مقبروں میں نماز پڑھنے کی خصوصی طور پر کوشش کرتے تھے اور نماز میں ان کی طرف

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ قبر مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/۱۰۴

[2] ارشاد الساری باب جواز الدفن باللیل مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/۴۳۸

الیٰ قبورھم فی حالۃ الصلوٰۃ، وکلا الطریقین غیر مرضیۃ، فاما اذا وجد بقربھا موضع بنی للصلوٰۃ، او مکان یسلم المصلی فیہ عن التوجہ الی القبور، فانہ فی فسحۃ من الامر۔ وکذلک اذا صلی فی موضع قد اشتھر بان فیہ مدفن نبی، ولم یرفیہ للقبر علما، ولم یکن قصدہ ماذکرناہ من الشرک الخفی، اذ قد تواطأت اخبار الامم علی ان مدفن اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، وھذا المسجد افضل مکان یتحری الصلاۃ فیہ[1] اھ مختصراً۔

منہ کرتے تھے اور یہ دونوں طریقے ناپسندیدہ ہیں۔ ہاں اگر قبرستان کے قریب کوئی ایسی جگہ ہو جو بنائی ہی نماز کے لیے گئی ہو یا ایسی جگہ ہو کر وہاں نماز پڑھنے والے کا منہ قبروں کی طرف نہ ہوتا ہو تو ایسی جگہوں پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر کسی ایسی جگہ میں نماز پڑھے جہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں کسی نبی کا مدفن ہے لیکن قبر کی کوئی علامت نظر نہ آتی ہو اور نمازی کا مقصد بھی شرک خفی نہ ہو (تو نماز پڑھنی جائز ہے)، کیونکہ روایات اس پر متفق ہیں کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام جگہوں سے افضل ہے جہاں نماز پڑھنے کی جستجو کی جاتی ہے اھ مختصراً (ت)

شیخ محقق حنفی لمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں،

وفی شرح الشیخ ایضا مثلہ، حیث قال: وخرج بذلک اتخاذ مسجد بجوار نبی او صالح، و الصلاۃ عند قبرہ، لا لتعظیمہ والتوجہ نحوہ، بل لحصول مدد منہ، حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ لتلک الروح الطاھرۃ، فلاحرج فی ذلک، لما ورد ان قبر اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام فی الحجر تحت المیزاب، وان فی الحطیم، بین الحجر الاسود و زمزم، قبر سبعین نبیا، ولم ینہ احد عن الصلاۃ فیہ اھ وکلام الشارحین متطابق فی ذلک[2]۔

اور شیخ کی شرح میں بھی اسی طرح ہے۔ چنانچہ شیخ نے کہا ہے کہ اس سے وہ صورت خارج ہوگئی جس میں کسی نبی یا صالح کے پاس اس لیے مسجد بنائی جائے کہ اس کی قبر کے پاس نماز پڑھی جائے، لیکن مقصود قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا نہ ہو بلکہ غرض یہ ہو کہ صاحب قبر سے مدد حاصل کی جائے تاکہ اس پاک روح کے قرب کی وجہ سے عبادت مکمل ہوجائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ہے اور حطیم کے پاس حجر اسود اور زمزم کے درمیان ستر انبیاء کی قبریں ہیں، اس کے باوجود وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہیں کیا اھ اس مسئلے میں تمام شارحین نے ایسی ہی گفتگو کی ہے۔ (ت)

---

[1] و [2] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، حدیث ۱۲، مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۵۲

23
23

امام اجل برہان الدین فرغانی حنفی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

قال ابویوسف: انکان موازیًا للکعبۃ تکرہ صلاتہ، وانکان عن یمینہ ویسارہ لاتکرہ۔[1]

ابویوسف نے کہا ہے کہ اگر قبر قبلے والی جانب ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر دائیں بائیں ہو تو مکروہ نہیں ہے۔حاوی۔ (ت)

پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

انکانت القبور وراء المصلی لایکرہ، فانہ ان کان بینہ وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلاۃ ویمر انسان لایکرہ، فھھنا ایضا لایکرہ۔[2]

قبریں نمازی کے پیچھے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر سامنے بھی ہوں لیکن اتنے فاصلے پر ہوں کہ اگر یہ شخص نماز میں ہو اور کوئی سامنے سے گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

اور یہ امر کہ سامنے ہونا زیادہ مکروہ ہے اور دہنے بائیں اس سے کم اور پیچھے ہونا اس سے بھی کم کتب حنفیہ میں تصویر جاندار کی نسبت ہے نہ کہ قبر کی، ردالمحتار میں زیر قول درمختار واختلف فیما اذاکان التمثال خلفہ، و الاظھر الکراھۃ[3] (اگر تصویر اس کے پیچھے ہو تو اس میں اختلاف ہے، اظہر یہی ہے کہ مکروہ ہے۔ت) تحریر فرماتے ہیں:

وفی البحر، قالوا، واشدھا کراھۃ مایکون علی القبلۃ امام المصلی، ثم مایکون فوق راسہ، ثم مایکون عن یمینہ ویسارہ علی الحائط، ثم مایکون خلفہ علی الحائط اوالستر۔[4]

اور بحر میں ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے جب تصویر قبلے والی طرف ہو اور نمازی کے سامنے ہو، پھر جو اس کے سر کے اوپر ہو، پھر جو اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہو، پھر جو اس کے پیچھے دیوار پر یا پردے پر ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

انما خص الصورۃ لانہ لایکرہ فی جھۃ القبر الا اذاکان بین یدیہ۔ کما

تصویر کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ قبر کی طرف منہ کرنا مکروہ نہیں ہے، جب تک قبر بالکل رُوبرو نہ ہو،

---

[1] کتاب التجنیس والمزید

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلٰوۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

[3] الدرالمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[4] ردالمحتار مطلب فی الفرس فی المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۹

فی جنائز المضمرات[1]
جیسا کہ مضمرات کی کتاب الجنائز میں ہے۔ (ت)

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا قبر قبر، وُہ نماز ہی میں آگے بڑھ گئے، اس حدیث سے بھی ظاہر ہُوا کہ قبر کی طرف ہی نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ اور سمت۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

ورأی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ یصلی عند قبر، فقال، القبر، القبر، ولم یامرہ بالاعادۃ۔[2]

اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: قبر، قبر۔ (یعنی قبر سے بچو) مگر انھیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ (ت)

امام علامہ عینی اس کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

ھذا التعلیق رواہ وکیع بن الجراح فی مصنفہ، فیما حکاہ ابن حزم عن سفیٰن بن سعید عن حمید عن انس، قال، رأنی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اصلی الی قبر فنہانی، فقال، القبر امامك۔ قال، وعن معمر عن ثابت عن انس، قال، رأنی عمر اصلی عند قبر، فقال لی، القبر، لا تصل الیہ۔ قال ثابت، فکان انس یاخذ بیدی، اذا اراد ان یصلی فیتنحی عن القبور۔ ورواہ ابونعیم شیخ البخاری عن حریث بن السائب، قال، سمعت الحسن یقول بینا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ یصلی الٰی قبر فناداہ عمر، القبر، القبر، وظن انہ یعنی: القمر، فلما رأی انہ یعنی،

اس تعلیق کو وکیع ابن جراح نے اپنے مصنّف میں ذکر کیا ہے جیسا کہ اس کو ابن حزم نے سفیٰن ابن سعید سے، اس نے حمید سے، اس نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے منع کیا اور کہا: "تمہارے سامنے قبر ہے"۔ ابن حزم نے کہا کہ معمر نے ثابت سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر نے مجھے ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا "قبر، اس کی طرف نماز مت پڑھو"۔ ثابت نے کہا کہ اس کے بعد انس جب نماز پڑھنا چاہتے تھے تو میرا ہاتھ تھام لیتے تھے اور قبروں سے ایک طرف ہٹ جاتے تھے۔ اور بخاری کے استاد ابونعیم نے حریث ابن السائب

---

[1] جامع الرموز فصل ما یفسد الصلوٰۃ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۶
[2] صحیح بخاری هل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ و یتخذ مکانہا مساجد مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۱

القبر، تقدم وصلی وجانب القبر[1] اھ **اقول:** وبہ ظھران معنی "عند قبر" فی تعلیق البخاری "الی قبر" وبمثلہ صنع العینی، اذ قال بعد ما نقلنا عنہ قولہ، القبر، القبر، ای اتصلی عند القبر[2] اھ بل فی نفس حدیث انس بروایۃ ثابت، رأنی عمر اصلی عند قبر، فقال لا تصل الیہ[3]۔ کما سمعت۔ وبہ اتضح ما فی الملتقی، یکرہ وطء القبر والجلوس والنوم علیہ والصلوۃ عندہ[4]۔ اھ فافھم واستقم۔

سے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے حسن کو کہتے سنا ہے کہ ایک دن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قبر کی طرف نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آواز دی: "قبر، قبر"۔ انہوں نے سمجھا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ "قمر" کہہ رہے ہیں، جب انہیں یقین ہوگیا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قبر" کہا ہے تو آگے بڑھ کر نماز پڑھنے لگے اور قبر سے گزر گئے۔ میں کہتا ہوں اس سے واضح ہوگیا کہ بخاری کی تعلیق میں "قبر کے پاس" سے مراد "قبر کی طرف" ہے۔ عینی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے، چنانچہ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول "قبر، قبر" کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا تم "قبر کی طرف" نماز پڑھ رہے ہو! بلکہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ ثابت جو روایت آتی ہے اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ "قبر کی طرف" نماز مت پڑھو، جیسا کہ یہ روایت تم پہلے سُن چکے ہو۔ اسی سے واضح ہوگیا جو ملتقی میں ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا، اس پر بیٹھنا، اس پر سونا اور اس کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے اھ (یعنی یہاں بھی "اس کے پاس" سے مراد "اس کی طرف" ہے۔ اس کو سمجھو اور استقامت اختیار کرو۔ (ت)

مسئلہ تو قبر کا تھا، رہا مقبرہ اس میں بھی اصل منشائے کراہت قبر ہے اور اس کی تعلیلیں ہمارے علمائے حنفیہ ہی نے تین طور پر کی ہیں ایک تشبہ اہل کتاب دوسرے یہ کہ عبادت اصنام اسی طرح پیدا ہوئی تیسرے محل نجاسات ہونا جیسے شیخ محقق نے اختیار فرمایا، حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

واختلف فی علتہ، فقیل، لان فیھا عظام الموتی وصدیدھم، وھو نجس۔ وفیہ نظر، وقیل: لان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔ وقیل لانہ تشبہ بالیھود۔ وعلیہ

اس میں اختلاف ہے کہ کراہت کی علت کیا ہے، بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس میں مُردوں کی ہڈیاں اور پیپ ہوتی ہے جو کہ نجس ہے لیکن اس پر اعتراض ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بتوں کی عبادت کا آغاز اسی طرح ہوا تھا کہ لوگوں نے

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری   حل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ الخ   مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت   ۴/۱۷۲

[2] و [3] " " " " " " "

[4] ملتقی الابحر مع مجمع الانھر   فصل فی الصلوٰۃ علی المیت   مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت   ۱/۱۸۷

مشی فی الخانیۃ.[۱] نیک ہستیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ خانیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ پہلی دو تعلیلیں صرف اُس صورت کی کراہت بتاتی ہیں کہ نماز قبر کی طرف ہو کہ دہنے بائیں یا قبر کو پیچھے لے کر نہ شبہہ عبادت ہے نہ تشبہ یہود، خود شاہ صاحب سے سائل نے نقل کیا کہ یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے انتہی ولہذا شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے لمعات التنقیح میں زیرِ حدیث اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولا تتخذوھا قبورا (گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ت) فرمایا:

ای ولا تکونوا فی البیوت کالمیت، الذی لایعمل، اوتکونوا نائمین فتکونوا مشابھین للاموات، لان النوم اخوالموت، غیر مشتغلین بالعبادۃ، ثم اعلم، انھم اختلفوا فی الصلٰوۃ فی المقبرۃ، فکرھھا جماعۃ، وان کان المکان طاھرا، فتارۃ احتجوا بھذا الحدیث لانہ یدل علی ان الصلٰوۃ لاتکون فی المقبرۃ، لانہ جعل کونہا قبورا کنایۃ عن عدم الصلاۃ فیہا، فیفھم ان لاصلٰوۃ فیہا۔ وھذا ضعیف لماذکرنا من معناہ، علی انہ ان دل فانما یدل علی عدم الصلاۃ فی القبر، لا فی المقبرۃ، فافھم۔ وتارۃ بالحدیث السابق (ای قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد) وھوایضا لایتم لما علم من المراد بہ (ای ماقدمناہ عنہ عن التورپشتی وغیرہ من الشراح، فانہ انما

یعنی تم گھروں میں اس طرح نہ رہا کرو جس طرح مُردہ ہوتا ہے کہ کوئی عمل نہیں کرتا، یا یہ مراد ہے کہ تم سوئے نہ رہا کرو، جس طرح مُردے سوئے پڑے ہیں، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ مردوں کی طرح تم بھی کوئی عبادت نہ کرو۔ پھر یہ بات جانو کہ مقبرے میں نماز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو مکروہ قرار دیتی ہے، اگرچہ جگہ پاک ہو، اور اس پر کبھی تو اسی حدیث کو دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "گھروں کو قبریں نہ بناؤ" سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرے میں نماز نہیں ہوتی۔ لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کا صحیح مفہوم ہم بیان کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر یہ حدیث نماز کے نہ ہونے پر دلالت کرے گی تو قبر میں نماز نہ ہونے پر دلالت کرے گی نہ کہ مقبرے میں نہ ہونے پر، جبکہ گفتگو مقبرے کے بارے میں ہو رہی ہے، اس کو سمجھو اور کبھی اس کی دلیل کو وہ حدیث پیش

---

[۱] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۹

یدل علی منع التوجه الی القبر، لا الصلاۃ فی المقبرۃ مطلقا) ومنھم من ذھب الی ان الصلاۃ فیھا جائزۃ، ان کانت التربۃ طاھرۃ و المکان طیبا، ولم یکن من صدید الموتی وما ینفصل عنھم من النجاسات[1] اھ

کرتے ہیں جو گزر چکی ہے (یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اللہ تعالٰی نے ان یہود و نصارٰی پر لعنت کی جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا) یہ دلیل بھی ناکمل ہے جیسا کہ اس حدیث کی مراد سے معلوم ہوچکا (یعنی ہم نے توربشتی وغیرہ شراح سے جو نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مقبرے میں مطلقاً نماز کی ممانعت) اور بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ مقبرے میں نماز جائز ہے بشرطیکہ وہاں کی مٹی پاک ہو جگہ عمدہ ہو اور مردوں سے پیپ اور دیگر جو نجاستیں خارج ہوتی ہیں، وہاں نہ ہوں اھ (ت)

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ ت) تحقیق یہ ہے کہ عامہ مقابر میں ہر جگہ مظنہ قبر ہے مگر یہ کہ کوئی محل ابتداء سے دفن ہونے سے محفوظ رہا ہو اور معلوم ہو کہ یہاں دفن واقع نہ ہوا، ولہذا ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ مقبرہ میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں چلنا حرام ہے کہ قبور مسلمین کی بے ادبی ہوگی طحطاوی و ردالمحتار فصل استنجا میں زیر قول ماتن یکرہ بول فی مقابر (مقبروں میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ ت) فرماتے ہیں:

لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی، والظاھر انھا تحریمیۃ لانھم نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام، فھذا اولٰی[2]۔

کیونکہ جس کام سے زندہ انسان کو ایذا پہنچتی ہے اُس سے مُردے کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ کراہت تحریمی مراد ہے، کیونکہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ مقبرے میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے، تو پیشاب کرنا تو بطریقِ اولٰی حرام ہوگا۔ (ت)

پھر قبریں کھودنے میں بطن زمین کی مٹی اُوپر آتی ہے اور وُہ اکثر وہی ہوتی ہے جو پہلے گلے ہُوئے اجسام کی نجاسات سے متنجس ہوچکی اور بند کرنے میں سب مٹی صرف نہیں ہوجاتی تو جابجا متنجس مٹی کا پھیلا ہونا مظنون ہوتا ہے اور مظنہ قبر و مظنہ نجاست دونوں کراہت تنزیہیہ کے لیے کافی ہیں کہ ظن اگر غالب ہوتا جو فقہیات میں ملتحق بیقین ہے تو بوجہ علت اول حکم کراہتِ تحریم ہوتا اور بوجہ علت ثانی بغیر کچھ بچھائے بطلانِ نماز کا حکم دیا جاتا تا از انجا کہ ظن اس حد کا نہیں صرف کراہت تنزیہی رہی اور اب یہ حکم صلاۃ علی القبر اور الی القبر سے جُدا پیدا ہوا کہ اس میں پیچھے یا آگے کسی قبر کا معلوم ہونا ضرور نہیں قبور معلومہ اگرچہ دہنے بائیں یا پیچھے ہوں جبکہ یہ زمین ایسی ہے جس میں قبر و نجاست کا مظنہ ہے حکم کراہت دیا جائے گا یہی محل ہے اس کلام کا جو علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں زیر قول شرنبلالی تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ نقل فرمایا سواء کانت فوقہ او خلفہ او تحت ماھو واقف علیہ[3] الخ (برابر ہے کہ مقبرہ

---

[1] لمعات التنقیح باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ حدیث ۷۱۲ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۲/ ۵۳
[2] ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۲
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

اس کے اُوپر ہو یا پیچھے ہو یا جس چیز پر یہ کھڑا ہے اس کے نیچے ہو۔ ت) اور یہی منشا ہے اطلاق متون کا ورنہ اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف و پاک ہو کہ نہ اُس میں قبر ہو نہ مصلی کا قبر سے سامنا ہو تو وہاں نماز ہرگز مکروہ نہیں خانیہ وغیرہ و زاد الفقیر امام ابن الہمام وحلیہ وغنیہ و بحر الرائق و شرنبلالی علی الدرر و حلبی و طحطاوی و ردالمحتار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

لاباس بالصلاۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلاۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ[1]۔

مقبرے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جگہ نماز کے لیے تیار کی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو۔ (ت)

زاد الفقیر کی عبارت یہ ہے:

تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیھا موضع اعد للصلاۃ لانجاسۃ فیہ ولا قذر فیہ[2] اھ۔

مقبرے میں نماز مکروہ ہے، لیکن اگر وہاں نماز کے لیے کوئی جگہ تیار کی گئی ہو جس میں نجاست اور گندگی نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

اس تحقیق سے پہلے **تین سوالوں کا جواب** ظاہر ہو گیا کہ قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف بھی جبکہ قبر موضع سجود میں مطلقاً یا گھر یا مسجد صغیر میں جانب قبلہ بلاحائل ہو اور اس کے لیے کچھ بہت سے قبور ہونا درکار نہیں، تنہا ایک ہی قبر ہو جب بھی یہی حکم ہے اور قبر دہنے یا بائیں یا پیچھے ہو اور زمین جہاں نماز پڑھتا ہے پاک و صاف ہو تو اصلاً کراہت نہیں، یہ حکم حضرت شیخ محقق نے نہ اپنی طرف سے لکھا نہ علمائے حنفیہ کے قول کے خلاف بلکہ عامہ کتب حنفیہ میں اس کی صاف تصریح ہے جیسا کہ گزرا اور جب اس میں کراہت ہی نہیں تو سُترہ کی کیا حاجت اور مقابر میں جہاں مُردے دفن ہوتے چلے آئے ہیں اور ان میں قبر یا نجاست کا مظنہ ہے نماز مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ قبور معلومہ پیچھے ہی ہوں مگر اُس صورت میں کہ کوئی زمین پاک صاف معلوم ہو اور اس کے قبلہ میں قبر بلاحائل بمعنی مذکور نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

باب الاذان والاقامۃ

مسئلہ (۳۲۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد صلوٰۃ کہنا جس طرح یہاں رمضان مبارک میں معمول ہے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاعِ مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے "صلوٰۃ" کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر، مثلاً کسی سے کہنا اذان ہوگئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آگئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تثویب ہے اور اس کا اور صلوٰۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عامہ کتب مذہب **متون** مثل تنویر الابصار و وقایہ و نقایہ و غرر الاحکام و کنز و غرر الاذکار و وافی و ملتقی و اصلاح و نور الایضاح و **شروح** مانند درمختار و ردالمحتار و طحطاوی و عنایہ و نہایہ و غنیہ شرح منیہ و صغیری و بحر الرائق و نہر الفائق و تبیین الحقائق و برجندی و قہستانی و درر و ابن ملک و کافی و مجتبٰی و ایضاح و امداد الفتاح و مراقی الفلاح و حاشیہ مراقی للعلامۃ الطحطاوی و **فتاوی** مثل ظہیریہ و خانیہ و خلاصہ و خزانۃ المفتین و جواہر اخلاطی و علمگیری وغیرہا مالامال ہیں، وھو الذی علیہ عامۃ الائمۃ المتاخرین والخلاف خلاف زمان لابرھان (عام ائمہ متاخرین اسی پر ہیں اور یہ اختلاف زمانی اختلاف ہے برہانی نہیں۔ ت)

مختصر الوقایہ میں ہے : التثویب حسن فی کل صلاۃ[1] (تثویب ہر نماز کے لیے بہتر ہے ۔ ت) متن علامہ غزی تمرتاشی میں ہے : یثوب الا فی المغرب[2] (مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لیے تثویب کہی جائے ۔ ت) شرح محقق علائی میں ہے : یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ[3] الخ (اذان اور اقامت کے درمیان متعارف ومروجہ طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لیے تثویب کہی جائے الخ ۔ ت) حاشیۂ آفندی محمد بن عابدین میں ہے :

قولہ یثوب التثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام درر قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ قولہ بما تعارفوہ کتنحنح او قام قام او الصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز نہر عن المجتبی[4] اھ ملتقطا۔

قولہ یثوب، تثویب، اطلاع کے بعد اطلاع کو کہا جاتا ہے ۔ درر ، قولہ فی الکل یعنی تمام نمازوں میں کہنی چاہیے کیونکہ امور دینیہ کے بجالانے میں بہت سُستی و کاہلی آچکی ہے ، قولہ بما تعارفوا مثلاً کھانسنا یا نماز کھڑی ہوگئی نماز کھڑی ہوگئی یا نماز نماز ، اگر کوئی اور طریقہ اس کے علاوہ اپنالیں تب بھی جائز ہے ۔ نہر نے مجتبٰی سے نقل کیا ہے ، اختصاراً ۔ (ت)

شرح الوافی للامام المصنف العلام حافظ الدین ابی البرکات النسفی میں ہے :

تثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ اھ ملخصاً[5]۔

ہر شہر کی تثویب اسی طریقہ پر ہوگی جو وہاں متعارف ہے کیونکہ یہ اعلان میں مبالغہ کے لیے ہے اور وہ متعارف ومشہور طریقہ سے حاصل ہوگا ۔ (ت)

اور ماہ مبارک رمضان سے اُس کی تخصیص بے جا نہیں کہ لوگ افطار کے بعد کھانے پینے میں مشغول اور نفس آرام کی طرف مائل ہوتے ہیں لہٰذا تنبیہ بعد تنبیہ مناسب ہُوئی جس طرح نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ فجر میں الصلاۃ خیر من النوم[6] مقرر کرنے کی اجازت عطا فرمائی اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲

[2] و [3] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/ ۶۳

[4] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۶

[5] شرح الوافی للنسفی

[6] المعجم الکبیر للطبرانی مسند بلال بن رباح مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۳۵۵

عن سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ (طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ نقل کیا ہے ۔ ت) ہدایہ میں ہے : خص الفجر بہ لانہ وقت نوم وغفلۃ[1] (وقتِ فجر کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے ۔ ت)

بالجملہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر مسلمانوں میں نزاع ڈالی جائے اور فتنہ انگیزی کرکے تفریق جماعت کی راہ نکالی جائے جو ایسا کرتا ہے سخت جاہل اور مقاصد شرع سے بالکل غافل ہے واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ (۳۲۵) از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب مارہروی
۲۰ صفر ۱۳۱۱ھ

اذان دینا اندر مسجد کے آپ نے فرمایا تھا مکروہ ہے ، میں نے یہاں کے لوگوں سے ذکر کیا اُن لوگوں نے کتاب کا ثبوت چاہا امید کہ نام کتاب مع بیان مقام کہ فلاں مقام پر لکھا ہے تکلیف فرماکر لکھا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ کون سا مکروہ ہے ؟

الجواب

فتاوائے امام اجل قاضی خاں و فتاوائے خلاصہ و بحرالرائق شرح کنزالدقائق و شرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی و فتاوٰی عالمگیریہ وحاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح و فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع وکراہت کی تصریح فرمائی امام فخر الملۃ والدین اوزجندی فرماتے ہیں :

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد[2] ۔ (اذان مینار پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے ۔ ت)

امام طاہر بن احمد بخاری فرماتے ہیں ، لا یؤذن فی المسجد[3] (مسجد میں اذان نہ دی جائے ۔ ت) علامہ زین بن نجیم و علامہ عبدالعلی برجندی نے ان سے اور فتاوائے ہندیہ میں امام قاضی خاں سے عبارات مذکورہ نقل فرماکر مقرر رکھیں علامہ سید احمد مصری نے فرمایا ، یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم[4] (مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے ۔ ت) امام اجل کمال الدین

---

[1] ہدایہ باب الاذان مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۷۰
[2] فتاوٰی قاضی خان مسائل الاذان نولکشور لکھنؤ ۱/۳۷
[3] خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۴۹
[4] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

محمد بن الہمام فرماتے ہیں :

الاقامة فی المسجد ولا بد منه واما الاذان فعلی المئذنة فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد[1]۔

(تکبیر مسجد کے اندر کہی جائے اور اس کے بغیر کوئی اور صورت نہیں البتہ اذان منارہ پر دی جائے، اگر وہ نہ ہو تو فنائے مسجد میں دینی چاہیے اور فقہا نے بیان کیا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت)

اور اس مسئلہ میں نوع کراہت کی تصریح کلمات علماء سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغۂ "لایفعل" سے متبادر کراہت تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیر ممانعت و عدم اباحت ہوتی ہے علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج نے حلیہ میں فرمایا، قول المص لایزید یشیر الی عدم اباحة الزیادة[2] (مصنف کا قول "لایزید" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ زیادتی جائز نہیں۔ ت) نظیر اس کی "یفعل و یقول" ہے کہ ظاہراً مفید وجوب ہے کما نص علیہ ایضاً فیہا (جیسا کہ اس پر بھی اس میں تصریح ہے۔ ت) یونہی عبارت نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالباً کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے

کما فی الدرالمختار وردالمحتار وغیرھما من الاسفار ویؤیدہ منع رفع الصوت فی المساجد کما فی حدیث ابن ماجة جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و سل سیوفکم ورفع اصواتکم[3] وقد نہوا عن رفع الصوت بحضرة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحذروا علی ذلک من حبط الاعمال و الحضرة الالٰہیة احق بالادب کما تری یوم القیمة "وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الاھمسا" وبھذا یضعف ما یظن ان لیس

جیسا کہ دُرمختار، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں ہے اور مساجد میں بلند آواز سے منع کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے "اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچوں سے، دیوانوں سے، تلواروں کو سونتنے سے اور آوازوں کو بلند کرنے والوں سے محفوظ رکھو، اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر تمام اعمال کے ضائع ہونے کی دھمکی دی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی اس ادب و احترام کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ تم قیامت کے روز دیکھو گے رحمٰن

---

[1] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[2] حلیہ

[3] سنن ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۵

فیہ الاخلاف السنۃ فلایکرہ الا تنزیھا علی ان التحقیق ان خلاف السنۃ المتوسطۃ متوسط بین کراھتی التنزیہ والتحریم وھو المعبر بالاساءۃ کما سیظھر لمن لہ المام بخدمۃ العلمین الشرفین الفقہ والحدیث فلیراجع ولیحرر واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

کے لیے تمام آوازیں پست ہوجائیں گی تو نہیں سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔ اس گفتگو سے یہ گمان و قول ضعیف ہوجاتا ہے کہ یہ عمل صرف خلاف سنت ہے تو اس میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق یہ ہے سنتِ متوسطہ کا خلاف کراہت تنزیہی اور تحریمی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو "اسارۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ اس شخص پر ظاہر ہوجائیگا جس نے دو مقدس علوم حدیث و فقہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے ذہن نشین کرنا چاہیے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ (۳۲۶) ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمیع وقت پنجگانہ نمازمیں بعداذان کے لازم پکڑنا مؤذن کا ہر نمازی کو باآواز بلانا اور نمازیوں کا اسی لحاظ سے اذان پر خیال نہ رکھنا بلکہ بعداذان کے بلانے سے آنا اس صورت میں بلانا مؤذن کا بعداذان کے چاہئے یا نہیں، دوسرے یہ کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں، اور فجر کی سنتیں بعد جماعتِ فرض مسبوق ادا کرے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب نمازی اذان سے آجاتے ہوں تو بلاوجہ بعد اذان ہر شخص کو جدا جدا بلانے کا التزام کرنا جس سے انھیں اذان پر آنے کی عادت جاتی رہے نہ چاہئے فان فیہ علی ھذا التقدیر اخلاء للاذان عما یقصد بہ (کیونکہ ایسی صورت میں اذان کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ ت) اور وقت کراہت تک انتظارِ امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادتِ اجر و تحصیلِ فضیلت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں، تو جہاں تک تاخیر ہو اتنا ہی ثواب ہے کہ یہ سارا وقت اُن کا نماز ہی میں لکھا جائے گا،

وقد صح عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انتظارالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقد اقرھم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انکم لن تزالوا فی صلاۃ

یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم رات گئے تک نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انتظار کرتے حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکے اس عمل کی تصویب فرمائی اور ارشاد فرمایا: جتنا وقت تم نماز کا انتظار کرتے ہو

ما انتظرتم الصلاۃ۔[1] یہ سارا وقت تم نماز میں ہی ہوتے ہو۔ (ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک کہ حاضرین پر شاق نہ ہو

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃ عن المنتقی للامام الحاکم الشہید ان تاخیر المؤذن وتطویل القرأۃ لادراك بعض الناس حرام ھذا اذا کان لاھل الدنیا تطویلاً و تاخیراً یشق علی الناس والحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ و لا باس بان ینتظر الامام انتظاراً وسطاً۔[2]

انقرویہ میں تاتارخانیہ سے اور اس میں امام حاکم الشہید کی منتقی سے ہے کہ مؤذن کا اقامت کو مؤخر کرنا اور امام کا قرارت کو لمبا کرنا تاکہ بعض خاص لوگ جماعت کو پالیں حرام ہے یہ حرمت اس وقت ہے جب یہ طوالت و تاخیر کسی دنیادار کے لیے ہو اور لوگوں پر پریشاق گزرے حاصل یہ ہے کہ تھوڑی تاخیر تاکہ اہلِ خیر شریک ہوجائیں مکروہ نہیں، امام کو اوسط درجہ کا انتظار کرنا جائز ہے۔ (ت)

اور سنّتِ فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لیے سُنّتیں رہ گئیں اُن کی قضا کرے تو بعد بلندیٔ آفتاب پیش از نصف النہار شرعی کرے طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہے،

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا صلٰوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس۔[3]

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صبح کے بعد کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

مسئلہ (۳۲۷) از کلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن کی بغیر اجازت دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت عدمِ جواز بدون اجازتِ مؤذن سائل حدیث شریف سے سند چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ناجائز نہیں، ہاں خلاف اولٰی ہے اگر مؤذن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ مسند امام احمد وسنن اربعہ وشرح معانی الآثار میں زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، میں نے اذان

---

[1] الصحیح لمسلم باب فضل الصلاۃ المکتوبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلاۃ 〃 الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۵

[3] صحیح بخاری 〃 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲

کہی تھی بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تکبیر کہنی چاہی فرمایا: یقیم اخو صداء فان من اذن فھو یقیم[1] قبیلہ صداء کا بھائی اقامت کہے گا کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ فی الدر المختار (درمختار میں ہے):

اقام غیر من اذن بغیبتہ ای المؤذن لایکرہ مطلقا وان بحضورہ کرہ ان لحقہ وحشۃ[2]۔

مؤذن کی غیر موجودگی میں غیر کا تکبیر کہنا مطلقاً مکروہ نہیں البتہ جب مؤذن موجود ہو اور اس پر گراں گزرے تو مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اختیار خواھر زادہ ومشی علیہ فی الدرر والخانیۃ لکن فی الخلاصۃ وان لم یرض بہ یکرہ وجواب الروایۃ انہ لاباس بہ مطلقا اھ قلت وبہ صرح الامام الطحاوی فی معانی الآثار معزیا الی ائمتنا الثلثۃ وقال فی البحر ویدل علیہ اطلاق قول المجمع ولانکرھھا من غیرہ فما فی شرحہ لابن ملک من انہ لوحضر ولم یرض یکرہ اتفاقا فیہ نظر اھ وکذا یدل علیہ اطلاق الکافی معللا بان کل واحد ذکر فلاباس بان یاتی بکل واحد رجل اٰخر ولکن الافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم[3] اھ الخ

یہ خواہر زادہ کا مختار ہے اور یہی درر اور خانیہ میں ہے لیکن خلاصہ میں ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو کراہت ہے اور روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرج نہیں اھ میں کہتا ہوں امام طحاوی نے معانی الآثار میں ہمارے تینوں ائمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہی تصریح کی ہے، اور بحر میں فرمایا قول مجمع کا اطلاق کہ ہم اسے غیر سے مکروہ نہیں سمجھتے اسی پر دال ہے اس کی شرح لابن ملک میں جو ہے کہ اگر مؤذن موجود ہو اور وہ راضی نہ ہو تو اتفاقاً مکروہ ہے اس میں نظر ہے اور کافی کا اطلاق بھی اسی پر دال ہے اور استدلال یہ ہے کہ ہر ایک ذکر ہے اگر ہر ایک ذکر کو دوسرا بجالائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں افضل یہ ہے کہ مؤذن ہی تکبیر کہے۔ (ت)

---

[1] شرح معانی الآثار باب الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الآخر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

[2] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[3] ردالمحتار مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب فی اذانہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

اقول: اذا حملنا الکراھۃ علی کراھۃ التنزیہ ونفیھا علی التحریم حصل الوفاق الا تری الی قول الکافی الناف کیف یقول لاباس ولکن الافضل وکذلک عبر الامام الطحاوی وغیرہ بلاباس وقد صرحوا ان مرجعہ الی کراھۃ التنزیہ۔

اقول: جب ہم کراہت کو کراہت تنزیہی اور اسکی نفی کو کراہت تحریم پر محمول کریں تو مسئلہ میں اتفاق ہوجائے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کافی نے نفی کراہت کا قول کرتے ہوئے "لا باس" اور "لکن الافضل" کہا اور اسی طرح امام طحاوی وغیرہ نے بھی "لا باس" سے تعبیر کیا حالانکہ فقہائے تصریح کی ہے کہ اس سے کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔ (ت)

پھر یہ استمرار کا دعوٰی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے تھے کسی حدیث سے ثابت نہیں، ہاں حدیث میں ایک بار کا یہ ذکر آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، ارشاد ہوا: بلال کو سکھا دو کہ اُن کی آواز بلند تر ہے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان کہی جب تکبیر کہنی چاہی عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نادم ہوئے اور عرض کی: خواب تو میں نے دیکھا تھا میں تکبیر کہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تو تمھیں کہو۔ انھوں نے تکبیر کہی رواہ الامام احمد و ابوداؤد[1] والطحاوی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد، ابوداؤد اور طحاوی نے انھیں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) یہ حدیث کچھ ہمارے مخالف نہیں کہ کلام اُس صورت میں ہے جب مؤذن کو ناگوار گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذن کے بعد بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ناگواری کا کیا احتمال، معہذا یہ حدیث ابتدائے امر کی ہے وہ پہلی اذان تھی کہ اسلام میں کہی گئی اور حدیث متقدم اُس سے متاخر ہے تاہم ثبوت صرف افضلیت کا ہے نہ کہ اقامت غیر کی ممانعت کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۸) ۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اُس کا جواب دینا اور جب وہ خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دُعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہرگز نہ چاہئے یہی احوط ہے ردالمحتار میں ہے: اجابۃ الاذان حـ مکروھۃ[2] (اذان کا جواب

---

[1] سنن ابوداؤد — الرجل یؤذن ویقیم آخر — مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور — ۱/۷۶

[2] ردالمحتار — باب الجمعۃ — مصطفی البابی مصر — ۱/۶۰۷

اُس وقت مکروہ ہے۔ ت) نہرالفائق پھر دُرمختار میں ہے:

ینبغی ان لایجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب[1]۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ خطیب کے سامنے کی اذان کا جواب زبانی نہیں دینا چاہئے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود فلاصلاۃ ولاکلام الی تمامھا و قالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعد ما اذا جلس عند الثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالاٰخرۃ اما غیرہ فیکرہ اجماعا وعلی ھذا فالترقیۃ المتعارفۃ فی زماننا تکرہ عندہ والعجب ان المرقی ینھی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثہ ثم یقول انصتوا رحمکم اللہ اھ ملخصا

اور جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا منبر پر چڑھنے کے لیے کھڑا ہونا معتبر ہے۔ تو اس وقت سے تمام خطبہ تک نہ کوئی نماز جائز ہے نہ کوئی کلام۔ اور صاحبین نے کہا، خطبہ سے پہلے اور بعد کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں حرج نہیں۔ اور اختلاف امام صاحب اور صاحبین کا اس کلام میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو، کلام آخرت کے علاوہ دنیاوی کلام بالاتفاق مکروہ ہے۔ اسی بنا پر (خطیب کے سامنے) آیہ کریمہ ان اللہ وملئکتہ الآیۃ کا پڑھنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں معروف ہے امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ آیت مذکورہ کو پڑھنے والا حدیث شریف کے تقاضے کے مطابق دوسروں کو نیکی کا حکم دینے سے منع کرتا ہے پھر خود کہتا ہے چُپ رہو۔ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے اھ ملخصا (ت)

ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلاً نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کما افادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذھب (جیسا کہ ملا علی قاری کے بیان سے مستفاد ہے اور دیگر فروع کتب مذہب میں ہیں۔ ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دعا کرے بلاشُبہہ جائز ہے وقد صح کلا الامرین عن سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ (صحیح بخاری وغیرہ میں ہے یہ دونوں امور سید کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ت) یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نھایۃ العنایۃ وازالۃ الاوھام فی فتاوٰنا بتوفیق الملک العلام (اس مقام کی خوب تفصیل اور ازالہ اوہام اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیے ہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرالمختار | باب الاذان | مطبوعہ مجتبائی دہلی | ۶۵/۱

[2] ″ | باب الجمعۃ | ″ ″ | ۱۱۳/۱

مسئلہ (۳۲۹) از موضع بکہ جبنی والہ علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب

درست ہے اذلا حظر من الشرع (اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ت) اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکرِ الٰہی باعثِ نزولِ رحمتِ الٰہی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۰) دفعِ وبا کے لیے اذان درست ہے یا نہیں؟

الجواب

درست ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا لکھا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۱) بعدِ دفن میت قبر پر اذان جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ ایذان الاجر فی اذان القبر لکھا، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۲) ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں اذان دہنے ہاتھ کو ہونا چاہیے کہ دہنے ہاتھ کو فضیلت ہے اور بعض کہتے ہیں بلکہ بائیں ہاتھ کو، اس میں شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان منارہ پر کہی جائے جس طرف واقع ہو یا بیرونِ مسجد جدھر زیادہ نافع ہو، مثلاً ایک جانب کوئی موضع رفیع زائد ہے یا اُس طرف مسلمانوں کی آبادی دُور تک ہے تو اُسی سمت ہونی چاہیے کہ اصل مقصود اذان تبلیغ واعلام ہے جس طرف یہ مقصود زیادہ پایا جائے وہی افضل ہے باقی دہنے بائیں کی کوئی تخصیص شرع مطہر سے ثابت نہیں، ہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان السنۃ ان یؤذن فی موضع عالٍ یکون اسمع

اذان منارہ پر یا مسجد سے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے کذا فی فتاوٰی قاضی خان سنّت یہ ہے کہ اذان ایسے بلند مقام پر دی جائے کہ گردونواح کے

لجیرانه ویرفع صوته کذا فی البحر الرائق۔ اھ[2]

لوگوں کو آواز خوب سنائی دے اور اذان میں آواز بلند رکھے، کذا فی البحرالرائق۔ (ت)

معہذا کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانبیں دہنی اور دونوں بائیں ہیں کہ جو قبلہ رُو کھڑا ہو اس کی دہنی طرف کعبہ معظمہ و مسجد کی بائیں ہے اور اُس کی بائیں کعبہ و مسجد کی دہنی تو جب دونوں طرف نفع برابر ہو دونوں یکساں ہیں، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۳) اذان و اقامت کس جانب کو چاہیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس مسجد میں اذان کے لیے منارہ بنا ہو جب تو اُس کی جہت خود معین ہے اُس منارہ پر اذان دینا چاہیے خواہ وُہ کسی جانب ہو

فی البحرالرائق تحت قوله ویجلس بینهما السنة ان یکون الاذان فی المنارة الخ۔[2]

البحرالرائق میں ماتن کے قول "ویجلس بینهما" کے تحت ہے کہ سنّت یہ ہے کہ اذان منارہ پر دی جائے الخ (ت)

اور جہاں نہ ہو تو نظر فقہی میں انسب یہ کہ جس طرف حاجت زائد ہو اُسی جانب کو اختیار کرے مثلاً ایک جانب مسلمان زیادہ رہتے ہیں یا اُس طرف مکان اُن کے دُور ہیں تو وہی جانب اذان کے لیے انسب ہے۔

فانه انما شرع للاعلام فما کان ادخل فی المقصود کان احسن بل رایت ائمتنا یرمقون الی هذا المعنی والیه اشاروا من دون تعیین لجهة ففی البحرالرائق وردالمحتار عن السراج ینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران۔[3]

اذان کی مشروعیت نماز کی اطلاع کے لیے ہے تو یہ مقصود جس احسن طریقہ سے حاصل ہوگا اسے اپنایا جائے بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ائمہ عموماً اسی معنی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی جہت کا تعین نہیں کیا۔ البحرالرائق اور ردالمحتار میں سراج کے حوالے سے ہے مؤذن ایسی جگہ اذان دے کہ وہاں سے گرد و نواح کے لوگوں کو زیادہ آواز پہنچے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ وکیفیتہا مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

[2] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[3] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۳

اور اقامت کی نسبت بھی تعیینِ جہت کہ دہنی جانب ہو یا بائیں فقیر کی نظر سے نہ گزری بلکہ ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام خود اذان و اقامت کہے۔

فی الدرالمختار الافضل کون الامام ھو المؤذن[1] انتھی وفی فتح القدیر الافضل کون الامام ھو المؤذن وھذا مذھبنا وعلیہ کان ابو حنیفۃ[2] انتھی وفی ردالمحتار السنۃ ان یقیم المؤذن[3] انتھی وفیہ عن السراج ان اباحنیفۃ کان یباشر الاذان والاقامۃ بنفسہ[4]۔

درمختار میں ہے کہ افضل یہی ہے کہ امام خود مؤذن ہو، انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ امام کا ہی مؤذن ہونا افضل ہے، یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی امام اعظم کی رائے ہے، انتہی۔ اور ردالمحتار میں ہے سنت یہ ہے کہ مؤذن تکبیر کہے، انتہی۔ اور اسی میں سراج سے ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اذان و اقامت خود کہتے تھے۔ (ت)

اور علماء جائز رکھتے ہیں کہ جہاں اذان ہوئی وہیں اقامت بھی کہی جائے، اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے پھر جب بیانِ افضلیت پر آتے ہیں تو اسی قدر فرماتے ہیں کہ اقامت کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اور یہاں لفظ کو مطلق چھوڑتے ہیں تخصیصِ جہت کچھ نہیں کرتے،

فی البحرالرائق یستحب التحول للاقامۃ الی غیر موضع الاذان[5] انتھی وفیہ لیسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض[6]۔

بحرالرائق میں ہے تکبیر کے لیے اذان کی جگہ بدل لینا مستحب ہے انتہی۔ اور اسی میں ہے اذان کا بلند جگہ اور تکبیر کا نیچے زمین پر ہونا مسنون ہے (ت)

ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذاتِ امام پھر جانبِ راست مناسب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۴) ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذانیں واسطے طلب باراں کے مسجدوں میں کہنا درست ہے

---

[1] الدرالمختار	باب الاذان	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۶۵/۱
[2] فتح القدیر	"	" نوریہ رضویہ سکھر	۲۲۳/۱
[3] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۲۸۶/۱
[4] "	"	" " "	۲۹۵/۱
[5] البحرالرائق	"	" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲۶۱/۱
[6] "	"	" " "	۲۵۵/۱

یا نہیں؟ اور اس طرح سے بھی واسطے طلب باراں کے اذانیں کہنے کا ثبوت ہے کہ امام سورہ یٰسٓ پڑھے اور ہر مبین پر اذان کہے اور سب مقتدی بھی اس کے ساتھ اذانیں کہیں، مطلق اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھ کر ان کو ہلانا اور گھمانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کے اندر وقتی اذان کہنا مکروہ ہے کما فی فتح القدیر وغیرہ (جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ت) مگر اذان بغرض طلب باراں یا دفع وبا بہ نیت اذان و اعلان و طلب مردمان نہیں ہوتی بلکہ بہ نیت ذکر اور ذکر مسجد میں جائز ہے پھر اولیٰ یہ ہے کہ بیرون مسجد فصیل وغیرہ پر ہو اور اس میں اصلاً کوئی حرج نہیں کہ اذان ذکر الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکر الٰہی باعثِ نزولِ رحمتِ الٰہی ہے، یونہی طریقۂ مذکورۂ یٰسٓ و اذان بھی از قبیل اعمال ہے جس کے لیے اس سے زیادہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں کہ شرع سے اس کی ممانعت نہیں آئی یٰسٓ شریف کیلئے حدیث میں آیا، یٰسٓ لما قرئ لہ سورہ یٰسٓ اس کام کے لیے ہے جس لیے پڑھی جائے یعنی جس نیت سے پڑھی جائے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ اذان میں انگلیاں کان میں رکھنا مسنون و مستحب ہے مگر ہلانا اور گھمانا حرکت فضول ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۵) ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بے وضو اذان کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

جائز ہے بایں معنے کہ اذان ہو جائے گی مگر چاہئے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ولہذا علامہ شرنبلالی نے نظر بحدیث کراہت اختیار فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۶) از ریاست رام پور بزریہ ملا ظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۵ جمادی الاخرٰی ۱۳۱۴ھ

الاستفتاء: ما قولکم رحمکم اللہ ربکم فی اذان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل ھو اذن بنفسہ علیہ الصلاۃ والسلام ام لا ولو کان مرۃ فی عمرہ علیہ الصلاۃ والسلام وفی ابتداء وجوب صلاۃ الجنازۃ علی المیت ای زمان کان

سوال: اے علماء (اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے) اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں، اگرچہ تمام عمر میں ایک دفعہ ہو۔ اور میت پر نماز جنازہ کے وجوب کی ابتداء کب ہوئی؟ سب سے پہلے کس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی؟ کیا یہ مدینہ منورہ

وعلی من صُلی اولًا فی المدینۃ المنورۃ وجبت امر فی المکۃ المعظمۃ واول الصلاۃ صلیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی ای صحابی کانت، وماکان اسمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیّنوا توجروا۔

میں لازم ہوئی یا مکہ مکرمہ میں؟ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس صحابی کی نماز جنازہ ادا فرمائی؟ اس صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قال فی الدر مختار وفی الضیاء انہ علیہ الصّلاۃ والسّلام اذن فی سفر بنفسہ واقام وصلی الظھر وقد حققناہ فی الخزائن اھ[1] قال فی رد المحتار، حیث قال بعد ماھنا ھذا وفی شرح البخاری لابن حجر ومما یکثر السؤال عنہ، ھل باشر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاذان بنفسہ وقد اخرج الترمذی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذن فی سفر وصلی باصحابہ وجزم بہ النووی وقواہ ولکن وجد فی مسند احمد من ھذا الوجہ فامر بلالًا فاذن فعلم ان فی روایۃ الترمذی اختصارا وان معنی قولہ اذن امر بلالًا کما یقال اعطی الخلیفۃ العالم الفلانی کذا وانما باشر العطاء غیرہ[2] اھ ورأیتنی کتبت فیما علقت علی رد المحتار مانصہ اقول لکن سیأتی صفۃ الصلاۃ عند

درمختار میں فرمایا اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق کی ہے اھ ردالمحتار میں کہا وہاں اس گفتگو کے بعد یہ فرمایا کہ ابن حجر کی فتح الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے۔

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵
[2] ردالمحتار 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۵

ذکر التشہد عن تحفۃ الامام ابن حجر المکی
انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذن مرۃ فی
سفر فقال فی تشہدہ "اشہد انی رسول اللہ" و
قد اشار ابن حجر الٰی صحتہ، و ھذا نص
مفسر لا یقبل التأویل، وبہ یتقوٰی تقویۃ الامام
النووی رحمہ اللہ تعالٰی اھ ماکتبت، وبہ ظہر
الجواب عن المسألۃ الاولٰی، واما بدء صلاۃ
الجنازۃ فکان من لدن سیدنا اٰدم علیہ
الصلاۃ والسلام، اخرج الحاکم فی المستدرک
والطبرانی والبیہقی فی سننہ عن ابن عباس
رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اٰخر ما کبر النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الجنازۃ اربع
تکبیرات، وکبر عمر علی ابی بکر اربعا، وکبر ابن عمر
علی عمر اربعا وکبر الحسن بن علی علی علی اربعا،
وکبر الحسین بن علی علی الحسن بن علی
اربعا، وکبرت الملئکۃ علی اٰدم اربعا، ولم
تشرع فی الاسلام الا فی المدینۃ المنورۃ
اخرج الامام الواقدی من حدیث حکیم بن
حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ فی ام المؤمنین
خدیجۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا توفیت
سنۃ عشر من البعثۃ بعد خروج بنی ھاشم
من الشعب ودفنت بالحجون ونزل النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حفرتہا و

مجھے اس بارے میں مزید جو سمجھ آئی اسے میں نے اپنے
حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کیا ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں۔
اقول: عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد
میں تحفہ امام ابن حجر مکی سے آرہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ
شہادت یُوں کہے اشہد انی رسول اللہ (میں گواہی
دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابن حجر نے اس کی
صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں
تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی کے
قول کو اور تقویت ملتی ہے اھ (میری تحریر ختم ہوئی) اس سے
پہلے سوال کا جواب آگیا۔ باقی رہی جنازہ کی ابتداء، تو یہ
سیدنا آدم علیہ السلام کے دور سے ہے۔ حاکم نے مستدرک[1]،
طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن
عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پر جو آخری عمر میں تکبیرات
کہیں وہ چار تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے
جنازۂ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چار تکبیرات کہیں،
اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازۂ حضرت عمر رضی اللہ
تعالٰی عنہ پر، امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازۂ حضرت
علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
نے جنازۂ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چار
تکبیرات کہیں، ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام پر
چار تکبیریں کہیں اور اسلام میں وجوبِ نمازِ جنازہ کا حکم

ـلہ المستدرک للحاکم التکبیر علی الجنازۃ اربع مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۳۸۶

لم تکن شرعة الصلاۃ علی الجنائز اھ[1] و قال الامام ابن حجر العسقلانی فی الاصابۃ فی ترجمۃ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر الواقدی انہ مات علی راس تسعۃ اشھر من الھجرۃ رواہ الحاکم فی المستدرک وقال الواقدی کان ذلک فی شوال قال البغوی بلغنی انہ اول من مات من الصحابۃ بعد الھجرۃ وانہ اول میت صلی علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھ[2] وبہ اتضح الجواب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مدینہ منورہ میں نازل ہوا، امام واقدی نے حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کا وصال بعثت کے دسویں سال شعب ابی طالب سے خروج کے بعد ہوا اور آپ کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود ان کی لحد میں تھے اور اس وقت میت پر جنازہ کا حکم نہیں تھا اھ اور امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احوال میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا وصال ہجرت کے بعد نویں مہینے کے آخر میں ہوا، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور بقول واقدی یہ شوال کا مہینہ تھا، بغوی نے کہا کہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے اسی صحابی کا وصال ہوا، اور یہ پہلے صحابی کی میت تھی جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اھ اور اس سے جواب واضح ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۳۷) از شہر کہنہ ۲۳ شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے مسجد کے اندر زنا کیا نعوذ باللہ من ذلک اب زید مسجد میں مؤذن رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ زید کو مسجد میں رکھنے کے واسطے کوشش اور حجت کرتے ہیں اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نسأل اللہ العافیۃ (اللہ تعالٰی سے عافیت کا سوال ہے۔ ت) اگر یہ امر ثابت ہے تو ظاہر کہ زید اخبثِ فسّاق و فجّار سے ہے اور فاسق کی اذان اگرچہ اقامتِ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا، نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ و نماز میں اعتماد جائز۔ لہذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے، تو جب تک یہ شخص صدق دل سے تائب ہو

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ خدیجہ بنت خویلد نمبر ۳۳۵ مطبوعہ دار صادر بیروت ۴/ ۲۸۳

[2] " " " ترجمہ اسعد بن زرارہ نمبر ۱۱۱ " " " ۱/ ۳۴

اُسے ہرگز مؤذن نہ رکھا جائے مسجد سے جُدا کردینا ضرور ہے۔ درمختار میں ہے:

جزم المصنف بعدم صحۃ اذان مجنون ومعتوہ وصبی لایعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات[1]

مصنف نے دیوانے، ناقص العقل اور ناسمجھ بچے کی اذان کے بارے میں عدمِ صحت کا قول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کافر و فاسق کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ امورِ دینیہ میں ان کا قول قابلِ قبول نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المقصود الاصلی من الاذان فی الشرع الاعلام بدخول اوقات الصلاۃ ثم صار من شعائر الاسلام فی کل بلدۃ او ناحیۃ من البلاد الواسعۃ فمن حیث الاعلام بدخول الوقت وقبول قولہ لابد من الاسلام والعقل والبلوغ والعدالۃ فاذا اتصف المؤذن بھذہ الصفات یصح اذانہ والافلا یصح من حیث الاعتماد علیہ واما من حیث اقامۃ الشعار النافیۃ للاثم عن اھل البلدۃ فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لایعقل فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح کما قدمناہ عن القھستانی اھ ملخصا[2]

اذان کا مقصودِ اصلی شرع میں اوقاتِ نماز کے دخول کی اطلاع ہے پھر یہ تمام ممالک اور بڑے شہروں کے اطراف میں شعائرِ اسلام کا درجہ پاچکی ہے تو دخولِ وقت کی اطلاع اور اس کے قول کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کا قائل مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہو اگر مؤذن ان صفات کے ساتھ متصف ہُوا تو اس کی اذان درست ہوگی اور اگر اس میں یہ صفات نہیں تو اس پر اعتماد ہونے کی حیثیت درست نہ ہوگی البتہ اس حیثیت سے کہ یہ ان شعائر میں سے ہے جو تمام شہر والوں کو گناہ سے بچاتی ہے تو یہ بچے ناسمجھ کے علاوہ ہر کسی کی صحیح ہوگی لہذا اصح یہ ہے کہ ان تمام کی اذان کا لوٹانا مستحب ہے جیسا کہ ہم نے قہستانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اور جو اُس کی حمایت میں فضول حجت کرتے ہیں اور ناحق کے مددگار بنتے ہیں انھیں باز آنا چاہیے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ولاتکن للخائنین خصیما خیانت کرنے والوں کا وکیل نہ بن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۸) از نقشبندی محلہ بریلی مسئولہ منشی احمد حسین صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صلاۃ کے بارہ میں کہ بروز جمعہ بعض مسجدوں میں لوگوں نے بعد اذان کے صلاۃ کا

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴
[2] ردالمحتار باب الاذان ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۰

معمول رکھا ہے اکثر آدمی اذان سُن کر مسجد میں فوراً حاضر نہیں ہوتے صلاۃ کے منتظر رہتے ہیں جب اذان سے کچھ دیر کے بعد صلاۃ ہوتی ہے تو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یہ فعل جائز ہے یا ناجائز، اور بعد اذان کے مسجد کے اندر سے کسی باہر کے شخص کو نماز کے واسطے پکارنا درست ہے یا نادرست؟

الجواب

صلاۃ جائز ہے مگر جمعہ کے دن اذانِ اول سُن کر نہ آنا حرام ہے ھو الصحیح المعتمد کما فی الدرالمختار وغیرہ (صحیح اور معتمد یہی ہے جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) اگر صلاۃ کی وجہ سے یہ سُستی ہو جمعہ کے دن صلاۃ کا ترک کرنا ضرور ہے بعد اذان باہر والے کو آواز دینے میں حرج نہیں جب کوئی محذورِ شرعی نہ ہو مثلاً بعد شروع خطبہ آواز دینا حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۹) از بنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگا باڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن دونوں اذان بآوازِ بلند چاہئے یا اوّل بآوازِ بلند اور ثانی پست کرکے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دونوں اذانیں پُوری آواز سے خوب بلند کہی جائیں جس طرح اذان میں سنّت ہے آج کل جو عوام دوسری اذان کو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے پست آواز سے مثل تکبیر کے کہہ لیتے ہیں محض جہالت ہے اس سے سنّت ادا نہیں ہوتی، اصل اذان زمانہ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و زمانہ صدیق اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما میں یہی تھی، پہلی اذان امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے زائد فرمائی ہے کما ثبت فی الصحیحین وغیرھما (جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ثابت ہے۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۰) اگر نمازیوں کو نماز کے وقت سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ان کی اجازت سے یا بغیر اجازت اُن کے مکانوں پر جاکر فجر کی نماز کے واسطے بتاکید جگا دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے لیے جگانا موجبِ ثواب ہے مگر وقت سے اتنا پہلے جگانے کی کیا حاجت ہے البتہ ایسے وقت جگائے کہ استنجاء و وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر سُنّتیں پڑھے اور تکبیر اولٰی میں شامل ہوجائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۱) اذان مسجد میں صبح کاذب میں کہنا چاہیے یا صبح صادق میں؟

الجواب

ہمارے مذہب میں اذان قبل وقت جائز نہیں اگرچہ فجر کی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۲) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں صلٰوۃ پکارنا عیدین وجمعہ میں کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عیدین میں "الصلٰوۃ جامعۃ" کہا جائے، اور جمعہ میں تثویب حسبِ استحسان متاخرین جائز ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہاں کے نمازیوں کی حالت ومصلحت پر نظر کی جائے اگر وہ لوگ اذان سُن کر خود جمع ہوجاتے ہیں تو تثویب ہرگز نہ کہی جائے کہ اُن سے یہ عادتِ حسنہ چھُڑا کر انتظارِ تثویب کا خوگر کردینا ہوگا اور جہاں ایسا نہیں بلکہ اُس کی حاجت اور اُس کے فعل میں مصلحت ہے وہاں کہی جائے ھذا ھوالتحقیق وبہ یحصل التوفیق (تحقیق یہی ہے اور اس سے مطابقت حاصل ہوجاتی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۴۳) سوائے اذان کے آواز دینا کہ چلو جماعت تیار ہے یا کسی نمازی پنجوقتہ یا امام کو آواز دینا یا روز کے نمازی آنے والوں کا وقتِ آخر تک انتظار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آخر وقت تک انتظار کرنا بایں معنے کہ وقتِ کراہت آجائے مطلقاً مکروہ ہے اور وقت استحباب تک اگر قوم حاضر ہے اور شخص منتظَر مردِ شریر نہیں جس سے خوفِ ایذا ہو اور انتظار حاضرین پر ثقیل ہوگا تو قدرِ سنّت سے زیادہ انتظار مکروہ ہے اور اگر ابھی لوگ حاضر ہی نہیں یا منتظَر سے ترکِ انتظار میں خوفِ ایذا ہے یا سب حاضرین انتظار پر بدل راضی ہیں تو حرج نہیں اور بقدرِ سنّت تو انتظار ہمیشہ ہی چاہیے جب تک وقتِ کراہت نہ آئے انتظار مسنون، جو عوام میں بقدر چار رکعت کے مشہور ہے بے اصل ہے بلکہ اس کی حد غیر مغرب میں یہ ہے کہ اذان سُن کر جسے وضو نہ ہو وضو کرے کھاتا ہو تو اس سے فارغ ہوجائے حاجت کی ضرورت ہو تو اس سے افراغ وطہارت کے بعد حاضر مسجد ہوجائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۴) از مدرسہ اشاعۃ العلوم دوم جمادی الاولٰے ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعوٰی کرتا ہے کہ جب تک سب مقتدی کھڑے نہ ہولیں اور صف سیدھی نہ ہو اور امام اپنی جانماز پر کھڑا نہ ہو تب تک اقامت نہ کہی جائے اور عمرو دعوٰی کرتا ہے کہ مقتدی اور امام کو پہلے ہی سے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ اقامت شروع کی اور مؤذن "حی علی الفلاح"

تک پہنچ جائے اُس وقت امام ومقتدی کھڑے ہوجائیں اور جس وقت "قد قامت الصلوٰۃ" کہے تب امام تکبیر کہے اب ان دونوں میں کون حق پر ہے، دیگر صورتِ مسئلہ یہ ہے اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ میں امام کو تشہد میں پائے یا سجدہ سہو میں اب جمعہ اُس کا ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب

عمرو حق پر ہے کھڑے ہوکر تکبیر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہورہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر "حی علی الفلاح" تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو، وقایہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم عند "حی علی الصلوٰۃ" ویشرع عند "قد قامت الصلوٰۃ"۔[1]

امام اور نمازی "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑے ہوں اور "قد قامت الصلوٰۃ" کے الفاظ پر امام نماز شروع کردے۔ (ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ ھو الصحیح۔[2]

ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک جب اقامت کہنے والا "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت امام اور تمام نمازی کھڑے ہوں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

جامع المضمرات وعالمگیریہ وردالمحتار میں ہے:

اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائمًا ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ "حی علی الفلاح"۔[3]

جب کوئی نمازی تکبیر کے وقت آئے تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے پھر جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت کھڑا ہو۔ (ت)

اسی طرح بہت کتب میں ہے۔

اقول ولاتعارض عندی بین قول الوقایۃ واتباعھا یقومون عند "حی علی الصلوٰۃ" والمحیط والمضمرات ومن معھما عند "حی علی الفلاح" فانا اذا

اقول: صاحبِ وقایہ اور ان کے متبعین "حی علی الصلوٰۃ" کے موقعہ پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط، مضمرات اور ان کی جماعت "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونے کا قول

---

[1] مختصر الوقایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۷

[3] " " " " " "

حملنا الاول علی الانتهاء والأخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح وھذا ما یعطیہ قول المضمرات یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح ولعل ھذا اولی مما فی مجمع الانھر من قولہ وفی الوقایۃ ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ ای قبیلہ[1] اھ

کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں اس لیے کہ جب ہم پہلے قول کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذن "حی علی الصلاۃ" پُورا کرکے حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اس کی تائید مضمرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن "حی علی الفلاح" پر پہنچے اور یہ اس سے بہتر ہے جو مجمع الانہر میں اس کا قول ہے؛ وقایہ میں ہے کہ امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ" کے وقت یعنی اس سے تھوڑا سا پہلے کھڑے ہوں اھ۔ (ت)

یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وُہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تقوموا حتی ترونی (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہوجائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پُوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اصلاً کھڑے نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں، ہندیہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلك الصف والیہ مال شمس الائمۃ الحلوانی والسرخسی وشیخ الاسلام خواھر زادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما رأوا الامام وان کان المؤذن والامام واحدا

اگر امام مسجد سے باہر ہو اگر وہ صفوں کی جانب سے مسجد میں داخل ہو تو جس صف سے وہ گزرے وُہ صف کھڑی ہوجائے، شمس الائمہ حلوانی، سرخسی، شیخ الاسلام خواہر زادہ اسی طرف گئے ہیں، اور اگر امام اُن کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو اُسے دیکھتے ہی تمام مقتدی کھڑے ہوجائیں، اگر مؤذن اور امام ایک ہی ہے پس اگر اس نے مسجد کے اندر

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاذان مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸

فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ عن الاقامۃ وان اقام خارج المسجد فمشایخنا اتفقوا علی انھم لایقومون مالم یدخل الامام المسجد ویکبر الامام قبیل قولہ قد قامت الصلاۃ قال الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی وھو الصحیح ھکذا فی المحیط[1]۔

ہی تکبیر کہی تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک وہ تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے اور اگر اس نے خارج از مسجد تکبیر کہی تو ہمارے تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو اور امام "قد قامت الصلاۃ" سے تھوڑا پہلے تکبیر تحریمہ کہے امام شمس الائمہ حلوانی کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، محیط میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جمعہ بھی ہمارے امام کے نزدیک اس بارے میں مثل اور نمازوں کے ہے۔ سلام سے پہلے جو شریک ہولیا اس نے جمعہ پالیا دو ہی رکعت پڑھے، درمختار میں ہے:

من ادرکھا فی تشھد او سجود سھو علی القول بہ فیھا یتمھا جمعۃ خلافا لمحمد[2]۔

جس شخص نے جمعہ کی نماز میں تشہد یا سجدہ سہو میں اس قول پر جو جمعہ میں سجدہ سہو کا قول کرتے ہیں امام کو پایا تو وہ نماز کو جمعہ کے طور پر پورا کرے اس میں امام محمد کا اختلاف ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۵) ایک طالب علم اذان میں حی علی الصلاۃ ایک بار دہنی طرف منہ پھیر کر کہتے ہیں اور پھر بائیں طرف منہ پھیر کر ایک بار حی علی الفلاح کہتے ہیں اور پھر دہنی طرف منہ پھیر کر ایک بار حی علی الصلاۃ اور پھر بائیں طرف منہ پھیر کر حی علی الفلاح کہتے ہیں اور اس طرح اذان دینے کو افضل کہتے ہیں اور حاشیہ ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں اس طرح آیا ہے، یہ قول اُن کا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح اذان دیا کریں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ محض غلط وخلافِ سنّت ہے، عالمگیریہ و محیط سرخسی میں ہے: یرتب بین کلمات الاذان و الاقامۃ کما شرع[3] (کلماتِ اذان وتکبیر میں اسی ترتیب کا قائم رہنا ضروری ہے جس پر مشروع ہوئے ہیں۔ ت)
مسند احمد وسُنن ابی داؤد وغیرہما میں عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث تعلیمِ اذان میں ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۷
[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ ؍ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳
[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ ؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶

فرشتے نے کہا یوں کہا کرو (کلماتِ اذان یہ ہیں):

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان محمدًا رسول اللہ، اشھد ان محمدًا رسول اللہ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔[1]

عبداللہ بن زید نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے میں نے عرض کی، حضور نے فرمایا:

ان ھذہ لرؤیا حق ان شاء اللہ تعالٰی، ثم امر بالتاذین، فکان بلال مولی ابی بکر یؤذن بذلک۔[2]

ان شاء اللہ تعالٰی یہ خواب بیشک حق ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال مولٰی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اذان کا حکم دیا وہ اس طور مذکور پر اذان دیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم و سنن نسائی وغیرہما میں ابومحذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُنھیں اذان تعلیم فرمائی اس میں بھی شہادتین کے بعد یُوں ہی ہے:

حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔[3]

غرض دونوں حی علی الصلاۃ ایک ساتھ، پھر دونوں حی علی الفلاح ایک ساتھ پڑھنے میں کوئی شک نہیں، ہاں بعض علما نے منہ پھیرنے میں یہ طریقہ رکھا ہے کہ ایک بار دہنی طرف کے حی علی الصلاۃ پھر اسی کو بائیں طرف کہے، پھر ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الفلاح پھر اسی کو بائیں طرف کہے، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی، مگر صحیح وہی ہے کہ دونوں بار حی علی الصلاۃ دہنی طرف کہہ کر دونوں بار حی علی الفلاح بائیں طرف کہے۔ ردالمحتار میں ہے: یلتفت فیھما یمینا بالصلٰوۃ ویسارا بالفلاح وھو الاصح (اصح یہ ہے دونوں میں حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں طرف حی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف منہ پھیرے۔ ت) "قہستانی عن المنیۃ" وھو الصحیح کما فی البحر والتبیین (اور صحیح یہی ہے جیسا کہ بحر و تبیین میں ہے۔ ت) وقال مشایخ مرو یمنۃ و یسرۃ فی کل، قال فی الفتح

---

[1] سنن ابی داؤد باب کیف الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۲

[2] " " " " " "

[3] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب بدء الاذان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۵

الثانی اوجہ ورده الرملی بانہ خلاف الصحیح المنقول عن السلف[1] اھ باختصار مشایخ مرو نے کہا ہے کہ ہر ایک ہیں دائیں اور بائیں منہ پھیرے (جیسے کہ قہستانی میں ہے) فتح میں ہے کہ دوسرا قول اوجہ ہے، اور رملی نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسلاف سے منقول صحیح قول کے منافی ہے اھ اختصار۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۶) ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

بعد اذان کے پھر کسی خاص شخص کو پکارنا بالخصوص خودی والے کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

بعد اذان کے سلطانِ اسلام و قاضی شرع و عالمِ دین کی خدمتوں میں مؤذن دوبارہ اطلاع کے واسطے مؤدبانہ حاضر ہو یہی سنّت ہے باقی لوگوں میں اگر سامنے سے گزریں تو کہہ دینا کہ نماز کو آؤ جماعت تیار ہے یا مسجد کو جاتے راہ میں جو ملیں اُنھیں تاکید کرتے آنا مضائقہ نہیں رکھتا مگر گھر پر آدمی بھیج کر بلانے کی حاجت نہیں خصوصاً خودی والے متکبر کو کہ متکبر شرعاً مستحقِ توہین ہے نہ لائقِ رعایت جبکہ مظنۂ فتنہ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۴۷) منشی عبدالقادر صاحب میسوری

یہاں یہ دستور ہے کہ نماز پنجگانہ و عیدین و نماز جنازہ میں شہروں اور قریہ وغیرہ سب جا صلاۃ صلاۃ پکار کرتے ہیں یہ صلاۃ پکارنا کیسا ہے کس زمانہ و کن بزرگوں سے ابتدا جاری ہے اس کے پکارنے سے نماز میں خلل ہے یا نہیں، یہاں چند صاحبان صلاۃ پکارنا بدعت یعنی ناجائز سمجھتے ہیں از راہِ مہربانی جواب تحریر کریں۔

الجواب

عیدین میں الصّلاۃ جامعۃ[2] (نماز کی جماعت تیار ہے۔ت) بآوازِ بلند دوبار پکارنا مستحب ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے،

یستحب ان ینادی لہا الصلوٰۃ جامعۃ بالاتفاق[3]

یہ آواز دینا کہ جماعت تیار ہے بالاتفاق مستحب ہے۔(ت)

سوائے مغرب ہر نماز میں صلاۃ پکارنا یعنی دوبارہ اعلان کرنا ائمۂ متاخرین نے مستحب رکھا ہے بلکہ

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۵

[2] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

درمختار میں سب نمازوں کی نسبت لکھا :

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ[1]

متعارف طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لیے اذان و اقامت کے درمیان تثویب کہنی چاہئے ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن[2] ۔ اھ

"فی الکل" سے مراد یہ ہے کہ تمام نمازوں میں تثویب کہے کیونکہ دینی امور میں سستی غالب آچکی ہے ۔ عنایہ میں ہے کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویب فجر کو باقی رکھتے ہوئے مغرب کی نماز کے علاوہ ہر نماز کی اذان و اقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے اھ (ت)

نماز جنازہ میں حرمین شریفین میں دستور ہے کہ مؤذن بآواز بلند کہتے ہیں : الصلاۃ علی المیت یرحمکم اللہ (میت پر نماز جنازہ ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے ۔ ت) اور یہ سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں داخل ہے کہ من احسن قولا ممن دعا الی اللہ[3] (اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بلائے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من دعا الی الھدٰی فلہ اجرہ واجر من تبعہ[4]

جو کسی نیک بات کی طرف بلائے اس کے لیے اس کا خود اپنا اجر ہے اور جتنے اس نیک فعل میں شریک ہوں ان سبکے ثواب ہے، اور انکے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو ۔

اور زعم بدعت کا رد ہزار بار ہوچکا، ہر نوپیدا بات ناجائز نہیں ورنہ خود مدرسے بنانا، کتابیں تصنیف کرنا، صرف و نحو وغیرہا علوم کہ زمانہ رسالت میں نہ پڑھے جاتے تھے پڑھنا پڑھانا سب حرام ہو جائے اور اسے کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا خود یہ اہل بدعت ہزارہا جدید باتیں کرتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں اس ہیئت کذائی سے موجود نہ تھیں بعد کو حادث ہوئیں مگر اپنے لیے جو چاہیں حلال کر لیتے ہیں واللہ سبحنہ وتعالٰی

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳
[2] ردالمحتار " مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۶
[3] القرآن ۴۱/۳۳
[4] مسلم شریف باب من سن سنۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۱

نوٹ : مسلم شریف کے الفاظ یوں ہیں من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذٰلک من اجورھم شیئا الخ ۔ نذیر احمد سعیدی

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۳۴۸) از دمن خرو علداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اقامت کے قبل درود شریف بآواز بلند پڑھتا ہے اور اور اس کے ساتھ ہی اقامت یعنی تکبیر شروع کر دیتا ہے کہ جس سے عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف اقامت کا جزء ہے اور عمرو درود شریف نہیں پڑھتا صرف اقامت کہتا ہے تو زید کو یہ فعل اس کا ناپسند آتا ہے اور اصرار سے اس کو پڑھنے کو کہتا ہے اس صورت میں درود شریف جہر سے پڑھنا اور زید کا اصرار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۹) از کیمپ میرٹھ کوٹھی خان بہادر کرہ شیخ علاء الدین صاحب مرسلہ سید حسن صاحب

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

باعث استفسار یہ ہے کہ اگر صبح کی اذان لوگوں کو سحری کے وقت کے اختتام سے آگاہی کے واسطے صبح صادق نکلنے سے آٹھ یا دس منٹ پہلے دے دی جایا کرے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان وقت سے پہلے دینی مطلقاً ناجائز و ممنوع ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

لایؤذن قبل الوقت ویعاد فیہ وانکار السلف علی من یؤذن بلیل دلیل علی انہ لم یجز قبل الوقت[1]

قبل از وقت اذان نہ دی جائے اور اگر دے دی جائے تو وقت کے اندر پھر لوٹائی جائے اور اسلاف کا رات کو اذان دینے والے پر انکار اس بات کی دلیل ہے کہ قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ (ت)

البحر الرائق میں ہے: لایجوز قبلہ[2] (قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ ت) ختم سحری کے لیے صلاۃ وغیرہ کوئی اور اصطلاح مقرر کرسکتے ہیں اور وہ بھی چار یا پانچ منٹ سے زیادہ وقت صبح سے مقدم نہ ہو کہ تاخیر سحور سنت اور اس میں برکت ہے اور زیادہ اول سے منع کر دینا فتوائے باطل و بدعت و خلاف شریعت ہے پھر یہ بھی اس کے لیے ہے

---

[1] تبیین الحقائق باب الاذان مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/۹۳

[2] البحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۲

جو وقت صحیح جانتا ہو نہ وہ جو آج کل کی عام جنتریوں میں چھپا یا چھپتا ہے کہ اکثر باطل و ضلالت ہے انھیں میں سے میرٹھ کی دوامی جنتری بھی سراپا غلط و بطالت ہے یونہی بہشتی رات کا فلاں معین حصّہ چھوڑنا محض نادانی و جہالت ہے ان مجمل الفاظ کی تشریح اول طبع ہوچکی اور بعض فتوائے دیگر مفصلہ سے معلوم ہوگی بعونہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۰) از ملک گجرات بھڑوچ محلہ گھونسواڑہ آملہ مسجد مرسلہ محمد الدین مجددی ۷ جمادی الاخرٰی ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنّتِ جمعہ پڑھنے کے لیے ملک گجرات کے بعض مقام میں جو ایک صلاۃ سنت قبل جمعہ پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے روز جمعہ کے پکارتا ہے اور بغیر صلاۃ سنت قبل الجمعہ پکارنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس صلاۃ سنت قبل جمعہ کا مسجد میں جمع ہوکر انتظار کرتے ہیں تاکہ مؤذن یہ صلاۃ سنت کی پکارے تو سنت قبل جمعہ پڑھیں الفاظ یہ ہیں والصلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ (جمعہ سے پہلی سنتیں ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ ت) کیا ان الفاظ سے صلاۃ کہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت ہے یا مستحب ہے اور کس مجتہد نے اسلام میں اس کو جاری کیا ہے اور یہ صلاۃ سنت قبل الجمعہ اگر کوئی شخص نہ پکارے اور سُنتیں جمعہ کی پڑھ لے تو سنتیں ہوجاتی ہیں یا نہیں اور نہ پکارنے سے مرتکب گناہ کا ہوگا یا نہیں، نماز جمعہ اور سنتِ جمعہ میں بھی نہ پکارنے سے قصور لازم آتا ہے یا نہیں، اور نہ کہنے والا مذہب امام اعظم کا مقلد رہتا ہے یا وہابی نجدی ہوکر اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، کیا وہ بے ایمان ہوجاتا ہے، کیا تثویب جس کو فقہائے حنفیہ نے مستحسن فرمایا ہے وہ یہی صلاۃ سنت قبل الجمعہ ہے یا اُس کی کوئی اور صورت ہے ہمستند کتب حنفیہ سے ثبوت مع دلائل تحریر فرماکر اجرِ عظیم پائیں مہر مع دستخط علمائے کرام ثبت ہو۔

الجواب

تثویب جسے ہمارے علمائے متاخرین نے نظر بحال زمانہ جائز رکھا اور مستحب و مستحسن سمجھا وہ اعلام بعد اعلام ہے اور اس کے لیے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انھیں لفظوں سے کہ الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ تعالٰی (نمازِ جمعہ سے پہلے سنت نماز ادا کرلو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ ت) تو اس وجہ پر کہنا زیرِ مستحب داخل ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب[1]۔	مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت میں تمام لوگوں کے لیے اذان واقامت کے درمیان معروف طریقہ پر تثویب کہی جائے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

ردالمحتار میں ہے :

بما تعارفوہ کتنحنح او قامت قامت او الصلوٰۃ الصلوٰۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز، نھر عن المجتبٰی[1]۔

بما تعارفوہ سے مراد مثلاً کھانسنا، نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی، نماز، نماز، اور اگر اس کے علاوہ کوئی الفاظ اطلاع کے لیے مخصوص کر لیے جائیں تو جائز ہیں۔ نہر نے مجتبٰی سے نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی میں عنایہ سے ہے :

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان و الاقامۃ، علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب، مع ابقاء الاول یعنی الاصل، وھو تثویب الفجر، و ما رأہ المسلمون حسنًا، فھو عند اللہ حسن[2]۔

کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویب فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان و اقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

مگر اس پر اور باتیں جو اضافہ کیں بے اصل و باطل ہیں : (مثلاً)

(۱) جب تک یہ صلاۃ نہ پکاری جائے سنتِ جمعہ نہ پڑھنا۔

(۲) مسجد میں جمع ہو کر اس پکارنے کا منتظر رہنا گویا سنتِ قبل الجمعہ کو اذن مؤذن کا محتاج کر رکھا ہے کہ وہ صلاۃ پکار کر اجازت دے تو پڑھیں یہ بدعت ہے۔

(۳) بغیر اس کے یہ سمجھنا کہ سنتیں نہ ہوں گی۔

(۴) نہ پکارنے کو گناہ جاننا۔

(۵) نہ پکارنے سے نمازِ جمعہ میں قصور سمجھنا۔

(۶) نہ پکارنے والے کو تقلیدِ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے باہر خیال کرنا۔

(۷) معاذ اللہ اسے وہابی و بے ایمان گمان کرنا یہ پانچوں اعتقاد باطل و ضلال ہیں ان کے معتقدین پر توبہ فرض قطعی ہے اور ان ساتوں رسوم و خیالاتِ باطلہ کا ہدم و اعدام لازم ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۷

[2] " " " " ۱/۲۸۶

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں سے نہیں پس وہ مردود ہوگی۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۱) جمادی الاخرٰی ۱۳۲۹ھ

نمازِ جمعہ میں اذان کے بعد پھر صلاۃ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان کے بعد صلاۃ تثویب ہے اور تثویب کو علماء نے ہر نماز میں مستحب رکھا ہے۔ درمختار میں ہے:

یثوب فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب[2]

مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت تمام لوگوں کے لیے متعارف طریقے پر تثویب کہنی چاہیے۔ (ت)

عنایہ میں ہے: فی جمیع الصلوات سوی المغرب[3] (مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب جائز ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

التسلیم بعد الاذان حدث فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ[4]۔

اذان کے بعد صلاۃ وسلام ہر سوموار کو عشاء کی نماز کے موقع پر پڑھا جاتا تھا پھر جمعہ کے دن شروع ہوا اس کے دس سال بعد مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان کے بعد شروع کر دیا گیا پھر مغرب میں بھی دو دفعہ پڑھا جانا شروع ہوگیا اور یہ بدعتِ حسنہ ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یؤذن ثانیا بین یدی الخطیب افاد بوحدۃ الفعل ان المؤذن اذا کان اکثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد ولا یجتمعون کما فی الجلابی والتمرتاشی ذکرہ

اور مؤذن دُوسری بار خطیب کے سامنے اذان دے (جب خطبہ پڑھنے کے لیے وُہ منبر پر بیٹھے)، ماتن نے فعلِ مؤذن کو بصیغہ واحد لاکر افادہ کیا کہ جب مؤذن ایک سے زیادہ ہوں تو اذان یکے بعد دیگرے کہیں

---

[1] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳
[2] درمختار باب الاذان " " " ۱/ ۶۳
[3] عنایۃ مع فتح القدیر " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۴
[4] درمختار " " مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

القہستانی[1] واللہ تعالٰی اعلم

سب حل کرنہ کہیں، جیساکہ جلابی اور تمرتاشی میں ہے۔ اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۲) **اولاً** از شہر بھڑوچ لال بازار چنار واڑ مرسلہ عباس میاں صاحب و مولوی علی میاں صاحب ابن مولوی محمد نصر اللہ صاحب صدیقی۔

ثانیاً از احمد آباد محلہ خان پور متصل درگاہ حضرت شاہ وجیہ الدین صاحب علوی مرسلہ جناب شاہ سید احمد صاحب ابن سید غلام وجیہ الدین صاحب علوی ۱۹ جمادی الاولٰے ۱۳۳۰ھ

مرشدنا جناب مولٰینا حاجی مولوی احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیک کے بندۂ غلام خاکسار عباس میاں کی طرف سے عرض خدمت بابرکات میں یہ ہے کہ ایک سال سے یہ فتنہ ہمارے شہر میں پڑا ہے کہ جو شخص صلٰوۃ جمعہ کہے وہ گناہ کرتا ہے اور بدعتی اُس کو کہتے ہیں اور گمراہ جانتے ہیں اور دلیلیں مولوی خرم علی اور ترجمۂ غایۃ الاوطار سے اور مائۃ مسائل کی پیش کرتے ہیں اور مولوی اشرف علی اور گنگوہی کی کتابوں کی سند لاتے ہیں اور آپ کا فتوٰی جو اس خط کے ہمراہ رکھا ہے جس کی مہر میں ۱۳۰۱ھ ہے وہ ہر ایک کو دکھاتے ہیں حضور جو آپ نے ساٹھ اعتقاد باطل و ضلال لکھے ہیں وہ ہمارا کہنا نہیں فقط اتنا ہے کہ روز جمعہ کو ندا جو معمول مدتِ مدید سے چلا آتا ہے اور اس کے لیے اول ایک رسالہ نور الشمع چھپ گیا ہے اس میں لکھا ہے یہ ندا جائز بلکہ مستحسن ہے اور جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب احمد آبادی نے ایک فتوٰی اس ندا کے جواز میں دیا ہے اور تمام کہتے ہیں مدت مدید سے اس کو اب یہ شخص منع کرتا اور بدعتی کہنا گناہ بتاتا ہے اور جھوٹے سوال لکھا اور جواب منگواتا ہے غلام گنہگار ہے خدا آپ بزرگوار کی دعا اور طفیل غوث الورٰی کے میرے گناہ بخشے آمین! عباس میاں ولد علی میاں۔

خط ثانی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجمع البرکات حامی شرع مبین مولانا و اولٰنا جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب از جانب فقیر حقیر سید احمد علوی الوجیہی بعد تبلیغ مراسم نیاز عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ جناب عالی بندہ نے مستشار العلماء لاہور آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے کہ اس اشتہار کو ملاحظہ فرمائیں اس کا بانی کار محمد دین ایک پنجابی ہے پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوا اور دیوبند و گنگوہ میں جاکر کچھ پڑھا فی الحال بھڑوچ میں رہتا ہے اور سلسلہ پیری مریدی کا ضلع بھڑوچ کے گاؤں میں جاری کیا ہے قبلۂ عالم نفس تثویب کا یہ شخص منکر ہے کہ تثویب کا ثبوت کسی کتاب حنفیہ سے نہیں یہ بدعت مذمومہ ہے آپ نے تثویب کو اسی مستشار العلما میں بہت اچھی طرح سے ثابت کر دیا ہے بندہ جب یہ پیش کرتا ہے کہ دیکھو اسی اشتہار میں مولوی صاحب نے

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

تثویب کو بحمد اللہ کتاب حنفیہ سے ثابت کیا ہے اور تم لوگ نفسِ تثویب کے منکر ہو اور جو شخص پکارتا ہے اس کو بدعتی کہتے ہو، تو وہ اور اسکے لواحق جواب دیتے ہیں کہ ایک شخص کے فتوے پر عمل چاہئے یا دس کے ایسے جواب دیتے ہیں، یہ مستشار العلما اس نے چھپواکر تمام گاؤں میں بانٹ دیے ہیں تحریرات سے بہت جلد مشرف فرمانا کہ جو کدورتیں ان کے دلوں میں جم گئی ہیں آپ کی تحریر کی برکت سے اللہ پاک دُور فرمائے، آمین۔ رقیمہ نیاز سید احمد علوی الوجیہی

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم لک الحمد صل علی المصطفی و اٰلہ وصحبہ و بارک وسلم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہم خادمان دار الافتاء جواب سے پہلے کچھ دیوبندی خیانتیں گزارش کریں جن سے واضح ہو کہ ان حضرات کی حیا و دیانت کس درجہ تک پہنچی ہے اور ایسوں سے مخاطبہ کا کیا موقع رہا ہے اُس کے بعد اصل سوال تثویب کا جواب جو بعون الوہاب اعلیٰحضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا مجموعۂ مبارکہ فتاوائے رضویہ سے نقل کریں وباللہ التوفیق یہاں خیانت ہائے دیوبندیہ پر یہ امر بیان واجی ہوا کہ دار الافتاء کا فتویٰ تثویب جمعہ جو جناب کے مرسلہ رسالہ میں محمد دین صاحب یا ان کے طرفداروں نے شائع کیا جس کا سوال دار الافتاء میں ملک گجرات شہر بھروچ محلہ گونسواڑہ مسجد آلا سے محمد دین مجددی نے بھیجا، اور ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ کو اُس کا جواب دار الافتاء سے امضا ہوا جس کی نقل فتاوائے اعلیٰحضرت کی جلد دوم کتاب الصلاۃ میں ہے۔ اس میں شائع کنندہ نے سخت تحریفیں کیں جو کسی حیادار مسلمان کو زیبا نہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ چوبرنگ ذو مسلم دیوبند و گنگوہ کے تعلیم یافتہ ہیں تو اس کا تعجب جاتا رہا کہ حضرات دیوبند کا یہ قدیم شیوہ ہے لہذا اطلاعِ مسلمین کے لیے اُن کی خیانتوں کا تذکرہ ضرور ہوا کہ مسلمان اُن صاحبوں کی عادت پہچان لیں اور اُن کے ضرر سے محفوظ رہیں، کسی مسئلہ میں ان کے شور وغل پر کبھی کان نہ رکھیں کوئی عقلمند ایسی خصلت والوں کی بات پر کان نہیں دھرتا۔

دیوبندی خیانتوں کے نمونے

جو شخص کلمہ پڑھتا اور اللہ کو ایک رسول کو برحق جانتا ہو وہ ایک ساعت انصاف وایمان کی نگاہ سے ملاحظہ کرے آیا ایسی خیانتیں اہلِ حق کرتے ہیں یا وہ کھلے باطل والے جو ہر طرح اپنی باطل پروری سے عاجز آ گئے اور ناچار ایسی شرمناک حرکات پر اُتر آئے کیا کوئی ذی عقل ایسوں کی کسی بات پر کان دھرنا گوارا کرے گا یا انھیں کسی انسان کا قابل خطاب جانے گا، جو ایمان سے کچھ بھی علاقہ رکھتا ہے وہ ایمان کی نگاہ سے دیکھے اور انصاف کرے

اور ہٹ دھرم بے حیا کا کہیں علاج نہیں، ہم پہلے فتوائے تثویب میں اُن کی خیانتوں کو ذکر کریں گے کہ یہ سوال اسی سے متعلق ہے پھر ان کے بڑوں کی بھاری خیانتیں زیرِ ذکر لائیں گے کہ معلوم ہو کہ یہ خوبیاں چھوٹوں نے بڑوں ہی سے سیکھیں ع

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلی خیانت فتوائے مبارکہ میں اس عبارت کے بعد کہ اس کے لیے کوئی صیغہ معین نہیں یہ عبارت تھی بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انھیں لفظوں سے کہ الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ تو اس وجہ پر یہ کہنا زیرِ مستحب داخل ہوسکتا ہے بھلا اس کا زیرِ مستحب داخل ہونا انھیں کب گوارا ہوتا لھذا اسے ایک دم ہضم فرمالیا۔

دوسری خیانت عبارت ردالمحتار اوقامت تک نقل کرکے "الخ" بنا دیا حالانکہ فتوائے مبارکہ میں وہ یوں تھی:

اوقامت قامت اوالصلاۃ الصلاۃ ولواحدثوا اعلامامخالفالذلک جاز نھر عن المجتبٰی۔

نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی، نماز، نماز، اگر کوئی اور اصطلاح بھی اطلاع کے لیے بنائی جائے تو جائز ہے یہ نہر میں مجتبٰی سے نقل ہے۔ (ت)

یہ عبارت اعلیٰحضرت مجدد مأتہ حاضرہ کے اس ارشاد کی صریح دلیل تھی کہ اس وجہ پر الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ کہنا بھی مستحب ہوگا لہذا اسے بھی کتر لیا۔

تیسری خیانت اس کے بعد فتوائے مبارکہ میں یہ عبارت تھی: اُسی میں عنایہ سے ہے:

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان و الاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[2]۔

متاخرین نے اصل یعنی تثویبِ فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان و اقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

یہ بھی اسی جرم پر اڑا دی گئی کہ اس میں بھی اس کی دلیل کو علی حسب ما تعارفوہ موجود تھا۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۶

[2] " " " " ۱/۲۸۶

چوتھی خیانت فتوائے مبارکہ میں تھا یہ پانچوں اعتقاد باطل وضلال ہیں اس میں ساتوں اعتقاد بنالیے کہ اگر پانچ اعتقاد اخیر جو مسلمانوں کی طرف نسبت کیے ثابت نہ ہوسکیں تو اگلی دو باتوں کو بھی بزورِ خیانت اعتقاد میں داخل کر کے مسلمانان بہڑوچ اہل سنّت کا فاسد العقیدہ ہونا بتا سکیں۔

پانچویں خیانت اس کے اخیر میں اعلٰحضرت کی مہر یہ چھاپی (۱۳۰۱ محمدی سنی حنفی قادری عبدالمصطفٰے احمد رضا خاں) یہ مہر بھی اپنی طرف سے بنالی یہ مہر ۱۳۲۲ھ میں گم ہوگئی تھی تو ۱۳۲۹ھ کے فتوے میں کہاں سے آئی بلکہ اس پر ۱۳۲۸ھ کی مہر تھی جو اصل مسئلہ کے جواب پر اخیر میں آپ ملاحظہ کریں گے اس میں یہ شعر کندہ ہے: ؎

یا مصطفٰی یا رحمۃ الرحمٰن
یا مرتضٰی یا غوثنا الجیلانی

غالباً انہیں کلمات طیبہ کی ناگواری اشاعت کنندہ کو تبدیل مہر پر باعث ہوئی۔

چھٹی خیانت ایک ان کی خیانتوں پر کیا تعجب عام دیوبندیوں خصوصاً ان کے بڑوں کا قدیم سے یہی مسلک ہے، ایک صاحب مذہباً دیوبندی سکنا رام پوری سُنّی بن کر یہاں آئے بعض مسائل لکھوائے نقل کیے فتاوٰئے مبارکہ کی کتاب الحظر عطا ہوئی ایک مسئلہ میں جس کا سوال محمد گنج سے عبدالقادر خاں رام پوری نے بھیجا تھا اور اس میں پانچ سوال تھے، سوال چہارم یہ تھا تین برس کے بچے کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہیے یا سوم کی، اس کا جواب اعلٰحضرت نے یہ ارشاد فرمایا تھا شریعت میں ثواب پہنچنا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعیینیں عرفی ہیں جب چاہیں کریں انھیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ان بزرگ نے بین السطور میں موٹے قلم سے کہ وہی اس وقت ایک بچے سے انہیں مل سکا جہالت ہے کے بعد لفظ و بدعت اور بڑھادیا وہ اب تک فتاوٰئے مبارکہ میں غیر قلم کا سطر سے اوپر لکھا ہوا موجود ہے فتاوائے مبارکہ کی جلد ہشتم کتاب الحظر صفحہ ۳۱ ملاحظہ ہو لطف یہ کہ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے جہالت سے یہ لفظ جہالت ہے کے بعد بڑھایا اور و بدعت عطف واو سے رکھا کہ جملۂ اردو پر جملۂ فارسی کا عطف ہوگیا جو ہرگز اعلٰحضرت بلکہ کسی زبان دان کا بھی محاورہ نہیں، افترا کرنا تھا تو لفظ جہالت کے بعد و بدعت بڑھایا ہوتا کہ لفظ مفرد عربی پر اس کے مثل کا عطف واو سے ہوتا، طرّہ یہ کہ مجموعۂ فتاوٰی گنگوہی صاحب حصہ اول میں ان کے حواریوں نے مجدد المائۃ الحاضرہ کا یہ فتوٰی مع زیادت مفتری چھاپ دیا اور اس میں صفحہ ۱۵ پر یوں بنا دیا جہالت و بدعت ہے ان کو سوجھی کہ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔

ساتویں خیانت ظلم پر ظلم یہ کہ فہرست میں یوں لکھا فتوائے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی تعین سوم کی جہالت اور بدعت ہونے میں، حالانکہ فتوائے اقدس میں تصریح تھی جب چاہیں کریں ہاں دوجے یا تیجے کی گنتی ضروری جاننے کو ضرور جہالت فرمایا تھا کہاں یہ کہ خاص اس تعین کو ضروری جاننا جہالت ہے اور کہاں یہ

کہ سرے سے تعین ہی جہالت و بدعت ہے اُن رام پوری دیوبندی نے خیانت لفظی کی تھی ان دیوبندی دیوبندیوں نے دیکھا کہ کام اب بھی نہ چلا اصل سوم تو جائز ہی رہا لہذا یوں اس کے ساتھ خیانت معنوی کا گنٹھ جوڑا ملا دیا ، غرض ؎

بیباک ہو عیار ہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

آٹھویں خیانت یونہی مجموعہ گنگوہی صاحب حصہ دوم صفحہ ۹۰ پر مجدد المائۃ الحاضرہ کا ایک فتویٰ چھاپا جس میں حاصل سوال یہ تھا کہ جو شخص بے نماز شراب خور داڑھی منڈا گستاخی سے جھوٹی روایتیں پڑھنے والا شریعت پر ہنسنے والا ہو ایسے شخص سے مولود شریف پڑھانا یا منبر پر تعظیماً بٹھانا جائز ہے یا نہیں ، اور حاصل ارشاد جواب یہ تھا کہ افعال مذکورہ سخت کبائر اور مرتکب اشد فاسق اور مستحق نار و غضب رحمٰن ہے اُسے منبر پر بٹھانا اُس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے اور ذکر شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب اور بے وضو بھی جائز اگر نیت استخفاف کی نہ ہو اور تحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے یونہی مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزا کفر ہے یونہی داڑھی رکھانے کی توہین کلمۂ کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم . مسلمان دیکھیں کہ اس فتوائے مبارکہ میں ایسے فاسق فاجر بے نمازی شراب خور توہین کنندۂ شریعت کو منبر پر بٹھانے کی ممانعت ہے یا معاذ اللہ مطلقاً مجالس میلاد مبارک مروجۂ عرب و عجم کا عدم جواز ۔ مگر حیاداروں نے عوام کی آنکھوں پر اندھیری ڈالنے کے لیے اس کا سرنامہ یہ لکھ دیا فتوی در باب عدم جواز مجلس مولود مروجہ از مجموعۂ فتاوی قلمی مولوی احمد رضا خاں صاحب ، سچ ہے "بے حیا باش و آنچہ خواہی کن" (بے حیا ہو جا پھر جو چاہے کر تارہ ۔ ت) اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

نویں خیانت حیاداروں کو اور تیز و تند چڑھی اسی صفحہ کے حاشیہ پر یوں لے بڑھی متبعین مولوی احمد رضا خاں صاحب کو خوف کرنے کا مقام ہے کہ وہ مجالس مروجہ ممنوعہ بعید عید ولادت کہ جن کو خود ان کے مقتدا نے حرام کیا بلکہ کفر و مستحق نار و غضب رحمٰن تعالیٰ شانہ لکھتے ہیں ۔ مسلمانو ! خدا را انصاف ، حرام کا لفظ تو آپ دیکھ چکے کہ فاسق شرابی کو منبر پر تعظیماً بٹھانے کی نسبت تھا ظلم یہ کہ مستحق نار و غضب رحمٰن کہ اُس تارک الصلاۃ شرابخور توہین کنندۂ شرع کو کہا تھا بے حیاؤں نے اسے بھی مجالس میلاد مبارک پر ڈھال دیا ، مسلمانو ! کیا اسی کو دین و دیانت کہتے ہیں ؎

آدمیاں گم شدند ملک خیانت گرفت

دسویں خیانت مجلس مبارک کو حرام و مستحق نار و غضب جبار ٹھہرانے پر بھی دشمنانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جلتے کلیجے ٹھنڈے نہ ہوئے بلکہ اپنی گھٹیوں میں پڑے ہوئے کفر کی چاشنی یاد آئی اور بکمال بے ایمانی اپنی اس بکرِ فکر کی نسبت اعلیحضرت مجدد دین وملت سے کر دی کہ وہ مجالسِ مروجہ کو کفر لکھتے ہیں ، سچ ہے جب "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" سے حصہ لیں تو پورا ہی نہ لیں بن پڑے تو ابلیس کے لیے

بھی باقی نہ چھوڑیں۔ مسلمانو! اللہ انصاف، کفر کا لفظ ذکرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین اور شریعت و سنّت پر چلنے کی نسبت تھا یا مجالسِ مبارکہ کی نسبت، مسلمانو! اللہ انصاف، شیطان اس سے زیادہ اور کیا مکر کرتا ہوگا، "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" خود اعلیٰحضرت کے یہاں اُن کے پڑ دادا صاحب حضرت مولٰنا حافظ محمد کاظم علی خاں صاحب بہادر رئیسِ اعظم قادری رزاقی قدس سرہ الشریف خلیفۂ حضرت مولانا شاہ انوار الحق لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت سے بفضلہ تعالیٰ آج تک کہ سَو برس کامل سے زائد ہوئے مجالسِ میلاد شریف کا انعقاد کمالِ اہتمام و اعلانِ عام کے ساتھ ہوتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ ہزاروں مسلمان حاضر آئے اور ذکرِ اقدس حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض و شرف پائے ہیں شہر بھر میں معلوم ہے کہ ربیع الاول شریف کی بارھویں خاص اعلیٰحضرت کے دولت خانۂ فیض کاشانہ کے لیے اُسی زمانے سے مخصوص ہے، اعلیٰحضرت کے یہاں اور بھی مجالس میلاد مبارک ہوا کرتی ہیں مگر بارھویں شریف کا پڑھنا خصوصاً خاص ذکرِ ولادت اقدس روزِ اول سے خود حضرت بانیِ مجلس صاحبِ خانہ کا حصّہ ہے جو بعونہٖ تعالیٰ سَو برس سے آج تک ناغہ نہ ہُوا سوا ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ کے کہ اس کی بارھویں مبارک کو اعلیٰحضرت بحمد اللہ تعالیٰ سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ مطیبہا و بارک وسلم میں شرف آستانہ بوسی سے مشرف تھے اُس سال اعلیٰحضرت کے برادر اوسط مولوی حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نیابت کی پھر اعلیٰحضرت اور اُن کے والد ماجد قدس سرہٗ کے فتاویٰ و مستقل تصانیف اس مجلس مبارک کے استحباب و استحسان میں موجود ہیں، معتقدینِ اعلیٰحضرت اس تمام آفتاب عالمتاب سے معاذ اللہ آنکھیں بند کرکے کوّوں کی شہادت پر دیوبندیوں کی مان لیں گے کہ اعلیٰحضرت کے نزدیک معاذ اللہ مجلس مبارک حرام بلکہ کفر ہے تف تف ہزار تف مسلمانو! دیوبندی صاحبوں کی دیوبندگی دیکھی پھر دعوائے دین و دیانت باقی ہے، سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعوے، خیر اتنی اچھی کہی کہ معتقدینِ اعلیٰحضرت کے لیے خوف کا مقام ہے الحمد للہ خوف کا مقام اولیا و صلحاء کو ملتا ہے مگر دیوبندیوں کو نہ خوفِ خدا نہ شرمِ رسول دن دہاڑے مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکتے پھرتے ہیں کہ اُن کو دھوکے دیں اُن کے عقائد کو ضرر پہنچائیں ان کے اکابر کی نیک نامی کو دھبا لگائیں مگر بحمد اللہ ان کی خاک اُلٹ کر انھیں کے منہ اور اُن کے پیشوا حضرت گنگوہی صاحب کی آنکھوں میں پڑی اور پڑتی ہے حق بحقدار رسید۔

گیارھویں خیانت خیرؔ یہ تلک عشرۃ کاملۃ جیسی تھیں

اب ان کی وہ لیجئے جس کے آگے یہ اور ان جیسی سَو خیانتیں اور ہوں تو کان ٹیک دیں وہ کیا وہ رسالۂ خبیثہ سیف النقی کے کوتک کہ اعلیٰحضرت مجدد المائۃ الحاضرہ دام ظلہم العالی کے حضرات عالیہ والد ماجد و جدِ امجد و پیر و مرشد و حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام سے کتابیں تراش لیں ان کے مطبع گھڑ لیے صفحے دل سے بنا لیے عبارتیں خود ساختہ لکھ کر اُن کی طرف بے دھڑک نسبت کرکے چھاپ دیں اور سرِ بازار اپنی حیا کی اوڑھنی اتار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بک دیا کہ

آپ تو یُوں کہتے ہیں اور آپ کے والد ماجد و جد امجد و پیر و مرشد و غوث اعظم فلاں فلاں کتابوں مطبوعات فلاں فلاں مطابع کے فلاں فلاں صفحہ پر یہ فرماتے ہیں حالاں کہ دنیا میں نہ اُن کتابوں کا پتا نہ نشان سب بالکل افترا اور من گھڑت، جرأت ہو تو اتنی تو ہو اس کا حال العذاب البئیس و ابحاث اخیرہ و رماح القہار وغیرہا میں بارہا چھاپ دیا، اب پھر سُن لیجئے اسی رسالہ خبیثہ کے صفحہ تین پر ایک کتاب بنام تحفۃ المقلدین اعلحضرت کے والد ماجد اقدس حضرت مولٰنا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کے نام سے گھڑلی حالانکہ حضرت ممدوح کی کوئی تصنیف اس نام کی نہیں ہے[ع]

مسئلہ (۴۵۳) از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھیکیدار ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

ایک بار اذان ہوچکی ہے کسی دُوسرے شخص نے لاعلمی میں پھر اذان پڑھنا شروع کر دی درمیان میں کسی ہمسایہ نے اطلاع دی کہ پڑھی جاچکی ہے اب یہ شخص معاً رک جائے یا اذان کو پُورا پڑھے۔

الجواب

اگر مسجد محلہ ہے جہاں کے لیے امام وجماعت متعین ہے اور جماعت اولٰے ہوچکی اور اب کچھ لوگ جماعت کو آئے اور ان کو اذان کی خبر نہ تھی اور شروع کی اور اطلاع ہوئی تو معاً رک جائے اور اگر مسجد عام ہے مثلاً مسجد بازار و سرا و اسٹیشن وجامع تو ہرگز نہ رکے اذان پوری کرے ممانعت جہالت ہے اور اگر مسجد محلہ یا عام ہے اور جماعت اولٰے ابھی نہ ہُوئی تو اختیار ہے چاہے رک جائے یا پُوری کرے اور اتمام اولٰے ہے۔

وذٰلک لان فی الاولٰی اعادۃ اذان لجماعۃ ثانیۃ فی مسجد محلۃ وھو لایجوز وفی الثانیۃ اعادۃ اذان لجماعۃ اخرٰی فی مسجد شارع وھو مسنون فلایترک وفی الثالثۃ لانھی ولاطلب فخیر واتمام ذکر شرع فیہ افضل لاسیما وقد استحسنوا التثویب۔

اور یہ اس لیے ہے کہ پہلی صورت میں محلے کی مسجد میں دوسری جماعت کے لیے دوبارہ اذان دی جارہی ہے جو کہ ممنوع ہے اور دوسری صورت میں شارع عام کی مسجد میں دوسری جماعت کے لیے اذان کا اعادہ ہے اور یہ مسنون ہے، تیسری صورت میں نہ منع ہے اور نہ حکم، پس اب اختیار ہے، اور جب شروع کرلی گئی تو اسے مکمل کرنا افضل ہے خصوصاً اس حال میں جبکہ فقہائے نے "تثویب" کے عمل کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ع یہ یہیں تک ناتمام تھا لیکن مفید تھا اس لیے چھاپ دیا ۱۲

مسئلہ (۴۵۴) ازمقام کبیر کلاں ڈاک خانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکیدار
۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

اقامت صف کے دہنی جانب کہی جائے یا بائیں، اس میں کوئی فضیلت دہنے بائیں کی ہے یا نہیں فقط۔

الجواب

اقامت امام کی محاذات میں کہی جائے یہی سنت ہے وہاں جگہ نہ ملے تو دہنی طرف لفضل الیمین عن الشمال (کیونکہ دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت ہے۔ت) ورنہ بائیں طرف لحصول المقصود بکل حال (کیونکہ مقصود ہر حال میں حاصل ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۴۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟

(۳) فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اسی پر عمل لازم ہے یا رسم رواج پر، اور جو رسم و رواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم و رواج پر اڑا رہنا؟

(۵) نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو اُن سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہوگئی ہو؟

(۶) مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلاف شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

(۷) سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اُس وقت مُردہ کہلائے گی جب اُس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑجائے یا جو سنت خود رائج ہو وہ مُردہ قرار پائے گی؟

(۸) علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں، اگر ہے تو کیا اُس وقت اُن پر یہ اعتراض ہو سکے گا

کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے، اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

(۹) جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اُس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

(۱۰) جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہیے؟ امید کہ دسوں مسئلوں کا جدا جدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو، بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ہے:

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔[1]

سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے فرمایا جب رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لیے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

(۲) جواب اول سے واضح ہو گیا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی (اذان کا) مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بعض صاحب جو "بین یدیہ" سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں "بین یدی" ہے اور ساتھ ہی "علی باب المسجد" ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے چہرۂ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر "بین یدیہ" کے لیے درکار ہے۔

(۳) بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاوٰی قاضی خان طبع مصر جلد اول صفحہ ۷۸، لایؤذن فی المسجد[2] (مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے) فتاوٰی خلاصہ قلمی صفحہ ۶۲ لایؤذن

---

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعہ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۱۵۵

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلوٰۃ مسائل الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۷

فی المسجد[1] (مسجد میں اذان نہ ہو)، خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان لایؤذن فی المسجد[2] (مسجد کے اندر اذان نہ کہیں)، فتاوٰی عالمگیری طبع مصر جلد اول صفحہ ۵۵ لایؤذن فی المسجد[3] (مسجد کے اندر اذان منع ہے)، بحرالرائق طبع مصر جلد اول صفحہ ۲۶۸ لایؤذن فی المسجد[4] (مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے)، شرح نقایہ علامہ برجندی صفحہ ۸۴ فیہ اشعار بانہ لایؤذن فی المسجد[5] (اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) امام صدر الشریعۃ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو)، غنیہ شرح منیہ صفحہ ۳۵۰ الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ[6] (اذان نہیں ہوتی مگر منارہ یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر)، فتح القدیر طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۷۱ قالوا لایؤذن فی المسجد[7] (علماء نے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے)، ایضاً باب الجمعۃ صفحہ ۴۱۴ ھو ذکر اللّٰہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ[8] (جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکرِ الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدودِ مسجد میں اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے)، طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۲۸ یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم[9] یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ اب زمانۂ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں: "قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی[10]" یعنی بین یدیہ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے رُوبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنّت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو ـــــ جب وہ تصریح کر چکے کہ باہر ہی ہونا سنّت ہے تو اندر ہونا خلافِ سنّت ہُوا تو اُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنّت کے مطابق کرو چاہے سنّت

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوٰۃ الفصل الاول فی الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۹

[2] خزانۃ المفتین فصل فی الاذان (قلمی نسخہ) ص ۱۹

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

[4] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

[5] شرح النقایۃ للبرجندی باب الاذان نولکشور لکھنؤ ۱/۸۴

[6] غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی سنن الصلوٰۃ اول السنن الاذان مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷

[7] فتح القدیر کتاب الصلاۃ باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[8] فتح القدیر باب الجمعۃ 〃 〃 〃 ۲/۲۹

[9] طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۰۷

[10] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح وقایہ باب الصلاۃ 〃 مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴۵

کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ "بین یدیہ" (امام کے سامنے۔ ت) سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے اُس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنّت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنے لیے جائیں جو سنّت کے مطابق ہیں، بہر کیف آتنا ان کے کلام میں صاف مصرح ہے کہ اذانِ ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنّت ہے تو بلاشبہہ مسجد کے اندر ہونا خلافِ سنّت ہے وللہ الحمد۔

(۴) ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اَڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیے۔

(۵) ظاہر ہے جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اُسی سے بچنا چاہیے نہ کہ سنّت وحکم حدیث وفقہ سے۔

(۶) مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں مسجد حرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری طبع مصر صفحہ ۲۸۰:

المطاف ہو ماکان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجدا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں مسجد حرام مطاف تک ہی تھی۔ (ت)

تو حاشیۂ مطاف بیرون مسجد محل اذان تھی اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لیے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہے گی ولہذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کرلیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف، حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ صفحہ ۴۰:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک ولا یصلی فیہ۔[2]

مسجد میں وضو اور کلی کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں ان کے لیے جگہ بنائی گئی ہو، اور وہاں نماز ادا نہ کی جاتی ہو۔ (ت)

وہیں ہے: لایحفر فی المسجد بئر ماء ولو قدیمۃ تترک کبئر زمزم۔[3] (اور مسجد میں کنواں نہیں کھودا جائے گا اگر وہاں قدیم اور پرانا کنواں ہو تو چھوڑ دیا جائے جیسے زمزم کا کنواں۔ ت)

تو مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے مدینہ طیبہ میں خطیب سے میں بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل فی اماکن الاجابۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب السابع فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۱/۱۱۰

[3] " " " " " " " " "

بلند مکبّرہ پر کہتے ہیں طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جو "بین یدیہ" وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رَد ہوگیا تو ہندی فہم و طریقہ خود ہی دونوں حرم محترم سے جدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبّرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لیے مستثنٰی ہے جیسا کہ غنیہ سے گزرا، اور اسی طرح خلاصہ و فتح القدیر و برجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو و چاہ ہیں کہ قدیم سے جُدا کر دیئے ہوں نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام، اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق پہلے یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے قطع صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قطع صفا قطعہ اللہ[1] (جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کر دے) رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

نیز علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان ہونا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے، اب ہمیں افعالِ مؤذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جوابِ سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نام لیتا ہے یہ بآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ بآواز دُعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ درمختار و ردالمحتار جلد اول صفحہ ۸۵۹:

اما ما یفعلہ المؤذنون حال الخطبۃ من الترضی ونحوہ، فمکروہ اتفاقا[2]۔ یعنی وہ جو یہ مؤذن خطبے کے وقت رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

یہی مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علما کا کیا اختیار۔ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو اُن کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ و درمختار و ردالمحتار صفحہ ۲۱۵ خود مفتیِ مدینہ منورہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الامامۃ فضل الصف مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴
[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالٰی نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاوی اسعدیہ جلد اول صفحہ ۸ آخر میں فرمایا ہے:

اما حرکات المکبرین وصنعهم، فانا ابرأ الی اللہ تعالٰی منه[1]۔ یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالٰی کی طرف برارت کا اظہار کرتا ہوں۔

اور اُوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا، پھر کسی عاقل کے نزدیک اُن کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیر حکم۔

(۷) بیشک احادیث میں سنت زندہ کرنے کا حکم اور اُس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیا سنتی، فقد احبنی، ومن احبنی کان معی فی الجنة[2]۔ اللھم ارزقنا۔ جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں یہ رفاقت عطا فرما۔

رواہ السجزی فی الابانة والترمذی بلفظ من احب (اسے سجزی نے ابانۃ میں روایت کیا اور ترمذی نے "من احب" کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیا سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیئا[3]۔ رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجة عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنه۔ جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما کی حدیث ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله جو فسادِ اُمت کے وقت میری سنت مضبوط تھامے

---

[1] فتاوی اسعدیہ کتاب الصلاۃ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱/۸

[2] جامع الترمذی باب اخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/۹۲

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/۹۲

سنن ابن ماجہ باب من سنۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

اجر مائة شہید[1] رواہ البیہقی فی الزھد۔ اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے۔ اسے بیہقی نے زہد میں روایت کیا۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنت کی جائے گی جو مُردہ ہوگئی اور سنت مُردہ جبھی ہوگی کہ اُس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

(۸) احیائے سنت علما کا تو خاص فرضِ منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لیے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اس سنت کو زندہ کریں اور سَو سَو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوُں ہو تو کوئی سنت زندہ ہی نہ کرسکے، امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کتنی سُنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہُوئی نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے رضی اللہ تعالٰے عنہم۔

(۹) حوض کہ بانیِ مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگرچہ وسط مسجد میں ہو وہ اور اُس کی فصیل ان احکام میں خارج از مسجد ہے لانہ موضع اعد للوضوء کما تقدم (کیونکہ یہ جگہ وضو کے لیے بنائی گئی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ت)

(۱۰) لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہے اسے گوشۂ محراب میں رکھ کر محاذات ہوجائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار رہے تو اُسے قیامِ مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو! یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں دیکھ لو کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کیا ہے، تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حضرات علمائے اہلسنت سے معروض: حضرات! احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمائیے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے، آپ کے رب کا حکم ہے:

تعاونوا علی البر والتقوٰی[2]۔ نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (ت)

اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں بے تکلف بیان حق فرمائیے اور اس وقت

---

[1] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار القلم الکویت ص ۱۵۱

[2] القرآن ۵/ ۲

لازم ہے کہ ان دسوں سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں اور ان کے ساتھ ان پانچ سوالوں کے بھی۔

(۱۱) اشارت مرجوح ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے؟

(۱۲) کیا محتمل صریح کا مقابل ہوسکتا ہے؟

(۱۳) تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصاً استنباط بعید یا جس کا منشا بھی غلط؟

(۱۴) حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے؟

(۱۵) قرآن مجید کی تجوید فرض عین ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا سب ہندی علماء سے بجالاتے ہیں یا ننّو میں کتنے؟ بینوا توجروا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۵۶) از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالمقتدر صاحب ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

حضرت جناب مخدوم و محترم و مکرم و معظم ادام اللہ تعالٰی برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ یہ بات کہ اس اذان کا کب سے داخل مسجد ہونا معمول و مروج ہوا، یقینی طور سے محقق نہیں ہوا، علی الباب اذان کا مسنون ہونا اگر کسی کتاب فقہ میں نظر پڑا ہو تو لکھئے اکثر لوگ اس کے طالب ہیں فقط۔

الجواب

علی الباب اذان مسنون ہونے کی سند فقہی کے اکثر لوگ کیوں طالب ہیں یہ دعوٰی کس کا ہے یہاں سے تو دو باتیں کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ "بین یدیہ" (خطیب کے سامنے۔ت)، دوسرے یہ کہ داخل مسجد مکروہ ہے، دونوں کی روشن سندیں کتب فقہ سے دے دی گئیں مسجد کریم میں زمانہ اقدس میں دروازہ شمالی خاص محاذات منبر اطہر میں تھا کما فی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ت) لہذا در مسجد پر یہ اذان ہوتی نہ یہ کہ خصوصیت باب ملحوظ تھی یہاں کے فتوے میں جواب سوال دہم ملاحظہ ہو سنیت خصوص علی الباب کا کون قائل ہے اذان اول کی سنیت پر "زاد عثمان علی الزوراء" (حضرت عثمان نے مقام زوراء پر اذان کا اضافہ کیا۔ت) سے استناد کرنے والے علماء کیا اس کے قائل ہیں کہ پہلی اذان بالخصوص بازار میں ہونا سنت ہے یا ان سے یہ مطالبہ ہوسکتا ہے کہ فقہا نے اس خصوصیت بازار کو کہاں مسنون لکھا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۷) مسئولہ قاضی محمد عمران صاحب از بریلی شہر کہنہ محلہ قاضی ٹولہ

۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بروز جمعہ بزمانہ حضرت تاج مدینہ ختم المرسلین کے اذانیں ہوا کرتی تھیں اور ان کے کون کون موقع تھے۔ آیا پہلی اذان جو ہوتی ہے وہ کہاں

ہوتی تھی اور دوسری جو اس زمانہ میں وقتِ خطبہ خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی تھی اور اگر حضرت کے زمانہ میں ایک ہی اذان علی باب المسجد ہوتی تھی تو دوسری جو خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے وہ کس کے حکم سے شروع ہوئی اور ائمہ کرام کے نزدیک اس کے جواز کی بابت کیا حکم ہے فقط۔

الجواب

زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہۂ اقدس میں مسجد کریم کے دروازے پر۔ زمانۂ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرۂ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر اب باب جبریل ہے، دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمۃ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذی منبر اطہر تھا صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

دخل رجل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ المنبر، ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب، فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائما، فقال یارسول اللہ الحدیث[1]

ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے ہے اور رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو وہ شخص آپ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الحدیث (ت)

اس دروازے پر اذانِ جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانۂ صدیق اکبر و عمر فاروق و ابتدائے خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور شتابی حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی۔ مسجد کے اندر اذان کا ہونا ائمہ نے منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے اور خلافِ سنت ہے، یہ نہ زمانۂ اقدس میں تھا نہ زمانۂ خلفائے راشدین نہ کسی صحابی کی خلافت میں، نہ تحقیق معلوم کہ یہ بدعت کب سے ایجاد ہوئی نہ ہمارے ذمہ اس کا جاننا ضرور، بعض کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک مروانی بادشاہ ظالم کی ایجاد ہے واللہ تعالٰی اعلم بہرحال جبکہ زمانۂ رسالت وخلافۂ خلفائے راشدہ میں نہ تھی اور ہمارے ائمہ کی تصریح ہے کہ مسجد میں اذان نہ ہو مسجد میں اذان مکروہ ہے تو ہمیں سنت اختیار کرنا چاہئے بدعت سے بچنا چاہئے اس تحقیقات سے پہلے کہ سنت

---

[1] صحیح بخاری باب الاستسقاء فی المسجد الجامع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

پہلے کس نے بدلی، اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت اور اپنے فقہائے کرام کے احکام پر عامل ہوں اور ان کے سامنے رواج کی آڑ نہ لیں وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۸) از پیلی بھیت محلہ غفار خاں مرسلہ حافظ محمد صدیق امام مسجد چھیپیاں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان جو خارج مسجد کہنا مسنون ثابت ہوا ہے اب بنظر رفع فساد پھر بدستور قدیم اذان منبر کے پاس دینا جائز ہے یا نہیں کیونکہ درصورت عدم جواز فساد اور فتنے کا احتمال قوی ہے بینوا بالصواب وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب

یہاں دو چیزیں ہیں ایک اتیان معروف واجتناب منکر، دوسرے امر بالمعروف ونہی عن المنکر، مسجد میں اذان دینا ممنوع ہے اور اس میں دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے تو جو مسجد اپنی ہے اس میں خود مخالفتِ سنتِ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارتکابِ بے ادبی دربارِ عزت کا مؤاخذہ اس کی ذات پر ہے اور جو مسجد پرائی ہے اوروں کا اس میں اختیار ہے اُس کا مواخذہ اُن پر ہے اس کے ذمہ صرف اتنا رکھا گیا ہے کہ ازالہ منکر پر قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اس میں بھی فتنہ وفساد ہو تو دل سے بُرا جانے؛ پھر اُن کے فعل کا اس سے مطالبہ نہیں، قال اللہ تعالٰی:

لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ت) وقال اللہ تعالٰی:

یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم[2]

اے ایمان والو! تم پر اپنی جان لازم ہے تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذٰلک اضعف الایمان[3]

تم میں سے جب کوئی بُرائی دیکھے تو ہاتھ سے اُسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے(ت)

اور جس طرح یہ دوسروں کو حکم شرع ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا یونہی دوسرے حکم شرع کی مخالفت پر اسے مجبور نہیں کرسکتے یہ اپنے نزدیک جو طریقہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اتباع سنت کا

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴

[2] القرآن ۵/ ۱۰۵

[3] سنن النسائی تفاضل اہل الایمان حدیث ۵۰۱۱ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/ ۲۶۵

اپنی کتب دینیہ سے جانتا ہے دوسرا اگر اس میں مزاحمت کرے گا اور فتنہ وفساد اُٹھائے گا تو اس کا ذمہ دار وہ دوسرا ہو گا حکومت ہر مفسد کا ہاتھ پکڑنے کو موجود ہے اُس کے ذریعہ سے بندوبست کرا سکتا ہے، ہاں اگر یہ صورت بھی ناممکن ہوتی اور مفسدوں کا خوف حدِ مجبوری تک پہنچاتا تو حالت اکراہ تھی اس وقت اس پر مواخذہ نہ ہوتا، قال تعالٰی:

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔[1] مگر وہ شخص جس کو مجبور کر دیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ (ت)

بالجملہ دوسروں کو حکم کرنا اُن کی سرکشی وفتنہ پردازی کے وقت مطلقاً ساقط ہو جاتا ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا اور خود عمل کرنا اس وقت ساقط ہوگا جب یہ بذریعہ حکومت بھی بندوبست نہ کر سکے اور حقیقی مجبوری ہو کر استطاعت اصلاً نہ رہے، قال تعالٰی:

فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا۔[2] تو اللہ تعالٰی سے ڈرو جہاں تک ہو سکے اور اس کا فرمان سنو اور حکم مانو۔ (ت)

باوصف قدرت بندوبست واستعانت بحکومت مجرد خوف یا کاہلی یا خودداری یا رورعایت یا نئی تہذیب یا صلح کل کی پالیسی سے اتباع شرع چھوڑ بیٹھنا جائز نہیں ہو سکتا اسے یوں خیال کریں کہ مفسدین آج اس امر کے لیے کہتے ہیں کل کو اگر انہوں نے خود نماز پر فتنہ اٹھایا تو کیا نماز بھی چھوڑ دے گا، نہیں نہیں بلکہ اس پر خیال کرے کہ مفسدوں نے کہا کہ اپنا مکان خالی کر دو ورنہ ہم فساد کرتے ہیں یا اپنی جائداد کا ہبہ نامہ لکھ دو ورنہ ہم فتنہ اٹھاتے ہیں (تو) اس وقت اُن کا کچھ بندوبست کرے گا استغاثہ کرے گا یا چپکے سے جائداد ومکان چھوڑ بیٹھے گا، جو جب کرے گا وہ اب کرے اور اتباع احکام شرع کو مکان وجائداد سے ہلکا نہ جانے، ہاں دوسروں کے سرچڑھنے اور فتنہ وفساد کے اُٹھانے کی اجازت نہیں ہو سکتی، قال تعالٰی:

والفتنۃ اشد من القتل[3] (فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ ت)

وقال تعالٰی:

لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔[4] زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ (ت)

---

[1] القرآن ۱۶/۱۰۶
[2] القرآن ۶۴/۱۶
[3] القرآن ۲/۱۹۱
[4] القرآن ۷/۵۶

وقال تعالٰی :

لہا ماکسبت ولکم ماکسبتم ولاتسئلون عما کانوا یعملون[1] اس امت کے لیے وہ ہے جو اس نے کیا اور تمہارے لیے وُہ ہے جو تم نے کیا ، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا ۔ (ت)

نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ ، وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد و اٰلہ وصحبہ و بارک وسلم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۹) از سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ چودھری عبد الحمید خاں صاحب رئیس ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان ثانی جمعہ خارج مسجد صحن کے نیچے جُوتے اتارنے کی جگہ اگر کہی جائے تو اس میں کچھ حرج ہے یا بابِ مسجد پر ہی ہونا ضروری ہے ان دونوں میں کسی بات میں اولویت ہوگی یا مساوی حالت ، دوم یہ کہ محرابِ مسجد بھی اس بارے میں بابِ مسجد کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں ، دیوبندی صاحب کا مقولہ ہے کہ محرابِ مسجد خارجِ مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اسی لیے اُس میں امام کا کھڑا ہونا جائز نہیں (حالانکہ اپنے نزدیک یہ بات نہیں آئندہ جو مفتی صاحب فرمائیں) سوم یہ کہ اگر بابِ مسجد دالان وصحنِ مسجد کے بالمقابل نہ ہو بلکہ شمالاً وجنوباً واقع ہو اور صحن مسجد مشرقی جانب حد دیوار سے ملا ہوا ہو اور اس کے بعد کوئی جگہ خارج مسجد نہ ہو تو وہاں کیا جائے اور اذانِ ثانی کہاں ہو اور خطیب کہاں بیٹھے تاکہ مؤذن کا مقابلہ فوت نہ ہو ۔ چہارم یہ کہ اذان مذکور باب مسجد پر جو دی جائے تو وہ باب مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر یا اس سے پرے نیچے اتر کر، یہاں تو آج وسط باب پر کہی گئی ہے آئندہ جیسا ارشاد ہو والسلام فقط ۔

الجواب

صحن مسجد کے نیچے جو جگہ خلع نعال کی ہے خارج مسجد ہے اُس میں اذان بے تکلف مطابقِ سنّت ہے علی الباب ہونا کچھ ضرور نہیں مسجد کریم میں باب شمالی محاذی منبر اطہر تھا کما فی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ۔ ت) لہذا علی الباب ہوتی تھی ورنہ خصوصیتِ باب ملحوظ نہ تھی بلکہ صرف دو باتیں محاذاتِ خطیب و اذان خارج مسجد۔ محرابِ مسجد وہ طاق ہے کہ دیوارِ قبلہ کے وسط میں بنتا ہے اس میں اذان ہونے کے کوئی معنی نہیں نہ اس میں محاذاتِ خطیب ہو اور منتہائے درجہ جانب شرق پر جو دَر بنتے ہیں یہ محراب نہیں ان کو "بین الساریتین" کہتے ہیں ان میں امام کا کھڑا ہونا ناجائز نہیں ہاں خلافِ سنّت ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ زمین مسجد نہیں بلکہ اس لیے کہ امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہونا خلافِ سنّت ہے کما فی شرح النقایۃ (جیسا کہ شرح نقایہ میں ہے ۔ ت) شرقی

---

[1] القرآن ۲/۱۴۱

جانب اگر دیوار مسجد ہے تو اُس کی نسبت فتوے میں معروض ہے کہ اُس میں طاق محراب نما محاذاتِ منبر میں بنا لیں اور اگر دیوار کسی غیر کی ہے اور وہ اجازت نہ دے تو اس کا سوال مراد آباد سے آیا تھا اُس کے جواب کی نقل حاضر کرتا ہے بابِ مسجد ہی میں موذن کھڑا ہو دروازہ سے باہر ہونے کی حاجت نہیں کہ اس حکم میں مسجد کی دیواریں فصیلیں دروازہ کی زمین خارج مسجد ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۶۰) مسئولہ جناب مشتاق احمد صاحب از شہر بریلی محلہ بہاری پور ۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد متصل دفتر چھوٹی ریل، کی میں ہم لوگ نمازِ جمعہ پڑھا کرتے ہیں وہاں جو شخص نماز پڑھاتے ہیں وُہ خطبہ کے وقت اذان مسجد کے اندر دلوایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری اذان جمعہ کی خطبہ کے وقت خلیفہ ہشام نے مسجد کے اندر لوگوں سے دلوانا شروع کی ہے وہ بدعت حسن ہے یعنی وہ بدعت سیئہ نہیں ہے اور بدعت حسن کے کرنے کو کسی نے بھی عالموں میں سے منع نہیں کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیشہ اذان کا مسجد کے دروازہ پر ہونا ثابت نہیں ہے اس وجہ سے جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں ان کو منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وُہ بدعت حسن کرتے ہیں اور سنتِ مواظبہ کو نہیں چھوڑتے ہیں، لہٰذا عرض یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر ہمیشہ ہونا اذان کا ثابت ہے یا نہیں اور سنتِ مواظبہ ہے یا نہیں اور اذان مسجد کے اندر دینے سے سنت چھوٹ جائے گی یا نہیں اور بدعت ہوگی تو کون سی ہوگی بدعت حسن ہوگی یا بدعت سیئہ ہوگی، اگر بدعت حسن ہوگی تو اس کو منع کرنا چاہیے یا نہیں اور اگر بدعت سیئہ ہوگی تو منع کرنا چاہیے یا نہیں اور منع کرنے والا کون ہوگا اور اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اذان خطبہ ثانی کو اندر دلانا کس نے شروع کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعوٰی کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم پر افترا کرتے ہیں ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہرگز ثابت نہیں البتہ پہلی اذان کے نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اُسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کر لایا اور اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی، رہی یہ دوسری اذانِ خطبہ، اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اُسی حالت میں باقی رکھی جیسی زمانہ رسالت و زمانہ خلافت میں تھی۔ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب شریف جلد ہفتم طبع مصر صفحہ ۴۳۵ میں فرماتے ہیں:

فلما کان عثمٰن، امر بالاذان قبلہ علی — یعنی جب عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اذانِ خطبہ

الزوراء، ثم نقله هشام الی المسجد، ای امر بفعله فیه، وجعل الآخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیه بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه، فلم یغیرہ، بخلاف ما کان بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار انتہی۔[1]

سے پہلے ایک اذان بازار میں ایک مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے مواجہہ میں کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیل نہ کی بخلاف بازار والی اذان اوّل کے کہ اسے مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا تھی۔

ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات میں ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنّت بتاتے ہیں، اُن میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں سے پہلے اذان ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں یہ اذان بھی محاذاتِ امام نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی، پھر اس سے کیا ہُوا غرض ہشام بیچارے سے بھی ہرگز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذانِ خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی، اور اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول وفعل کیا حجت تھا، وُہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شہید کرایا سُولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا برسوں سُولی ہی پر رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہُوئی ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے قریب تھا کہ بے ستری ہو اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امام مظلوم زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی سنّت کے خلاف ایسے ظالم کی سنّت پیش کرنا اور پھر امام اعظم وغیرہ ائمہ پر اس کی تہمت دھرنا کہ ان اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی سنّت چھوڑ کر ظالم بادشاہ کی سنّت قبول کرلی کیسا صریح ظلم اور ائمہ کرام کی شان میں کیسی بڑی گستاخی ہے اللہ عزوجل پناہ دے، اس کے بدعت حسنہ ہونے کا دعوٰی محض باطل و

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ عامرہ مصر ۷/ ۴۳۵

بے اصل ہے۔

(۱) بدعتِ حسنہ سنّت کو بدلا نہیں کرتی اور اس نے سنّت کو بدل دیا۔

(۲) مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقہ معہودہ فی الشاہد کا اعتبار ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منہ تحت السرۃ[1]۔

یعنی قیام تعظیمی میں بادشاہوں وغیرہم کے سامنے ہاتھ زیر ناف باندھ کر کھڑے ہونے کا دستور ہے اسی دستور کا نماز میں لحاظ رکھ کر زیر ناف باندھیں گے۔

اب دیکھ لیجئے کہ درباروں میں درباریوں کی حاضری پکارنے کا کیا دستور ہے، کیا عین دربار میں کھڑے ہو کر چوبدار چلاتا ہے کہ دربار یو چلو ہرگز نہیں۔ بے شک ایسا کرے تو بے ادب گستاخ ہے جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ یہی کچہریاں دیکھ لے کیا ان میں مدعی مدعاعلیہ گواہوں کی حاضریاں کمرہ کے اندر پکاری جاتی ہیں یا کمرہ سے باہر جاکر کیا اگر چپراسی خاص کمرہ کچہری میں کھڑا ہوا حاضریاں پکارے چلائے تو بے ادب گستاخ بتا کر نہ نکالا جائیگا، افسوس جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کرسکتے احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں روا رکھو۔

(۳) مسجد میں چلانے سے خود حدیث میں ممانعت ہے اور فقہا نے یہ ممانعت ذکرِ الٰہی کو بھی عام رکھی جب تک شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہو، درمختار میں ہے:

یحرم فیہ (ای المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر، الا للمتفقھۃ[2]۔

مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو دینا مکروہ ہے۔ مسائل فقہیہ سیکھنے سکھانے کے علاوہ وہاں ذکر سے آواز کا بلند کرنا بھی مکروہ ہے۔ (ت)

ذکر اذان کریہ تو خالص ذکر بھی نہیں کما فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی (جیسا کہ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے۔ ت)

(۴) بلکہ شرعِ مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا جس کے لیے مساجد کی بنا نہ ہو — صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[2] الدرالمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد، فلیقل لا ردھا اللہ علیك، فان المساجد لم تبن لھذا[1]۔

جو گمُ ہُوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے، مسجدیں اس لیے نہیں بنیں۔ (ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار میں ہے، کرہ انشاد ضالۃ[2] (مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش مکروہ ہے۔ ت)، تو اگر کسی کا مصحف شریف گُم ہو گیا اور وُہ تلاوت کے لیے ڈھونڈتا اور مسجد میں پُوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنیں، اگر اذان دینے کے لیے مسجد کی بنا ہوتی تو ضرور حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لیے بنی زمانۂ اقدس میں اُسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا۔

(۵) رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ کبھی کبھی سنّت کو ترک فرماتے کہ اس کا وجوب نہ ثابت ہو ترک کا جواز معلوم ہو جائے ولہذا علمانے سنت کی تعریف میں "مع الترك احیاناً" ماخوذ کیا کہ ہمیشہ کیا مگر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا اور یہاں اصلاً ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو جو مدعی ہو ثبوت دے۔

(۶) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ فرمایا عبارتیں اصل فتوے میں گزریں اور حنفیہ کے یہاں مطلق کراہت سے غالباً مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہاں خلاف پر دلیل درکنار اس کے موافق دلیل موجود ہے کہ یہ گستاخی دربارِ معبود ہے۔

(۷) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغۂ نفی منع فرمایا کہ صیغۂ نہی سے زیادہ مؤکد ہے عبارات کثیرہ اصل فتوے میں گزریں اور فقہا کا یہ صیغہ غالباً اُس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

ظاھر قول المصنف "ولا یزید علیھا شیئا" یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھا[3]۔

قول مصنف "لا یزید علیھا شیئاً" کا ظاہر اشارۃً واضح کر رہا ہے کہ اس پر اضافہ جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۰

[2] الدرالمختار آخر باب ما یفسد الصلوۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ہدایہ میں قول امام محمد قرأ وجھر (وہ پڑھے اور جہر کرے۔ ت) پر فرمایا: یدل علی الوجوب[1] (یہ وجوب پر دال ہے۔ ت) ــــ عنایہ میں فرمایا: لانہ بمنزلۃ الامربل اکد[2] (یہ بمنزلہ امر بلکہ اس میں اس بھی زیادہ تاکید ہے۔ ت) ــــ فتح القدیر میں فرمایا: مایدل علی الوجوب وھو لفظ الخبر[3] (جو وجوب پر دال ہے وہ لفظ خبر (قرأ) ہے۔ ت) ان وجوہ پر نظر انصاف کے بعد مجموع سے کم از کم اتنا ضرور ثابت کہ مسجد کے اندر اذان بدعت سیئہ ہے ہرگز حسنہ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۱) مرسلہ جناب منشی فقیر محمد صاحب تاجر چرم کانپوری از مقام شہر ہمیر پور صوتی گنج صدر بازار
۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں جس وقت مؤذن حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کہے تو سامع کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔ بینوا توجروا

الجواب

حی علی الصلاۃ و حی علی الفلاح دونوں کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہنا چاہیے، اور بعض اول کے جواب میں یہی لاحول اور دوم کے جواب میں ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن (اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ت) کہتے ہیں، اور افضل یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے جواب میں کہے حی علی الصلاۃ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کہے حی علی الفلاح لاحول ولاقوۃ الا باللہ ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۶۲) از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کے وقت مؤذن دائیں بائیں رُخ کرتا ہے آیا اقامت میں بھی دائیں بائیں رُخ کرنا سنّت ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

علماء نے اقامت میں بھی دہنے بائیں منہ پھیرنے کا حکم دیا ہے اور بعض نے اسے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ کچھ لوگ اِدھر اُدھر منتظر اقامت ہوں، درمختار میں ہے: ویلتفت فیہ وکذا فیھا

---

[1] ہدایۃ کتاب الصلاۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ دستگیر کالونی کراچی ۱/۹۸
[2] عنایۃ حاشیۃ علی فتح القدیر کتاب الصلاۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۶
[3] فتح القدیر " " " " " ۱/۲۸۶

مطلقاً[1] (اذان میں منہ پھیرے اور اسی طرح تکبیر میں بھی ہر حال میں۔ ت)، قنیہ میں ہے:

الاصح ان الصلاۃ عن یمینہ، والفلاح عن شمالہ، مت، شم، قع، ضح، والاقامۃ کذلک اھ ای مجد الائمۃ الترجمانی وشرف الائمۃ المکی والقاضی عبدالجبار والایضاح اوضیاء الائمۃ الحجحی[2]۔

اصح یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں اور حی علی الفلاح کے وقت بائیں جانب منہ پھیرے مت، شم، قع، ضح۔ اور اسی طرح اقامت میں بھی اھ یعنی "مت" سے مجد الائمہ ترجمانی، "شم" سے شرف الائمہ المکی، "قع" سے قاضی عبدالجبار اور "ضح" سے ایضاح یا ضیاء الائمہ الحجی مراد ہیں۔ (ت)

اسی میں ملتقط سے ہے:

لایحول راسہ فی الاقامۃ عند الصلاۃ والفلاح الالاناس ینتظرون الاقامۃ[3]۔

تکبیر کے اندر حی علی الصلوٰۃ اور حی الفلاح پر دائیں بائیں سر نہ پھیرے مگر اس صورت میں کہ جب لوگ تکبیر کا انتظار کر رہے ہوں۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۴) از دمن خرد علداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اشھد ان محمدا رسول اللہ جو اذان واقامت میں واقع ہے اس میں انگوٹھوں کا چومنا جو مستحب ہے اگر کوئی شخص باوجود قائل ہونے استحباب کے احیانا عمداً ترک کرے تو وہ شخص قابلِ ملامت ہے یا نہیں۔

الجواب

جبکہ مستحب جانتا ہے اور فاعلوں پر اصلاً ملامت روا نہیں جانتا فاعلوں پر ملامت کرنے والوں کو بُرا جانتا ہے تو خود اگر احیاناً نہ کرے ہرگز قابلِ ملامت نہیں فان المستحب ھذا شانہ (کہ مستحب کا درجہ و مقام یہی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۶) از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود قادری برکاتی رضوی طالبعلم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضور پُرنور کے نام مبارک سُن کر ہاتھ چُوم کر آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

[2] قنیہ باب الاذان مطبعۃ مشتہرۃ بالمہانیۃ انڈیا ص ۱۹ و ۲۰ [3] قنیہ باب الاذان

الجواب

جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ کوئی ممانعت شرعی نہ ہو مثلاً حالت خطبہ میں یا جس وقت قرآن مجید سُن رہا ہے یا نماز پڑھ رہا ہے ایسی حالتوں میں اجازت نہیں باقی سب اوقات میں جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ بہ نیتِ محبت و تعظیم ہو اور تفصیل ہمارے رسالہ منیر العینین میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۷) از اوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحی صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے وقت انگوٹھے چُومنا اس کا جو طریقہ ہو اور دعا وغیرہ اور جس موقع پر کیا جائے مفصل اطلاع بخشیے۔

الجواب

جب مؤذن پہلی بار اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے یہ کہے صلی اللہ علیك یا رسول اللہ جب دوبارہ کہے یہ کہے قرۃ عینی بك یا رسول اللہ اور ہر بار انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگائے آخر میں کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر[1] (اے اللہ! میری آنکھوں اور سمع کو نفع عطا فرما۔ت) ردالمحتار عن جامع الرموز عن کنز العباد (ردالمحتار میں جامع الرموز سے اور اس میں کنز العباد سے منقول ہے۔ت) یہ اذان میں ہے اور تکبیر کے وقت بھی ایسا ہی کرے تو کچھ حرج نہیں کما بیناہ فی رسالتنا (جیسے ہم نے اسے اپنے رسالہ میں بیان کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۶۸) از حبیب والہ ضلع بجنور تحصیل دھامپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ قبل صلاۃ عیدین دو شخص کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں دے کر الصلوٰۃ یرحمکم اللہ الصلوٰۃ کئی مرتبہ پڑھتے ہیں آیا یہ فعل جائز ہے یا بدعت، رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ فعل منقول ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے کہ منع نہیں اگرچہ منقول نہ ہو جیسے تثویب۔ نہیں نہیں بلکہ خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول کہ عیدین میں مؤذن کو حکم فرماتے کہ الصلاۃ جامعۃ پکارے

روی الامام الشافعی عن الزھری قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	امام شافعی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدین کے لیے مؤذن کو

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۳

یامرالمؤذن فی العیدین ، فیقول الصلاۃ جامعۃ۔[1]

حکم دیا کرتے تھے (کہ پر بلند آواز سے کہے) تو وہ کہتے تھے الصلٰوۃ جامعۃ (جماعتِ نماز تیار ہے)۔ (ت)

لاجرم علمائے کرام نے بالاتفاق عیدین میں صلاۃ پکارنا مستحب فرمایا، شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے:

یقول اصحابنا و غیرھم انہ یستحب ان یقال الصلاۃ جامعۃ۔[2]

ہمارے علماءِ شوافع اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ "الصلاۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

مرقاۃ علی قاری میں ہے:

یستحب ان ینادی لھا الصلاۃ جامعۃ۔[3]

نماز کے لیے "الصلٰوۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

وہ الفاظ کہ سائل نے ذکر کئے الصلاۃ یرحمکم اللہ (نماز پڑھو اللہ تم پر رحم کرے۔ ت) انھیں کے معنی میں ہیں پس بدعت نہیں مستحب ہیں۔

اقول: وما روی مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ[4] ان لا اذان للصلاۃ یوم الفطر ، ولا اقامۃ ولا نداء ولا شیئ فھی فتوٰی[5] منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انما روایتہ ما ذکر اولاً قال لم یکن یؤذن یوم الفطر ولا یوم الاضحٰی[6] ولیس فیہ الا نفی الاذان ، وزاد جابر بن سمرۃ وغیرہ نفی الاقامۃ ، وقد انعقد علی نفیھما الاجماع ، ولا نظر لخلاف شاذ ، فلا حاجۃ الی ما ذکرہ الامام النووی فی قول جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ، یتاول علی ان المراد لا اذان ، ولا اقامۃ ولا نداء فی معناھما ولا شیئ من ذلک[7] اھ

اقول: وہ جو مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نماز عید الفطر کے لیے نہ اذان نہ اقامت اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی آواز دی جاتی تھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فتوٰی ہے ان سے مروی روایت کا ذکر جو پہلے ہوا اس میں صرف اتنا ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحٰی کے لیے اذان نہیں ہوتی تھی یعنی اس میں صرف نفیِ اذان ہے حضرت جابر بن سمرۃ وغیرہ نے اقامت کی نفی کا بھی اضافہ کیا حالانکہ ان دونوں کی نفی پر اجماع منعقد ہوگیا ہے اور خلافِ شاذ قابلِ توجہ نہ ہوگا، تو اب حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول میں امام نووی کی اس تاویل

---

[1] الام للامام الشافعی من قال لا اذان للعیدین مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۳۵

[2] شرح صحیح مسلم للامام النووی مع مسلم کتاب صلاۃ العیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب صلاۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

[4] صحیح لمسلم کتاب صلاۃ العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[5] شرح صحیح مسلم للامام النووی مع مسلم " " " " " " ۱/۲۹۰

ومن العجب ماوقع فی الاشعة تحت حدیث جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العیدین غیر مرة ولامرتین بغیر اذان ولا اقامة، انہ زاد فی روایة ، ولا الصلوٰة جامعة اھ فلا اثر لہ فی صحیح مسلم ، ولوکان لم یدل الا علی عدم المواظبة ، ولم یعارض ماثبت فی مرسل الزھری ، ومرسل الثقة حجة عندنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کی ضرورت نہیں کہ مراد یہ ہے کہ نہ اذان ہوتی نہ تکبیر اور نہ ہی ان دونوں کی مانند کوئی ندا ہوتی تھی اور اشعۃ اللمعات[1] کے اس مضمون پر تعجب ہے جو حضرت جابر بن سمرہ کی اس حدیث کے تحت ذکر کیا گیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں ایک یا دو دفعہ سے زائد مرتبہ بغیر اذان واقامت کے عیدین کی نماز پڑھی کہا ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "الصلاۃ جامعۃ" کے الفاظ بھی نہیں کہے جاتے تھے اھ یہ کلمہ صحیح مسلم میں نہیں اگر ہو تو صرف عدمِ مواظبت پر دلیل ہے یعنی ہمیشگی نہیں فرمائی لہٰذا یہ مرسل زہری کے معارض نہیں اور مرسلِ ثقہ ہمارے ہاں حجت ہے۔(ت)

مسئلہ (۳۶۹) ازبیکانیر مارواڑ مہاجناں مرسلہ قاضی قمرالدین صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسولِ خدا صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف ہم پڑھتے ہیں لیکن ہاتھوں کو چُومتے نہیں ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ جو ہاتھ نہ چُومے وہ مردود وملعون ہے، اب گزارش ہے کہ ہاتھ چُومنا کیسا ہے اور چُوما جائے تو کیا ہمارے ذمے گناہ ہوگا اگر چُومنا منع ہے تو وہ شخص کہ جو نہ چُومنے والوں کو کلماتِ مندرجہ بالا کہتا ہے اُس کے لیے کیا حکم ہے آیا وہ کافر ہوا یا اسلام میں رہا؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ اقدس اذان میں سُن کر انگوٹھے چُومنا مستحب ہے اچھا ہے ثواب ہے کما فی کنز العباد وجامع الرموز وردالمحتار وغیرھا (جیسا کہ کنز العباد، جامع الرموز اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) مگر فرض وواجب نہیں کہ نہ کرنے سے گناہ ہو اور صرف اس قدر پر مردود وملعون کہنا سخت باطل ومردود ہے ہاں جو براہ وہابیت اسے بُرا جان کر نہ چُومے تو وہابی ضرور مردود وملعون ہے واللہ تعالٰے اعلم۔

مسئلہ (۳۷۰) از بریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

(۱) الاقامة حق للمؤذن ولا یقیم بغیر اذنه، سمعت من اساتذة مرویة ، وان قال الامام

(۱) تکبیر مؤذن کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر دوسرا نہ کہے، بعض اساتذہ کے حوالے سے میں نے

---

[1] اشعۃ اللمعات الفصل الاول من باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۹۷

بغیرہ اقم، فھو ایضا جائز بغیر الکراھۃ، صحیح، ام لا۔

یہ سنا ہے کہ اگر امام غیر مؤذن کو کہہ دے "تکبیر پڑھ" تو بھی بلاکراہت یہ جائز ہے، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

(۲) والمکبر فی یوم العید والجمعۃ ان کبر بغیر اذن الامام، لایجوز الاخذ بقولہ ولا بطلت صلوۃ من رکع اوسجد بتکبیرہ، صح ام لا۔

(۲) عید اور جمعہ کے موقع پر اگر مکبر اجازتِ امام کے بغیر تکبیر کہہ دے اس کے قول پر عمل جائز نہیں اور اس کی تکبیر پر رکوع وسجدہ کرنے والے کی نماز باطل نہ ہوئی، کیا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) ان کان المؤذن حاضرا لایقیم غیرہ الا باذنہ ولاینبغی للامام ان یامر غیرہ بالاقامۃ الابوجہ شرعی مثل ان تکون اقامتہ مشتملۃ علی لحن وذلک لانہ یوحش المؤذن بہ۔

(۱) اگر مؤذن موجود ہے تو اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا تکبیر نہ کہے اور امام کے لیے بھی مناسب نہیں کہ شرعی عذر کے بغیر کسی دوسرے کو تکبیر کے لیے کہے، شرعی عذر مثلاً اس کی اقامت لحن پر مشتمل ہو، اجازت مؤذن کے بغیر اقامت کہنا مناسب نہیں کہ شاید وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ (ت)

(۲) ھذا باطل لااصل لہ، ویجوز التبلیغ عن الحاجۃ وان لم یاذن الامام، بل وان نھی۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، ضرورت کے موقع پر تبلیغ جائز ہے اگرچہ امام اجازت نہ دے بلکہ وہ منع بھی کرے تب بھی جائز ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۷۱) ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدیوں کو جب تکبیر نماز کہی جائے تو تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا جب حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح مکبر کہے تب کھڑے ہوں اور مقتدی و امام اس میں یعنی قیام وقعود میں مساوی ہیں یا ہر ایک کے واسطے جداگانہ حکم ہے، مثلاً جو کہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں لیکن امام فوراً جب تکبیر شروع ہو کھڑا ہوجائے اس کا فعل صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں جس نے کہا امام فوراً کھڑا ہوجائے غلط کہا، حوالہ وہ دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۲) از چتوڑ گڈھ میواڑ مرسلہ فتح محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں امام ہو اور تکبیر مکبر شروع کرے اب امام حجرہ سے روانہ ہو ختم تکبیر سے پہلے حی علی الفلاح کے وقت یا بعد ختم تکبیر مصلے پر پہنچ جاوے اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے بصورت احیانا یا بصورت دواما، ہر دو صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں کوئی حرج نہیں نہ امام مکبر کا پابند ہوسکتا ہے بلکہ مکبر کو امام کی پابندی چاہئے حدیث میں ہے المؤذن املك بالاذان، والامام املك بالاقامۃ [1] (اذان کا اختیار مؤذن کو ہے اور اقامت کا اختیار امام کو۔ت) اور اگر وہ تکبیر ہوتے میں چلا تو اُسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں مصلے پر جائے اور حی علی الفلاح یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے، یُوں ہی بعد خطبہ اُسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرما کر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے یہ حکم قوم کے لیے ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۳) از جرودہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

تکبیر سے پہلے کچھ لوگ بیٹھے ہُوئے ہوں اور کچھ لوگ کھڑے ہوں تو کیا تکبیر شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہوجانا چاہیے یا بیٹھ جانا چاہئے، اگر بیٹھے رہیں تو کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہیے، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی فوراً کھڑے ہوجائیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

الجواب

تکبیر کھڑے ہوکر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علما نے فرمایا ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت سب کھڑے ہوجائیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۴) محمد عبدالرشید از حصار مدرسہ انجمن محاسن اسلام احاطہ عبدالغفور صاحب

۱۴ محرم ۱۳۳۶ھ

مسجد میں بلا اذان نماز جماعت درست ہے یا نہیں اور تنگ وقت کی وجہ سے صرف تکبیر جماعت کے لیے کافی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بلا اذان جماعت اولٰی مکروہ وخلاف سنّت ہے، ہاں وقت ایسا تنگ ہوگیا ہو کہ اذان کی گنجائش

---

[1] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال حدیث ۲۰۹۶۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۹۴

نہ ہو تو مجبورانہ خود ہی چھوڑی جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۵) مسائل از شہر کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ نتھے خاں ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) اذان سنّت ہے یا واجب؟

(۲) اذان نابالغ دے تو جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) تکبیر واجب ہے یا سنّت؟

(۴) مصلّے پر امام نہ ہو تو تکبیر جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

(۱) جمعہ و جماعت پنجگانہ کے لیے اذان سنّتِ مؤکدہ و شعارِ اسلام و قریب بواجب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نابالغ اگر عاقل ہے اور اس کی اذان اذان سمجھی جائے تو جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) یوں ہی تکبیر بھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جب امام مسجد میں بہ نیت نماز آئے تو تکبیر کہہ سکتے ہیں اگرچہ مصلّے تک نہ پہنچے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۶) از شہر مسئولہ وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی پکا سُنّی ہے اہلسنّت کے طریقہ پر قدم بقدم چلتا ہے ایک ذرہ بھی وہابیت کا نقص نہیں پایا جاتا وہابیوں سے متنفر رہتا ہے الغرض عقائد میں کسی قسم کی خرابی نہیں ایسے شخص کو بکر وہابی و کافر کہتا ہے چونکہ بکر نے زید کو بوقت اذان کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک پر انگشت کو بوسہ لیتے ہوئے اور درود شریف بآواز بلند پڑھتے ہوئے نہ دیکھا زید کہتا ہے کہ اذان کا جواب دینا اور درود شریف حضور کے نام مبارک پر اس وقت پڑھنا دل میں چاہیے لہذا میں دل میں پڑھتا ہوں اور جواب اذان دیتا ہوں اور زید انگشت چومنے سے انکار بھی نہیں کرتا ہے اس وجہ سے بکر نے زید کو اسلام سے خارج کرکے کفر میں داخل کردیا ہے اور زید کے عقائد کی حالت بھی ہے۔ ــــــــ اس صورت میں بکر کا یہ کلام زبان سے نکالنا صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح نہیں تو بکر پر شارع علیہ السلام کا کیا حکم جاری ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید کو وہابی کہنا جائز نہیں اور اسے خارج از اسلام ٹھہرانا سخت اشد کبیرہ ہے بکر پر توبہ فرض ہے اور اس وقت درود شریف دل میں پڑھنے سے اگر زید کی مراد یہ ہے کہ زبان سے نہ پڑھا جائے تو غلط ہے زبان سے پڑھنا لازم ہے اور بآواز ہونا مستحب ہے کہ اوروں کو بھی ترغیب و تذکیر ہو اور اس پر درود شریف نہ پڑھنے کی بدگمانی نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۷) از شہر محلہ ملوک پور مسئولہ شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر کے شروع ہونے کے وقت امام ومقتدی کو کھڑا رہنا چاہیے یا بیٹھ جانا چاہیے اور بیٹھ جانے میں کیا فضیلت ہے اور کھڑا رہنے میں کیا نقصان ہے؟

الجواب

امام کے لیے اس میں کوئی خاص حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں، کھڑے کھڑے تکبیر سننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علمگیری میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہورہی ہو فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور اس میں راز مکبر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ قد قامت الصلاۃ ادھر اس نے حی علی الفلاح کہا کہ آؤ مراد پانے کو، جماعت کھڑی ہوئی، اس نے کہا قد قامت الصلاۃ جماعت قائم ہوگئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۷۸) از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ شیت خاں ۹ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد اذان کے اور جماعت سے ذرا قبل الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ الصلوۃ والسلام علیك یا حبیب اللہ پڑھنا باآواز بلند چاہیے یا نہیں؟ ایك شخص کہتا ہے کہ صلاۃ وسلام پڑھنے سے اذان کی حیثیت گھٹتی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جواب سے مشرف فرمایا جائے۔

الجواب

پڑھنا چاہیے اور صلاۃ وسلام سے اذان کی حیثیت بڑھتی ہے کہ وہ اعلام کے لیے تھی اور یہ اسی کی ترقی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۹) از شہر محلہ صالح نگر مسئولہ کفایت دری ساز ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایك شخص وہابی ہے یا ان کا ہمخیال ہے اگر وہ اذان دے سُنّی کی مسجد میں تو اس کا جواب سُنّی دے یا نہیں؟ اور جب سُنّی اس مسجد میں نماز کے لیے جائے تو اپنی اذان کہے یا اسی کی اذان پر اکتفا کرے اور دوسری اذان نہ کہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اسم جلالت پر کلمہ تعظیم اور نام رسالت پر درود شریف پڑھیں گے اگرچہ یہ اسمائے طیبہ کسی کی زبان سے ادا ہوں مگر وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں، اور اہلسنت کو اُس پر اکتفا کی اجازت نہیں بلکہ ضرور دوبارہ اذان کہیں، درمختار میں ہے: ویعاد اذان کافر و فاسق[1] (کافر اور فاسق کی اذان لوٹائی جائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] دُرمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

مسئلہ (۳۸۰) موضع بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۷ صفر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلوۃ جو بعد اذان بلفظ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھی جاتی ہے مخالف کہتا ہے کہ یہ فعل قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہر ہے اور شارع اسلام کے خلاف ہے یا کوئی مجھے بتائے کہ فرض ہے یا واجب یا سنت ہے یا مستحب، اور یہ فعل نیم مولوی کا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اس کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟

(۲) بروقت جماعت کے قبل جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو زید کہتا ہے کہ امام و مقتدی بیٹھ کر سنیں، عمرو کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر سننا چاہیے اور یہ رواج قدیم ہے اور یہ نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کی بات ہے۔

الجواب

مخالف جھوٹا ہے اور شریعت مطہرہ پر افترا کرتا ہے ثبوت دے شرع مطہر نے اسے کہاں منع فرمایا ہے کہ خلاف شرع کہتا ہے ہاں وہ فرداً مستحب ہے اور اصلا فرد فرض ہے قال اللہ تعالٰی:

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما[1]

بیشک اللہ اور اس کے سب فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور خوب سلام عرض کرو (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔

رب عزوجل کا حکم مطلق ہے اس میں کوئی استثناء فرمادیا ہے کہ مگر اذان کے بعد نہ بھیجو، جب پڑھا جائیگا اسی حکم الٰہی کا امتثال ہوگا فلہذا ہر بار درود پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ سب اُسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے فرض ہی میں شامل ہوگا نظیر اس کی تلاوتِ قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض ایک ہی آیت ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کرے تو سب فرض ہی میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا سب فاقرءوا ما تیسر من القرآن[2] (پس پڑھو قرآن سے جو تمہیں آسان ہے۔ ت) کے اطلاق میں ہے آج کل ایسا انکار کرنے والے کوئی نہیں مگر وہابیہ اور وہابیہ کے پیچھے نماز باطل محض ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) مسئلہ شرعیہ کو نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کہنا اگر براہ جہالت نہ ہو کلمۂ کفر ہے کہ توہینِ شریعت ہے مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوں کہ اس کے اس قول کی مطابقت ہو جو وہ اس کے بعد کہے گا کہ قد قامت الصلوۃ جماعت کھڑی ہوئی یہاں تک کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور اس وقت کوئی شخص باہر سے آیا تو یہ خیال نہ کرے کہ چند کلمات رہ گئے ہیں پھر کھڑا ہونا ہوگا بلکہ فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر

---

[1] القرآن ۳۳/۵۶

[2] القرآن ۷۳/۲۰

کھڑا ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات[1]۔

اگر کوئی تکبیر کے وقت آیا تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہوکر تکبیر سُننا مکروہ ہے پھر جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو اُٹھے مضمرات میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۸۱) از ریاست رامپور محلہ مردان خان گلی موچیاں مسئولہ محمد نور ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں پنجگانہ اذان واسطے نماز کے کہاں کہی جائے اور بانیِ مسجد نے کوئی جگہ اذان کی مقرر نہیں کی اکثر لوگ صحنِ مسجد میں اذان کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کی داہنی طرف یعنی جنوب کو اذان ہو اور مسجد کی بائیں طرف یعنی شمال کو تکبیر کہی جائے اور جس مسجد کا کوٹھا نہ ہو صاف میدان حد بستہ ہو اُس مسجد کی کون سی داہنی اور بائیں پر عمل کیا جائے اور یہ بھی سُنا ہے کہ جماعت پر حق سبحانہ کی رحمت اول امام پر اور بعد اس کے صف اول کی داہنی جانب سے تمام پر شروع ہوتی ہے پھر دوسری تیسری صفوں پر آخر تک جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ مسجد کی داہنی جانب جنوب ہے اسی جانب سے مصلیان پر رحمتِ حق نازل ہوتی ہے یا اس کے بالعکس اور منبر مسجد کو بائیں جانب کہتے ہیں اور پرانی مسجدوں میں داہنی جانب اور بائیں جانب برج بنے ہوتے ہیں اُس پر اذان ہُوا کرتی ہے اس وقت کے مؤذنان نے اُس کو چھوڑ دیا صحنِ مسجد میں جہاں چاہتے ہیں اذان کہہ دیتے ہیں آیا اذانِ پنجگانہ نماز سنّت خارج مسجد مثل منڈھیرہ وغیرہ ہے یا صحن مسجد۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں اذان کہنا مطلقاً منع ہے خلاصہ وہندیہ و بحر الرائق وغیرہا میں ہے: لا یؤذن فی المسجد[2] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) نظم زندویسی و جامع الرموز میں ہے: یکرہ الاذان فی المسجد[3] (مسجد میں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلٰوۃ باب فی الاذان فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۷

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان " مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۴۹

فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

البحر الرائق باب الاذان " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

[3] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل الاذان " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۳

نوٹ: جامع الرموز میں یہ عبارت بالمعنی ہے بالالفاظ نہیں۔ جامع الرموز کے الفاظ یوں ہیں: بانہ لا یؤذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم"۔ نذیر احمد سعیدی

اذان مکروہ ہے۔ ت) اذان کے لیے کوئی دہنی بائیں جانب مقرر نہیں، منارہ پر ہو جس طرف ہو اور جہاں منارہ یا کوئی بلندی نہیں وہاں فصیلِ مسجد پر اُس طرف ہو جدھر مسلمانوں کی آبادی زائد ہے اور دونوں طرف آبادی برابر ہو تو اختیار ہے جدھر چاہیں دیں۔ تکبیر میں مناسب یہ ہے کہ امام کے محاذی ہو ورنہ امام کی دہنی جانب کہ مسجد کی بائیں جانب ہوگی ورنہ جہاں بھی جگہ ملے۔ رحمتِ الٰہی پہلے امام پر اُترتی ہے پھر صفِ اول میں جو امام کے محاذی ہو پھر صفِ اول کے دہنے پر پھر بائیں پر پھر صفِ دوم میں امام کے محاذی پھر دوم کے دہنے پھر بائیں پر اسی طرح آخر صفوں تک۔ امام کا دہنا مسجد کا بایاں ہوتا ہے مسجد میں عمارت ہو یا نہ ہو کہ مسجد تابع کعبۂ معظمہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۸۲) از ورنگر وایہ مہسانہ۔ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان چاند رسول مسئولہ عبدالرحیم احمد آبادی
۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجدوں کے دروازوں پر گھنٹا لگا کر بوقتِ نمازوں کے وقت پر بجانا مشابہت کفار ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ سخت حرام اور ناپاک و ملعون فعل کفار ملعونین سے پورا پورا تشبہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۸۳) از اکلترا ضلع بلاسپور۔ سی پی مسئولہ عبدالغنی امام مسجد جامع ۲۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مؤذن روزہ نہیں رکھتا کتنی ہی بار امام سے لڑنے پر آمادہ ہوا امام سے کہا زیادہ بات کرے گا تو پٹک کر نالی میں موڑ کر گڈوں گا ایک ہی نمبر کا لالچی گانے والا بھانڈ بھی مسخرا چور بھی مسجد کے چار قفل چوری کیے پتا لگنے پر کہا تم نے دو دیے تھے ابھی تک وہ مسروق قفل اس کے پاس ہیں امام پر بہتان لگاتا ہے کہ تم مسجد کی لالٹین کا تیل چوری کرتے ہو حالانکہ کبھی نہیں دیکھا امام کہتا ہے اگر ثبوت مل جائے تو میرا ہاتھ کاٹ لو بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پر بھی تو کبھی درود شریف پڑھتے نہیں سُنا اور ۱۵ رمضان کو عین جماعتِ فجر کے وقت جھاڑو دیتا تھا میں نے کہا ابھی جھاڑو نہ دو تو جماعت کے سامنے کہنے لگا کہ مُوت مُوتو آگ نہ مُوتو، بے حیا لڑاکا فسادی ہے ایک روزہ دار مسافر کو بھی بہکاتا تھا لہٰذا اس مؤذن کے متعلق فتوے سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

اگر یہ باتیں واقعی ہیں تو وہ مؤذن سخت فاسق فاجر ہے اُسے مؤذن بنانے کی ہرگز اجازت نہیں اُسے معزول کرنا لازم، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الامام ضامن والمؤذن مؤتمن[1] (امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے) رواہ ابوداود والترمذی

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الامام ضامن الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹
سنن ابی داؤد باب مایجب علی المؤذن " " " " " " ۱/ ۷۷

وابن حبان والبیھقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح (اسے ترمذی، ابن حبان اور بیہقی نے سیّدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) اور ظاہر ہے کہ فاسق امین نہیں ہوسکتا و لہٰذا مقصود اذان کہ اعلام باوقات نماز و سحری و افطار ہے فاسق کی اذان سے حاصل نہیں ہوسکتا، تنویر میں ہے:

یجوز اذان صبی مراھق و عبد و اعمٰی[1]	قریب البلوغ بچے، غلام اور نابینا کی اذان جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان قولھم مقبول فی الامور الدینیۃ، فیکون ملزمًا، فیحصل بہ الاعلام بخلاف الفاسق[2]	کیونکہ ان کا قول امورِ دینیہ میں معتبر ہے لہٰذا ان کا قول ملزم ہوگا اور اس کے ساتھ اعلام حاصل ہوجائیگا بخلاف فاسق کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ مما قدمناہ من انہ لایحصل الاعلام من غیر العدل ولا یقبل قولہ انہ لایجوز الاعتماد علی المبلغ الفاسق خلف الامام[3]	ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوچکا ہے کہ اعلام بغیر عدل کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اس کا قول قبول نہیں کیا جائیگا یعنی امام کے پیچھے فاسق مکبّر پر اعتماد جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وجزم المصنف بعدم صحۃ اذان مجنون و معتوہ وصبی لایعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات[4]	مصنف نے دیوانے، ناقص العقل، ناسمجھ بچّے کی اذان پر عدمِ صحت کے ساتھ جزم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اور کافر و فاسق بھی اس مثال میں شامل ہیں، کیونکہ ان کا قول امورِ دینیہ میں معتبر نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴
[2] تبیین الحقائق 〃 〃 مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۹۴
[3] ردالمحتار 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۰
[4] درمختار 〃 〃 مجتبائی دہلی ۱/۶۴

غنیہ میں ہے:

يجب اعادة اذان السكران والمجنون والصبي غير العاقل لعدم حصول المقصود لعدم الاعتماد على قولهم[1] اھ وقد نقله في رد المحتار واقره بل ايد به بحث البحر فلا وجه لبحثه في الفاسق وقد سلم عدم حصول المقصود باذانه كما تقدم۔

نشہ کرنے والے، دیوانے، نابالغ بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی کیونکہ ان کے قول پر عدمِ اعتماد کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہو پاتا اھ ردالمحتار میں اسے نقل کر کے ثابت رکھا بلکہ بحر کی عبارت سے اس کی تائید کی پس فاسق کے بارے میں بحث کی حاجت ہی نہیں کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس کی اذان سے اعلام کا حصول مسلّمہ طور پر نہیں ہوتا۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۰۴) از سینٹوریم ضلع نینی تال مسئولہ سراج علی خاں صاحب قادری رضوی بریلوی ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نمازِ جماعت کے لیے اذانِ پنجوقتہ کیا اہمیت رکھتی ہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ دوچار شخص جماعت سے نماز پڑھیں تو اذان ضروری ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

مسجد میں پانچوں وقت جماعت سے پہلے اذان سنّتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے اور اس کا ترک بہت شنیع، یہاں تک کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کسی شہر کے لوگ اذان دینا چھوڑ دیں تو میں ان پر جہاد کروں گا، شہر میں اگر کچھ لوگ مکان یا دُکان یا میدان میں اذان نہ کہیں تو حرج نہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اذان الحی یکفینا[2] محلہ کی اذان ہمیں کفایت کرتی ہے، یُوں ہی مسافر کو ترکِ اذان کی اجازت ہے لیکن اگر اقامت بھی ترک کرے گا تو مکروہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۰۵) از بریلی بازار مسئولہ عزیز الدین خاں دُکاندار ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز سے قبل صلاۃ پکارنا اور اذان ثانی باہر مسجد کے کہنا وہابیہ کا کام ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز سے پہلے صلاۃ پکارنا مستحسن ہے حرمین شریفین وتمام بلاد دار الاسلام میں رائج ہے اسے وہابیہ کا کام

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۸۹/۱
[2] 〃 〃 〃 〃 ۲۹۱/۱

کتنا عجیب ہے وہابیہ ہی اسے بُرا کہتے ہیں' اذانِ ثانی امام کے سامنے منبر کے محاذی مسجد کے باہر ہونا ہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت ہے صدیق اکبر کی سنّت ہے، فاروق اعظم کی سنّت ہے، اُسے وہابیہ کا کام کہنا محض جہالت وحماقت ہے اگر یہ شخص جاہل ہے کسی احمق سے سُنی سنائی ایسی کہتا ہے اُس کے مذہب میں کوئی فتور نہیں اور فاسق معلن بھی نہیں اور اس کی طہارت وقراءت صحیح ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

مُنیرالعین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ

(انگوٹھے چُومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا)

مسئلہ (۲۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمۂ اشہدان محمداً رسول اللہ سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی نور عیون المسلمین بنور عین اعیان المرسلین، والصلاۃ والسلام علی نور العیون سرور القلب المحزون محمدٍ الرفیع ذکرہ فی الصلاۃ والاذان، والحبیب اسمہ عند اھل الایمان، وعلی اٰلہ وصحبہ

تمام خُوبیاں اللہ کے لیے جس نے گروہِ انبیاء ومرسلین کے سربراہ کے نور سے تمام مسلمانوں کی آنکھوں کو روشنی بخشی، صلاۃ وسلام ہو اس پر جو آنکھوں کا نور، پریشان دلوں کا سرور یعنی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کا ذکر اذان ونماز میں بلند ہے۔ جس کا اسم گرامی اہلِ ایمان کے ہاں نہایت ہی محبوب ہے اور آپ کی آل واصحاب پر

المشروحة صدورهم لجلال اسرارہ و المفتوحة عیونهم بجمال انوارہ، واشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وحدہ لا شریك له، وان محمدا عبدہ ورسوله بالهدی ودین الحق ارسله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه اجمعین، وعلینا معهم وبهم ولهم یاارحم الراحمین اٰمین۔ قال العبد الذلیل للمولی الجلیل عبد المصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی، نور اللّٰه عیونه و اصلح شیونه مستعیذا برب الفلق من شر ما خلق وحامدا للّٰه علی ما الهم ووفق۔

جن کے مبارک سینے آپ کے اسرار و رموز کے جلال کیلئے کھول دیئے، اور ان کی آنکھوں کو آپ کے انوار جمال سے منور فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں جن کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا، اور ہم پر بھی رحمت ہو ان کے ساتھ، ان کے سبب اور ان کے صدقہ میں یاارحم الراحمین، مولٰی جلیل کا عبدِ ذلیل عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کی آنکھوں کو منور فرمائے اور اس کے تمام احوال کی اصلاح کرے درانحالیکہ وہ ربّ الفلق کی پناہ میں آتا ہے تمام مخلوق کے شر سے اور حمد کرتا ہے اللہ کی اس پر جو اس نے عطا کی اور اس کی توفیق دی۔ (ت)

الجواب

حضور پُرنور شفیع یوم النشور صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیل کافی تھا، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاد علما و عمل قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود۔ علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر و حضرت ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا امام حسن و حسین و حضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضر علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایہ مختصر الوقایہ و فتاوٰی صوفیہ و کنز العباد و ردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب و استحسان کی صاف تصریح آئی، ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر وعمائد مثل متکلم قنوجی

وغیرہ کے مستندات سے ہیں اور اُن حدیثوں کے بارہ میں اُن محدثین کرام و محققین اعلام نے جو تصحیح و تضعیف و تجریح و توثیق میں دائرہ اعتدال سے نہیں نکلتے اور راہِ تساہل و تشدد نہیں چلتے حکمِ اخیر و خلاصہ بحث و تنقیر یہ قرار دیا کہ خود حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو حدیثیں یہاں روایت کی گئیں باصطلاحِ محدثین درجۂ صحت کو فائز نہ ہوئیں، مقاصد میں فرمایا :

لایصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ۔[1] بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجۂ صحت پر فائز نہیں۔ (ت)

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں :

کل مایروی فی ھذا فلا یصح رفعہ البتۃ۔[2] اس بارے میں جو بھی روایات بیان کی گئی ہیں ان کا مرفوع ہونا حتمی صحیح نہیں۔ (ت)

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں علامہ اسمٰعیل جراحی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں :

لَمْ یَصِحَّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیْئٌ۔[3] بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجۂ صحت پر فائز نہیں۔ (ت)

پھر خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاحِ محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفیِ صلاح و تماسک و صلوحِ تمسک نہ کہ دعوٰی وضع کذب، تو عند التحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاحِ محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع و کذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریحِ ائمہ فن کثرتِ طُرق سے جبرِ نقصان متصور اور عملِ علماء و قبولِ قدماء حدیث کے لیے قوی دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف بالاجماع مقبول، اور اس سے بھی گزریے تو بلاشبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی و منقول اور سلفِ صالح میں حفظِ صحتِ بصر و روشنائی چشم کے لیے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہو تو صرف تجربہ وافی کہ آخر اُس میں کسی حکمِ شرعی کا ازالہ نہیں نہ کسی سنتِ ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجیے تو محدثین کا نفیِ صحت کو احادیثِ مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیثِ موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر یہاں حدیثِ موقوف کیا کم ہے، ولہذا مولٰنا علی قاری نے عبارتِ مذکورہ کے بعد فرمایا،

قلت واذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۵

[2] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (موضوعات کبرٰی) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۳

تعالیٰ عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[1]

عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

توصدیق سے کسی شے کا ثبوت بعینہٖ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثبوت ہے اگرچہ بالخصوص حدیث مرفوع درجہ صحت تک مرفوع نہ ہو، امام سخاوی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں:

حدیث: مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلھما عند سماع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ مع قولہ اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما سمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ قال ھذا وقبل باطن الانملتین السبابتین ومسح عینیہ فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْہِ شَفَاعَتِیْ وَلَا یَصِحُّ۔[2]

یعنی مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کے پورے جانب باطن سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا۔ اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب اس جناب نے مؤذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنا یہ دعا پڑھی اور دونوں کلے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگاتے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے، اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت نام رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا:

وکذا ما اوردہ ابو العباس احمد بن ابی بکر

یعنی ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (موضوعات کبریٰ) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ 〃 〃 〃 ص ۳۸۴

الرداد الیمانی المتصوف فی کتابہ "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" بسند فیہ مجاھیل مع انقطاعہ عن الخضر علیہ السلام انہ قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ، مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یرمد ابدا[1]

رداد یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" میں ایسی سند سے جس میں مجاہیل ہیں اور منقطع بھی ہے حضرت سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

ثم روی بسند فیہ من لم اعرفہ عن اخی الفقیہ محمد بن البابا فیما حکی عن نفسہ انہ ھبت ریح، فوقعت منہ حصاۃ فی عینہ فاعیاہ خروجھا والمتہ اشد الالم وانہ لما سمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ، قال ذلک فخرجت الحصاۃ من فورہ، قال الرداد رحمہ اللہ تعالٰی، وھذا یسیر فی جنب فضائل الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]

یعنی پھر ایسی سند کے ساتھ جس کے بعض رواۃ کو میں نہیں پہچانتا فقیہ بن البابا کے بھائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے ایک بار ہوا چلی ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی نکالتے تھک گئے ہرگز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچایا انھوں نے مؤذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے ہوئے یہی کہا فوراً نکل گئی رداد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے۔

پھر فرمایا:

وحکی الشمس محمد بن صالح المدنی امامھا وخطیبھا فی تاریخہ عن المجد احد القدماء من المصریین، انہ سمعہ یقول من صلی

یعنی شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے انھیں فرماتے سُنا

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] " " " " " " "

على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا سمع ذكره فى الاذان، وجمع اصبعيه المسبحة والابهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد ابدا۔[1]

جو شخص نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے اور انھیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح، وسمعت ذلك ایضا من الفقیه محمد بن الزرندی عن بعض شیوخ العراق او العجم انه یقول عند ما یمسح عینیه، صلی الله علیك یاسیدی یارسول الله یا حبیب قلبی و یانوربصری ویاقرة عینی، وقال لی کل منهما منذ فعله لم ترمد عینی۔[2]

یعنی ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سُنا کہ بعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور اُن کی روایت میں یُوں ہے کہ آنکھوں پر مَس کرتے وقت یہ درود عرض کرے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَاحَبِیْبَ قَلْبِیْ وَیَا نُوْرَ بَصَرِیْ وَیَا قُرَّةَ عَیْنِیْ، اور دونوں صاحبوں یعنی شیخ مجد و فقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم یہ عمل کرتے ہیں ہماری آنکھیں نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح وانا ولله الحمد والشکر منذ سمعته منهما استعملته، فلم ترمد عینی وارجوان عافیتهما تدوم وانی اسلم من العمی ان شاء الله تعالیٰ۔[3]

یعنی امام ابن صالح ممدوح نے فرمایا اللہ کے لیے حمد و شکر ہے جب سے مَیں نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہُوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا:

قال وروی عن الفقیه محمد بن سعید الخولانی قال اخبرنی الفقیه العالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید الحسینی، اخبرنی الفقیه الزاهد البلالی

یعنی یہی امام مدنی فرماتے ہیں فقیہ محمد سعید خولانی سے مروی ہُوا کہ اُنھوں نے فرمایا مجھے فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے خبر دی کہ مجھے فقیہ زاہد بلالی نے

---

[1] و [2] و [3] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۰۴

عن الحسن علیہ السلام، انہ قال، من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمداً رسول اللہ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ویقبل ابہامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد[1]۔

حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے خبر دی کہ حضرت امام نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کو اشھد ان محمداً رسول اللہ کہتے سن کر یہ دعا پڑھے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دکھیں۔

پھر فرمایا:

وقال الطاؤسی، انہ سمع من الشمس محمد بن ابی نصر البخاری خواجہ، حدیث من قبل عند سماعہ من المؤذن کلمۃ الشھادۃ ظفری ابہامیہ ومسھما علی عینیہ، وقال عند المس اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونورھما لم یعم[2]۔

یعنی طاؤسی فرماتے ہیں انھوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ جو شخص مؤذن سے کلمات شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَیَّ وَنُوْرَھُمَا بِبَرَکَۃِ حَدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنُوْرِھِمَا، اندھا نہ ہو۔

شرح نقایہ میں ہے:

واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ تعالیٰ علیک یا رسول اللہ" وعند الثانیۃ منھا "قرۃ عینی بک یا رسول اللہ" ثم یقال "اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین" فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکون قائداً لہ

یعنی خبردار رہو بیشک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشھد ان محمداً رسول اللہ سنے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہے اور دوسری بار قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اسے جنت میں لے جائیں گے، ایسا ہی کنز العباد

---

[1] المقاصد الحسنۃ باب المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴
[2] " " " " " " " " ص " ۳۸۴

الی الجنۃ کذا فی کنزالعباد[1] میں ہے۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں، ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ[1] یعنی اسی طرح امام فقیہ عارف باللہ سیدی فضل اللہ بن محمد بن ایوب سہروردی تلمیذ امام علامہ یوسف بن عمر صاحب جامع المضمرات شرح قدوری قدس سرہما نے فتاوی صوفیہ میں فرمایا) شیخ مشایخنا خاتم المحققین سید العلماء الحنفیہ بمکۃ المحمیہ مولنٰا جمال بن عبداللہ عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبیل الابہامین ووضعہما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان، ھل ھو جائز امرلا؟ اجبت بما نصہ نعم تقبیل الابہامین ووضعہما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب[2]۔

یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے ہمارے مشایخ نے متعدد کتابوں میں اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔

علامہ محدث محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی تکملہ مجمع بحار الانوار میں حدیث کو صرف لایصح فرماکر لکھتے ہیں، وروی تجربۃ ذلک عن کثیرین[3] یعنی اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئیں۔

فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتا ہے، اب طالب تحقیق وصاحب تدقیق، افادات چند نافع وسودمند پر لحاظ کرے، تاکہ بحول اللہ تعالٰی چہرۂ حق سے نقاب اٹھے اور صدر کلام میں جن لطیف مباحث پر ہم نے نہایت اجمالی اشارے کیے اُن کی قدرے تفصیل زیور گوش سامعین بنے کہ یہاں بسط کامل وشرح کافل کے لیے تو دفتر وسیط بلکہ مجلد بسیط درکار، واللہ الموفق ونعم المعین **فاقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق۔

افادۂ اول (حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلٰی درجہ کی حدیث ہے

---

[1] جامع الرموز فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

[2] فتاوٰی جمال بن عبداللہ عمر مکی

[3] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ الخ نولکشور، لکھنؤ ۳/۵۱۱

جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع وعلائق کثیر و بسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرما دیتے ہیں "یہ حدیث صحیح نہیں" یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسَن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جُھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد و احتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں، امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ شرح منیہ[1] میں فرماتے ہیں:

قول الترمذی" لایصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ھذا الباب شیئ" انتفی لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لایتوقف ثبوتہ علی الصحیح، بل کما یثبت بہ یثبت بالحسن ایضا۔[1]

ترمذی کا یہ فرمانا کہ اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملی نہی حسن اور اُس کے مثل کی نفی نہیں کرتا اور ثبوت مقصود کچھ صحیح ہی پر موقوف نہیں، بلکہ جس طرح اس سے ثابت ہوتا ہے یونہی حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اُسی[2] میں ہے:

علی المشی علی مقتضی الاصطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحۃ نفی الثبوت علی وجہ الحسن۔[2]

یعنی اصطلاح علم حدیث کی رُو سے صحت کی نفی حسن ہو کر ثبوت کی نافی نہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ[3] میں فرماتے ہیں:

قول احمد" انہ حدیث لایصح ای

یعنی امام احمد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کے

---

[1] ذکرہ فی مسئلۃ المسح بالمندیل بعد الوضوء ۱۲ منہ

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[2] آخر صفۃ الصلٰوۃ قبیل فصل فیما کرہ فعلہ فی الصلٰوۃ ۱۲ منہ

صفۃ الصلٰوۃ کے آخر میں فیما کرہ فعلہ فی الصلٰوۃ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[3] ذکرہ فی حدیث التوسعۃ علی العیال یوم العاشوراء فی اٰخر الفصل الاول من الباب الحادی عشر قبیل الفصل الثانی ۱۲ منہ

گیارھویں باب کی فصل اول کے آخر اور فصل ثانی سے تھوڑا پہلے عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت والی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] و [2] حلیۃ المحلی

لذاتہ فلاینفی کونہ حسنا لغیرہ ، والحسن لغیرہ یحتج بہ کما بین فی علم الحدیث۔[۱]

یہ معنی ہیں کہ صحیح لذاتہ نہیں تو یہ حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہ کریگا اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علم حدیث میں بیان ہوچکا۔

سندالحفاظ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اذکار امام نووی کی تخریج احادیث میں فرماتے ہیں :

من نفی الصحۃ لاینتفی الحسن اھ[۲] ملخصا

یعنی صحت کی نفی سے حدیث کا حسن ہونا منتفی نہیں ہوتا۔ اھ ملخصا

یہی امام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں :

ھذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج بہ وان کان دونہ۔[۳]

یعنی حدیث حسن لذاتہ اگرچہ صحیح سے کم درجہ میں ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے۔

مولٰنا علی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں :

لایصح لاینافی الحسن[۴] اھ ملخصا

یعنی محدثین کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں اُس کے حسن ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ اھ ملخصا

سیدی نورالدین علی سمہودی جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں فرماتے ہیں :

قد یکون غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج بہ ، اذ الحسن رتبۃ بین الصحیح والضعیف۔[۵]

یعنی کبھی حدیث صحیح نہیں ہوتی اور باوجود اس کے وہ قابلِ حجیت ہے ، اس لیے کہ حسن کا رتبہ صحیح و ضعیف کے درمیان ہے۔

حدیث کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھی ان ینتعل الرجل قائما[۶] (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ ت) کو امام ترمذی نے جابر و انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا :

---

[۱] الصواعق المحرقۃ الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۵

[۲] نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار

[۳] نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بحث حدیث حسن لذاتہ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳۳

[۴] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۹۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[۵] جواہر العقدین فی فضل الشرفین

[۶] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۹

کلا الحدیثین لا یصح عند اھل الحدیث[1]
دونوں حدیثیں محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواہب میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں[عہ]:

نفیہ الصحۃ لاینافی انہ حسن کما علم[2]
صحت کی نفی حسن ہونے کے منافی نہیں جیساکہ معلوم ہوچکا ہے۔

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

حکم بعدم صحت کردن بحسب اصطلاح محدثین غرابت ندارد چہ صحت درحدیث چنانچہ در مقدمہ معلوم شد درجۂ اعلٰے ست دائرۂ آں تنگ تر جمیع احادیث کہ درکتب مذکور ست حتی دریں شش کتاب کہ آنرا صحاح ستہ گویند ہم بر اصطلاح ایشاں صحیح نیست، بلکہ تسمیۂ آنہا صحاح باعتبار تغلیب ست[3]

اصطلاح محدثین میں عدمِ صحت کا ذکر غرابت کا حکم نہیں رکھتا کیونکہ حدیث کا صحیح ہونا اس کا اعلٰی ترین درجہ ہے جیساکہ مقدمہ میں معلوم ہوچکا ہے اور اس کا دائرہ نہایت ہی تنگ ہے تمام احادیث جو کتابوں میں مذکور ہیں حتی کہ ان چھ کتب میں بھی جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کو تغلیباً صحیح کہا جاتا ہے۔ (ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام محقق علی الاطلاق سیدی کمال الحق والدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول:

وقول من یقول فی حدیث انہ لم یصح ان سلم لم یقدح لان الحجیۃ لاتتوقف علی الصحۃ، بل الحسن کاف[4]

یعنی کسی حدیث کی نسبت کہنے والے کا یہ کہنا کہ وہ صحیح نہیں اگر مان لیا جائے تو کچھ حرج نہیں ڈالتا کہ حجیت کچھ صحیح ہونے پر موقوف نہیں بلکہ حسن کافی ہے۔

عہ المقصد الثالث النوع الثانی ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

تیسرے مقصد دوسری نوع نعلِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر میں اس کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۹

[2] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر نعلہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۵/ ۵۵

[3] شرح صراط المستقیم لعبدالحق المحدث الدہلوی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۵۰۲

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی الصلاۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۸

تو یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفیِ حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائے گا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلٰی صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ، (حدیث کے مراتب اور اُن کے احکام) مرتبۂ [۱] صحیح کے بعد حسن [۲] لذاتہٖ بلکہ صحیح لغیرہٖ پھر حسن [۳] لذاتہٖ، پھر حسن [۴] لغیرہٖ، پھر ضعیف [۵] بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یا سوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا، اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسمِ ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخری قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہٖ بلکہ صحیح لغیرہٖ ہوجاتی ہے، اُس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گرانبہا پہنتی ہے، ورنہ دربارۂ فضائل تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے، پھر درجۂ ششم [۶] میں ضعف قوی ووہن شدید ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحدِ کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہبِ راجح پر مطلقاً اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعددِ مخارج وتنوعِ طرق منصبِ قبول وعمل پاتی ہے، کما سنبیّنہ، ان شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اس کی تفصیلات آرہی ہیں۔ ت) پھر درجۂ ہفتم [۷] میں مرتبۂ مطروح ہے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظرِ تدقیق میں یوں کہئے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائقِ اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے، والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی۔ وسیرد علیک تفاصیل جل ذلک ان شاء اللہ العلی الاعلٰی (اس کی روشن تفاصیل ان شاء اللہ تعالٰی آپ کے لیے بیان کی جائیں گی۔ ت) طالبِ تحقیق ان چند حرفوں کو یاد رکھے کہ باوصف وجازت محصل وملخص علم کثیر ہیں اور شاید اس تحریر نفیس کے ساتھ ان سطور کے غیر میں کم ملیں، وللہ الحمد والمنۃ (سب خوبیاں اور احسان اللہ تعالٰی کیلئے ہے۔ ت) خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقۂ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کو شامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن وموضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

میں اس واضح بات پر سندیں کیا پیش کرتا مگر کیا کیجے کہ کام اُن صاحبوں سے پڑا ہے جو اغوائے عوام کے لیے دیدہ ودانستہ محض اُمّی عامی بن جاتے اور مہرِ منیر کو زیرِ دامنِ مکر وتزویر چھپانا چاہتے ہیں۔ لہذا کلماتِ علماء سے اس روشن

مقدمہ کی تصریحیں لیجئے :

امام سند الحفاظ و امام محقق علی الاطلاق و امام حلبی و امام مکی و علامہ زرقانی و علامہ سمہودی و علامہ ہروی کی عبارات کہ ابھی مذکور ہوئیں بحکم دلالۃ النص وفحوی الخطاب اس دعوٰی بینہ پر دلیل مبین کہ جب نفیِ صحت سے نفیِ حسن تک لازم نہیں تو اثباتِ وضع تو خیال محال سے ہمدوش وقرین۔

(حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے) تاہم عبارات النص سُنئے :

امام بدرالدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں :

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لایلزم منہ اثبات العدم، وانما ھو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین[1]۔

یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا بل ہے، کہ موضوع کہنا تو اسے کذب و افترا ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ لفظ لآلی کے ہیں اور اسی سے مجمع میں مختصراً نقل کیا، تنزیہ میں اس کے بعد اتنا اور زیادہ فرمایا :

وھذا یجری فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی "لایصح" او نحوہ[2]۔

یعنی امام ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں جس جس حدیث کو غیر صحیح یا اس کے مانند کوئی لفظ کہا ہے ان سب میں یہی تقریر جاری ہے کہ ان اوصاف کے عدم سے ثبوت وضع سمجھنا حلیہ صحت سے عاطل و عاری ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں فرماتے ہیں :

لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعاً[3]۔

یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

امام سیوطی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں :

اکثر ما حکم الذھبی علی ھذا الحدیث،

یعنی بڑھ سے بڑھ اس حدیث پر امام ذہبی نے اتنا

---

[1] مجمع بحار الانوار — فصل وعلومہ واصطلاحتہ — نولکشور لکھنؤ — ۳/۵۰۶

[2] تنزیہ الشریعۃ — کتاب التوحید فصل ثانی — دارالکتب العلمیۃ بیروت — ۱/۱۴۰

[3] القول المسدد — الحدیث السابع — مطبوعہ دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ہند — ص ۴۵

انه قال متن لیس بصحیح وھذا صادق بضعفه[1] — حکم کیا کہ یہ متن صحیح نہیں، یہ بات ضعیف ہونے سے بھی صادق ہے۔

علی قاری موضوعات میں زیر بیان احادیث نقل فرماتے ہیں:

لایلزم عن عدم الصحة وجود الوضع کما لایخفی[2] — یعنی کھلی ہوئی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا،

اسی میں روزِ عاشورا سُرمہ لگانے کی حدیث پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی کا حکم "لایصح ھذا الحدیث" (یہ حدیث صحیح نہیں۔ ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت لایلزم من عدم صحته ثبوت وضعه و غایته انه ضعیف[3] — یعنی میں کہتا ہوں اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں، غایت یہ کہ ضعیف ہو۔

علامہ طاہر صاحب مجمع تذکرۃ الموضوعات میں امام سند الحفاظ عسقلانی سے ناقل:

ان لفظ "لا یثبت" لا یثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط، والضعیف دونه[4] — یعنی کسی حدیث کو بے ثبوت کہنے سے اس کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ ثابت تو وہی حدیث ہے جو صحیح ہو اور ضعیف کا درجہ اس سے کم ہے۔

بلکہ مولٰنا علی قاری آخر موضوعات کبیر میں حدیث البطیخ قبل الطعام یغسل البطن غسلا ویذھب بالداء اصلا (کھانے سے پہلے تربوز کھانا پیٹ کو خُوب دھودیتا ہے اور بیماری کو جڑ سے ختم کردیتا ہے۔ ت) کی نسبت قولِ امام ابن عساکر "شاذ لایصح" (یہ شاذ ہے صحیح نہیں۔ ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

ھو یفید انه غیر موضوع کما لا یخفی[5] — یعنی اُن کا یہ کہنا ہی بتارہا ہے کہ حدیث موضوع نہیں جیسا کہ خود ظاہر ہے۔

یعنی موضوع جانتے تو باطل یا کذب یا موضوع یا مفتری یا مختلق کہتے نفیِ صحت پر کیوں اقتصار کرتے، فافہم

---

[1] التعقبات علی الموضوعات — باب بدء الخلق والانبیاء — مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ — ص ۴۹

[2] موضوعات ملا علی قاری — بیان احادیث العقل حدیث ۱۲۲۳ — مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت — ص ۳۱۸

[3] " " — بیان احادیث الاکتحال یوم عاشورا الحدیث ۱۲۹۸ " " " " — ص ۳۴۱

[4] مجمع تذکرۃ الموضوعات — الباب الثانی فی اقسام الواضعین — کتب خانہ مجیدیہ ملتان — ص ۷

[5] موضوعات ملا علی قاری — حدیث البطیخ قبل الطعام حدیث ۱۳۳۳ " " " " — ص ۳۵۰

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں سے ان متسکلین طائفہ منکرین کا جہل شنیع وزور فظیع بوضوح تام طشت ازبام ہوگیا جو کلمات علما مثل مقاصد حسنہ و مجمع البحار و تذکرۃ الموضوعات و مختصر المقاصد وغیرہا سے احادیث تقبیل ابہامین کی نفی صحت نقل کرکے بے دھڑک دعویٰ کر دیتے ہیں کہ اُن کے کلام سے بخوبی ثابت ہوا کہ جو احادیث انگوٹھے چُومنے میں لائی جاتی ہیں سب موضوع ہیں اور یہ فعل ممنوع وغیر مشروع ہے، سبحان اللہ کہاں نفیِ صحت کہاں حکمِ وضع، کیا مزہ کی بات ہے کہ جہاں درجات متعددہ ہوں وہاں سب میں اعلیٰ کی نفی سے سب میں ادنیٰ کا ثبوت ہوجائے گا، مثلاً زید کو کہیے کہ بادشاہ نہیں تو اُس کے معنی یہ ٹھہریں کہ نانِ شبینہ کو محتاج ہے، یا متسکلینِ طائفہ کو کہئے کہ اولیا نہیں تو اس کا مطلب یہ قرار پائے کہ سب کافر ہیں ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

افادۂ دوم (جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل و موضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادحِ صحت و مانعِ حجیت بھی ہے یا نہیں تفصیل مقام یہ کہ (مجہول کی اقسام اور ان کے احکام) مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اوّل مستور جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

وھذا علی نزاع فیہ، فان من العلماء من نفی الجھالۃ بروایۃ واحد معتمد مطلقا او اذا کان لایروی الا عن عدل عندہ، کیحیی بن سعید القطان و عبد الرحمن بن مھدی والامام احمد فی مسندہ، وھناک اقوال اخر۔

اس قسم میں نزاع ہے بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اس سے روایت کرتا ہے جو اس کے ہاں عادل ہے مثلاً یحیٰی بن سعید بن القطان، عبدالرحمان بن مہدی اور امام احمد اپنی مسند میں اور یہاں دیگر اقوال بھی ہیں۔ (ت)

سوم مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں وقد یطلق علی مایشمل المستور (کبھی اس کا اطلاق ایسے معنی پر ہوتا ہے جو مستور کو شامل ہوجائے۔ ت)

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، فتح المغیث میں ہے، قبلہ ابوحنیفۃ خلافا للشافعی[1] (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے قبول

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث معرفۃ من تقبل روایتہ ومن ترد دار الامام الطبری بیروت ۲/ ۵۲

کرتے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ت) امام نووی فرماتے ہیں یہی صحیح ہے،

قالہ فی شرح المھذب، ذکرہ فی التدریب، وکذلك مال الی اختیارہ الامام ابوعمرو بن الصلاح فی مقدمتہ، حیث قال فی المسئلۃ الثامنۃ من النوع الثالث والعشرین ویشبہ ان یکون العمل علی ھذا الرأی فی کثیر من کتب الحدیث المشھورۃ فی غیر واحد من الرواۃ الذین تقادم العھد بھم و تعذرت الخبرۃ الباطنۃ بھم۔[1]

یہ شرح المہذب میں ہے، تدریب میں بھی اسے ذکر کیا، امام ابوعمرو بن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں اسے ہی اختیار فرمایا، انھوں نے تیسویں نوع کے آٹھویں مسئلہ میں کہا ہے اس رائے پر متعدد مشہور کتب میں عمل ہے جن میں بہت سے ایسے راویوں سے روایات لی گئی ہیں جن کا عہد بہت پُرانا ہے اور ان کی باطنی معاملات سے آگاہی دشوار ہے۔ (ت)

اور دُوقسم باقی کو بعض اکابر حجت جانتے جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں۔ امام زین الدین عراقی الفیہ میں فرماتے ہیں:

واختلفوا ھل یقبل المجھول ۔۔۔ وھو علی ثلثۃ مجعول
مجھول عین من لہ راو فقط ۔۔۔ وردہ الاکثر والقسم الوسط
مجھول حال باطن وظاھر ۔۔۔ وحکمہ الرد لدی الجماھر
الثالث المجھول للعدالۃ ۔۔۔ فی باطن فقط فقد رأی لہ
حجیۃ بعض من منع ۔۔۔ ماقبلہ منھم سلیم فقطع[2]

(مجہول کے بارے میں علماءِ حدیث کا اختلاف ہے کہ آیا اسے قبول کیا جائے گا یا نہیں؛ اس کی تین اقسام ہیں، مجہول العین جس کو صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، اسے اکثر نے رُد کر دیا ہے۔ اور دوسری قسم وہ مجہول ہے جس کے راوی کی ظاہری اور باطنی عدالت دونوں ثابت نہ ہوں اسے جمہور نے رُد کر دیا ہے تیسری قسم وُہ مجہول ہے جس میں راوی کی صرف باطنی عدالت ثابت نہ ہو، اسے بعض نے رُد کیا ہے اور بعض نے قبول کیا ہے اور قبول کرنے والوں میں امام سلیم ہیں تو انھوں نے قطعی قبول کیا ہے۔ ت)

ع: ای للامام سلیم بالتصغیر ابن ایوب الرازی الشافعی فانہ قطع بقبولہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اس سے مراد امام سلیم (تصغیر) ابن ایوب رازی شافعی ہیں ان کے نزدیک ایسی روایت کو قطعاً قبول کیا جائیگا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثالث والعشرون مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۵۳

[2] الفیہ فی اصول الحدیث مع فتح المغیث معرفۃ من تقبل روایتہ ومن ترد دارالامام الطبری بیروت ۲/ ۴۳

اسی طرح تقریب النواوی و تدریب الراوی وغیرہما میں ہے بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا مقدمۂ منہاج میں فرماتے ہیں :

المجهول اقسام مجهول العدالة ظاهراً وباطنا ، ومجهولها باطنا مع وجودها ظاهرا وهو المستور ، ومجهول العين ، فاما الاول فالجمهور على انه لايحتج به ، واما الاخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين[1]

مجہول کی کئی اقسام ہیں ، ایک یہ کہ راوی کی عدالت ظاہراً باطن میں غیر ثابت ہو ، دوسری قسم عدالت باطناً مجہول مگر ظاہراً معلوم ہو ، اور یہ مستور ہے ، اور تیسری قسم مجہول العین ہے ، پہلی قسم کے بارے میں جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور دوسری دونوں اقسام سے اکثر محققین استدلال کرتے ہیں ۔ (ت)

بلکہ امام اجل عارف باللہ سیدی ابوطالب مکی قدس سرہ الملکی اسی کو فقہائے کرام و اولیائے عظام قدست اسرارہم کا مذہب قرار دیتے ہیں ، کتاب مستطاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب کی فصل ۳۱ میں فرماتے ہیں :

بعض مايضعف به رواة الحديث وتعلل به احاديثهم ، لايكون تعليلا ولا جرحاً عند الفقهاء ولاعند العلماء بالله تعالٰى مثل ان يكون الراوى مجهولا ، لايثاره الخمول وقد ندب اليه ، اولقلة الاتباع له اذلم يقم لهم الاثرة عنه[2]

یعنی بعض وہ باتیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف اور ان کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے ، فقہاء و علماء کے نزدیک باعثِ ضعف و جرح نہیں ہوتیں ، جیسے راوی کا مجہول ہونا اس لیے کہ اس نے گمنامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی یا اُس کے شاگرد کم ہُوئے کہ لوگوں کو اس سے روایت کا اتفاق نہ ہوا ۔

بہرحال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں ، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل و مجعول ہو ، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فوراً رد و ابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ ، مولانا علی قاری رسالہ فضائل نصف شعبان فرماتے ہیں :

---

[1] مقدمہ للامام النووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

[2] قوت القلوب فصل الحادی والثلاثون باب تفضیل الاخبار مطبوعہ دارصادر بیروت ۱/ ۱۷۷

جهالة بعض الرواة لا تقتضی کون الحدیث موضوعاً وکذا نکارة الالفاظ، فینبغی ان یحکم علیه بانه ضعیف، ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال[1]

یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو، ہاں ضعیف کہو، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ[عہ1] میں امام ابن حجر مکی سے نقل فرمایا: فیه راو مجهول، ولا یضر لانه من احادیث الفضائل[2] (اس میں ایک راوی مجہول ہے اور کچھ نقصان نہیں کہ یہ حدیث تو فضائل کی ہے)

موضوعاتِ کبیر میں استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی سے نقل فرمایا: انه[عہ2] لیس بموضوع وفی سنده مجهول[3] (یہ موضوع نہیں اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے)

امام بدر الدین زرکشی پھر امام محقق جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ میں فرماتے ہیں:

لو[عہ3] ثبتت جهالته لم یلزم ان یکون الحدیث موضوعا مالم یکن فی اسناده من یتهم بالوضع[4]

یعنی راوی کی جہالت ثابت بھی ہو تو حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں جب تک اس کی سند میں کوئی راوی وضعِ حدیث سے متہم نہ ہو۔

عہ1: ذکره فی باب فضل الاذان واجابة المؤذن آخر الفصل الثانی ۱۲ منه (م)

فضیلتِ اذان اور جوابِ اذان کے باب کی فصلِ ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ2: یرید حدیث عالم قریش یملؤ الارض علما ۱۲ منه (م)

حدیث "قریش کا ایک عالم زمین کو علم کی دولت سے بھردے گا" کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ3: قاله فی حدیث ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فی صلاة التسبیح لکن اعله ابو الفرج بجهالة موسٰی بن عبد العزیز ۱۲ منه (م)

صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن ابو الفرج نے موسٰی بن عبد العزیز کی جہالت کی بنا پر اس کو چھوڑ دیا ہے۔ (ت)

---

[1] رسالہ فضائل نصف شعبان

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب الاذان فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۶۷

[3] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث ۶۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۱۵۷

[4] لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح " التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۴۴

یہی دونوں امام تخریج احادیث رافعی ولآلی میں فرماتے ہیں :

لایلزم من الجہل بحال الراوی ان یکون الحدیث موضوعا۔[1]	راوی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا ۔

امام ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث من قرض بیت شعر بعد العشاء الاٰخرۃ لم تقبل لہ صلاۃ تلك اللیلۃ[2] (جس نے آخری عشاء کے بعد کوئی (لغو) شعر کہا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی ۔ ت) کی یہ علت بیان کی کہ اس میں ایک راوی مجہول اور دوسرا مضطرب کثیر الخطا ہے' اس پر شیخ الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد پھر امام سیوطی نے لآلی وتعقبات میں فرمایا :

لیس فی شیئ مماذکرہ ابوالفرج مایقتضی الوضع۔[3]	یہ علتیں جو ابوالفرج نے ذکر کیں ان میں ایک بھی موضوعیت کی مقتضی نہیں ۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تزویج فاطمۃ من علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت فرماتے ہیں :

کونہ کذبا فیہ نظر، وانما ھو غریب فی سندہ مجہول۔[4]	اس کا کذب ہونا مسلّم نہیں، ہاں غریب ہے اور راوی مجہول ۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں،[ع۲]

ع۱ قالہ فی حدیث وعید تارك الحج فلیمت انشاء یھودیا او نصرانیا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	ایسا بندہ جو حج کو ترک کرنے والا ہو اگر وہ چاہے تو یہودی یا نصرانی مرجائے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)
ع۲ باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ	باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۱۱۸
[2] کتاب الموضوعات فی حدیث انشاد الشعر بعد العشاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۶۱
[3] القول المسدد الحدیث الثانی مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۶
[4] الصواعق المحرقہ الباب الحادی عشر " مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۴۳

قال السھیلی فی اسنادہ[1] مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط، وقال ابن کثیر منکر جدا وسندہ مجھول وھو ایضا صریح فی انہ ضعیف فقط، فالمنکر من قسم الضعیف، ولذا قال السیوطی بعد ماأورد قول ابن عساکر "منکر" ھذا حجۃ لما قلتہ من انہ ضعیف، لا موضوع، لان المنکر من قسم الضعیف، وبینہ وبین الموضوع فرق معروف فی الفن، فالمنکر ماانفرد بہ الراوی الضعیف مخالفا لروایۃ الثقات فان انتفت کان ضعیفا فقط وھی مرتبۃ فوق المنکر اصلح حالا منہ اھ[1] ملخصا

امام سہیلی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ بہت زیادہ منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے اور یہ بھی اس بات کی تصریح ہے کہ یہ فقط ضعیف ہے، کیونکہ منکر ضعف کی اقسام میں سے ہے، اسی لیے امام سیوطی نے ابن عساکر کے قول "یہ منکر ہے" وارد کرنے کے بعد فرمایا یہ میرے اس قول "یہ ضعیف ہے" کی دلیل ہے موضوع ہونے کی نہیں کیونکہ منکر ضعیف کی قسم ہے اس کے بعد اور حدیث موضوع کے درمیان فنِ اصول حدیث میں فرق واضح اور مشہور ہے منکر اس روایت کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور روایت کرنے میں منفرد اور ثقہ راویوں کے خلاف ہو یہ کمزوری اگر منتفی ہوجائے تو صرف ضعیف ہوگی اور اس کا مرتبہ منکر سے اعلیٰ ہے اور اس سے حال کے لحاظ سے بہتر ہے اھ ملخصا (ت)

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادہ سوم (حدیث منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا امام محقق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ضعف بالانقطاع وھو عندنا کالارسال[2] بعد

اسے انقطاع کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے جو کہ نقصان دہ نہیں

عہ۱ یعنی حدیث احیاء الابوین الکریمین حتی اٰمنا بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

یعنی وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور کے والدین کریمین زندہ ہو کر آپ کی ذات پر ایمان لائے یہ اسی حدیث کے تحت مذکور ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ قولہ کالارسال ای علی تفسیر وھو منہ علی اٰخر وھو علی اطلاق ۱۲ منہ (م)

قولہ کالارسال یعنی ایک تفسیر پر اور وہ یہ ہے کہ سند کے آخر سے راوی ساقط ہو اور وہ ارسال انقطاع علی الاطلاق ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب باب وفات امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۱۹۶

عدالۃ الرواۃ وثقتھم لایضر۔[1]

کیونکہ راویوں کے عادل وثقہ ہونے کے بعد منقطع ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہی ہے۔ (ت)

امام ابن امیر الحاج حلیہ[علہ] میں فرماتے ہیں:

لا یضر ذلک فان المنقطع کالمرسل فی قبولہ من الثقات۔[2]

یہ بات نقصان نہیں دیتی کیونکہ منقطع قبولیت میں مرسل کی طرح ہے جبکہ ثقہ سے مروی ہو۔ (ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ[علہ۲] میں فرماتے ہیں:

قال ابوداود ھذا مرسل ای نوع مرسل وھو المنقطع لکن المرسل حجۃ عندنا وعند الجمھور۔[3]

ابوداود فرماتے ہیں کہ یہ مرسل یعنی مرسل کی قسم منقطع ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ (ت)

اور جو اُسے قادح جانتے ہیں وُہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت، مرقاۃ شریف میں امام ابن حجر مکی سے منقول:

لایضر[علہ۳] ذلک فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع

یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل

علہ اول صفۃ الصلاۃ فی الکلام علی زیادۃ وجل ثناؤک فی الثناء ۱۲ منہ (م)

صفۃ الصلوٰۃ کی ابتداء میں جہاں ثناء میں "وجل ثناءک" کے الفاظ کے اضافہ میں کلام ہے وہاں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

علہ۲ تحت حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقبل بعض ازواجہ ثم یصلی ولا یتوضوء ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اس کا ذکر ام المؤمنین کی اس حدیث کے تحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی بعض ازواجِ مطہرات سے تقبیل فرماتے تو وضو کے بغیر یونہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

علہ۳ تحت حدیث اذا رکع احدکم فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلث مرات فقد تم رکوعہ قال الترمذی لیس اسنادہ بمتصل فقال ابن حجر ھو لا یضر ذلک ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اس حدیث کے تحت اس کا ذکر ہے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ رکوع میں تین دفعہ "سبحان اللہ العظیم" پڑھے اس طرح اس کا رکوع مکمل ہو جائیگا۔ ترمذی نے کہا اسکی سند متصل نہیں تو حافظ ابن حجر نے کہا یہ نقصان دہ نہیں ۱۲ منہ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۹

[2] حلیۃ المحلی

[3] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب یوجب الوضوء مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۴۳

یعمل به فی الفضائل اجماعا۔[1] | میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔

افادۂ چہارم (حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارۂ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جدا قسم ہے حالانکہ اُس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔ تعقبات[ع1] میں ہے:

المضطرب من قسم الضعیف لا الموضوع۔[2] | مضطرب، حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں (ت)

اُسی[ع2] میں ہے:

المنکر نوع اٰخر غیر الموضوع وھو من قسم الضعیف۔[3] | منکر، موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔ (ت)

اُسی[ع3] میں ہے:

صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع۔[4] | ابنِ عدی نے تصریح کی ہے کہ حدیث منکر موضوع نہیں ہوتی۔ (ت)

اُسی[ع4] میں ہے:

المنکر من قسم الضعیف وھو محتمل فی الفضائل۔[5] | منکر ضعیف کی قسم ہے اور یہ فضائل میں قابلِ استدلال ہے۔ (ت)

ع1 ذکرہ فی اٰخر باب الجنائز ۱۲ منہ (م) | باب الجنائز کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع2 اول باب الاطعمۃ ۱۲ منہ (م) | باب الاطعمہ کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع3 اول باب البعث ۱۲ منہ (م) | باب البعث کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع4 قالہ فی اواخر الکتاب تحت حدیث فضل قزوین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۳۱۵

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الجنائز مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۶۲

[3] 〃 〃 〃 باب الاطعمہ 〃 〃 ص ۳۰

[4] 〃 〃 〃 باب البعث 〃 〃 ص ۵۱

[5] 〃 〃 〃 باب المناقب 〃 〃 ص ۶۰

اسی میں ہے:[عہ۱]

رأیت الذہبی قال فی تاریخہ "ھذا حدیث منکر لایعرف الا ببشر وھو ضعیف انتہی" فعلم انہ ضعیف لاموضوع[1]۔

میں نے پڑھا ہے امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہا کہ یہ حدیث منکر ہے، یہ بشر ضعیف کے علاوہ معروف نہیں انتہی، پس معلوم ہوا کہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:[عہ۲]

حدیث ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ "علیکم بلباس الصوف تجدوا حلاوۃ الایمان فی قلوبکم" علیکم الحدیث بطولہ فیہ الکدیمی وضاع قلت، قال البیہقی فی الشعب "ھذہ الجملۃ من الحدیث معروفۃ من غیر ھذا الطریق، وزاد الکدیمی فیہ زیادۃ منکرۃ، ویشبہ ان یکون من کلام بعض الرواۃ فالحق بالحدیث انتہی" والجملۃ معروفۃ اخرجہا الحاکم فی المستدرک والحدیث المطول من قسم المدرج لا الموضوع[2]۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ تم صوف کا لباس پہنو اس سے تمہارے دلوں کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوگی (طویل حدیث) اس میں کدیمی راوی حدیث گھڑنے والا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے حدیث کا یہ حصہ اس سند کے علاوہ سے معروف ہے اور کدیمی نے اس میں ایسی زیادتی کی ہے جو منکر ہے اور ممکن ہے کہ یہ کسی راوی کا کلام ہو اور انہوں نے اسے حدیث کا حصہ بنادیا ہو انتہی، اور اس جملہ معروفہ کی امام حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے اور یہ طویل حدیث مدرج ہے موضوع نہیں۔ (ت)

افادۂ پنجم (جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک، شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل "(مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی

عہ۱: ذکرہ فی آخر باب التوحید ۱۲ منہ (م) — باب التوحید کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے۔

عہ۲: اول باب اللباس ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م) — باب اللباس کے شروع میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص۴

[2] " " " باب اللباس " " ص۳۳

صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع ۔ امام الشان علامہ ابنِ حجر عسقلانی رسالہ قوۃ الحجاج فی عموم المغفرۃ للحجّاج پھر خاتم الحفاظ لآلی میں فرماتے ہیں :

لا یستحق الحدیث ان یوصف بالوضع بمجرد ان راویہ لم یسم۔[1]

صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع کہنے کی مستحق نہیں ہوجاتی ۔ (ت)

(تعددِ طرق سے مبہم کا جبرِ نقصان ہوتا ہے) و لہٰذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہوجاتا ہے، تعقبات میں زیرِ حدیث اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ (حسین چہرے والوں سے بھلائی طلب کرو ۔ ت) کہ عقیلی نے بطریق یزید بن ہارون قال انبأنا شیخ من قریش عن الزہری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا روایت کی، فرمایا :

اوردہ (یعنی ابا الفرج) من حدیث عائشۃ من طرق، فی الاول رجل لم یسم، وفی الثانی عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک، و فی الثالث الحکم بن عبداللہ الایلی احادیثہ موضوعۃ ۔ قلت عبدالرحمٰن لم یتھم بکذب، ثم انہ لم ینفرد بہ بل تابعہ اسمٰعیل بن عیاش وکلاھما یجبران ابھام الذی فی الطریق الاول[2] اھ مختصرا ۔

اسے اس (یعنی ابوالفرج) نے حدیثِ عائشہ سے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے، پہلی سند میں مجہول شخص ہے (نامعلوم) اور دوسری میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک راوی ہے، تیسری میں حکم بن عبداللہ الایلی ہے جس کی احادیث موضوع ہیں، میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن متہم بالکذب نہیں، پھر وہ اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ اسمٰعیل بن عیاش نے اس کی متابعت کی ہے اور ان دونوں نے اس ابہام کی کمی کا ازالہ کردیا جو سندِ اول میں تھا اھ مختصراً ۔ (ت)

(حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہوسکتی ہے) بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوت دینے کی لیاقت رکھتی ہے استاذ الحفاظ قوۃ الحجاج پھر خاتم الحفاظ تعقبات عـــہ میں فرماتے ہیں :

رجالہ ثقات الا ان فیہ مبھما لم یسم

اس کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں ایک راوی مبہم ہے

عـــہ باب الحج حدیث دعا لامتہ عشیۃ عرفۃ بالمغفرۃ ۱۲ منہ (م)

یہ باب الحج کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم نے عرفہ کی شام امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی ہے۔ (ت)

---

[1] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب اللباس مطبعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۲۶۴

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والرقائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۵

فان کان ثقۃ فھو علی شرط الصحیح ، و ان کان ضعیفا فھو عاضد للمسند المذکور[1]

جس کا نام معلوم نہیں ہے پس اگر وُہ ثقہ ہے تو یہ صحیح کے شرائط پر ہے اور اگر وہ ثقہ نہیں تو ضعیف ہے مگر سندِ مذکور کو تقویت دینے والی ہے۔(ت)

افادۂ ششم (ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے)

بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علمِ عدالت ہے اور بداہتِ عقل شاہد کہ علمِ عدم، عدمِ علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم، شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو کما مر انفا عن الامامین الحافظین (جیسا کہ ابھی دو حافظ ائمہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ت) اور جس پر جرح ثابت، احتمال ساقط۔ ولہذا محدثین دربارۂ مجہول رَد وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رَد پر متفق ہوئے۔ امام نووی مقدمۂ منہاج میں ابوعلی غسانی جیانی سے ناقل:

الناقلون سبع طبقات، ثلث مقبولۃ، وثلث متروکۃ والسابعۃ مختلف فیھا (الٰی قولہ) السابعۃ قوم مجھولون انفردوا بروایات، لم یتابعوا علیھا، فقبلھم قوم، ووقفھم اٰخرون[2]

ناقلین کے سات درجات ہیں، تین مقبول، تین متروک، اور ساتواں مختلف فیہ ہے (اس قول تک) ساتواں طبقہ وہ لوگ ہیں جو مجہول ہیں اور روایات کرلینے میں منفرد ہیں، ان کی متابعت کسی نے نہیں کی، بعض نے انہیں قبول کیا ہے اور بعض نے ان کے بارے میں توقف سے کام لیا ہے۔(ت)

پھر علماء کی تصریح ہے کہ مجرد ضعفِ رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے، حافظ سیف الدین احمد بن ابی المجد پھر قدوۃ الفن شمس ذہبی اپنی تاریخ پھر خاتم الحفاظ تعقبات[ع] و لآلی و تدریب میں فرماتے ہیں:

صنف ابن الجوزی کتاب الموضوعات فاصاب

ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی تو اس میں انہوں

ع: قالہ تحت حدیث من قرأ اٰیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا ان یموت ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ انہوں نے اس حدیث کے تحت کہا ہے جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کے جنت میں داخل ہونے کو موت کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الحج مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص۲۴

[2] مقدمۂ منہاج للنووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

فی ذکر احادیث مخالفۃ للنقل والعقل ، ومما لم یصب فیہ اطلاقہ الوضع علی احادیث بکلام بعض الناس فی رواتہا، کقولہ فلان ضعیف او لیس بالقوی او لین ولیس ذلک الحدیث مما یشہد القلب ببطلانہ ولا فیہ مخالفۃ ولا معارضۃ لکتاب ولا سنۃ ولا اجماع ولا حجۃ بانہ موضوع سوی کلام ذلک الرجل فی رواتہ وھذا عدوان ومجازفۃ[1]

نے ایسی روایات کی نشان دہی کرکے بہت ہی اچھا کیا جو عقل ونقل کے خلاف ہیں، لیکن بعض روایات پر وضع کا اطلاق اس لیے کر دیا کہ ان کے بعض راویوں میں کلام تھا، یہ درست نہیں کیا، مثلاً راوی کے بارے میں یہ قول کہ فلاں ضعیف ہے یا وہ قوی نہیں یا وہ کمزور ہے یہ حدیث ایسی نہیں کہ اس کے بطلان پر دل گواہی دے نہ اس میں مخالفت ہے نہ یہ کتاب و سنّت اور اجماع کے معارض ہے اور نہ ہی یہ اس بات پر حجت ہے کہ یہ روایت موضوع ہے سوائے راویوں میں اس آدمی کے کلام کے اور یہ زیادتی وتخمین ہے۔ (ت)

افادۂ ہفتم (ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں)

پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جس کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دُوسرا جو بتا دے کہ تُونے یہ سنا تھا وہی مان لے، پرظاہر کہ یہ شدتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے، امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسباب طعن کی دس قسمیں فرمائیں:

(۱) **کذب** کہ معاذ اللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا کرے۔

(۲) **تہمت کذب** کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعد دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھُوٹ کا عادی ہو۔

(۳) **کثرت غلط** (۴) **غفلت**

(۵) **فسق** (۶) **وہم**

(۷) **مخالفتِ ثقات** (۸) **جہالت**

(۹) **بدعت** (۱۰) **سُوءِ حفظ**

اور تصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے،

---

[1] تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۷۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۹

حیث قال الطعن یکون بعشرۃ اشیاء بعضہا اشد فی القدح من بعض وترتیبہا علی الاشد فالاشد فی موجب الرد[1] اھ ملخصا۔

الفاظ یہ ہیں کہ اسبابِ طعن دس اشیاء ہیں، بعض بعض سے جرح میں اشد ہیں اور ان میں موجب رد کے اعتبار سے "الاشد" "فالاشد" کی ترتیب ہے اھ ملخصا (ت)

پھر علماء فرماتے ہیں ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں، اواخر تعقبات میں ہے:

فیہ یزید بن ابی زیاد وکان یلقن فیتلقن، قلت ھذا لا یقتضی الحکم بوضع حدیثہ[2]۔

اس میں یزید ابن ابی زیاد ہے اسے تلقین کی جاتی تو وہ تلقین کو قبول کرلیتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس کی وضع حدیث کا تقاضا نہیں کرتا۔ (ت)

افادۂ بستم (منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں) یونہی منکر الحدیث، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث[عہ1] کہوں اس سے روایت حلال نہیں، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

نقل ابن[عہ2] القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ[3]۔

ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہر وہ شخص جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (ت)

عہ۱ کانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان یتورع عن اطلاق الفاظ شدیدۃ مخافۃ ان یکون بعضہ من باب شتم الاعراض وقد وجب الذب عن الاحادیث فاصطلح علی ھذا جمعا بین الامرین ۱۲ منہ (م)

گویا امام بخاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے تاکہ کسی کی عزت دری لازم نہ آئے حالانکہ احادیث کی حفاظت ودفاع لازم ہے لہذا دونوں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ اصطلاح استعمال کی ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ ذکرہ فی ابان بن جبلۃ الکوفی ۱۲ منہ (م)

ابان بن جبلہ الکوفی کے ترجمہ کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح نخبۃ الفکر بحث المرسل الخفی مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۴

[2] تعقبات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۵۸

[3] میزان الاعتدال فی ترجمہ ابان بن جبلۃ الکوفی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۶

اُسی میں[1] ہے :

قد مرلنا ان البخاری قال من قلت فیہ منکر الحدیث فلا یحل روایۃ حدیثہ۔[1]

پیچھے امام بخاری کا یہ قول گزر چکا ہے کہ جس کے بارے میں میں منکر الحدیث کہہ دوں اس کی حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (ت)

بااینہمہ علما نے فرمایا ایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں، تعقبات[2] میں ہے :

قال البخاری منکر الحدیث، فغایۃ امرحدیثہ ان یکون ضعیفا۔[2]

بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔ (ت)

افادہ نہم (متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف[3] متہم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے، میزان میں ہے :

عہ۱ قالہ فی سلیمٰن بن داود الیمانی ۱۲ منہ (م)

سلیمان بن داؤد یمانی کے ترجمہ میں یہ تحریر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ باب فضائل القرآن ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

باب فضائل القرآن میں یہ مذکور ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۳ بلکہ مولانا علی قاری نے حاشیہ نزہۃ النظر میں متروک و متہم بالوضع کا ایک مرتبہ میں ہونا نقل کیا :

حیث قال فالمرتبۃ الثالثۃ فلان متہم بالکذب او الوضع او ساقط او ھالك او ذاھب الحدیث وفلان متروك او متروك الحدیث او ترکوہ[3] اقول وکان ھذا القائل ایضا لایقول باستواء جمیع ماذکر فی المرتبۃ بل فیھا ایضا تشکیك عندہ وکانہ الی ذلك اشار باعادۃ فلان قبل قولہ متروك الا ان فیہ ان ساقطا ومابعدہ لایفوق متروکا ومابعدہ فافھم ۱۲ منہ (م)

ان کے الفاظ یہ ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے فلاں متہم بالکذب یا بالوضع یا ساقط یا ہالک یا ذاہب الحدیث اور فلاں متروک یا متروک الحدیث یا لوگوں نے اسے ترک کردیا ہے **اقول** گویا اس قائل نے بھی تمام مذکور کو ایک مرتبہ میں برابر قرار نہیں دیا بلکہ اس میں بھی اس کے نزدیک تشکیک ہے۔ گویا انہوں نے اپنے قول "متروک" سے پہلے "فلان" کا اعادہ کرکے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس میں کلام ہے کہ ساقط اور اس کا مابعد، متروک اس کے مابعد سے فوق و بلند مرتبہ نہیں ہو سکتے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال فی ترجمہ سلیمان بن داود الیمانی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص۹

[3] حاشیۂ نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر مراتب الجرح مطبع علیمی ص۱۱۱

اردی عبارات الجرح، دجال کذاب، او وضاع یضع الحدیث ثم متهم بالکذب و متفق علی ترکه، ثم متروك[1] الخ

جرح کے سب سے گھٹیا الفاظ یہ ہیں، دجال، کذاب، وضاع جو حدیثیں گھڑتا ہے اس کے بعد متہم بالکذب متفق علی ترکہ ہے پھر متروک کا لفظ ہے الخ (ت)

امام الشان تقریب التہذیب میں ذکر مراتب رواۃ میں فرماتے ہیں:

العاشرۃ، من لم یوثق البتۃ وضعف مع ذٰلك بقادح والیہ الاشارۃ بمتروك او متروك الحدیث او واھی الحدیث او ساقط، الحادیۃ عشر، من اتھم بالکذب" الثانیۃ عشر" من اطلق علیہ اسم الکذب والوضع[2]۔

دسواں مرتبہ یہ ہے کہ اس راوی کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اور اسے جرح کے ساتھ ضعیف کہا گیا ہو، اس کی طرف اشارہ متروک یا متروک الحدیث یا واہی الحدیث اور ساقط کے ساتھ کیا جاتا ہے" گیارھواں درجہ یہ ہے" جو متہم بالکذب ہو، اور بارھواں درجہ یہ ہے کہ جس پر کذب و وضع کے اسم کا اطلاق ہو۔ (ت)

اس پر بھی علماء نے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں، امام ابن حجر اطراف العشرۃ پھر خاتم الحفاظ لآٰلی میں فرماتے ہیں:

زعم ابن حبان وتبعہ ابن الجوزی ان ھذا المتن موضوع، ولیس کما قال، فان الراوی وان کان متروکا عند الاکثر ضعیفا عند البعض فلم ینسب للوضع[3] اھ مختصرا۔

ابن حبان نے یہ گمان کیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع میں کہا کہ یہ متن موضوع ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اگرچہ راوی اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن یہ وضع کی طرف منسوب نہیں ہے اھ مختصرا (ت)

علہ فی التوحید تحت حدیث ابن عدی ان اللہ عزوجل قرأطٰہ ویٰس قبل ان یخلق اٰدم الحدیث ۱۲ منہ (م)

اس کا ذکر کتاب التوحید میں ابن عدی کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ اللہ عزوجل نے طٰہٰ اور یٰس تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے پڑھا الحدیث ۱۲ منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴

[2] تقریب التہذیب " مطبع فاروقی دہلی ص ۳

[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید " التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۰

امام بدرزرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح، پھر خاتم الحفاظ لآلی[1] میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، وسلیمن بن ارقم وان کان متروکا فلم یتہم بکذب ولا وضع[1] اھ ملخصا۔

محدثین کے قول "لم یصح" اور "موضوع" کے درمیان بڑا فرق ہے سلیمان بن ارقم اگرچہ متروک ہے لیکن وہ متہم بالکذب اور متہم بالوضع نہیں اھ ملخصا (ت)

ابو الفرج نے ایک حدیث میں طعن کیا کہ "الفضل متروک" (فضل متروک ہے۔ت) لآلی[عـــه۱] میں فرمایا:

فی الحکم بوضعہ نظر، فان الفضل لم یتہم بکذب[2]۔

اس کو موضوع قرار دینا محلِ نظر ہے، کیونکہ فضل متہم بالکذب نہیں۔ (ت)

تعقبات[عـــه۲] میں ہے:

اصبغ شیعی متروک عند النسائی، فحاصل کلامہ "انہ ضعیف لا موضوع" وبذلک صرح البیہقی[3]۔

اصبغ شیعہ ہے امام نسائی کے ہاں متروک ہے' ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے موضوع نہیں' اور اسی بات کی تصریح بیہقی نے کی ہے۔ (ت)

عـــه۱ فیہ تحت حدیثہ ایضا والذی نفسی بیدہ ما انزل اللہ من وحی قط علی نبی بینہ وبینہ الا بالعربیۃ الحدیث ۱۲ منہ (م)

اس میں اسی حدیث کے تحت یہ بھی ہے کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالٰی نے کسی نبی پر وحی نہیں فرمائی مگر اس کے اور اس کے نبی کے درمیان عربیت تھی الحدیث (ت)

عـــه۲ فیہ ایضا تحت حدیث ابن شاہین لما کلم اللہ تعالٰی موسٰی یوم الطور کلمہ بغیر الکلام الذی کلمہ یوم ناداہ الحدیث ۱۲ منہ (م)

اس میں حدیث ابن شاہین کے تحت یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے طور کے دن گفتگو فرمائی تو یہ کلام اس کلام کی طرح نہ تھا جو انکے ساتھ ندا کے وقت کیا تھا' الحدیث ۱۲ منہ (ت)

عـــه۳ ذکرہ فی اول باب الصلاۃ۔

باب الصلاۃ کے شروع میں اسے ذکر کیا ہے (ت)

عـــه۴ الکنایۃ للذہبی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اس سے امام ذہبی کی طرف کنایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۱۱

[2] " " " " ۱/ ۱۲

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص۱۱

حدیث چلہ صوفیۂ کرام قدست اسرارہم کہ،

من اخلص للّٰہ تعالٰی اربعین یوما ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علٰی لسانہ[1]

جس شخص نے چالیس دن اللہ تعالٰی کے لیے اخلاص کیا اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ (ت)

ابنِ جوزی نے بطرق عدیدہ روایت کرکے اس کے رواۃ میں کسی کے مجہول، کسی کے کثیر الخطا، کسی کے مجروح، کسی کے متروک ہونے سے طعن کیا، تعقبات میں سب کا جواب یہی فرمایا کہ "مافیھم متھم بکذب[2]" یہ سب کچھ سہی پھر اُن میں کوئی متہم بکذب تو نہیں کہ حدیث کو موضوع کہہ سکیں۔ یونہی ایک حدیث[عہ] کی علت بیان کی: بشربن نمیرعن القاسم متروکان[3] (بشر بن نمیر نے قاسم سے روایت کی اور یہ دونوں متروک ہیں۔ ت) تعقبات میں فرمایا: بشرلم یتھم بکذب[4] (بشر متہم بالکذب نہیں۔ ت) حدیث ابی ہریرہ "اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" الحدیث (اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنایا، پوری حدیث۔ ت) میں کہا تفرد بہ مسلمۃ بن علی الخشنی وھو متروک[5] (اس میں مسلمہ بن علی الخشنی منفرد ہے اور وہ متروک ہے۔ ت) تعقبات میں فرمایا: مسلمۃ وان ضعف فلم یجرح بکذب[6] (مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس پر جرح بالکذب نہیں۔ ت) حدیث ابی ہریرہ "ثلثۃ لا یعادون" (تین چیزیں نہیں لوٹائی جائیں گی۔ ت) پر بھی مسلمہ مذکور سے طعن کیا، تعقبات میں فرمایا: لم یتھم بکذب، والحدیث ضعیف لا موضوع[7] (یہ متہم بالکذب نہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔ ت)

سبحان اللہ! جب انتہا درجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

عہ: یعنی حدیث ابی امامۃ من قال حین یمسی صلی اللّٰہ تعالٰی علی نوح وعلیہ السلام لم تلدغہ عقرب تلک اللیلۃ ۱۲ منہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ (م)

اس سے مراد حدیث ابی امامہ ہے جس میں ہے کہ جس شخص نے شام کے وقت یہ کہا: "صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام"، تو اسے اس رات بچھو نہیں ڈسے گا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات، باب الادب والدقائق، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۷

[2] ، [3] ، [4] " " " " ص ۴۶

[5] ، [6] " " باب المناقب " " ص ۵۳

[7] " " باب الجنائز " " ص ۱۷

تذییل یہ ارشادات تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے تھے، ایک قول وہابیہ کے امام شوکانی کا بھی لیجئے، موضوعاتِ ابوالفرج میں یہ حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے اللہ تعالٰی جنون وجذام و برص کو اس سے پھیر دیتا ہے اور پچاس سال والے پر حساب میں نرمی اور ساٹھ برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ہفتاد سالہ کو اللہ عزوجل اور اُس کے فرشتے دوست رکھتے ہیں، اسّی برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف، نوّے برس والے کے سب اگلے پچھلے گناہ مغفور ہوتے ہیں، وہ زمین میں اللہ عزوجل کا قیدی کہلاتا ہے اور اپنے گھر والوں کا شفیع کیا جاتا ہے، بطرقِ عدیدہ روایت کرکے اُس کے راویوں پر طعن کئے کہ یوسف بن ابی ذرہ راوی مناکیر لیس بشیئ ہے اور فرج ضعیف منکر الحدیث کہ واہی حدیثوں کو صحیح سندوں سے ملا دیتا ہے اور محمد بن عامر حدیثوں کو پلٹ دیتا ہے ثقات سے وہ روایتیں کرتا ہے جو اُن کی حدیث سے نہیں اور عرزمی متروک اور عباد بن عباد مستحق ترک اور عزرہ کو یحیٰی بن معین نے ضعیف بتایا اور ابوالحسن کوفی مجہول اور عائذ ضعیف ہے۔ شوکانی نے ان سب مطاعن کو نقل کرکے کہا:

هذا غاية ما ابدى ابن الجوزي دليلا على ما حكم به من الوضع، وقد افرط وجازف فليس مثل هذه المقالات توجب الحكم بالوضع بل اقل احوال الحديث ان يكون حسنا لغيره[1] . انتهى

یعنی ابن جوزی نے جو اس حدیث پر حکم وضع کیا اُس کی دلیل میں انتہا درجہ یہ طعن پیدا کیے اور بے شک وہ حد سے بڑھے اور بیباکی کو کام میں لائے کہ ایسے طعن حکمِ وضع کے موجب نہیں، بلکہ کم درجہ حال اس حدیث کا یہ ہے کہ حسن لغیرہ ہو۔

واللہ الہادی الی سبیل الہدٰی۔

افادۂ دہم (موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے) غرض ایسے وجوہ سے حکمِ وضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یُوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآن عظیم (۲) یا سنتِ متواترہ (۳) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقلِ صریح (۵) یا حسِ صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُر نور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے

---

[1] زہر النسرین فی حدیث المعمرین للشوکانی

کذب وبطلان پر گواہی مستندًا الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور و مستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس صورتیں تو صریح ظہور و وضوح وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یُوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک و سخیف ہوں جنھیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علٰی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث:

لحمك لحمی ودمك دمی (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون۔ت)

اقول انصافاً یُوں ہی وُہ مناقب امیر معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین و اہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں کما نص علیہ الحافظ ابویعلی والحافظ الخلیلی فی الارشاد (جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلی اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔ت) یونہی نواصب نے مناقب امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیثیں گھڑیں کما ارشد الیہ الامام الذاب عن السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔ت)

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کرے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ

عہ زدتہ لان التواتر لایعتبر الا فی الحسیات کما نصوا علیہ فی الاصلین ۱۲ منہ (م)

میں نے اس کا اضافہ کیا کیونکہ تواتر کا اعتبار حسیات کے علاوہ میں نہیں ہوتا جیسے کہ انہوں نے اصول میں اس کی تصریح کی ہے ۱۲ منہ (ت)

بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں ولو بسطنا المقال علٰی کل صورۃ لطال الکلام وتقاصی المرام، ولسنا ھنالک بصدد ذٰلک (اگر ہم ہر ایک صورت پر تفصیلی گفتگو کریں تو کلام طویل اور مقصد دُور ہو جائے گا لہٰذا ہم یہاں اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ت)

ثمّ اقول (پھر میں کہتا ہُوں۔ ت) رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محض یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں:

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولوکان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذٰلک بل لابد معہ من انضمام شئ مما سیاتی[1]۔

یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علمِ حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل و محیط ہو، تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور باینہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ چلے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔ (ت)

مولانا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں حدیث ابن ماجہ دربارہ اتخاذ دجاج کی نسبت نقل کیا کہ اُس کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے، ابن حبان نے کہا: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ پھر فرمایا، والظاھر ان الحدیث ضعیف لا موضوع[2] (ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں) حدیث فضیلت عسقلان کا راوی ابو عقال ہلال بن زید ہے، ابنِ حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات روایت کرتا و لہٰذا ابن الجوزی نے اُس پر حکم وضع کیا۔ امام الشان حافظ ابن حجر نے قولِ مسدد پھر خاتم الحفاظ نے لآلی میں فرمایا:

ھذا الحدیث فی فضائل الاعمال والتحریض علی الرباط، ولیس فیہ مایحیلہ الشرع ولا العقل، فالحکم علیہ بالبطلان بمجرد کونہ من روایۃ ابی عقال لایتجہ، وطریقۃ الامام احمد معروفۃ فی التسامح فی

یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے، اس میں سرحد دار الحرب پر گھوڑے باندھنے کی ترغیب ہے اور ایسا کوئی امر نہیں جسے شرع یا عقل محال مانے تو صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی ابو عقال ہے باطل کہہ دینا نہیں بنتا، امام احمد کی روش معلوم ہے کہ احادیث فضائل

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الموضوع دار الامام الطبری بیروت ۱/۲۹۷

[2] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث ۱۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۳۸

احادیث الفضائل دون احادیث الاحکام[1] میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں۔ (ت)

یعنی تو اسے درجِ مسند فرمانا کچھ معیوب نہ ہوا۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان و افترا کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب و وضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے، نخبہ و نزہہ میں فرماتے ہیں:

الطعن اما ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم متعمدا لذلك او تهمته بذلك، الاول هو الموضوع، والحکم علیه بالوضع انما هو بطریق الظن الغالب لا بالقطع، اذ قد یصدق الکذوب، والثانی هو المتروك[2] اھ ملتقطا

طعن یا تو کذبِ راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو، پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطورِ ظنِ غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں اھ ملتقطاً۔ (ت)

یہی امام کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں حدیث ان الشیطان یحب الحمرة فایاکم والحمرة وکل ثوب فیه شهرة (شیطان سرخ رنگ پسند کرتا ہے تم سرخ رنگت سے بچو اور ہر اس کپڑے سے جس میں شہرت ہو۔ ت) کی نسبت فرماتے ہیں:

قال الجوزقانی فی کتاب الاباطیل هذا حدیث باطل واسناده منقطع کذا قال وقوله باطل مردود فان ابا بکر الهذلی لم یوصف بالوضع وقد وافقه سعید بن بشیر، وان زاد فی

جوزقانی نے کتاب الاباطیل میں کہا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اسی طرح انہوں نے کہا اور ان کا باطل کہنا مردود ہے کیونکہ ابوبکر ہذلی وضاع نہیں اور اس کی سعید بن بشیر نے موافقت

عہ ذکرہ فی ترجمة رافع بن یزید الثقفی ۱۲ منہ (م)

رافع بن یزید ثقفی کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القول المسدد الحدیث الثامن مطبوعہ مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۲

[2] شرح نخبة الفکر مع نزہۃ النظر بحث الطعن مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۵۴ تا ۵۹

السند رجلا، فغايته ان المتن ضعيف اما حکمه بالوضع فمردود[1]

کی، اگرچہ سند میں انہوں نے ایک آدمی کا اضافہ کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ متن ضعیف ہے لیکن اس پر وضع کا حکم جاری کرنا مردود ہے۔ (ت)

علی قاری حاشیہ نزہہ میں فرماتے ہیں:

الموضوع هو الحديث الذی فيه الطعن بكذب الراوی[2]

موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر کذب کا طعن ہو۔ (ت)

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

احاديث الديك حكم ابن الجوزی بوضعها ورد عليه الحافظ بما حاصله انه لم يتبين له الحكم بوضعها اذ ليس فيها وضاع ولا كذاب نعم هو ضعيف من جميع طرقه[3]

روایات دیک (مرغ) کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے اور حافظ نے ان کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا موضوع قرار دینا بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں نہ کوئی وضاع ہے اور نہ کذاب، ہاں وہ جمیع طرق کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ (ت)

اُسی میں حدیث کان لا یعود الا بعد ثلث (سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین دن کے بعد عیادتِ مریض فرماتے تھے۔ ت) پر اس طعن کے جواب میں کہ اس میں مسلمہ بن علی متروک واقع ہے" فرمایا:

اورده ابن الجوزی فی الموضوعات وتعقبوا بانه ضعيف فقط، لا موضوع، فان مسلمة يجرح بكذب كما قاله الحافظ ولا التفات لمن غر

ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شامل کیا ہے محدثین نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف ضعیف ہے موضوع نہیں کیونکہ مسلمہ پر جرح بالکذب نہیں جیسا کہ حافظ نے کہا

عہ المقصد الثانی آخر الفصل التاسع ۱۲ منہ (م)

دوسرے مقصد کی ساتویں فصل کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ المقصد الثامن الفصل الاول فی طبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

آٹھویں مقصد کی پہلی فصل سے طب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ القسم الاول "حرف الزار" مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۵۰۰

[2] حاشیہ نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر بحث الموضوع مطبع علیمی لاہور ص ۵۶

[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثانی آخر الفصل التاسع مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۳/۲۵۰

[4] " " " الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۸

بزخرف القول فقال ھو موضوع کما قال الذھبی وغیرہ[1]۔

اور نہ توجہ کی جائے اس شخص کی طرف جس نے ملمع کاری سے دھوکا کھایا اور کہا کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے کہا۔ (ت)

اُسی میں بعد کلام مذکور ہے :

المدار علی الاسناد فان تفرد بہ کذاب او وضاع فحدیثہ موضوع وان کان ضعیفا فالحدیث ضعیف فقط[2]۔

مدارِ سندِ حدیث پر ہے اگر اس روایت کرنے والا کذاب یا وضاع متفرد ہے تو وہ روایت موضوع ہوگی اور اگر ضعیف ہے تو روایت صرف ضعیف ہوگی۔ (ت)

انھیں ابن علی ختنی نے حدیث ثلثۃ لیس لھم عیادۃ الرمد والدمل والضرس (تین اشخاص کی عیادت لازم نہیں جس کی آنکھ میں تکلیف ہو جس کو پھوڑا نکل آئے اور داڑھ درد والے کی۔ ت) کو مرفوعاً روایت کیا اور ہقل نے یحیٰی بن ابی کثیر پر موقوف رکھا، تو شدتِ طعن کے ساتھ مخالفت اوثق نے حدیث کو منکر بھی کردیا و لہذا بیہقی نے موقوف کو "ھو الصحیح" (وہ صحیح ہے۔ ت) بتایا، امام حافظ نے فرمایا :

تصحیحہ وقفہ لایوجب الحکم بوضعہ اذ مسلمۃ وان کان ضعیفا لم یجرح بکذب، فجزم ابن الجوزی بوضعہ وھم[3] اھ نقلہ الزرقانی قبیل مامر۔

اس کی تصحیح اس کا موقوف ہونا ہے جو کہ اس کے موضوع ہونے کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کا طعن نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ ابن جوزی کا ان کو موضوع قرار دینا وہم ہے اھ اسے امام زرقانی نے پہلی حدیث سے کچھ پہلے نقل کیا ہے۔ (ت)

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد کہ اپنا منہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، اُن کی طرف منہ کر اور اُن سے شفاعت مانگ کہ اللہ تعالٰی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جسے اکابر ائمہ نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا، ابن تیمیہ متہور نے جزافاً بک دیا کہ "ان ھذہ الحکایۃ کذب علی مالک"۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۷/۵۹

[2] " " " " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " " ۷/۵۸

(اس واقعہ کا امام مالک سے نقل کرنا جھوٹ ہے۔ ت) علامہ زرقانی[علہ] نے اس کے رد میں فرمایا:

هذا تهور عجيب، فان الحكاية رواها ابو الحسن علی بن فهر فی کتابه فضائل مالك باسناد لا باس به، واخرجها القاضی عیاض فی الشفاء من طریقه عن شیوخ عدة من ثقات مشایخه فمن این انها کذب ولیس فی اسنادها وضاع ولا کذاب[1]۔

یہ بہت بڑی زیادتی ہے کیونکہ اس واقعہ کو شیخ ابو الحسن بن فہر نے اپنی کتاب "فضائل مالک" میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں کمزوری نہیں اور اسے قاضی عیاض نے "شفاء" میں متعدد ثقہ مشائخ کے حوالے سے اسی سند سے بیان کیا ہے لہذا اسے جھوٹا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اس کی سند میں نہ کوئی راوی وضاع ہے اور نہ ہی کذاب۔ (ت)

افادہ نہم میں امام الشان وامام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ راوی متروک سہی کسی نے اسے وضاع تو نہ کہا، امام آخر کا قول گزرا کہ مسلمہ ضعیف سہی اس پر طعن کذب تو نہیں، نیز تعقبات[عہ۲] میں فرمایا:

لم یجرح بکذب فلا یلزم ان یکون حدیثه موضوعًا[2]۔

اس پر کذب کا طعن نہیں لہذا اس کی روایت کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ (ت)

(۴۲) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکم وضع اٹھاتے ہیں وجوہ رد میں کذب کے ساتھ تہمت کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔ افادہ دوم میں امام زرکشی و امام سیوطی کا ارشاد گزرا کہ حدیث موضوع نہیں ہوتی جب تک راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ افادہ پنجم میں گزرا کہ ابو الفرج نے کہا ملیکی متروک ہے، تعقبات میں فرمایا متہم بکذب تو نہیں۔ افادہ نہم میں انہی دونوں ائمہ کا قول گزرا کہ راوی متروک سہی متہم بالکذب تو نہیں۔ وہیں امام خاتم الحفاظ کے چار قول گزرے کہ راویوں کے مجہول، مجروح، کثیر الخطا، متروک ہونے سب کے یہی جواب دیے۔ نیز تعقبات[عہ۳] میں ہے:

علہ المقصد العاشر الفصل الثانی فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

دسویں مقصد کی فصل ثانی فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ باب فضائل القرآن ۱۲ منہ

باب فضائل القرآن میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۳ آخر البعث ۱۲ منہ

باب البعث کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الثانی المقصد العاشر مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۸/۳۴۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص۹

حدیث فیه حسن بن فرقد لیس بشئ، قلت لم یتهم بکذب، واکثر مافیه ان الحدیث ضعیف[1]

اس حدیث کی سند میں حسن بن فرقد کوئی شئی نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ متہم بالکذب نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے[ع1]:

حدیث فیه عطیة العوفی وبشر بن عمارة ضعیفان "قلت" فی الحکم بوضعه نظر فلم یتهم واحد منهما بکذب۔[2]

اس حدیث کی سند میں عطیہ اور بشر دونوں ضعیف ہیں، میرے نزدیک اس حدیث پر وضع کا حکم نافذ کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کسی پر بھی کذب کی تہمت نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے[ع2]:

حدیث اطلبوا العلم ولو بالصین، فیه ابو عاتکة منکر الحدیث "قلت" لم یجرح بکذب ولا تهمة۔[3]

حدیث "علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے" اس کی سند میں ابو عاتکہ منکر الحدیث ہے میں کہتا ہوں اس پر کذب اور تہمت کا طعن نہیں ہے۔ (ت)

اُسی میں[ع3] ہے:

حدیث فیه عمارة لا یحتج به قال الحافظ ابن حجر، تابعه اغلب واغلب شبیه بعمارة فی الضعف، لکن لم ار من اتهمه بالکذب۔[4]

اس حدیث کی سند میں عمارہ ہے لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کی اغلب نے متابعت کی ہے اور اغلب ضعف میں عمارہ کے مثل ہے، لیکن میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اس پر کذب کی تہمت لگائی ہو۔ (ت)

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں حدیث عالم قریش یملؤ الارض علماً (عالم قریشی زمین کو علم سے بھر دے گا۔ ت) کی نسبت فرمایا: کیف یتصور وضعه ولا کذاب فیه ولا متهم[5] اس کا موضوع ہونا

ع1: آخر التوحید ۱۲ منه — باب التوحید کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

ع2: اول العلم ۱۲ منه — باب العلم کی ابتداء میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

ع3: اول باب البعث

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۵۳

[2] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید " ص ۴

[3] " باب العلم " ص ۴

[4] " باب البعث " ص ۵۱

[5] شرح الزرقانی علی المواهب المقصد الثانی فی اثباته بالاشیاء المغیبات مطبعة العامرة مصر ۷/ ۲۵۹

کیونکر متصور ہو حالانکہ نہ اُس میں کوئی کذاب نہ کوئی متہم۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کر دے یا مشدد ومفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط واللہ الہادی وعلیہ اعتمادی۔

افادۂ یازدہم (بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ[۱۵] دلائل سے منزہ ہو محدث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اُس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حافظہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع وباطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصل، ائمۂ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

ابراھیم بن موسی المروزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حدیث "طلب العلم فریضۃ" قال احمد بن حنبل "ھذا کذب" یعنی بھذا الاسناد والا فالمتن لہ طرق ضعیفۃ[۱]۔

ابراہیم بن موسی المروزی مالک سے نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو حدیث طلب العلم فریضۃ کو کذب فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے، ورنہ اصل حدیث تو کئی سندوں ضعاف سے وارد ہے۔ (ت)

امام شمس الدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری استاد امام الشان امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی نے حصن حصین شریف میں جس کی نسبت فرمایا: فلیعلم انی ارجو ان تکون جمیع ما فیہ صحیحا[۲] (معلوم رہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں سب صحیح ہیں) حدیث حاکم وابن مردویہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا ذکر کی، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

---

[۱] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم بن موسی المروزی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۹

[۲] حصن حصین مقدمہ کتاب نولکشور لکھنؤ ص ۵

اُس کی شرح حرز ثمین میں لکھتے ہیں :

صرح ابن الجوزی بان ھذا الحدیث موضوع "قلت" یمکن انیکون بالنسبة الٰی اسنادہ المذکور عندہ موضوعاً[1]

ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے" میں کہتا ہوں" ممکن ہے اس مذکورہ سند کے اعتبار سے ان کے نزدیک موضوع ہو۔ (ت)

اسی طرح حرز حصین میں ہے، نیز موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں :

ما اختلفوا فی انہ موضوع ترکت ذکرہ للحذر من الخطر لاحتمال ان یکون موضوعا من طریق وصحیحا من وجہ اٰخر الخ[2]

جس کے موضوع ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے تو میں نے اس حدیث کا ذکر اس خطرہ کے پیش نظر ترک کیا کہ ممکن ہے یہ ایک سند کے اعتبار سے موضوع ہو اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہو الخ (ت)

علامہ زرقانی حدیث احیائے ابوین کریمین کی نسبت فرماتے ہیں :

قال السہیلی ان فی اسنادہ مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط، وبہ صرح فی موضع اٰخر من الروض وایدہ بحدیث ولا ینافی ھذا توجیہ صحتہ لان مرادہ من غیر ھذا الطریق، ان وجد، اوفی نفس الامر لان الحکم بالضعف وغیرہ انما ھو فی الظاھر[3]

سہیلی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں راوی مجہول ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں اور اسی بات کی تصریح الروض میں دوسرے مقام پر کی ہے اور اس کو حدیث کے ساتھ تقویت دی اور یہ صحتِ حدیث کی توجیہ کے منافی نہیں کیونکہ اس کی مراد اس سند کے علاوہ ہے اگر وہ موجود ہو ورنہ نفس الامر کے اعتبار سے کیونکہ ضعف وغیرہ کا حکم ظاہر میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور سنئے حدیث "صلٰوۃ بسواك خیر من سبعین صلٰوۃ بغیر سواك[4]" (مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستر نمازوں سے بہتر ہے) ابونعیم نے کتاب السواک میں دو جید و صحیح سندوں سے روایت کی، امام ضیاء نے اسے صحیح مختارہ اور حاکم نے صحیح مستدرک میں داخل کیا اور کہا شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔ امام احمد و ابن خزیمہ و حارث بن ابی اسامہ وابویعلٰی و ابن عدی و بزار و حاکم و بیہقی و ابونعیم وغیرہم اجلہ محدثین نے بطرق عدیدہ واسانید متنوعہ

---

[1] حرز ثمین مع حصن حصین تعزیۃ اہل رسول اللہ عند وفاتہ نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۰

[2] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ الدافع للمؤلف لتالیف ہذا المختصر مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۴۵-۴۶

[3] شرح زرقانی علی المواہب باب وفات امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۱۹۶

[4] مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/ ۲۷۲

احادیث اُمّ المومنین صدیقہ و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمرو جابر بن عبداللہ و انس بن مالک و ام الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تخریج کی، جس کے بعد حدیث پر حکم بطلان قطعاً محال، با اینہمہ ابو عمر ابن عبدالبر نے تمہید میں امام ابن معین سے اُس کا بطلان نقل کیا، علامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر کرکے فرماتے ہیں :

قول ابن عبد البر فی التمهید عن ابن معین ، انه حدیث باطل ، هو بالنسبة لما وقع لـه من طرقه[1]۔

یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا (کہ یہ حدیث باطل ہے) اُس سند کی نسبت ہے جو انھیں پہنچی ۔

ورنہ حدیث تو باطل کیا معنے ضعیف بھی نہیں، اقل درجہ حسن ثابت ہے ۔

اور سُنیے حدیث حسن صحیح مروی سنن ابی داود و نسائی و صحیح مختارہ وغیرہا صحاح و سنن :

ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ان امرأتی لاتدفع ید لامس قال طلقها قال انی احبها قال استمتع بها[2]۔

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا : میری بیوی کسی بھی چھُونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی ۔ فرمایا : اُسے طلاق دے دے ۔ عرض کیا : میں اس سے محبت رکھتا ہوں ۔ تو آپ نے فرمایا : اس سے نفع حاصل کر ۔ (ت)

کہ باسانید ثقات و موثقین احادیث جابر بن عبداللہ و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آئی، امام ذہبی نے مختصر سنن میں کہا : "اسنادہ صالح" (اس کی سند صالح ہے ۔ ت) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر سنن میں فرمایا : "رجال اسنادہ محتج بهم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد[3]" (اس روایت کے تمام راوی

ع۵ ای کل من سألها شیئا من طعام او مال اعطته ولم ترد هذا هو الراجح عندنا فی معنی الحدیث ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ (م)

یعنی جو شخص بھی اس سے طعام یا مال مانگتا ہے وہ اُسے دے دیتی ہے رَد نہیں کرتی، حدیث کے معنی میں ہمارے نزدیک یہی راجح ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] المقاصد الحسنۃ للسخاوی حدیث ۶۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۲۶۳

[2] سنن النسائی باب ماجاء فی الخلع " المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۹۸

[3] مختصر سنن ابی داود للحافظ المنذری باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء الخ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۳/ ۶

ایسے ہیں جن سے بخاری ومسلم میں اتفاقاً اور انفراداً استدلال کیا۔[1] (ت) امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: حسن صحیح (حسن صحیح ہے۔ت) اس حدیث کو جو حافظ ابوالفرج نے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کے ارشاد "لیس لہ اصل ولا یثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" (اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ت) کی تبعیت سے لا اصل لہ (اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) کہا امام الشان حدیث کا صحیح ہونا ثابت کرکے فرماتے ہیں:

لا یلتفت الی ما وقع من ابی الفرج ابن الجوزی، حیث ذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات، ولم یذکر من طرقہ الا الطریق التی اخرجھا الخلال من طریق ابی الزبیر عن جابر، واعتمد فی بطلانہ علی ما نقلہ الخلال عن احمد، فابان ذلک عن قلۃ اطلاع ابن الجوزی وغلبۃ التقلید علیہ، حتی حکم بوضع الحدیث بمجرد ما جاء عن امامہ، ولو عرضت ھذہ الطرق علی امامہ لاعترف ان للحدیث اصلا، ولکنہ لم تقع لہ فلذلک لم ار لہ فی مسندہ، ولا فیما یروی عنہ ذکرا اصلا لا من طریق ابن عباس ولا من طریق جابر سوی ما سألہ عنہ الخلال وھو معذور فی جوابہ بالنسبۃ لتلک الطریق بخصوصھا[عہ] اھ ذکرہ فی اللآلی۔[1]

ابوالفرج ابن جوزی کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا ہے اور اس کی دیگر اسناد ذکر نہیں کیں ماسوائے اس سند کے جس کے حوالے سے خلال نے ابوالزبیر عن جابر روایت کیا اور اس کے بطلان میں اسی پر اعتماد کرلیا جو خلال نے احمد سے نقل کیا ہے، قربات ابن جوزی کے قلتِ مطالعہ اور غلبۂ تقلید کو واضح کررہی ہے حتی کہ انھوں نے اپنے امام سے منقول محض رائے کی بنیاد پر حدیث کو موضوع کہہ دیا حالانکہ یہ سندیں اگر ان کے امام کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ فی الفور اعتراف کرلیتے کہ حدیث کی اصل ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا اس وجہ سے یہ حدیث اصلاً ان کی مسند میں نہیں آئی اور نہ ہی اُن روایات میں جو ان سے مروی ہیں نہ سند ابن عباس سے اور نہ ہی سند جابر سے ماسوائے اس سند کے جس کے بارے میں خلال نے سوال کیا تھا اور امام احمد اس کے جواب میں معذور ٹھہرے کیونکہ ان کا جواب اسی سند کے اعتبار سے ہے اور اسے لآلی میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

عہ فی اواخر النکاح

باب النکاح کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے (ت)

---

[1] اللآلی المصنوعۃ کتاب النکاح مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۱۷۳

(نتیجۃ الافادات) بحمد اللہ تعالٰی فقیر آستان قادری غفر اللہ تعالٰی لہ کے ان گیارہ افادات نے مہر نیم روز و ماہِ نیم ماہ کی طرح روشن کردیا کہ احادیثِ تقبیلِ ابہامین کو وضع و بطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں، اُن پندرہ عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکم وضع محض بے اصل واجب الدفع، ولہذا علمائے کرام نے صرف "لا یصح" فرمایا یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی باآنکہ ایسے مواقع میں سخت تشدد اور بہت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، فوائد مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا، اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکم وضع واقع ہُوا ہو تو وہ صرف کسی سندِ خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لیے کافی سندیں موجود ہیں جنھیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت و انقطاع اگر ہیں تو مورثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ بعونہ تعالٰی یہاں تک کی تقریر سے موضوعیتِ حدیث کی نسبت منکرین کی بالا خوانیاں بالا بالا گئیں، آگے چلیے وباللہ التوفیق۔

افادۂ دوازدہم (تعددِ طرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وُہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کرلیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدت و قوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجۂ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکام حلال میں حجت ہوجاتی ہے۔

مرقاۃ میں ہے:

تعدد[ع۱] الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن[۱]۔	متعدد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجۂ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔

آخر موضوعاتِ کبیر میں فرمایا:

تعدد الطرق ولو ضعفت یرقی الحدیث الی الحسن[۲]۔	طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجۂ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق فتح القدیر[ع۲] میں فرماتے ہیں:

لو تم تضعیف کلها کانت حسنة لتعدد الطرق	اگر سب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن

ع۱ اٰخر الفصل الثانی باب ما لا یجوز من العمل فی الصلٰوۃ ۱۲ منہ (باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ کی فصل ثانی کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے۔ ت)

ع۲ ذکر فی مسئلة السجود علی کور العمامة ۱۲ منہ (عمامہ پر سجدہ کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ت)

[۱] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ فصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۸

[۲] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ احادیث الحیض مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۴۶

وکثرتها[1] ہوگی کہ طُرق متعدد و کثیر ہیں ۔

اُسی[عہ1] میں فرمایا :

جائز فی الحسن ان یرتفع الی الصحة اذا کثرت طرقه والضعیف یصیر حجة بذلك لان تعدده قرینة علی ثبوته فی نفس الامر[2] جائز ہے کہ حسن کثرت طرق سے صحت تک ترقی پائے اور حدیث ضعیف اس کے سبب حجت ہوجاتی ہے کہ تعدد اسانید ثبوتِ واقعی پر قرینہ ہے ۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعة الکبرٰی[عہ2] میں فرماتے ہیں :

قد احتج جمهور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقه والحقوه بالصحیح تارة ، وبالحسن اخری ، وهذا النوع من الضعیف یوجد کثیرا فی کتاب السنن الکبری للبیهقی التی الفها بقصد الاحتجاج لاقوال الائمة واقوال صحابهم[3] بیشک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرتِ طرق سے حجت مانا اور اُسے کبھی صحیح اور کبھی حسن سے ملحق کیا اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کے سنن کبرٰی میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے ائمہ مجتہدین و اصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا ۔

امام ابن حجر مکی صواعقِ محرقہ[عہ3] میں دربارۂ حدیث توسعہ علی العیال یوم عاشوراء امام ابوبکر بیہقی سے ناقل :

هذه الاسانید وان کانت ضعیفة لکنها اذا ضم بعضها الی بعض احدثت قوة[4] یہ سندیں اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی ۔

بلکہ امام جلیل جلال سیوطی تعقبات[عہ4] میں فرماتے ہیں :

المتروك او المنکر اذا تعددت طرقه ارتقی یعنی متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی

عہ1 : قاله فی مسئلة النفل قبل المغرب ۱۲ منہ

عہ2 : الفصل الثالث من فصول فی الاجوبة عن الامام ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

عہ3 : باب المناقب حدیث النظر علی عبادة ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر صفة الصلوٰة بحث سجود علی العمامة مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۶۶

[2] فتح القدیر باب النوافل " " " " ۱/ ۳۸۹

[3] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل ثالث من فصول فی الاجوبة عن الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۸

[4] الصواعق المحرقة الباب الحادی عشر فصل اول مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۴

الی درجۃ الضعیف الغریب، بل ربما ارتقی الی الحسن[1] | تعدد طرق سے ضعیف غریب، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں۔

افادۂ سیزدہم[۱۳] (حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طرق سے حسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں) جہالت راوی بلکہ ابہام بھی انھیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہوجاتے ہیں اور حدیث کو رتبۂ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر ومنجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں، افادۂ پنجم میں امام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف سے منجبر ہوگئی، امام الشان کا فرمانا گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف کا جبر نقصان کرے گی۔ ابو الفرج نے حدیث:

لیث عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ولد لہ ثلثۃ اولاد فلم یسم احدھم محمدا فقد جھل[2] | حضرت مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے تین بیٹے ہوں اور ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے اس نے جہالت سے کام لیا۔ (ت)

پر طعن کیا کہ لیث کو امام احمد وغیرہ نے متروک کیا اور ابن حبان نے مختلط بتایا، امام سیوطی[عـہ۱] نے اس کا شاہد بروایت نضر بن شفقی مرسلاً مسند حارث سے ذکر کرکے ابن القطان سے نضر کا مجہول ہونا نقل کیا، پھر فرمایا:

ھذا المرسل یعضد حدیث ابن عباس ویدخلہ فی قسم المقبول[3] | یہ مرسل اُس حدیث ابن عباس کی مؤید ہوکر اسے قسم مقبول میں داخل کرے گی۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے[عـہ۲] ہیں:

فی اسنادہ جھالۃ لکنہ اعتضد فصار حسنا[4] | اس کی اسناد میں جہالت ہے مگر تائید پاکر حسن ہوگئی۔

عـہ۱ لآلی کتاب المبتداء

عـہ۲ تحت حدیث ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منھا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۴۵

[2] کتاب الموضوعات باب التسمیۃ بمحمد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۵۴

[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب المبتداء دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۰۲

[4] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث ابنوا المساجد کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۱۷

افادۂ چہاردہم[14] (حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوت کیلئے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں، اس کی ایک مثال ابھی گزری، نیز تیسیر میں فرمایا:

ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنہ یقوی بورودہ من طریقین[1]۔ یعنی حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو سندوں سے آکر قوت پاگئی۔

اُسی میں حدیث "اکرموا المعزی وامسحوا برغامھا فانھا من دواب الجنۃ[2]" (بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ وہ جنتی جانور ہے۔ ت) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یزید بن نوفلی کے سبب تضعیف کی پھر اس کے شاہد بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمایا:

اسنادہ ضعیف لکن یجبرہ ما قبلہ فیتعاضدان[3]۔ سند اس کی بھی ضعیف ہے لیکن پہلی سند اس کی تلافی کرتی ہے تو دو مل کر قوی ہوجائیں گے۔

جامع صغیر میں حدیث "اکرموا العلماء فانہ ورثۃ الانبیاء[4]" (علماء کا احترام کرو کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ت) دو طریقوں سے ایراد کی، اوّل، ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ دوم: خط یعنی الخطیب فی التاریخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ علامہ مناوی وعلامہ عزیزی نے تیسیر وسراج المنیر میں زیر طریق اول لکھا: ضعیف لکن یقویہ مابعدہ[5] (ضعیف ہے مگر پچھلی حدیث اسے قوت دیتی ہے) زیر طریق دوم فرمایا: ضعیف لضعف الضحاک بن حجرۃ لکن یعضدہ ماقبلہ[6] (ضحاک بن حجرۃ کے ضعف سے یہ بھی ضعیف ہے مگر پہلی اسے طاقت بخشتی ہے۔ ت) متتبع کلماتِ علماء اس کی بہت مثالیں پائے گا۔

افادۂ پانزدہم[15] (اہل علم کے عمل کرنے سے بھی حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کرلینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ میں ہے:

عــہ باب ما علی الماموم من المتابعۃ اول الفصل الثانی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث اکرموا المعزی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۲۰۲

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹۱

[3] تیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اکرموا المعزی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۲۰۲

[4] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹۳

[5] السراج المنیر شرح جامع الصغیر زیر حدیث اکرموا العلماء مطبوعہ مطبعۃ ازہریہ مصر ۱/ ۲۷۰

[6] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب والعمل علٰی هذا عند اھل العلم، قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرك، فکأن الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم، والعلم عند اللہ تعالٰی[1]

یعنی امام ترمذی نے فرمایا حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم

کما قال الشیخ محی الدین ابن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہ من قال لا الٰہ الا اللہ سبعین الفا، غفر اللہ تعالٰی لہ، ومن قیل لہ غفر لہ ایضا، فکنت ذکرت التھلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص، فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب مشھور بالکشف، فاذا ھو فی اثناء الاکل اظھر البکاء، فسألتہ عن السبب، فقال اری امی فی العذاب، فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلۃ المذکورۃ لھا فضحك وقال انی اراھا الاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث[2]

اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو، میں نے لا الٰہ الا اللہ اتنے بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا اُن میں ایک جوان کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا میں نے سبب پوچھا، کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اُسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات[3] میں امام بیہقی سے ناقل تداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلك تقویۃ للحدیث المرفوع[3] (اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور اُن کے اخذ میں حدیث مرفوع

علہ باب الصلاۃ حدیث صلاۃ التسبیح ۱۲ منہ

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی باب ما علی المأموم من المتابعۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۳/ ۹۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۴

کی تقویت ہے) اُسی میں فرمایا:

قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ[1]۔

معتمد علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لیے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشادِ علما احادیثِ احکام کے بارہ میں ہے پھر احادیثِ فضائل تو احادیثِ فضائل ہیں۔

افادہ شانزدہم[16]

(حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وُہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجۂ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند و نہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔

(عقائد میں حدیث اُحاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں) یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الا الظن ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات[2]۔

حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

عـہ باب الصلاۃ حدیث من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر اخرجہ الترمذی وقال حسین ضعفہ احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذلک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد[3] الخ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

باب الصلوٰۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے جس میں ہے کہ جس نے دو نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا' اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسین نے کہا احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے' اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث نے اہلِ علم کے قول کے ذریعے قوت حاصل کی ہے اور اس کی تصریح متعدد محدثین نے کی ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات — باب الصلوٰۃ — مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل — ص ۱۲

[2] شرح عقائد نسفی — بحث تعداد الانبیاء — مطبوعہ دار الاشاعت العربیۃ قندھار — ص ۱۰۱

[3] التعقبات علی الموضوعات — باب الصلوٰۃ — مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل — ص ۱۲

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں: الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد[1] (احادیث احاد دربارۂ اعتقاد ناقابلِ اعتماد)۔

(دربارۂ احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لیے اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء[عـہ۱] ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انھیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کلام کرکے اسے پایۂ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشئ، جیسے بعض جاہل بول اُٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[عـہ۳] کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز وسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے[عـہ۲]، رسالۂ قاری ومرقاۃ وشرح ابن حجر مکی وتعقبات ولآلی امام سیوطی وقول مسدد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادۂ دوم وسوم وچہارم ودہم میں گزریں، عبارتِ تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائلِ اعمال میں مقبول ہے، باآنکہ اُس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے، امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب[عـہ۴] فی معاملۃ المحبوب

عـہ۱: ای ولاعبرۃ بمن شذ ۱۲ منہ (یعنی کسی شاذ شخص کا اعتبار نہیں۔ت)

عـہ۲: الاجماع المذکور فی الضعیف المطلق کما نحن فیہ ۱۲ منہ

عـہ۳: مسئلہ امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تحقیق وتنقیح فقیر کے رسالہ البشری العاجلۃ من تحف اٰجلۃ ۱۳۰۰ھ ورسالہ الاحادیث الراویۃ لمدح الامیر معٰویۃ ۱۳۰۳ھ ورسالہ عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام ورسالہ ذب الاھواء الواھیۃ فی باب الامیر معٰویۃ ۱۳۱۲ھ وغیرہا میں ہے وفقنا اللہ تعالٰی بمنہ وکرمہ لتبیضہا وتبیینہا ونفع بہا وبسائر تصانیفی امۃ الاسلام بفہمہا وتفہیمہا اٰمین یا اعظم القدرۃ واسع الرحمۃ اٰمین صلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

عـہ۴: فی فصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ

---

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر الانبیاء منزہون عن الکبائر والصغائر مصطفی البابی مصر ص ۵۷

3
3

میں فرماتے ہیں :

الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطیعها ومراسیلها لاتعارض ولا ترد، کذلک کان السلف یفعلون۔[1]

فضائلِ اعمال وتفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ انھیں رد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ[ع۱] وحرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں :

قد اتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال[2] ولفظ الحرز لجواز العمل به فی فضائل الاعمال بالاتفاق[3]

یعنی بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (ملخصاً)

فتح المبین[ع۲] شرح الاربعین میں ہے :

لانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل به، والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق للغیر وفی حدیث ضعیف من بلغه عنی ثواب عمل فعمله حصل له اجره وان لم اکن قلته اوکما

یعنی حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل اس لیے ٹھیک ہے کہ اگر واقع میں صحیح ہوئی جب تو جو اس کا حق تھا کہ اس پر عمل کیا جائے حق ادا ہوگیا اور اگر صحیح نہ بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کسی تحلیل یا تحریم یا کسی کی حق تلفی کا مفسدہ تو نہیں اور ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس

ع۱ تحت حدیث من حفظ علی امتی اربعین حدیثا قال النووی طرقه کلها ضعیفة ۱۲ منہ (م)

ع۲ فی شرح الخطبة تحت قول المصنف رحمه الله تعالٰی اذ ارجوان یکون جمیع ما فیه صحیحا ۱۲ منہ (م)

ع۳ فی شرح الخطبة ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] قوت القلوب فی معاملة المحبوب | فصل الحادی والعشرون | مطبوعہ دار صادر مصر | ۱/۱۷۸

[2] شرح اربعین للنووی | خطبۃ الکتاب | " مصطفی البابی مصر | ص ۴

[3] حرز ثمین شرح مع حصن حصین | شرح خطبہ کتاب | نولکشور لکھنؤ | ص ۲۳

قال واشار المصنف رحمہ اللہ تعالٰی بحکایۃ الاجماع علٰی ما ذکرہ الی الرد علٰی من نازع فیہ[1] الخ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جسے مجھ سے کسی عمل پر ثواب کی خبر پہنچی وہ اس پر عمل کرلے اُس کا اجر اُسے حاصل ہو اگرچہ وُہ بات واقع میں مَیں نے نہ فرمائی ہو۔ لفظ حدیث کے یُونہی ہیں یا جس طرح حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائے، امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر نقل اجماع علما سے اشارہ فرمایا جو اس میں نزاع کرے اُس کا قول مردود ہے الخ

مقاصد حسنہ[2] میں ہے:

قد قال ابن عبد البر انھم یتساھلون فی الحدیث اذا کان من فضائل الاعمال[2]۔

بے شک ابوعمر ابن عبد البر نے کہا کہ علما حدیث میں تساہل فرماتے ہیں جب فضائلِ اعمال کے بارہ میں ہو۔

امام[11] محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی فضائل الاعمال[3]۔

یعنی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہیے کہ موضوع نہ ہو۔

مقدمہ امام[12] ابوعمرو ابن الصلاح و مقدمہ[13] جرجانیہ و شرح[14] الالفیۃ للمصنف و تقریب[15] النواوی اور اس کی شرح تدریب[16] الراوی میں ہے:

واللفظ لھما یجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفۃ وروایۃ ما سوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ من غیر بیان ضعفہ فی فضائل الاعمال وغیرھا مما لا تعلق لہ بالعقائد والاحکام وممن نقل عنہ ذلک ابن حنبل وابن مھدی وابن المبارک قالوا اذا روینا

محدثین وغیرہم علما کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے جنہیں عقائد و احکام سے تعلق نہیں، امام احمد بن حنبل و امام عبدالرحمن بن مہدی و امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے جب

عـہ ذکرہ فی مسألۃ تقدیم الاورع ۱۲ منہ (م)

صاحبِ ورع و تقوٰی کی تقدیم میں اس کا بیان ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح المبین شرح الاربعین

[2] المقاصد الحسنۃ زیر حدیث من بلغہ عن اللہ الخ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۰۵

[3] فتح القدیر باب الامامۃ " نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

31

فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا[1] اھ ملخصا۔

ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی اھ ملخصا۔

امام زین الدین عراقی نے الفیۃ الحدیث میں جہاں اس مسئلہ کی نسبت فرمایا عن ابن مھدی وغیرواحد (یعنی امام ابن مہدی وغیرہ ائمہ سے ایسا ہی منقول ہے) وہاں شارح[۱۸] نے فتح المغیث میں امام احمد[۱۹] و امام ابن معین[۲۰] و امام ابن[۲۱] المبارک و امام[۲۲] سفیان ثوری و امام[۲۳] ابن عیینہ و امام[۲۴] ابوزکریا عنبری و حاکم[۲۵] و ابن عبدالبر کے اسماء و اقوال نقل کیے اور فرمایا کہ ابن[۲۶] عدی نے کامل اور خطیب[۲۷] نے کفایہ میں اس کے لیے ایک مستقل باب وضع کیا۔ غرض مسئلہ مشہور ہے اور نصوص نامحصور اور بعض دیگر عبارات جلیلہ افادات آئندہ میں مسطور ان شاء اللہ العزیز الغفور۔

تذییل کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہلِ حق سے موافق ہیں، مولوی خرم[۲۸] علی رسالہ دعائیہ میں لکھتے ہیں،

ضعاف در فضائل اعمال وفیما نحن فیہ باتفاق علما معمول بہا است[2] الخ

فضائل اعمال میں اور جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں باتفاق علماء ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے الخ (ت)

مظاہر[۲۹] حق میں راوی حدیث صلاۃ اوابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا: "اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے[3]" الخ

اُسی[۳۰] میں حدیث فضیلتِ شب برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کر کے کہا: "یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیث ضعیف پر فضائلِ اعمال میں باتفاق جائز ہے[4]" الخ

افادۂ مقدمہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیث ضعیف ثبوت استحباب کے لیے بس ہے۔ امام[۳۱] شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتہ کتاب[عہ۱] الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار

عہ۱: نقل ھذہ العبارات الثلثۃ محقق اعصارنا وزینۃ امصارنا تاج الفحول محب الرسول مولانا المولوی عبدالقادر البدایونی ادام اللہ تعالٰی فیوضہ فی کتابہ سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام ۱۲ منہ (م)

یہ تینوں عبارات ہمارے دور کے عظیم محقق اور ہمارے ملک کی زینت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبدالقادر بدایونی ادام اللہ فیوضہ نے اپنی کتاب "سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام" میں ذکر کی ہیں ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: اول الکتاب ثالث فصول المقدمۃ ۱۲ منہ (م)

یہ کتاب کے شروع میں مقدمہ کی تیسری فصل میں ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] تدریب الراوی قبیل نوع الثالث والعشرون مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۸
[2] رسالہ دعائیہ مولوی خرم علی
[3] مظاہر حق باب السنن وفضائلھا مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۲۲۶
[4] مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف باب قیام شھر رمضان مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۸۴۳

31
31

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں :

قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا[1]۔

محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

بعینہا یہی الفاظ امام ابن الہمام نے العقد النضید فی تحقیق کلمۃ التوحید پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی[32] نابلسی نے حدیقہ ندیہ[عه1] شرح طریقہ محمدیہ میں نقل فرمائے، امام فقیہ النفس محقق علی الاطلاق[33] فتح القدیر[عه2] میں فرماتے ہیں :

الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2] (حدیث ضعیف سے کہ موضوع نہ ہو فعل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے) علامہ[34] ابراہیم حلبی غنیۃ[عه3] المستملی فی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں :

یستحب ان یمسح بدنه بمندیل بعد الغسل لماروت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خرقة ینتشف بها بعد الوضوء رواه الترمذی وهو ضعیف ولکن یجوز العمل بالضعیف فی الفضائل[3]۔

(نہا کر رومال سے بدن پونچھنا مستحب ہے جیسا کہ ترمذی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کے بعد رومال سے اعضاء مبارک صاف فرماتے۔ ترمذی نے روایت کیا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل میں ضعیف پر عمل روا۔

مولانا[35] علی قاری موضوعات کبیر میں حدیث مسح گردن کا ضعف بیان کرکے فرماتے ہیں،

الضعیف یعمل به فی الفضائل الاعمال اتفاقا

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل

عه1 اواخر الفصل الثانی من باب الاول ۱۲ منہ (م)
عه2 قبیل فصل فی حمل الجنازۃ ۱۲ منہ (م)
عه3 فی سنن الغسل ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)

باب اول کی فصل ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
فصل فی حمل الجنازہ سے تھوڑا پہلے اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
سنن غسل میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم فصل قال العلماء من المحدثین مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۷
[2] فتح القدیر فصل فی الصلاۃ علی المیت مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۵
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الغسل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۲

ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبۃ مستحب او سنۃ[1] ۔ کیا جاتا ہے اسی لیے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے ۔

امام جلیل[24] جلال سیوطی طلوع الثریا باظہار ماکان خفیا[1] میں فرماتے ہیں :

استجبہ ابن الصلاح وتبعہ النووی نظرا الی ان الحدیث الضعیف یتسامح بہ فی فضائل الاعمال[2] ۔ تلقین کو امام ابن الصلاح پھر امام نووی نے اس نظر سے مستحب مانا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے ۔

علامہ[25] محقق جلال دوانی رحمہ اللہ تعالٰی انموذج العلوم[2] میں فرماتے ہیں :

الذی یصلح للتعویل علیہ ان یقال اذا وجد حدیث فی فضیلۃ عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمۃ والکراھیۃ یجوز العمل بہ ویستحب لانہ مامون الخطر ومرجوا لنفع[3] ۔ اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وُہ حرمت وکراہت کے قابل نہ ہو تو اُس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی اُمید ۔

اندیشہ سے امان یُوں کہ حُرمت وکراہت کا محل نہیں اور نفع کی اُمید یُوں کہ فضیلت میں حدیث مروی[26] اگرچہ ضعیف ہی سہی ۔

اقول وباللہ التوفیق بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے

ع۱ نقلہ بعض العصریین وھو فیما نری ثقۃ فی النقل ۱۲ منہ (م)

ع۲ نقلہ العلامۃ شہاب الخفاجی فی نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فی شرح الدیباجۃ حیث روی المصنف رحمۃ اللہ تعالٰی بسندہ الی ابی داود حدیث من سئل عن علم فکتمہ الحدیث وللمحقق ھھنا کلام طویل نقلہ الشارح ملخصا ونازعہ بما ھو منازع فیہ والوجہ مع المحقق فی عامۃ ما ذکروا لولا خشیۃ الاطالۃ لاتیتا بکلاھما مع مالہ وعلیہ ولکن سنشیر ان شاء اللہ تعالٰی الی احرف یسیر یظھر بہا الصواب بعون الملک الوھاب ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] موضوعات کبیر حدیث مسح الرقبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۳

[2] الحاوی للفتاوٰی خفیا دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۱

[3] نسیم الریاض شرح شفا دیباجہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۱/ ۴۳

ورنہ نفسِ جواز تو اصالتِ اباحت وانعدامِ نہی شرعی سے آپ ہی ثابت، اُس میں حدیثِ ضعیف کا کیا دخل ہُوا، تو لاجرم ورودِ حدیث کے سبب جانبِ فعل کو ترجیح ماننے کہ حدیث کی طرف اسناد متحقق اور اُس پر عمل ہونا صادق ہو اور یہی معنی استحباب ہے، آخر نہ دیکھا کہ علامہ حلبی و علامہ قاری نے اسے عمل و جوازِ عمل کو دلیل و مثبتِ استحباب قرار دیا اور امام محمد محمد ابن امیر الحاج نے مقامِ اباحت میں اُس سے تمسک کو درجۂ ترقی و اولویت میں رکھا کہ جب اُس پر عمل ہوتا ہے تو ثبوتِ اباحت تو بدرجۂ اولیٰ اس سے کُھل گیا کہ اُس پر عمل کے معنی نفسِ اباحت سے ایک زائد و بالاتر چیز ہے اور وہ نہیں مگر استحباب وھذا ظاھر لیس دونہ حجاب (اور یہ ظاہر ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ ت) حلیہ شرحِ منیہ[عـــه۱] میں فرماتے ہیں:

الجمھور علی العمل بالحدیث الضعیف الذی لیس بموضوع فی فضائل الاعمال فھو فی ابقاء الاباحۃ التی لم یتم دلیل علی انتفائھا کما فیما نحن فیہ اجدر[1]۔

جمہور علماء کا مسلک فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف غیر موضوع پر عمل کرنا ہے تو ایسی حدیث اُس اباحتِ فعل کے باقی رکھنے کی تو زیادہ سزاوار ہے جس کی نفی پر دلیل تمام نہ ہوئی جیسا کہ ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔

امام ابو طالب مکی قوت القلوب[عـــه۲] میں فرماتے ہیں:

الحدیث اذا لم ینافہ کتاب او سنۃ وان لم یشھد لہ ان لم یخرج تاویلہ عن اجماع الامۃ، فانہ یوجب القبول والعمل لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل[2]۔

حدیث جبکہ قرآن عظیم یا کسی حدیثِ ثابت کے منافی نہ ہو اگرچہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی شہادت بھی نہ نکلے، تو بشرطیکہ اُس کے معنی مخالفِ اجماع نہ پڑتے ہوں اپنے قبول اور اپنے اوپر عمل کو واجب کرتی ہے کہ حضور سرِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا۔

یعنی جب ایک راوی جس کا کذب یقینی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بات کی خبر دیتا ہے اور اُس

عـــه۱ سنن الغسل مسئلۃ المندیل ۱۲ منہ (م)
سننِ غسل میں رومال کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــه۲ فی الفصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ (م)
اکتیسویں فصل میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] قوت القلوب الفصل الحادی والثلاثون باب تفضیل الاخبار مطبوعہ المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱/۱۷۷

امر میں کتاب وسنت واجماعِ امت کی کچھ مخالفت نہیں تو نہ ماننے کی وجہ کیا ہے۔

اقول اما قولہ قدس سرہ "یوجب" فکانہ یرید التاکد کما تقول لبعض اصحاب ک حقك واجب علی فقال فی الدر[1] المختار لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[1] اوان ملحمہ الی ما علیہ السادات المجاھدون من الائمۃ والصوفیۃ قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم الصفیۃ من شدۃ تعاھدھم للمستحبات کانھا من الواجبات وتوقیھم عن المکروھات بل و کثیر من المباحات کانھن من المحرمات اوان ھذا ھو المذھب عندہ فانہ قدس سرھما فیانری من المجتھدین وحق لہ ان یکون منھم کما ھو شان جمیع الواصلین الی عین الشریعۃ الکبری وان انتسبوا ظاھرا الی احد من ائمۃ الفتوی[2] کما بینہ[2] العارف باللہ سیدی عبدالوھاب شعرانی فی المیزان واللہ تعالٰی اعلم بمرادِ اھل العرفان۔

اقول امام ابوطالب مکی قدس سرہٗ کے قول "یوجب القبول" سے تاکید مراد ہے جیسا کہ تُو اپنے قرض خواہ سے کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں کا تعامل ہے پس ان کی اتباع واجب ہے (وجوب بمعنی ثبوت ہے) یا اس میں اس مسلک کی طرف اشارہ ہے جو مجاہدہ کرنے والے سادات ائمہ وصوفیہ (اللہ تعالٰی ان کے پاکیزہ اسرار کو ہمارے لیے مبارک کرے) کا ہے کہ وہ مستحبات کی بھی اس طرح پابندی کرتے ہیں جیسا کہ واجبات کی اور مکروہات سے بلکہ بہت سے مباحات سے اس طرح بچتے ہیں کہ گویا وہ محرمات ہیں یا ان (ابوطالب مکی) کا مذہب ہے کیونکہ ہم آپ قدس سرہٗ کو مجتہدین میں شمار کرتے ہیں ان میں ہونا آپ کا حق ہے جیسا کہ ان تمام بزرگوں کا مقام اور شان ہے جو شریعت عظیمہ کی حقیقت کو پانے والے ہیں اگرچہ وہ ظاہراً اپنا انتساب کسی امام فتوی کی طرف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں تفصیل گفتگو کی ہے اور اللہ تعالٰی اہلِ معرفت کی مراد کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

عہ۱ آخر باب العیدین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م) باب العیدین کے آخر میں اس کا ذکر ہے (ت)

عہ۲ فی فصل فان قال قائل فھل یجب عندکم علی المقلد الخ وفی فصل ان قال قائل کیف الوصول الی الاطلاع علی عین الشریعۃ المطھرۃ الخ وفی غیرھما ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] المیزان الکبرٰی فصل ان قال قائل کیف الوصول الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۲

افادۂ ہیجدہم[۱۸] (خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے) جانِ برادر اگر چشم بینا اور گوش شنوا ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیق صحت وجودت سند میں تعمق و تدقق راہ نہ پائے ولکن الوهابیة قوم یعتدون۔ بگوشِ ہوش سُنیے اور الفاظِ احادیث پر غور کرتے جائیے، حسن بن عرفہ اپنے جزء حدیثی اور ابوالشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما اور دارقطنی اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں اور عبداللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے اور ابن حبان اور ابوعمر بن عبدالبر کتاب العلم اور ابواحمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله عزوجل شیئ فیه فضیلة فاخذ به ایمانا به ورجاء ثوابه اعطاه الله تعالٰی ذلك وان لم یکن کذلك[۱]

جسے اللہ تبارک وتعالٰی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالٰی اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

یہ لفظ حسن کے ہیں، اور دارقطنی کی حدیث میں یُوں ہے:

اعطاه الله ذلك الثواب وان لم یکن ما بلغه حقا[۲]

اللہ تعالٰی اسے وہ ثواب عطا کرے گا اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی حق نہ ہو۔

ابنِ حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہیں:

کان منی اولم یکن[۳] (چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو)

ابنِ عبداللہ کے لفظ یُوں ہیں:

وان کان الذی حدثه کاذبا[۴] (اگرچہ اس حدیث کا راوی جھُوٹا ہو)

امام احمد وابنِ ماجہ وعقیلی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[۱] کنز العمال بحوالہ حسن بن عرفہ فی جزء حدیثی حدیث ۴۳۱۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۹۱

[۲] کتاب الموضوعات باب من بلغہ ثواب علی عمل فعمل بہ " دار الفکر ۱۵۳/۲

[۳] " " " " " " " " "

[۴] مکارم الاخلاق لابی الشیخ

فرماتے ہیں :

ماجاءکم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانی اقولہ وماجاءکم عنی من شرفانی لااقول الشر[1]

تمھیں جس بھلائی کی مجھ سے خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بُری بات کی خبر پہنچے تو میں بُری بات نہیں فرماتا۔

ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں :

ماقیل من قول حسن فانا قلتہ[2]۔

جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

عقیلی کی روایت یُوں ہے :

خذوابہ حدثت بہ اولم احدث بہ[3]۔

اُس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہیں۔

وفی الباب عن ثوبان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم (اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت)

خلعی اپنے فوائد میں حمزہ بن عبدالمجید رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی :

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فی الحجر فقلت بابی انت وامی یارسول اللہ انہ قد بلغنا عنک انک قلت من سمع حدیثا فیہ ثواب فعمل بذلک الحدیث رجاء ذلک الثواب اعطاہ اللہ ذلک الثواب وان کان الحدیث باطلا فقال ای ورب ھذہ البلدۃ انہ لمنی و

میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خواب میں حطیم کعبہ معظمہ میں دیکھا عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہمیں حضور سے حدیث پہنچی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کوئی حدیث ایسی سُنے جس میں کسی ثواب کا ذکر ہو وہ اُس حدیث پر باُمید ثواب عمل کرے اللہ عزوجل اسے وہ ثواب عطا فرمائے گا اگرچہ حدیث باطل ہو۔ حضور اقدس

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل　مرویاتِ ابی ہریرہ　مطبوعہ دار الفکر بیروت　۳۶۷/۲

[2] سنن ابی ماجہ　باب اتباع السنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　مطبوعہ مجتبائی لاہور　ص ۴

[3] کنز العمال بحوالہ عق الاکمال من روایۃ الحدیث احدیث ۲۹۲۱۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت　۲۲۹/۱۰

انا قلتہ[۱]

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم اس شہر کے رب کی بے شک یہ حدیث مجھ سے ہے اور میں نے فرمائی ہے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ابویعلٰی اور طبرانی معجم اوسط میں سیدنا ابی حمزہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بلغہ عن اللہ تعالٰی فضیلۃ فلم یصدق بھالم ینلھا[۲]

جسے اللہ تعالٰی سے کسی فضیلت کی خبر پہنچے وہ اسے نہ مانے اُس فضل سے محروم رہے۔

ابوعمر ابن عبدالبر نے حدیث مذکور روایت کرکے فرمایا:

اھل الحدیث بجماعتھم یتساھلون فی الفضائل فیروونھا عن کل وانما یتشددون فی احادیث الاحکام[۳]

تمام علمائے محدثین احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں اُنھیں ہر شخص سے روایت کرلیتے ہیں، ہاں احادیثِ احکام میں سختی کرتے ہیں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہُوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اُسے چاہیے نیک نیتی سے اس پر عمل کرے اور تحقیقِ صحتِ حدیث و نظافتِ سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان شاء اللہ اپنے حسنِ نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائیگا **اقول** یعنی جب تک اُس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوتِ بطلان رجاء و امید کے کوئی معنے نہیں۔

فقول الحدیث وان لم یکن ما بلغہ حقا و نحوہ انما یعنی بہ فی نفس الامر لا بعد العلم بہ و ھذا واضح جدا فتثبت ولا تزل۔

توحدیث کے یہ الفاظ "اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی وہ حق نہ ہو" یا اس کی مثل دوسرے الفاظ "اس سے مراد نفس الامر ہے نہ کہ بعد از حصولِ علم"۔ اور یہ بہت ہی واضح ہے اسے یاد رکھو۔ (ت)

اور وجہ اس عطائے فضل کی نہایت ظاہر کہ حضرت حق عزوجل اپنے بندہ کے ساتھ اُس کے گمان پر معاملہ فرماتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب عزوجل وعلا سے روایت فرماتے ہیں کہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے کہ انا عند ظن عبدی بی[۴] (میں اپنے بندہ کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے) رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ والحاکم بمعناہ عن انس بن مالک (اسے بخاری، مسلم، ترمذی، [illegible]

---

[۱] فوائد للخلعی

[۲] مسند ابویعلٰی انس بن مالک حدیث ۳۴۳۰ مطبوعہ دارالقبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ سعودی عرب ۳/ ۳۸۷

[۳] کتاب العلم لابن عبدالبر

[۴] الصحیح لمسلم کتاب التوبہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۴

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور حاکم نے حضرت انس بن مالک سے معناً اسے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں یہ ارشاد زائد ہے: "فلیظن بی ماشاء"[1] (اب جیسا چاہے مجھ پر گمان کرے) اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ت)

تیسری حدیث میں یُوں زیادت ہے: "ان ظن خیرا فلہ وان ظن شرا فلہ"[2] (اگر بھلا گمان کرے گا تو اس کے لیے بھلائی ہے اور بُرا گمان کرے گا تو اس کے لیے بُرائی) رواہ الامام احمد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن علی الصحیح ونحوہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی الحلیۃ عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد نے سند حسن سے صحیح قول پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اسی کی مثل طبرانی نے اوسط اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جب اُس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عزجلالہ سے اُس نفع کی امید رکھی تو مولٰی تبارک وتعالٰی اکرم الاکرمین ہے اُس کی اُمید ضائع نہ کرے گا اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ وللہ الحمد فی الاولی والاٰخرۃ۔

افادۂ نوزدہم[19] (عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے) وباللہ التوفیق، عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وُہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تو نہیں فان الکذوب قد یصدق (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ مقدمۂ امام ابوعمرو تقی الدین شہرزوری میں ہے:

اذا قالوا فی حدیث انہ غیر صحیح فلیس ذٰلک قطعا بانہ کذب فی نفس الامر اذ قد یکون صدقا فی نفس الامر وانما المراد بہ لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور[3]۔

محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح بتاتے ہیں تو یہ اس کے فی الواقع کذب پر یقین نہیں ہوتا اس لیے کہ حدیث غیر صحیح کبھی واقع میں سچی ہوتی ہے اس سے تو اتنی مراد ہوتی ہے کہ اُس کی سند اس شرط پر نہیں جو محدثین نے صحت کے لیے مقرر کی۔

تقریب وتدریب میں ہے:

اذا قیل حدیث ضعیف، فمعناہ لم یصح

کسی حدیث کو ضعیف کہا جائے تو معنی یہ ہیں کہ اس کی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۴۰

[2] مسند الامام احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ 〃 بیروت ۲/ ۳۹۱

[3] مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول فی معرفۃ الصحیح 〃 فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸

اسنادہ علی الشرط المذکور لا انہ کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب[1] اھ ملخصا۔

اسناد شرطِ مذکور پر نہیں نہ یہ کہ واقع میں جھوٹ ہے ممکن ہے کہ جھوٹے نے سچ بولا ہو اھ ملخصاً

(تصحیح وتضعیف صرف بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو و بالعکس) محقق حیث اطلق[عه] فتح میں فرماتے ہیں:

ان وصف الحسن والصحیح والضعیف انما ھو باعتبار السند ظنا اما فی الواقع فیجوز غلط الصحیح وصحۃ الضعیف[2]۔

حدیث کو حسن یا صحیح یا ضعیف کہنا صرف سند کے لحاظ سے ظنی طور پر ہے واقع میں جائز ہے کہ صحیح غلط اور ضعیف صحیح ہو۔

اُسی[عه] میں ہے:

لیس معنی الضعیف الباطل فی نفس الامر بل مالم یثبت بالشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث مع تجویز کونہ صحیحًا فی نفس الامر فیجوز ان یقترن قرینۃ تحقق ذلک، وان الراوی الضعیف اجاد فی ھذا المتن المعین فیحکم بہ[3]۔

ضعیف کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں باطل ہے بلکہ یہ کہ جو شرطیں اہلِ حدیث نے اعتبار کیں اُن پر نہ آئی اس کے ساتھ جائز ہے کہ واقع میں صحیح ہو، تو ممکن کہ کوئی الساقرینہ ملے جو ثابت کردے کہ وہ صحیح ہے اور راوی ضعیف نے یہ حدیث خاص اچھے طور پر ادا کی ہے اُس وقت باوصف ضعف راوی اس کی صحت کا حکم کردیا جائے گا۔

موضوعاتِ کبیر میں ہے:

المحققون علی ان الصحۃ والحسن والضعف انما ھی من حیث الظاھر فقط مع احتمال

محققین فرماتے ہیں صحت وحسن وضعف سب بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن ہے کہ صحیح موضوع ہو اور

عہ مسألۃ التنفل قبل المغرب ۱۲ منہ (م)

عہ۲ مسألۃ السجود علی کور العمامۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی منہ (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الاول الصحیح مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۵، تا ۷۶

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۹

[3] " باب صفۃ الصلاۃ " " " ۱/۲۶۶

کون الصحیح موضوعا و عکسہ کذا افادہ الشیخ ابن حجر[1] المکی۔ اور موضوع صحیح، جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی نے افادہ فرمایا ہے۔

اقول (احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنھیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف و نامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارہم الجمیلہ انھیں مقبول و معتمد بناتے اور بصیغ جزم و قطع حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنھیں علما اپنے زبر ودفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعث طعن و وقیعت و جرح و اہانت ہوجاتے، حالانکہ العظمۃ للہ وعباد اللہ ان طاعنین سے بدرجہا اتقی للہ و اعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالٰی سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالٰی کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے تھے۔ ت) تھے۔ ولکن

کل حزب بما لدیھم فرحون[2] و ربك اعلم بالمھتدین[3]۔ اور ہر ایک گروہ اپنے موجود پر خوش ہے اور تیرا رب ہدایت یافتہ کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ (ت)

میزان[عہ] مبارک میں حدیث،

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم[4]۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (ت)

کی نسبت فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث و ان کان فیہ مقال عند المحدثین اس حدیث میں اگرچہ محدثین کو گفتگو ہے

عہ فی فصل فان ادعی احد من العلماء فوق ھذہ المیزان ۱۲ منہ (م).

---

[1] موضوعات کبیر لملا علی قاری زیر حدیث من بلغہ عن اللہ شیئ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۸

[2] القرآن ۲۳/۵۳ و ۳۰/۳۲

[3] القرآن ۶۸/۷ و ۱۶/۱۲۵ و ۶/۱۱۷

[4] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰

فھو صحیح عند اھل الکشف[1]

مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ[2] میں ارشاد فرمایا:

کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من صلی علی طھر قلبہ من النفاق، کما یطھر الثوب بالماء، وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من قال صلی اللہ علی محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من الرحمۃ، والقی اللہ محبتہ فی قلوب الناس فلا یبغضہ الامن فی قلبہ نفاق، قال شیخنا رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذا الحدیث والذی قبلہ رویناھما عن بعض العارفین عن الخضر علیہ الصلاۃ والسلام عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھما عندنا صحیحان فی اعلٰی درجات الصحۃ وان لم یثبتھما المحدثون علی مقتضی اصطلاحھم۔[2]

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہوجائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو کہے "صلی اللہ علی محمد" اس نے ستّر دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس سے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اور اس سے پہلی ہم نے بعض اولیاء سے روایت کی ہیں اُنھوں نے سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، اُنھوں نے حضور پُرنور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ واکمل السلام سے یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلٰی درجہ کی صحیح ہیں اگرچہ محدثین اپنی اصطلاح کی بنا پر اُنھیں ثابت نہ کہیں۔

نیز میزان شریف[3] میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز سے نقل فرماتے ہیں:

کما یقال عن جمیع ما رواہ المحدثون بالسند الصحیح المتصل ینتھی سندہ الی حضرت الحق جل وعلا فکذلک یقال فیما

جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ محدثین نے سند صحیح متصل سے روایت کیا اس کی سند حضرت الٰہی عزوجل تک پہنچتی ہے یونہی جو کچھ علم حقیقت سے صحیح کشف والوں نے نقل فرمایا

---

[1] آخر المجلد الاول باب جامع فضائل الذکر آخر فصل الامر بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

[2] فصل فی بیان استحالۃ خروج شیئ من اقوال المجتہدین عن الشریعۃ ۱۲ منہ

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰

[2] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ فصل فی الامر بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۵

نقلہ اھل الکشف الصحیح من علم الحقیقۃ۔[1] اُس کے حق میں یہی کہا جائے گا۔

بالجملہ اولیا کے لیے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع و اعلٰی ہے و لہذا حضرت سیدی ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ وقدس سرہ السامی اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے :

قد اخذتم علمکم میتا عن میت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت۔[2] تم نے اپنا علم سلسلۂ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لایموت سے لیا ہے ۔

نقلہ سیدی الامام الشعرانی فی کتابہ المبارک الفاخر الیواقیت والجواھر اٰخر المبحث السابع والاربعین۔ اسے سیدی امام شعرانی نے اپنی مبارک اور عظیم کتاب الیواقیت والجواہر کی سینتالیسویں بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے ۔ (ت)

حضرت سیدی امام المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ[عــه] نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طور علم پر ضعیف مانی گئی تھیں،

کما ذکرہ فی باب الثالث والسبعین من الفتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰھیۃ الملکیۃ و نقلہ فی الیواقیت ھنا۔[3] جیسا کہ انہوں نے فتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰہیۃ الملکیۃ کے تیرھویں باب میں ذکر کیا اور الیواقیت میں اس مقام پر اسے نقل کیا ہے ۔ (ت)

اسی طرح خاتم حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتر[4] بار بیداری میں جمال جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بہرہ ور ہوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث کی کہ طریقۂ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں تصحیح فرمائی جس کا بیان عارف ربانی امام العلامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ہے من شاء فلیتشرف بمطالعتہ (جو اس کی تفصیل چاہتا ہے میزان کا مطالعہ کرے ۔ ت) یہ نفیس و جلیل فائدہ کہ

عــه فی الفصل المذکور قبل ما مر بنحوہ صفحـــة ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی استحالۃ خروج شیئ من اقوال المجتہدین الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۵
[2] الیواقیت والجواہر باب الثالث والسابع والاربعین " " " " " ۲/ ۹۱
[3] " " " " " " " " " " ۲/ ۸۸
[4] المیزان الکبری فصل فی استحالۃ خروج شیئ الخ " " " " " ۱/ ۴۴

بمناسبت مقام بحمداللہ تعالٰی نفع رسانی برادرانِ دین کے لیے حوالہ قلم ہوا لوحِ دل پر نقش کرلینا چاہئے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم ؎

خلیلی قطاع الفیافی الی الحمی

کثیر وارباب الوصول قلائل

(اے میرے دوست! چراگاہوں میں ڈاکہ ڈالنے والے کثیر اور منزل کو پانے والے کم ہیں۔ت)

بات دُور پہنچی، کہنا یہ تھا کہ سند پر کیسے ہی طعن وجرح ہوں اُن کے سبب بطلانِ حدیث پر جزم نہیں ہوسکتا ممکن کہ واقع میں حق ہو اور جب صدق کا احتمال باقی تو عاقل جہاں نفع بے ضرر کی اُمید پاتا ہے اُس فعل کو بجالاتا ہے دین و دنیا کے کام اُمید پر چلتے ہیں پھر سند میں نقصان دیکھ کر ایکدست اس سے دست کش ہونا کس عقل کا مقتضی ہے کیا معلوم اگر وہ بات سچی تھی تو خود فضیلت سے محروم رہے اور جھُوٹی ہو تو فعل میں اپنا کیا نقصان فافھم وتثبت ولاتکن من المتعصبین (اسے اچھی طرح سمجھ لے اس پر قائم رہ اور تعصب کرنے والوں سے نہ ہو۔ت) انصاف کیجئے مثلاً کسی کو نقصانِ حرارت عزیزی وضعف ارواح کی شکایت شدید ہو زید اس سے بیان کرے کہ فلاں حکیم حاذق نے اس مرض کے لیے سونے کے ورق سونے کے کھرل میں سونے کی موصلی سے عرق بید مشک یا ہتھیلی پر انگلی سے شہد میں سحق بلیغ کرکے پینا تجویز فرمایا ہے تو عقل سلیم کا اقتضا نہیں کہ جب تک اس حکیم تک سند صحیح متصل کی خوب تحقیقات نہ کرلے اس کا استعمال طباً حرام جانے، بس اتنا دیکھنا کافی ہے کہ اصولِ طبّیہ میں میرے لیے اس میں کچھ مضرت تو نہیں ورنہ وہ مریض کہ نسخہ ہائے قرابادین کی سندیں ڈھونڈتا اور حالِ رواۃ تحقیق کرتا پھرے گا قریب ہے کہ بے عقلی کے سبب اُن ادویہ کے فوائد ومنافع سے محروم رہے گا نہ عراقِ تنقیح سے تریاقِ تصحیح ہاتھ آئے گا نہ یہ مار گزیدہ دوا پائے گا' بعینہٖ یہی حال ان فضائلِ اعمال کا ہے جب ہمارے کان تک یہ بات پہنچی کہ اُن میں ایسا نفع ذکر کیا گیا اور شرع مطہر نے ان افعال سے منع نہ کیا، تو اب ہمیں تحقیقِ محدثانہ کیا ضرور ہے اگر حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے فبہا ورنہ ہم نے اپنی نیک نیت کا اچھا پھل پایا ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین[1] (تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا۔ت)

افادۂ بستم[20] (حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط ہو) مقاصد شرع کا عارف اور کلماتِ علما کا واقف جب قبولِ ضعیف فی الفضائل کے دلائل مذکورۂ عباراتِ سابقہ فتح المبین امام ابن حجر مکی و انموذج العلوم محقق دوانی وقوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالٰی ونیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا

---

[1] القرآن ۹/ ۵۲

ان انوارِ متجلیہ کے پرتو سے بطورِ حدس بے تکلف اُس کے آئینۂ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائلِ اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگِ احتیاط و نفع بے ضرر کی صورت نظر آئے گی بلاشبہہ قبول کی جائے گی جانبِ فعل میں اگر اُس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانبِ ترک میں تنزع و تورع کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا :

کیف وقد قیل[1]۔ (کیونکر نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا) رواہ البخاری عن عقبۃ بن الحارث النوفلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام بخاری نے عقبہ بن حارث نوفلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ۔ ت)

اقول وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع ما یریبك الی ما لا یریبك[2]۔

اقول رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس میں شبہہ پڑتا ہو وہ کام چھوڑ دے اور ایسے کی طرف آ جس میں کوئی دغدغہ نہیں"۔

رواہ الامام احمد وابوداود الطیالسی والدارمی والترمذی وقال "حسن صحیح" والنسائی وابن حبان والحاکم "صححاہ" وابن قانع فی معجمہ عن الامام ابن الامام سیدنا الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند قوی وابونعیم فی الحلیۃ والخطیب فی التاریخ بطریق مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اسے امام احمد، ابوداود طیالسی، دارمی، ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن صحیح کہا۔ نسائی، ابن حبان اور حاکم ان دونوں نے اسے صحیح کہا۔ ابن قانع نے اپنی معجم میں امام ابن امام سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا۔ ابونعیم نے حلیہ اور خطیب نے تاریخ میں بطریق مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما روایت کیا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورثِ ظن نہ ہو مورثِ شبہہ سے تو کم نہیں تو محلِ احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے، احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، از انجملہ حدیث اجل و اعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی

جو شبہات سے بچے اُس نے اپنے دین و آبرو کی حفاظت کرلی اور جو شبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل مسند اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین دار الفکر بیروت ۱/ ۲۰۰

حول الحمی یوشك ان ترتع فیه الا وان لکل ملك حمی الا وان حمی اللہ محارمہ[1]۔

رمنے کے گرد چرانے والا نزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرالے، سُن لو ہر بادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے، سُن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں۔

رواہ الشیخان عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اسے بخاری ومسلم دونوں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکی نے فتح المبین میں ان دونوں حدیثوں کی نسبت فرمایا:

رجوعھما الی شیئ واحد وھو النھی التنزیھی عن الوقوع فی الشبھات[2]۔

یعنی حاصل مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ شبہہ کی بات میں پڑنا خلافِ اولٰی ہے جس کا مرجع کراہت تنزیہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان یك کاذبا فعلیہ کذبہ وان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم[3]۔

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر سچا ہوا تو تمہیں پہنچ جائے گی کچھ نہ کچھ وہ مصیبت جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

بحمد اللہ تعالٰی یہ معنی ہیں ارشاد امام ابوطالب مکی قدس سرہ کے قوت القلوب[عہ] شریف میں فرمایا:

ان الاخبار الضعاف غیر مخالفۃ الکتاب والسنۃ لایلزمنا ردھا بل فیھا مایدل علیہ[4]۔

ضعیف حدیثیں جو مخالفِ کتاب وسنّت نہ ہوں اُن کا رَد کرنا ہمیں لازم نہیں بلکہ قرآن وحدیث اُن کے قبول پر دلالت فرماتے ہیں

لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارۂ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جبکہ جانب احتیاط

عہ فی فصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ (م)

اکتیسویں فصل میں اس کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب فضل من استبرأ لدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۳
مسلم شریف باب اخذ الحلال وترک الشبہات " " " " ۲/ ۲۸
[2] فتح المبین شرح اربعین
[3] القرآن ۴۰/ ۲۸
[4] قوت القلوب باب تفضیل الاخبار الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۱۷۷

میں ہو، امام نووی نے اذکار میں بعد عبادت مذکور پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض[1] میں فرمایا:

اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیرذلک فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح اوالحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذلک کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھۃ بعض البیوع او الانکحۃ فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن لا یجب۔[1]

یعنی محدثین وفقہا وغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارہ میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

امام جلیل جلال سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں:

ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذاکان فیہ احتیاط۔[2]

حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائیگا جبکہ اُس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی غنیہ[عہ2] میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الوصل بین الاذان والاقامۃ یکرہ فی کل الصلوۃ لما روی الترمذی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لبلال اذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر واجعل بین اذانک واقامتک قدر ما یفرغ الاٰکل من اکلہ فی غیر المغرب[عہ3] والشارب من شربہ

یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فوراً اقامت کہہ دینا مطلقاً سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لیے کہ ترمذی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور تکبیر جلد جلد اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے اور ضرورت والا قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے، یہ حدیث

عہ۱ فی شرح الخطبۃ حیث اسند الامام المصنف حدیث من سئل عن علم فکتمہ الحدیث ۱۲ منہ

عہ۲ فی فصل سنن الصلاۃ ۱۲ منہ

عہ۳ قولہ فی غیر المغرب ھکذا ھو فی نسخ الغنیۃ ولیس عند الترمذی بل ھو مدرج فیہ نعم ھو تاویل من العلماء کما قال فی الغنیۃ بعد ما نقلنا قالوا قولہ قدر ما یفرغ الاکل من اکلہ فی غیر المغرب من شربہ فی المغرب ۱۲ منہ

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء تتمۃ وفائدۃ مہمۃ فی شرح الخطبۃ مطبعۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۲

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الثانی والعشرون المقلوب دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۹

والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجتہ وھو وان کان ضعیفا لکن یجوز العمل بہ فی مثل ھذا الحکم[1]

اگرچہ ضعیف ہے[ع1] مگر ایسے حکم میں اس پر عمل روا ہے۔

تفلیسہ (بُدھ کے دن بدن سے خون لینے کے باب میں) ایک حدیث ضعیف میں بدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ:

من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابہ برص فلا یلومن الا نفسہ[2]

جو بُدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اُس کے بدن پر سپید داغ ہوجائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔

امام سیوطی لآلی[ع2] و تعقبات[ع3] میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں:

سمعت ابی یقول سمعت ابا عمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان ھذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فشکوت الیہ حالی فقال ایاک والاستھانۃ بحدیثی فقلت تبت یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بُدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایاک والاستھانۃ بحدیثی (خبردار میری حدیث کو ہلکا نہ سمجھنا) انھوں نے توبہ کی

ع۱ امام ترمذی نے فرمایا: ھو اسناد مجھول (یہ سند مجہول ہے) ۱۲ منہ (م)

ع۲ اواخر کتاب المرض والطب ۱۲ منہ (م)

کتاب المرض والطب کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع۳ باب الجنائز ۱۲ منہ (م)

باب الجنائز میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل سنن الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۷ - ۳۷۶

[2] الکامل لابن عدی من ابتدأ اسمعیل عبد اللہ ابن زیاد مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ شیخوپورہ ۱۴۴۶/۴

[3] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۲۱۹/۲

وسلم فانتبهت وقدعافانی اللہ تعالٰی وذھب ذٰلك عنی[1] آنکھ کھلی تو اچھے تھے۔

جلیلہ (ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں) امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں ابومعین حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بُلا لا، جب وُہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں توضعف ہے، غرض لگالئے، برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کی، فرمایا:

ایاك والاستھانۃ بحدیثی (دیکھ مری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا)

اُنھوں نے منّت مانی اللہ تعالٰی اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف، اللہ عزوجل نے شفا بخشی[2] لآلی میں ہے:

اخرج ابن عساکر فی تاریخہ من طریق ابی علی مھران بن ھارون الحافظ الھازی قال سمعت ابا معین الحسین بن الحسن الطبری یقول اردت الحجامۃ یوم السبت فقلت للغلام ادع لی الحجام فلما ولی الغلام ذکرت خبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احتجم یوم السبت ویوم الاربعاء فاصابہ وضح فلا یلومن الا نفسہ قال فدعوت الغلام ثم تفکرت فقلت ھذا حدیث فی اسنادہ بعض الضعف فقلت للغلام ادع الحجام لی فدعاہ، فاحتجمت فاصابنی البرص، فرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فشکوت الیہ حالی فقال ایاك والاستھانۃ بحدیثی فنذرت للہ نذرالئن اذھب اللہ مابی من البرص لم اتھاون فی خبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیحا کان اوسقیما فاذھب اللہ عنی ذٰلك البرص[عه]۔ (نوٹ: اس عربی عبارت کا ترجمہ لفظ جلیلہ سے شروع ہوکر عربی عبارت سے پہلے ختم ہوجاتا ہے)

مفیدہ (بدھ کے دن ناخن تراشنے کے امر میں) یُوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص ہوتا ہے، بعض علما نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث

عه تلو ما مر ۱۲ منہ (م)، لآلی میں اس عبارت کے قریب جو پہلے گزر چکی ہے (ت)

---

[1] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبعہ ادبیہ مصر ۲/ ۲۱۹

[2] " " " " " "

صحیح نہیں فوراً مبتلا ہو گئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُر نور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہوئے، شافی کافی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مبرئ الاکمہ والابرص محی الموتی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کہ پناہ دو جہان و دستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگا دیا، فوراً اچھے ہو گئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا (؟)

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

قصّ الاظفار وتقلیمها سنة وورد النهی عنه فی یوم الاربعاء وانه یورث البرص، وحکی عن بعض العلماء انه فعله فنهی عنه فقال لم یثبت هذا فلحقه البرص من ساعته فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی منامه فشکی الیه فقال له الم تسمع نهیی عنه، فقال لم یصح عندی، فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکفیك انه سمع، ثم مسح بدنه بیده الشریفة، فذهب مابه فتاب عن مخالفة ما سمع[1] اھ" (نوٹ، اس عربی عبارت کا ترجمہ "مفیدہ" ص ۴۹۹ سے شروع ہو کر عربی عبارت سے ختم ہوتا ہے)

یہ بعض علما امام علامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس اللہ سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ورد فی بعض الاٰثار النهی عن قص الاظفار یوم الاربعاء فانه یورث وعن ابن الحاج صاحب المدخل انه هم بقص اظفاره یوم الاربعاء، فتذکر ذلك، فترك، ثم رای ان قص الاظفار سنة حاضرة، ولم یصح عنده النهی فقصها، فلحقه ای اصابه البرص، فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی النوم فقال الم تسمع نهیی عن ذلك، فقال "یا رسول اللہ لم یصح عندی ذلك" فقال

بعض آثار میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانے والے کو برص کی بیماری عارض ہو جاتی ہے اور صاحب مدخل ابن الحاج کے بارے میں ہے کہ انھوں نے بدھ کے روز ناخن کاٹنے کا ارادہ کیا، انھیں یہ نہی والی بات یاد دلائی گئی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا پھر خیال میں آیا کہ ناخن کتروانا سنّتِ ثابتہ ہے اور اس سے نہی کی روایت میرے نزدیک صحیح نہیں۔ لہذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے تو انھیں برص عارض ہو گیا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفا فصل واما نظافۃ جسمہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۳۴۴

یکفیك ان تسمع ، ثم مسح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی بدنہ فزال البرص جمیعا قال ابن الحاج رحمہ اللہ تعالٰی فجددت مع اللہ توبۃ انی لا اخالف ماسمعت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابدًا۔[1]

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : کیا تُو نے نہیں سُنا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے ؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ! وہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہ تھی ، تو آپ نے فرمایا کہ تیرا سُن لینا ہی کافی ہے ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تو تمام برص زائل ہوگیا ابن الحاج کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے حضور اس بات سے توبہ کی کہ آئندہ جو حدیث بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنوں گا اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ (ت)

سُبحان اللہ ! جب محلِ احتیاط میں احادیثِ ضعیفہ تو احکام میں مقبول و معمول ، تو فضائل تو فضائل ہیں ، اور ان فوائدِ نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمد اللہ تعالٰی عقلِ سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہوگیا کہ ضعیفِ حدیث اُس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں ۔ دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اور واقع میں اُن کی وُہ شان کہ مخالفت کرتے ہی فوراً تصدیقیں ظاہر ہُوئیں ، کاش منکرانِ فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیمِ حدیثِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توفیق بخشے اور اُسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے ، آمین !

افادۂ بست ویکم (حدیثِ ضعیف پر عمل کے لیے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہرگز ضرور نہیں)

بذریعہ حدیثِ ضعیف کسی فعل کے لیے محلِ فضائل میں استحباب یا موضعِ احتیاط میں حکمِ تنزہ ثابت کرنے کے لیے نہار زنہار اصلاً اُس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعلِ معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کا ورود ان احکامِ استحباب و تنزہ کے لیے ذریعہ کافیہ ہے ، افادات سابقہ کو جس نے ذرا بھی بگوشِ ہوش استماع کیا ہے اُس پر یہ امر شمس وامس کی طرح واضح و روشن ۔ مگر ازانجا کہ مقام مقام افادہ ہے ایضاحِ حق کے لیے چند تنبیہات کا ذکر مستحسن ۔

اوّلاً کلماتِ علمائے کرام میں باآنکہ طبقۃً فطبقۃً اس جوش و کثرت سے آئے ، اس تقیید بعید کا کہیں نشان نہیں تو خواہی نخواہی مطلق کو از پیشِ خویش مقید کرلینا کیونکر قابلِ قبول ۔

ثانیاً بلکہ ارشاداتِ علما صراحۃً اس کے خلاف ، مثلاً عبارتِ اذکار وغیرہا خصوصاً عبارتِ امام ابن الہمام جو نص صریح ہے کہ ثبوتِ استحباب کو ضعیف حدیث کافی ۔

اقول بلکہ خصوصاً اذکار کا وہ فقرہ کہ اگر کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف آئے تو اس سے بچنا مستحب ہے واجب نہیں ۔ اس استحباب و انکارِ وجوب کا منشا وہی ہے کہ اُس سے نہی میں حدیثِ صحیح نہ آئی کہ وجوب ہوتا ، تنہا ضعیف نے صرف استحباب ثابت کیا اور سب سے اعلٰی و اجل کلام امام ابوطالب مکی ہے اس

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار فصل فی البیع دار المعرفۃ بیروت لبنان ۲۰۲/۴

میں تو بالقصد اس تقیید جدید کا رد صریح فرمایا ہے کہ "وان لم یشھد لہ" (اگرچہ کتاب وسنت اس خاص امر کے شاہد نہ ہوں)

ثالثاً علمائے فقہ وحدیث کا عملدرآمد قدیم وحدیث اس قید کے بطلان پر شاہد عدل، جابجا انھوں نے احادیث ضعیفہ سے ایسے امور میں استدلال فرمایا ہے جن میں حدیث صحیح اصلاً مروی نہیں۔

اقول مثلاً:

(۱) نماز نصف شعبان کی نسبت علی قاری۔

(۲) صلاۃ التسبیح کی نسبت برتقدیر تسلیم ضعف وجہالت امام زرکشی وامام سیوطی کے اقوال افادۂ دوم میں گزرے۔

(۳) نماز میں امامت اتقی کی نسبت امام محقق علی الاطلاق کا ارشاد افادۂ شانزدہم میں گزرا وہاں اس تقیید کے برعکس حدیث ضعیف پر عمل کو فقدان صحت سے مشروط فرمایا ہے:

قال روی الحاکم عنہ علیہ الصلاۃ والسلام ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فان صح والا فالضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی فضائل الاعمال[1]

حاکم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ذکر کیا ہے کہ اگر تم یہ پسند کرتے کہ تمہاری نمازیں قبول ہوجائیں تو تم اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے ورنہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں اور فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے (ت)

(۴) نیز امام ممدوح نے تجہیز وتکفین قریبی کافر کے بارہ میں احادیث ذکر کیں کہ جب ابو طالب مرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدنا مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو حکم فرمایا کہ انھیں نہلاکر دفن کرائیں پھر خود غسل کرلیں بعدہ غسل میت سے غسل کی حدیثیں نقل کیں، پھر فرمایا:

لیس فی ھذا ولا فی شیئ من طرق علی حدیث صحیح، لکن طرق حدیث علی کثیرۃ والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2]

ان دونوں باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں مگر حدیث علی کے طرق کثیر میں اور استحباب حدیث ضعیف غیر موضوع سے ثابت ہوجاتا ہے۔

(۵) غسل کے بعد استحباب مندیل کی نسبت علامہ ابراہیم حلبی۔

(۶) تائید اباحت کی نسبت امام ابن امیر الحاج۔

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

[2] " " فصل فی الصلاۃ علی المیت " " " ۲/ ۹۵

(۷) استحباب مسح گردن کی نسبت مولانا علی کی۔

(۸) استحباب تلقین کی نسبت امام ابن الصلاح وامام نووی وامام سیوطی کے ارشادات افادۂ ہفدہم۔

(۹) کراہت وصل بین الاذان والاقامت کی نسبت علامہ حلبی کا کلام۔

(۱۰) بدھ کو ناخن تراشنے کی نسبت خود نسیم الریاض وطحطاوی کے اقوال افادۂ بستم میں زیورگوش سامعین ہوئے یہ دسوں تو یہیں موجود ہیں اور خوفِ اطالت نہ ہو تو سو دو سو ایک ادنٰی نظر میں جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایضاح واضح میں اطناب تا کے۔

رابعًا، اقول نصوص واحادیث مذکورہ افادات ہفدہم وبستم کو دیکھئے کہیں بھی اس قید بے معنی کی مساعدت فرماتے ہیں؟ حاشا بلکہ باعلی ندا اُس کی لغویات بتاتے ہیں کما لایخفی علی اولی النھی (جیسا کہ صاحب عقل لوگوں پر مخفی نہیں۔ت)

خامسًا، اقول وباللہ التوفیق اس شرط زائد کا اضافہ اصل مسألہ اجماعیہ کو محض لغو ومہمل کر دے گا کہ اب حاصل یہ ٹھہرے گا کہ احکام میں تو مقتضائے حدیث ضعیف پر کاربندی اصلاً جائز نہیں اگرچہ وہاں حدیث صحیح موجود ہو اور ان کے غیر میں بحالت موجود صحیح صحیح ورنہ قبیح۔

اوّلاً اس تقدیر پر عمل بمقتضی الضعیف من حیث ھو مقتضی الضعیف ہوگا یا من حیث ھو مقتضی الصحیح، ثانی قطعًا احکام میں بھی حاصل اور تفرقہ زائل، کیا احکام میں ورود ضعیف صحاح ثابتہ کو بھی رَد کر دیتا ہے؟ ھذا لایقول بہ جاھل (اس کا قول کوئی جاہل بھی نہیں کر سکتا۔ت) اور اول خود شرط سے رجوع یا قول بالمتنافیین ہو کر مدفوع کہ جب مصحح عمل ورود صحیح ہے تو اس سے قطع نظر ہو کر صحت کیونکر!

ثانیًا اگر صحیح نہ آتی ضعیف بیکار تھی آئی تو وہی کفایت کرتی بہرحال اس کا وجود وعدم یکساں پھر معمول بہ ہونا کہاں!

ثالثًا بعبارۃ اخری اظھر واجلی (ایک دوسری عبارت کے ساتھ زیادہ ظاہر وواضح ہے۔ت) حدیث پر عمل کے یہ معنی کہ یہ حکم اس سے ماخوذ اور اُس کی طرف مضاف ہو کہ اگر نہ اُس سے لیجئے نہ اُس کی طرف اسناد کیجئے تو اس پر عمل کیا ہوا، اور شک نہیں کہ خود صحیح کے ہوتے ضعیف سے اخذ اور اس کی طرف اضافت چہ معنی، مثلاً کوئی کہے چراغ کی روشنی میں کام کی اجازت تو ہے مگر اس شرط پر کہ نورِ آفتاب بھی موجود ہو۔ سبحان اللہ جب مہرِ نیمروز خود جلوہ افروز تو چراغ کی کیا حاجت اور اس کی طرف کب اضافت! اسے چراغ کی روشنی میں کام کرنا کہیں گے یا نورِ شمس میں! ؎

آفتاب اندر جہاں آنگہ کہ میجوید سہا

(جب جہاں میں آفتاب ہو تو سہا (ستارہ) ڈھونڈنے سے کیا فائدہ!)

لاجرم معنی مسئلہ یہی ہیں کہ حدیث ضعیف احکام میں کام نہیں دیتی اور دربارۂ فضائل کافی ووافی۔

(تحقیق المقام وازاحة الاوھام)

ثم اقول تحقیق المقام وتنقیح المرام بحیث یکشف الغمام ویصوّف الاوھام ان المسألة تدور بین العلماء بعبارتین العمل والقبول اما العمل بحدیث، فلا یعنی به الا امتثال ما فیه تعویلا علیه والجری علی مقتضاه نظرا الیه ولا بد من هذا القید الاتری ان لو توافق حدیثان صحیح وموضوع علی فعل ففعل للامر به فی الصحیح لا یکون هذا عملا علی الموضوع، واما القبول فهو وان احتمل معنی الروایة من دون بیان الضعف، فیکون الحاصل ان الضعیف یجوز روایته فی الفضائل مع السکوت عما فیه دون الاحکام لکن هذا المعنی علی تقدیر صحته انما یرجع الی معنی العمل کیف ولا منشأ لایجاب اظهار الضعف فی الاحکام الا التحذیر عن العمل به حیث لا یسوغ فلو لم یسغ فی غیرها ایضا لکان ساواھا فی الایجاب فدار الامر فی کلتا العبارتین الی تجویز المشی علی مقتضی الضعاف فی ما دون الاحکام فاتضح ماسند للنابه خامسا وانکشف الظلام هذا هو التحقیق بید ان ههنا رجلین من اهل العلم زلت اقدامهما فحملا العمل والقبول علی ما لیس بمراد ولا حقیقا بقبول۔

(تحقیق مقام وازالۂ اوہام)

ثم اقول اب ہم تحقیق مقام اور وضاحتِ مقصد کیلئے ایسی گفتگو کرتے ہیں جس سے پردے ہٹ جائیں اور شکوک وشبہات ختم ہوجائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء دو طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں عمل اور قبول، عمل بالحدیث سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس کے مقتضٰی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو بجالایا جائے، اس قید کا اضافہ ضروری ہے اس لئے کہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ کسی فعل کے متعلق حدیث صحیح اور حدیث موضوع دونوں اگر موافق ہوں اور فعل کو بجالانے والا حدیث صحیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کرے تو اب موضوع پر عمل نہ ہوگا قبول بالحدیث پر ہے کہ اگرچہ ضعف بیان کئے بغیر روایت کے معنی کا احتمال ہو تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ضعیف میں جو کمزوری ہے اس پر سکوت کرتے ہوئے فضائل میں اس کی روایت کرنا جائز ہے لیکن احکام میں نہیں، اگر قبول بالحدیث کا یہی معنی صحیح ہو تو یہ معنی عمل بالحدیث ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے، کیسے؟ وہ ایسے کہ احکام کے بارے میں مروی روایات کے ضعف کو بیان کرنا اس لئے واجب وضروری ہے کہ اس پر عمل سے روکا جائے کہ احکام میں ہر چیز جائز نہیں پھر اگر غیر احکام میں بھی یہ چیز جائز نہ ہو تو ایجاب میں فضائل واحکام دونوں برابر ہوجائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں عبارتوں میں اس امر پر دلیل ہے کہ غیر احکام میں ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے

اب ہمارا پانچواں استدلال واضح ہوگیا اور تاریکی کھل گئی اور تحقیق یہی ہے۔ علاوہ ازیں یہاں دو اہلِ علم ایسے ہیں جن کے قلم کے قدم پھسل گئے، انھوں نے عمل بالحدیث اور قبول بالحدیث کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو مراد اور قابلِ قبول نہیں۔ (ت)

احدھما العلامة الفاضل الخفاجی رحمه اللّٰه تعالٰی حیث حاول الرد علی المحقق الدوانی واوھم بظاھر کلامه ان محلہما اذاروی حدیث ضعیف فی ثواب بعض الامور الثابت استحبابھا والترغیب فیه اوفی فضائل بعض الصحابة اوالاذکار الماثورة قال ولاحاجة الی لتخصیص الاحکام والاعمال کما توھم للفرق الظاھر بین الاعمال وفضائل الاعمال اھ[1]

ان میں سے ایک علامہ خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی ہیں انھوں نے محقق دوانی کے رَد کا ارادہ کیا اور انھیں ان کے کلام کے ظاہر سے وہم ہوگیا کہ اس کا محل وہ ہے جب حدیث ضعیف ان امور کے ثواب کے بارے میں وارد ہو جن کا استحباب ثابت ہو اور اس میں ثواب کی رغبت ہو یا بعض صحابہ کے فضائل یا اذکار منقولہ کے بارے میں ہو کہا: احکام واعمال کی تخصیص کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا کیونکہ اعمال اور فضائل اعمال میں فرق ظاہر ہے اھ

اقول لولا ان الفاضل المدقق خالف المحقق لکان لکلامه معنی صحیح، فان الثبوت اعم من الثبوت عینا اوباندراج تحت اصل عام ولو اصالة الاباحة فان المباح یصیر بالنیة مستحبا ونحن لاننکران قبول الضعاف مشروط بذلك کیف ولولاہ لکان فیه ترجیح الضعیف علی الصحیح وھو باطل وفاقا فلو اراد الفاضل ھذا المعنی لاصاب وسلم من التکرار فی قوله اوالاذکار الماثورة لکنه رحمه اللّٰه تعالٰی بصدد مخالفة المحقق المرحوم وقد کان المحقق انما عول علی ھذا المعنی

اقول کاش فاضل مدقق محقق دوانی کی مخالفت نہ کرتے تو ان کے کلام کا معنی درست ہوتا کیونکہ ثبوت بعض اوقات عینی ہوتا ہے اور بعض اوقات کسی عمومی اصل کے تحت ہوتا ہے اگرچہ اباحت کی اصل پر ہو کیونکہ مباح نیت سے مستحب ہوجاتا ہے اور ہم قبول ضعاف کو اس کے ساتھ مشروط ہونے کا انکار نہیں کرتے یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر یہ بات نہ ہو تو اس میں ضعیف کو صحیح پر ترجیح لازم آتی اور وہ بالاتفاق باطل ہے، اگر فاضل مدقق بھی یہی معنی مراد لیتے تو درست تھا اور اپنے قول "اوالاذکار الماثورة" کے تکرار سے محفوظ ہوجاتے لیکن فاضل رحمۃ اللہ علیہ محقق کی مخالفت کے درپے تھے

---

[1] نسیم الریاض تتمة وفائدۃ مهمة فی الخطبة مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۴۳

الصحیح حیث قال المباحات تصیر بالنیۃ عبادۃ فکیف ما فیہ شبھۃ الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف و الحاصل أن الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیۃ الدالۃ علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین فلم یثبت شئ من الاحکام بالحدیث الضعیف بل اوقع الحدیث شبھۃ الاستحباب فصار الاحتیاط ان یعمل بہ فاستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع[1] اھ ملخصا فالظاھر من عدم ارتضائہ انہ یرید الثبوت عینا بخصوصہ ویؤیدہ تشبثہ بالفرق بین الاعمال وفضائلھا فان ارادہ فھذہ جنود براھین لا قبل لاحدبھا وقد اتاك بعضھا۔

اور محقق نے اسی معنی صحیح پر اعتماد کیا تھا چنانچہ کہا کہ مباحات نیت سے عبادت قرار پاتے ہیں تو اس کا کیا حال ہوگا جس کے استحباب میں حدیثِ ضعیف کی وجہ سے شُبہہ ہو؟ حاصل یہ ہے کہ جواز خارج سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب بھی ایسے قواعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے جو امردین میں احتیاطاً استحباب پر دال ہیں، پس احکام میں سے کوئی بھی حکم حدیث ضعیف سے ثابت نہ ہوگا بلکہ حدیث استحباب کا شبہہ پیدا کردے گی لہذا احتیاطاً اسی پر عمل کرنا ہوگا اور احتیاطاً استحباب کا علم قواعد شرع سے معلوم ہوا ہے اھ ملخصا ان کی عدم پسندیدگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ثبوت سے مراد صرف عینی لیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس پر استدلال اعمال اور فضائل اعمال کے فرق سے کیا ہے اگر انہوں نے یہی مراد لیا ہے تو دلائل کا انبار ہے جس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور بعض کا ذکر آپ تک پہنچ گیا۔ (ت)

عہ ویکدرہ ایضا علی ما قیل مغایرۃ العلماء بین فضائل الاعمال والترغیب علی ماھو الظاھر من کلامھم فلفظ ابن الصلاح فضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترھیب وسائر مالاتعلق لہ بالاحکام والعقائد ھذا توضیح ماقیل، **اقول** بل المراد بہ بفضائل الاعمال الاعمال التی ھی فضائل تشھد بذلك کلمات العلماء المارۃ فی الافادۃ السابعۃ عشر کقول الغنیۃ والقاری والسیوطی وغیرھم کما لایخفی علی من لہ ادنی مسکۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اسے یہ بات بھی رد کرتی ہے کہ علماء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب ایک شے نہیں، ابن صلاح کے الفاظ یہ ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب ترہیب کے معاملات اور وہ چیزیں جن کا تعلق احکام عقائد سے نہیں ہے یہ ماقیل کی وضاحت ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) بلکہ اس سے مراد وہ فضائلِ اعمال ہیں جن کی شہادت علماء کا کلام دیتا ہے جو کہ سترھویں افادہ میں گزرا مثلاً غنیہ، قاری اور سیوطی وغیرہ کے اقوال اور یہ بات ہر اس شخص پر مخفی نہیں جس میں ادنٰی سا شعور ہو ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] انموذج العلوم للدوانی

علی انی **اقول** اذن یرجع معنی العمل بعد الاستقصاء التام الی ترجی اجر مخصوص علی عمل منصوص ای یجوز العمل بشیئ مستحب معلوم الاستحباب مترجیا فیہ بعض خصوص الثواب لورود حدیث ضعیف فی الباب فالاٰن نسألکم عن ھذا الرجاء اھو کمثلہ بحدیث صحیح ان ورد ام دونہ الاول باطل فان صحۃ الحدیث بفعل لایجبر ضعف ما ورد فی الثواب المخصوص علیہ وعلی الثانی ھذا القدر من الرجاء یکفی فیہ الحدیث الضعیف فای حاجۃ الٰی ورود صحیح بخصوص الفعل نعم لابد ان یکون مما یجیز الشرع رجاء الثواب علیہ و ھذا حاصل بالاندراج تحت اصل مطلوب او مباح مع قصد مندوب فقد استبان ان الوجہ مع المحقق الدوانی واللہ تعالٰی اعلم۔

علاوہ ازیں میں کہتا ہوں انتہائے گفتگو کے بعد اب عمل کا معنی عمل منصوص پر اجر مخصوص کی امید دلانا ہے یعنی شیئ مستحب جس کا استحباب واضح ہے پر عمل کرنا اور اس میں خصوص ثواب کی امید کرنا جائز ہوگا اس لئے کہ اس بارے میں حدیث ضعیف موجود ہے اب ہم اس امید کے بارے میں تم سے پُوچھتے ہیں کیا یہ اسی رجاء کی مثل ہے جو حدیث صحیح کی وجہ سے ہوتی ہے اگر وُہ وارد ہو یا اس سے کم درجہ کی ہے پہلی صورت باطل ہے کیونکہ صحت حدیث کسی ایسی روایت پر جابر نہیں ہوسکتی جو کسی مخصوص ثواب کے بیان کے لیے وارد ہو اور دوسری صورت میں اس قدر رجاء کے لیے حدیث ضعیف ہی کافی ہے تو اب کسی مخصوص فعل کے لیے حدیث صحیح کے وارد ہونے کی ضرورت نہ رہی، ہاں یہ بات ضروری ہے کہ وہ فعل ایسے اعمال میں سے ہو کہ شریعت نے اس پر ثواب کی امید دلائی ہو اور یہ حاصل ہے اصل مطلوب کے تحت اندراج کا یا مباح بقصد مندوب کا تو اب واضح ہوگیا کہ دلیل محقق دوانی کے ساتھ ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ثانیھما بعض من تقدم الدوانی زعم ان مراد النووی ای بما مر من کلامہ فی الاربعین والاذکار انہ اذا ثبت حدیث صحیح او حسن فی فضیلۃ عمل من الاعمال تجوز روایۃ الحدیث الضعیف فی ھذا الباب قال المحقق بعد نقلہ فی الانموذج لایخفی ان ھذا لایرتبط بکلام النووی فضلا عن ان یکون مرادہ ذلک، فکم بین جواز العمل واستحبابہ وبین مجرد نقل الحدیث فرق، علی انہ لولم یثبت الحدیث الصحیح و

ان میں سے دوسرے دوانی سے پہلے کے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے یہ گمان کیا کہ امام نووی نے اربعین اور اذکار میں جو گفتگو کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں حدیث صحیح یا حسن ثابت ہو تو اس کے بارے میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، محقق دوانی نے انموذج العلوم میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھا مخفی نہ رہے کہ اس زعم کا امام نووی کے کلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں چہ جائیکہ یہ انکی مراد ہو کیونکہ اکثر طور پر جواز عمل واستحباب عمل اور محض نقل حدیث

الحسن فی فضیلة عمل من الاعمال یجوز نقل الحدیث الضعیف فیها، لاسیما مع التنبیه علی ضعفه ومثل ذلك فی کتب الحدیث وغیرہ شائع یشهد به من تتبع ادنی تتبع اھ[1]

کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے، علاوہ ازیں اگر کسی عمل کی فضیلت میں حدیث صحیح یا حسن ثابت نہ بھی ہو تب بھی اس میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، خصوصاً اس تنبیہ کے ساتھ نقل کرنا کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی مثالیں کتبِ حدیث اور دیگر کتب میں کثیر ہیں اور اس بات پر ہر وہ شخص گواہ ہے جس نے اس کا تھوڑا سا مطالعہ بھی کیا ہے اھ (ت)

اقول لا اری احدا ممن ینتمی الی العلم ینتهی فی الغباوة الی حد یحیل روایة الضعاف مطلقا حتی مع بیان الضعف فان فیه خرقا لاجماع المسلمین وتاثیما بینا لجمیع المحدثین وانما المراد الروایة مع السکوت عن بیان الوهن فقول المحقق لاسیما مع التنبیه علی ضعفه، لیس فی محله والاٰن نعود الی تزییف مقالته فنقول **اوّلاً** هذا الذی ابدی ان سلم وسلم لم یتمش الا فی لفظ القبول کما اشرنا الیه سابقا فمجرد روایة حدیث لوکان عملا به لزم ان یکون من روی حدیثا فی الصلاة فقد صلی او فی الصوم فقد صام وهکذا مع ان الواقع فی کلام الامام فی کلا الکتابین انما هو لفظ العمل وهذا ما اشار الیه الدوانی بقوله ان هذا لا یرتبط الخ

اقول میں ایسے کسی اہلِ علم کو نہیں جانتا جو غباوت کے اس درجہ پر پہنچ چکا ہو کہ حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرنے کے باوجود اس کی روایت کو مطلقاً محال تصور کرتا ہو کیونکہ اس میں اجماعِ مسلمین کی مخالفت ہے اور واضح طور پر تمام محدثین کو گناہ کا مرتکب قرار دینا ہے، لہذا مراد یہ ہے کہ ضعف بیان کیے بغیر روایت حدیث ہو تو درست ہے لہذا محقق دوانی کا قول "لاسیما مع التنبیه علی ضعفه" بجا نہیں۔ اب ہم اس کے قول کی کمزوری کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں؛ **اولاً** اگر یہ بیان کردہ قول اگر صحیح ہو اور اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر قبولِ حدیث ہی اس سے مراد ہوگا جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کیونکہ اگر محض روایت کا نام ہی عمل ہو تو لازم آئے گا کہ وہ شخص جس نے نماز کے بارے میں حدیث روایت کی اس نے نماز بھی ادا کی یا اس طرح روزے کے بارے میں روایت کرنیوالے نے روزہ بھی رکھا ہو، باوجود اس کے امام نووی کی دونوں کتب میں لفظ عمل ہے اور اسی کی طرف محقق دوانی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ان هذا لا یرتبط الخ

---

[1] انموذج العلوم للدوانی

وثانیا اقول قد بینا ان القبول انما مرجعه الی جواز العمل وحینئذٍ یکفی فی ابطاله دلیلنا المذکور خامسا مع ماتقدم۔

وثالثا اذن یکون حاصل التفرقة ان الاحکام لایجوز فیہا روایة الضعاف اصلا ولووجد فی خصوص الباب حدیث صحیح اللھم الامقرونة ببیان الضعف اما مادونھا کالفضائل فتجوز اذاصح حدیث فیه بخصوصه والالا الابیان وح ماذا یصنع بالوف مؤلفة من احادیث مضعفة رویت فی السیر والقصص والمواعظ والترغیب والفضائل والترھیب وسائر مالاتعلق له بالعقد والحکم مع فقد ان الصحیح فی خصوص الباب وعدم الاقتران ببیان الوھن وھذا ما اشار الیه الدوانی بالعلاوة۔

اقول دع عنك توسع المسانید التی تسند کل ماجاء عن صحابی، والمعاجیم التی توعی کل ماوعی عن شیخ، بل والجوامع التی تجمع امثل مافی الباب ورده ان لم یکن صحیح السند ھذا الجبل الشامخ البخاری یقول فی صحیحه **حدثنا** علی بن عبداللّٰه بن جعفر ثنا معن بن عیسٰی ثنا اُبی بن عباس بن سھل عن ابیه عن جده

ثانیا میں کہتا ہوں کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ قبول کا مرجع جوازِ عمل ہے تو اب اس کے ابطال کے لیے "خامسا" سے ہماری مذکورہ دلیل مع مذکورہ گفتگو کے کافی ہے۔

ثالثا اب حاصل فرق یہ ہوگا کہ احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کی روایت جائز نہیں اگرچہ اس خصوصی مسئلہ کے بارے میں حدیث صحیح موجود ہو مگر صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا ضعف بیان کر دیا جائے مگر احکام کے علاوہ فضائل میں اگر اس خصوصی مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح پائی جائے تو ضعیف کی روایت جائز ہے اگر حدیث صحیح نہ ہو تو جائز نہیں مگر بیان ضعف کے ساتھ جائز ہے اب ان ہزارہا کتب کا کیا بنے گا جن میں ایسی احادیث ضعیفہ مروی ہیں جو سِیَر، واقعات، وعظ، ترغیب و ترہیب، فضائل اور باقی حدیثیں جن کا تعلق عقیدہ اور احکام سے نہیں اس کے ساتھ ساتھ خاص اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح بھی موجود نہ ہو اور ضعیف حدیث کا ضعف بھی بیان نہ کیا گیا ہو یہ وہ ہے جس کی طرف دوانی نے "علاوۃ" کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

اقول ان مسانید کی وسعت کو چھوڑیے جو صحابی سے روایات بیان کرتی ہیں اور معاجیم جو شیخ سے محفوظ شدہ احادیث کی حفاظت کرتی ہیں بلکہ جوامع جو اس باب میں وارد شدہ احادیث میں اعلٰی قسم کی روایات جمع کرتی ہیں اگرچہ سند صحیح نہ ہو مثلاً حدیث کے عظیم پہاڑ امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں ہمیں علی بن عبداللہ بن جعفر نے حدیث بیان کی، ہمیں معن بن عیسٰی نے حدیث بیان کی ہمیں ابن عباس بن سہل نے اپنے باپ سے اپنے دادا سے حدیث بیان کی فرمایا

قال کان للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حائطنا فرس یقال لہ اللحیف[1] اھ فی تذھیب التہذیب للذھبی ابی بن عباس بن سھل بن سعد الساعدی المدنی عن ابیہ وابی بکر بن حزم وعنہ معن القزاز وابن ابی فدیك وزید بن الحباب وجماعۃ[3] قال الدولابی لیس بالقوی قلت وضعفہ ابن معین وقال احمد منکر الحدیث[4] اھ وکقول الدولابی قال النسائی کما فی المیزان ولم ینقل فی الکتابین توثیقہ عن احد وبہ ضعف الدارقطنی ھذا الحدیث لاجرم ان قال الحافظ فیہ ضعف[عہ] قال مالہ فی البخاری غیر حدیث واحد اھ[5] قلت فانما الظن بابی عبد اللہ انہ انما تساھل لان الحدیث

(غ ت ق[2])

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہمارے ہمارے باغ میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا اھ امام ذہبی نے تذہیب التہذیب میں لکھا کہ اُبی بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی مدنی نے اپنے والدگرامی اور ابوبکر بن حزم سے روایت کیا اور ان سے معن القزاز، ابن ابی فدیک، زید بن الحباب اور ایک جماعت نے روایت کیا، دولابی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں اسے ابن معین نے ضعیف کہا اور امام احمد کے نزدیک یہ منکر الحدیث ہے اور میزان میں ہے نسائی کا قول دولابی کی طرح ہی ہے اور دونوں کتب میں اس کے بارے میں کسی کی توثیق منقول نہیں، دارقطنی نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ لاجرم حافظ نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے اور کہا کہ

عہ قلت واما اخوہ المھیمن فاضعف واضعف ضعفہ النسائی والدارقطنی وقال البخاری منکر الحدیث ای فلا تحل الروایۃ عنہ کما مر لاجرم ان قال الذھبی فی اخیہ ابی انہ واہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

میں کہتا ہوں اس کا بھائی عبدالمہیمن ہے اور وہ اضعف الضعاف ہے اسے نسائی اور دارقطنی نے ضعیف کہا، بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا یعنی اس سے روایت کرنا جائز نہیں جیسا کہ گزرا لاجرم ذہبی نے اسے اس کے بھائی ابی کے بارے میں کہا کہ وہ نہایت ہی کمزور ہے ۱۲ منہ (ت)

۱؎ صحیح البخاری باب اسم الفرس والحمار مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۰

۲؎ "غ" سے بخاری، "ت" سے ترمذی اور "ق" سے قزوینی مراد ہے۔

۳؎ خلاصہ تذہیب التہذیب ترجمہ ۳۲۷ من اسمہ ابی مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ۱/۶۲

۴؎ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۲۷۳ من اسمہ ابی دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷۸

نوٹ: تذہیب التہذیب نہ ملنے کی وجہ سے اس کے خلاصے اور میزان الاعتدال دو کتابوں سے یہ نقل کیا گیا ہے۔

۵؎ تقریب التہذیب ذکر من اسمہ ابی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۷

لیس من باب الاحکام واللہ تعالٰی اعلم۔

بخاری میں اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوعبداللہ کے بارے میں گمان ہے کہ انھوں نے تساہل سے کام لیا، کیونکہ اس حدیث کا تعلق احکام سے نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ورابعًا اقول قدشاع وذاع ایراد الضعاف فی المتابعات والشواھد فالقول بمنعہ فی الاحکام مطلقا وان وجد الصحیح باطل صریح وح یرتفع الفرق وینھدم اساس المسئلۃ المجمع علیھا بین علماء المغرب والمشرق، لا اقول عن ھذا او ذاك بل عن ھذین الجبلین الشامخین صحیحی الشیخین فقد تنزلا کثیرا عن شرطھما فی غیر الاصول قال الامام النووی فی مقدمۃ شرحہ لصحیح مسلم عاب عائبون مسلما رحمہ اللہ تعالٰی بروایتہ فی صحیحہ عن جماعۃ من الضعفاء والمتوسطین الواقعین فی الطبقۃ الثانیۃ الذین لیسوا من شرط الصحیح ولا عیب علیہ فی ذلك بل جوابہ من اوجہ ذکرھا الشیخ الامام ابوعمرو بن الصلاح (الی ان قال) الثانی ان یکون ذلك واقعا فی المتابعات والشواھد لا فی الاصول وذلك بان یذکر الحدیث اولا باسناد نظیف رجالہ ثقات ویجعلہ اصلا ثم اتبعہ باسناد اخر او اسانید فیھا بعض الضعفاء علی وجہ التاکید بالمتابعۃ او لزیادۃ فیہ تنبیہ علی فائدۃ فیما قدمہ وقد اعتذر الحاکم ابوعبداللہ بالمتابعۃ والاستشھاد فی اخراجہ من جماعۃ لیسوا من شرط

رابعًا میں کہتا ہوں کہ متابع اور شواہد میں احادیث ضعیفہ کا ایراد شائع اور مشہور ہے لہذا حدیث صحیح کی موجودگی میں احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کے مطلقًا روایت کرنے کو منع کرنا صریحًا باطل ہے، اور اس صورت میں فرق ترتفع ہوجاتا ہے اور اس مسئلہ کی اساس جس پر علماء مشرق ومغرب کا اتفاق ہے گر کر ختم ہوجاتی ہے یہ میں اس یا اُس (یعنی عام آدمی) کی بات نہیں کرتا بلکہ علم حدیث کے دو بلند اور مضبوط پہاڑ بخاری ومسلم کی صحیحین کہ وہ اصول کے علاوہ میں اپنے شرائط سے بہت زیادہ تنزل میں آگئیں، امام نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرمایا کہ عیب لگانے والوں نے مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر یہ طعن کیا کہ انھوں نے اپنی کتاب میں بہت سے ضعیف اور متوسط راویوں سے روایت لی ہے جو دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور صحیح کی شرط پر نہیں، حالانکہ اس معاملہ میں ان پر کوئی طعن نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا کئی طریقوں سے جواب دیا گیا ہے جنھیں امام ابوعمرو بن صلاح نے ذکر کیا (یہاں تک کہ کہا) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات ان روایات میں ہے جنھیں بطور متابع اور شاہد ذکر کیا گیا ہے اصول میں ایسا نہیں کیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک ایسی حدیث ذکر کی جس کی سند درست ہو اور تمام راوی ثقہ ہوں اور اس حدیث کو اصل قرار دے کر اسکے

2

الصحیح منهم مطر الوراق و بقیة بن الولید و محمد بن اسحاق بن یسار و عبد الله بن عمر العمری و النعمان بن راشد اخرج مسلم عنهم فی الشواهد فی اشباه لهم کثیرین انتہی[1] وقال الامام البدر محمود العینی فی مقدمة عمدة القاری شرح صحیح البخاری یدخل فی المتابعة والاستشهاد روایة بعض الضعفاء و فی الصحیح جماعة منهم ذکروا فی المتابعات والشواهد[2]

بعد بطور تابع ایک اور سند یا متعدد اسناد ایسی ذکر کی جائیں جن میں بعض راوی ضعیف ہوں تاکہ متابعت کے ساتھ تاکید ہو یا کسی اور مذکور فائدے پر تنبیہ کا اضافہ مقصود ہو، امام حاکم ابو عبد اللہ نے عذر پیش کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ جن میں صحیح کی شرط نہیں ان کو بطور تابع اور شاہد روایت کیا گیا ہے، اور ان روایت کرنے والوں میں یہ محدثین ہیں مطر الوراق، بقیہ بن الولید، محمد بن اسحٰق بن یسار، عبد اللہ بن عمر العمری اور نعمان بن راشد، امام مسلم نے ان سے شواہد کے طور پر متعدد روایات تخریج کی ہیں انتہٰی۔ امام بدرالدین عینی نے مقدمہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں تحریر کیا ہے کہ توابع اور شواہد میں بعض ضعفاء کی روایات بھی آئی ہیں اور صحیح میں ایک جماعت محدثین نے توابع اور شواہد کے طور پر ایسی روایات ذکر کی ہیں اھ (ت)

وخامسا اقول مالی اخص الکلام بغیر الاصول هذه قناطیر مقنطرة من اسقام مرویة فی الاصول والاحکام ان لم تروها العلماء فمن جاء بها وکم منهم التزموا بیان ماهنا، اما الرواة فلم یعهد منهم الروایة المقرونة بالبیان اللّٰهم الا نادرا لداع خاص، وقد اکثروا قدیما وحدیثا من الروایة عن الضعفاء و المجاهیل ولم یعد ذلك قدحا فیهم ولا ارتکاب ماثم وهذا سلیمٰن بن عبد الرحمٰن الدمشقی الحافظ شیخ البخاری و من رجال صحیحه قال فیه الامام ابو حاتم صدوق الا انه من

خامساً ضعیف اور متوسط راوی کی روایت کی بات صرف غیر اصول و شواہد متابعات سے مختص کرنے کی مجھے کیا ضرورت جبکہ کمزور اغیر صحیح روایات کا ایسا ایک ذخیرہ ہے جو اصول و احکام میں مروی ہے اگر علماء ہی ان کو ذکر نہ کریں تو کون ذکر کریگا اور بہت کم ہیں جنہوں نے یہاں اس بات کا التزام کیا، رہا معاملہ راویوں کا تو ان کے ہاں روایت کے ساتھ بیان کا طریقہ معروف نہیں، البتہ کسی خاص ضرورت کے تقاضے کے پیش نظر بیان بھی کر دیا جاتا ہے اور ان میں سلفاً و خلفاً یہ معمول ہے کہ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں اور اس بات کو ان میں طعن و گناہ شمار نہیں کیا جاتا دیکھئے سلیمان بن عبد الرحمٰن دمشقی جو کہ حافظ ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں اور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں ان کے بارے میں

---

[1] المقدمۃ للامام النووی من شرح صحیح مسلم فصل عاب عائبون مسلماً رحمہ اللہ تعالٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] المقدمۃ للعینی صحیح بخاری الثامنۃ فی الفرق بین الاعتبار والمتابعۃ الخ 〃 بیروت ۱/۸

اروى الناس عن الضعفاء والمجهولين[1] اھ ولو سردت اسماء الثقات الرواة عن المجروحين لكثر وطال فليس منهم من التزم ان لا يحدث الا عن ثقة عنده الانزر قليل كشعبة ومالك واحمد في المسند ومن شاء الله تعالٰى واحدا بعد واحد ثم هذا ان كان ففي شيوخهم خاصة لا من فوقهم و الا لما اتى من طريقهم ضعيف اصلا ولكان مجرد وقوعهم في السند دليل الصحة عندهم اذا صح السند اليهم ولم يثبت هذا لاحد وهذا الامام الهمام يقول لابنه عبد الله لو اردت ان اقتصر على ما صح عندي لم ارو من هذا المسند الا الشيئ بعد الشيئ ولكنك يا بني تعرف طريقتي في الحديث اني لا اخالف ما يضعف الا اذا كان في الباب شيئ يدفعه[2] ذكره عہ في فتح المغيث واما المصنفون

امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے اگرچہ ان لوگوں میں سے ہے جو ضعیف اور مجہول راویوں سے بہت زیادہ روایت کرنے والے ہیں اھ اگر میں ان ثقہ محدثین کے نام شمار کروں جنھوں نے مجروح راویوں سے روایت کی ہے تو یہ داستان طویل ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے یہ التزام کیا ہو کہ وہ اسی سے روایت کرے گا جو اس کے نزدیک ثقہ ہو مگر بہت کم محدثین مثلاً شعبہ، امام مالک اور احمد نے مسند میں اور کوئی اکا دُکا جس کو اللہ تعالٰی نے توفیق دی، پھر ان کے ہاں بھی معاملہ ان کے اپنے شیوخ تک ہی ہے اس سے اوپر نہیں ورنہ ان کی سند سے کوئی ضعیف حدیث مروی نہ ہوتی اور محدثین کے ہاں ان میں سے کسی کا سند میں آجانا صحتِ حدیث کے لیے کافی ہوتا ہے جبکہ صحت کے ساتھ سند ان تک پہنچی ہو حالانکہ یہ بات کسی ایک کے لیے بھی ثابت نہیں، یہ امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو فرماتے ہیں، اگر میں اس بات کا ارادہ کرتا کہ میں ان ہی احادیث کی روایت پر اکتفا کروں گا جو میرے ہاں صحیح ہیں تو پھر اس مسند میں بہت کم احادیث روایت کرتا' مگر اے میرے بیٹے! تو روایتِ حدیث میں میرے طریقے سے آگاہ ہے کہ میں حدیثِ ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا مگر جب اس باب میں مجھے کوئی ایسی شئی مل جائے جو اسے

عہ او اخر القسم الثانی الحسن ۱۲ منہ (م)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ سلیمان بن عبدالرحمان الدمشقی ۳۴۸۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۱۳

[2] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث القسم الثانی الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/۹۶

فاذا عدوت امثال الکتب الثلثة للبخاری ومسلم والترمذی ممن التزم الصحة والبیان الفیت عامة المسانید والمعاجیم والسنن والجوامع والاجزاء تنطوی فی کل باب علی کل نوع من انواع الحدیث من دون بیان، وھذا مما لاینکرہ الا جاھل او متجاھل فان ادعی مدع انھم لا یستحلون ذلك فقد نسبھم الی اقتحام مالا یبیحون وان زعم زاعم انھم لایفعلون ذلك فھم بصنیعھم علی خلفه شاھدون وھذا ابوداود الذی الین له الحدیث کما الین لداود علیه الصلاة والسلام الحدید، قال فی رسالته الی اھل مکة شرفھا اللہ تعالٰی ان ماکان فی کتابی من حدیث فیه وھن شدید فقد بینته ومنه مالا یصح سندہ وما لم اذکر فیه شیئا فھو صالح وبعضھا اصح من بعض[1] اھ والصحیح ماافادہ الامام الحافظ ان لفظ صالح فی کلامه اعم من ان یکون للاحتجاج او للاعتبار فما ارتقی الی الصحة ثم الی الحسن فھو بالمعنی الاول وما عداھما فھو بالمعنی الثانی وما قصر عن ذلك فھو الذی فیه وھن شدید[2] اھ وھذا الذی یشھد به

رد کرے یہ فتح المغیث میں مذکور ہے، باقی رہیں محدثین کی تصنیفات تو اگر آپ امثال الکتب بخاری ومسلم اور ترمذی تینوں کتابوں کو سے تجاوز کریں جنہوں نے صحت وبیان کا التزام کر رکھا ہے تو آپ اکثر مسانید، معاجیم، سنن، جوامع اور اجزا کے ہر ہر باب میں ہر قسم کی احادیث بغیر بیان کے پائیں گے اس بات کا انکار جاہل یا متجاہل ہی کرسکتا ہے اور اگر کوئی دعوٰی کرے کہ محدثین کے ہاں یہ جائز نہیں تو یہ ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ایسا عمل کرتے ہیں جسے وہ جائز نہ سمجھتے تھے اور اگر کوئی یہ زعم رکھتا ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے تو ان کا عمل اس کے برخلاف خود شاہد ہے، امام ابوداؤد کو ہی لیجئے ان کے لیے حدیث اسی طرح آسان کردی گئی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہوجاتا تھا، اہل مکہ شرفہا اللہ تعالٰی کی طرف خط میں لکھا میری کتاب (سنن ابی داؤد) میں جن بعض احادیث کے اندر نہایت سخت قسم کا ضعف ہے اس کو میں نے بیان کردیا ہے، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کی سند صحیح نہیں اور جس کے بارے میں میں کچھ ذکر نہ کروں وہ استدلال کے لیے صالح ہیں اور بعض احادیث دوسری بعض کے اعتبار سے اصح ہیں اھ اور صحیح وہ ہے جس کا امام حافظ نے افادہ فرمایا ہے کہ ابوداؤد کے کلام میں لفظ صالح استدلال اور اعتبار دونوں کو شامل ہے، پس جو حدیث صحت پھر حسن کے درجہ پر پہنچے وہ معنی اول کے لحاظ سے صالح ہے اور جو ان دونوں کے علاوہ ہے وہ معنی ثانی کے لحاظ سے صالح ہے

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد، فصل ثانی — آفتاب عالم پریس، لاہور — ص ۴

[2] ارشاد الساری بحوالہ حافظ ابن حجر مقدمۃ کتاب — دارالکتاب العربی بیروت — ۱/ ۸

الواقع فعليك به وان قيل وقيل[عـ] وقد نقل عن اعلام سير النبلاء للذهبي ان ما ضعف اسناده لنقص

اور جو اس سے بھی کم درجہ پر ہے وہ ایسی ہوگی جس میں ضعف شدید ہے اھ نفس الامر اس پر شاہد ہے اور تجھ پر یہی لازم ہے اگرچہ قیل کے طور پر کیا گیا ہے۔

عـ ای قیل حسن عنده واختاره الامام المنذری وبه جزم ابن الصلاح فی مقدمته وتبعه الامام النووی فی التقریب ای وقد لا یکون حسنا عند غیره کما فی ابن الصلاح وقیل صحیح عنده ومشی علیه الامام الزیلعی فی نصب الرایة عند ذکر حدیث القلتین وتبعه العلامه حلبی فی الغنیة فی فصل فی النوافل وکذلك یقال ههنا انه قد لا یصح عند غیره بل ولا یحسن اما الامام ابن الهمام فی الفتح اول الکتاب وتلمیذه فی الحلیة قبیل صفة الصلاة فاقتصرا علی الحجیة وهی تشملهما فیقرب من قول من قال حسن وهذا الذی ذکره الحافظ تبعه فیه العلامة القسطلانی فی مقدمة الارشاد وخاتم الحفاظ فی التدریب[۱] فی فروع فی الحسن قال لکن ذکر ابن کثیر انه روی عنه ما سکت عنه فهو حسن فان صح ذلك فلا اشکال اھ اقول لقائل ان یقول ان للحسن اطلاقات وان القدماء قل ما ذکروه وانما الترمذی هو الذی شهره وامره فاید ربنا انه ان صح عنه ذلك لم یرد به الا هذا الا الذی استقر علیه الاصطلاح فافهم والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

یعنی بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ حسن ہے، اسے امام منذری نے اختیار کیا، اسی پر ابن صلاح نے مقدمہ میں جزم کیا اور امام نووی نے تقریب میں اسی کی اتباع کی یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ حسن نہیں ہوتی جیسے کہ مقدمہ ابن صلاح میں ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ صحیح ہے امام زیلعی نصب الرایہ میں قلتین والی حدیث کے ذکر میں اسی پر چلے ہیں۔ اور علامہ حلبی نے غنیۃ المستملی کی فصل فی النوافل میں اسی کی اتباع کی ہے اور اسی طرح یہاں کہا جائے گا یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ صحیح نہیں بلکہ حسن بھی نہیں ہوتی۔ امام ابن ہمام نے فتح القدیر ابتدائے کتاب میں اور ان کے شاگرد نے حلیۃ المحلی میں صفۃ الصلوٰۃ سے تھوڑا پہلے اس کے صحیح ہونے پر اقتصار کیا ہے اور یہ بات ان دونوں اقوال کو شامل ہے پس یہ اس کے قول کے قریب ہے جس نے کہا وہ حسن ہے یہ وہ ہے جس کا ذکر حافظ نے کیا ہے اور مقدمہ ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی نے اسی کی اتباع کی ہے اور تدریب میں خاتم الحفاظ نے بیان فروع فی الحسن، لیکن ابن کثیر نے کہا کہ ان سے ہے کہ جس پر انہوں نے سکوت کیا، وہ حسن ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہو تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اھ اقول (میں کہتا ہوں) کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حسن کے تو مختلف اطلاقات ہیں بہت کم قدماء نے اس کا ذکر کیا ہے صرف امام ترمذی نے اس کو شہرت دی اور اس کا اجراء کیا پس اللہ رب العزت نے ہماری تائید فرمائی کہ اگر ان سے یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہوجائے تو انہوں نے اس سے یہی مراد لی ہے نہ وہ حسن جو اصطلاح قائم ہوچکی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] تدریب الراوی شرح تقریب النووی فروع فی الحسن دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۱۶۸

حفظ راویہ فمثل ھذا یسکت عنہ ابوداود غالبا[1] الخ و معلوم ان کتاب ابی داؤد انما موضوعہ الاحکام وقد قال فی رسالتہ انما لم اصنف کتاب السنن الا فی الاحکام ولم اصنف فی الزھد و فضائل الاعمال وغیرھا[2] الخ و قال الشمس محمد السخاوی فی فتح المغیث اما حمل ابن سید الناس فی شرحہ للترمذی قول السلفی علی مالم یقع التصریح فیہ من مخرجہا وغیرہ بالضعف فیقتضی کما قال الشارح فی الکبیر ان ماکان فی الکتب الخمسۃ مسکوتا عنہ ولم یصرح بضعفہ ان یکون صحیحا و لیس ھذا الاطلاق صحیحا بل فی کتب السنن احادیث لم یتکلم فیہا الترمذی او ابوداود ولم نجد لغیرھم فیہا کلاما و مع ذلک فہی ضعیفۃ[3] اھ و قال فی المرقاۃ الحق ان فیہ" ای فی مسند الامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ" احادیث کثیرۃ ضعیفۃ و بعضہا اشد فی الضعف من بعض[4] الخ و نقل بعیدہ عن شیخ الاسلام الحافظ انہ قال لیست الاحادیث الزائدۃ فیہ علی مافی الصحیحین باکثر ضعفا من الاحادیث الزائدۃ فی سنن ابی داؤد

اور امام ذہبی کی اعلام سیر النبلاء سے منقول ہے کہ جس حدیث کی سند ضعیف اسکے راوی کا حفظ ناقص ہونے کی وجہ سے ہو تو ایسی حدیث کے بارے میں ابوداؤد سکوت اختیار کرتے ہیں الخ اور یہ بات معلوم ہے کہ ابوداؤد شریف کا موضوع احکام ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے رسالہ میں یہ بات کہی ہے میں نے یہ کتاب احکام ہی کے لیے لکھی ہے زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کے لیے نہیں الخ اور شمس محمد سخاوی نے فتح المغیث میں بیان کیا ہے کہ ابن سید الناس نے اپنی شرح ترمذی میں قول سلفی کو ایسی حدیث پر محمول کیا ہے جس کے بارے میں اس کے مخرج وغیرہ کی ضعف کے ساتھ تصریح واقع نہیں ہوئی۔ پس اس کا تقاضا ہے جیسا کہ شارح نے کبیر میں کہا کہ کتب خمسہ میں جس حدیث پر سکوت اختیار کیا گیا ہو اور اس کے ضعف کی تصریح نہ کی گئی ہو وہ صحیح ہوگی حالانکہ یہ اطلاق صحیح نہیں کیونکہ کُتبِ سنن میں ایسی احادیث موجود ہیں جن پر ترمذی یا ابوداؤد نے کلام نہیں کیا اور نہ ہی کسی غیر نے ہمارے علم کے مطابق ان میں گفتگو کی ہے اسکے باوجود وہ احادیث ضعیف ہیں اھ اور مرقات میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس یعنی مسند احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو ضعیف ہیں اور بعض دوسری بعض کے اعتبار سے زیادہ ضعیف ہیں الخ اور تھوڑا سا اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ سے نقل کیا کہا کہ اس میں (یعنی مسند احمد بن حنبل میں) صحیحین پر جو زائد احادیث

[1] سیر اعلام النبلاء ترجمہ ۱۱۷ ابوداؤد بن اشعث مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳ / ۲۱۴
[2] رسالۃ مع سنن ابی داؤد الفصل الثانی فی الامور التی تتعلق بالکتاب مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱ / ۵
[3] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للسخاوی القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱ / ۱۰۰ و ۱۰۱
[4] مرقات شرح مشکوٰۃ المصابیح شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱ / ۲۳

والترمذی علیها و بالجملة فالسبیل واحد لمن اراد الاحتجاج بحدیث من السنن لاسیما سنن ابن ماجة و مصنف ابن ابی شیبة وعبد الرزاق مما الامر فیه اشد او بحدیث من المسانید لان ھذہ کلھا لم یشترط جامعوھا الصحة والحسن وتلك السبیل ان المحتج انکان اھلا للنقل والتصحیح فلیس له ان یحتج بشیئ من القسمین حتی یحیط به وان لم یکن اھلا لذلك فان وجد اھلا لتصحیح او تحسین قلدہ والا فلا یقدم علی الاحتجاج فیکون کحاطب لیل فلعله یحتج بالباطل وھو لایشعر اھ[1] وقال الامام عثمٰن الشھرزوری فی علوم الحدیث حکی ابوعبداللہ بن مندة الحافظ انه سمع محمد بن سعد الباوردی بمصر یقول کان من مذھب ابی عبدالرحمٰن النسائی ان یخرج عن کل من لم یجمع علی ترکه وقال ابن مندة وکذلك ابوداؤد السجستانی یاخذ ماخذہ ویخرج الاسناد الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیرہ لانه اقوی عندہ من رای الرجال اھ[2] وفیما بعدہ ثم

ہیں وہ سنن ابی داؤد اور ترمذی میں صحیحین پر زائد احادیث سے زیادہ ضعیف نہیں ہیں۔ الغرض راستہ ایک ہی ہے اس شخص کے لیے جو احادیث سنن سے استدلال کرنا چاہتا ہے خصوصاً سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق۔ کیونکہ ان میں سے بعض کا معاملہ سخت ہے یا استدلال ان احادیث سے جو مسانید میں ہیں کیونکہ ان کے جامعین نے صحت وحسن کی کوئی شرط نہیں رکھی اور وہ راستہ یہ ہے کہ استدلال کرنے والا اگر نقل وتصحیح کا اہل ہے تو اس کے لیے ان سے استدلال کرنا اس وقت درست ہوگا جب ہر لحاظ سے دیکھ پرکھ لے اور اگر وہ اس بات کا اہل نہیں تو اگر ایسا شخص پائے جو تصحیح وتحسین کا اہل ہے تو اس کی تقلید کرے اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو وہ استدلال کے لیے قدم نہ اٹھائے ورنہ وہ رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والے کی طرح ہوگا، ہوسکتا ہے وہ باطل کے ساتھ استدلال کرلے اور اسے اس کا شعور نہ ہو اھ اور امام عثمان شہرزوری نے علوم الحدیث میں فرمایا: ابوعبداللہ بن مندہ حافظ نے بیان کیا کہ انہوں نے مصر میں محمد بن سعد باوردی سے یہ کہتے ہوئے سُنا "ابوعبدالرحمٰن نسائی کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس شخص سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو"، اور ابن مندہ نے کہا، اسی طرح ابوداؤد سجستانی اس کے ماخذ کو لیتے اور سند ضعیف کی تخریج کرتے ہیں جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک وہ لوگوں کی

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۳

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثانی فی معرفۃ الحسن مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

فی التقریب والتدریب وھذا لفظھما ملخصا[۱]
اما مسند الامام احمد بن حنبل وابی داؤد
الطیالسی وغیرھما من المسانید کمسند عبیداللہ
بن موسٰی واسحٰق بن راھویہ والدارمی و
عبد بن حمید وابو یعلی الموصلی والحسن
بن سفین وابی بکر البزار فھؤلاء عادتھم ان
یخرجوا فی مسند کل صحابی ما ورد من حدیثہ
غیر مقیدین بان یکون محتجا بہ اولا[۲] الخ
وفیہ اعنی التدریب قیل ومسند البزار یبین فیہ
الصحیح من غیرہ قال العراقی ولم یفعل ذلک الا
قلیلا[۲] وفی البنایۃ[عہ۱] شرح الھدایۃ للعلامۃ الامام
البدر العینی الدارقطنی کتابہ مملو من الاحادیث
الضعیفۃ والشاذۃ والمعللۃ وکم فیہ
من حدیث لا یوجد فی غیرہ اھ[۳]
وذکر اشد منہ للخطیب ونحوہ للبیھقی
وفی فتح المغیث[عہ۲] یقع ایضا فی
صحیح ابی عوانۃ الذی عملہ
مستخرجا علی مسلم احادیث

رائے وقیاس سے قوی ہے اھ اور اس میں تھوڑا سا
بعد میں ہے پھر تدریب وتقریب میں ہے اور یہ الفاظ
ملخصاً ان دونوں کے ہیں، مسند امام احمد بن حنبل، ابو داؤد
طیالسی اور ان کے علاوہ دیگر مسانید مثلاً مسند عبید اللہ
بن موسٰی، مسند اسحٰق بن راہویہ، مسند دارمی، مسند
عبد بن حمید، مسند ابو یعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان،
مسند ابو بکر بزار ان تمام کا طریقہ یہی ہے کہ مسند میں
ہر صحابی سے مروی حدیث بیان کر دیتے ہیں اس قید سے
بالاتر ہو کر کہ قابلِ استدلال ہے یا نہیں الخ اور اسی
یعنی تدریب میں ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ مسند بزار وہ ہے جس میں
احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے جدا بیان کیا جاتا ہے۔ عراقی کہتے
ہیں کہ ایسا انہوں نے بہت کم کیا ہے۔ امام بدرالدین
عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے کہ دارقطنی کی
کتاب احادیث ضعیفہ، شاذہ اور معللہ سے پُر ہے اور
بہت سی احادیث اس میں ایسی ہیں جو اس کے غیر میں
نہیں پائی جاتیں اھ اور خطیب کے لیے اس سے بڑھ کر
شدت کا ذکر ہے اور اسی کی مثل بیہقی کے لیے ہے اور
فتح المغیث میں ہے کہ صحیح ابو عوانہ جو مسلم پر احادیث کا

عہ۱ فی مسئلۃ الجھر فی البسملۃ ۱۲ منہ (م)
عہ۲ فی الصحیح الزائد علی الصحیحین۔ (م)

بسم اللہ کو جہراً پڑھنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے (ت)
صحیحین پر زائد صحیح کے بیان میں اسے ذکر کیا ہے (ت)

---

[۱] تدریب الراوی شرح التقریب النواوی مرتبۃ المسانید من الصحۃ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۱۷۱
[۲] " " " " " " " " " " اول من صنف مسندا " ۱/۱۷۴
[۳] البنایۃ شرح الہدایۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱/۶۲۸

كثيرة زائدة على اصله وفيها الصحيح والحسن بل والضعيف ايضا فينبغى التحرز فى الحكم عليها ايضا[1] اھ نصوص العلماء فى هذا الباب كثيرة جدا وما اوردنا كاف فى ابانة ما قصدناہ بالجملة فروايتهم الضعاف من دون بيان فى كل باب وان لم يوجد الصحيح معلوم مقرر لايرد ولا ينكر، وانما اطنبنا ههنا لما شممنا خلافه من كلمات بعض الجلة، والحمد لله على كشف الغمة وتثبيت القدم فى الزلة فاستبان ان لوكان المراد ما زعم هذا الذى نقلنا قوله لكانت التفرقة بين الاحكام والضعاف قد انعدمت والمسألة الاجماعية من اساسها قد انهدمت هذا وجه ولك ان تسلك مسلك ارخاء العنان وتقول على وجه التشقق ان الحكم الذى رويت فيه الضعاف مطلقة هل يوجد فيه صحيح ام لا فان وجد فقد رووا الضعيف ساكتين فى الاحكام ايضا عند وجود الصحيح فاين الفرق وان لم يوجد فالامر اشد فان التجأ ملتجئ الى انهم يعدون سوق الاسانيد

استخراج کرتے ہُوئے اصل پر بہت کچھ زائدہ احادیث نقل کی ہیں ان میں صحیح، حسن بلکہ ضعیف بھی ہیں لہٰذا ان پر حکم لگانے سے خوب احتراز و احتیاط چاہئے اھ علماء کی تصریحات اس معاملہ میں بہت زیادہ ہیں اور جو ہم نے نقل کر دی ہیں ہمارے مقصود کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، الغرض محدثین نے ضعیف احادیث بلاغیر نشاندہی کے ہر مسئلہ میں ذکر کی ہیں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث نہ پائی گئی ہو اور یہ بات معلوم و مسلّم ہے نہ اسے رَد کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ ہم نے یہ طویل گفتگو اس لیے کر دی ہے کہ بعض بزرگوں کے کلام سے ہم نے اس کے خلاف محسوس کیا تھا۔ اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے جس نے تاریکی دُور کر دی اور پھسلنے کے مقام پر ثابت قدم رکھا پس اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان کی مراد وہی ہے جو ہم نے ان کا قول نقل کیا تو پھر احکام اور ضعاف کے درمیان تفریق ختم ہوگی اور اجماعی مسئلہ کی بنیاد منہدم ہوگئی ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک دوسری آسان راہ اختیار کرتے ہوئے علی وجہ التشقق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حکم جس کے بارے میں مطلقاً ضعیف حدیثیں مروی ہوں دیکھا جائیگا اس میں کوئی صحیح حدیث پائی جاتی ہے یا نہیں اگر حدیث صحیح پائی جائے تو لازم آیا کہ انہوں نے حدیث ضعیف احکام میں بھی صحیح کے ہوتے ہوئے سکوتاً روایت کی ہے تو اب فرق کہاں ہے؟ اور اگر موجود نہ ہو تو معاملہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے اگر معترض یہ کہہ دے کہ محدثین سوقِ سند کو ہی بیان

[1] فتح المغیث الصحیح الزائد علی الصحیحین دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۴۳

من البیان ای فلو یوجد منهم روایة الضعاف فی الاحکام الا مقرونة؛

قرار دیتے ہیں، پس اس صورت میں احکام میں ضعیف حدیثوں کی روایت سکوتاً نہ ہوگی بلکہ بیان کے ساتھ ہوگی تو اسکے جواب میں:

قلت اوّلاً هذا شیئ قد یبدیه بعض العلماء عذرا عمن روی الموضوعات ساکتا علیها ثم هم لا یقبلون۔ قال الذهبی[عہ۱] فی المیزان کلام ابن منده فی ابی نعیم فظیع لا احب حکایته ولا اقبل قول کل منهما فی الاٰخر بل هما عندی مقبولان لا اعلم لهما ذنبا اکبر من روایتهما الموضوعات ساکتین عنها[1] اھ وقد قال العراقی[عہ۲] فی شرح الفیته ان من ابرز اسناده منهم فهو ابسط لعذره اذ احال ناظره علی الکشف عن سنده وان کان لا یجوز له السکوت علیه[2] اھ

میں کہتا ہوں اولاً: یہ وہ چیز ہے جس کو بعض علماء نے ان لوگوں کی طرف سے عذر کے طور پر پیش کیا جو موضوعات کو سکوتاً روایت کرتے ہیں پھر انہیں قبول نہیں کرتے۔ ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابونعیم کے بارے میں ابن مندہ کا کلام نہایت ہی رکیک ہے میں اسے بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا اور میں ان دونوں کا کوئی قول ایک دوسرے کے بارے میں نہیں سنتا بلکہ یہ دونوں میرے نزدیک مقبول ہیں اور میں ان کا سب سے بڑا گناہ یہی جانتا ہوں کہ انہوں نے روایاتِ موضوعہ کو سکوتاً روایت کیا ہے اور انکی نشان دہی نہیں کی اھ عراقی نے شرح الفیہ میں کہا ہے کہ ان میں سے جس نے اپنی سند کو واضح کیا تو اس نے اپنا عذر طویل کیا کیونکہ اس طرح اس نے ناظر کو سند کے حال سے آگاہ کیا ہے اگرچہ اس کے لیے اس پر سکوت جائز نہ تھا اھ

ثانیاً، لا یعهد منهم ایراد الاحادیث من ای باب کانت الا مسندة فهذا البیان لم تنفك عنه احادیث الفضائل ایضاً فبما ذا تساهلوا فی هذا دون ذلك۔

ثانیاً: ان کے ہاں ہر باب میں یہ معروف ہے کہ اس میں مسند احادیث لائی جائیں گی تو اس بیان سے احادیثِ فضائل بھی الگ نہیں، پھر ان میں تساہل کیوں اور دوسری روایات میں نہ ہو۔

عہ۱ فی احمد بن عبد اللہ ۱۲ منہ (م)

احمد بن عبداللہ کے ترجمہ میں ہے (ت)

عہ۲ نقله فی التدریب نوع الموضوع قبیل التنبیهات ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ (م)

اس کو نقل کیا ہے تدریب میں نوع موضوع کے تحت تنبیہات سے کچھ پہلے۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ ۴۳۸ احمد بن عبداللہ ابونعیم الخ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۱

[2] تدریب الراوی شرح التقریب المعروفون بوضع الحدیث مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۸۹

ثالثاً: لوکان الاسناد ھو البیان المراد لاستحال روایۃ شیئ من الاحادیث منفکا عن البیان فان الروایۃ لاتکون الا بالاسناد، قال فی التدریب حقیقۃ الروایۃ نقل السنۃ ونحوھا واسناد ذلک الی من عزی الیہ بتحدیث واخبار وغیر ذلک[1] اھ وقال[علہ۱] الزرقانی تحت قول المواھب روی عبدالرزاق بسندہ الخ بسندہ ایضاح والا فھو مدلول روی[2] اھ وقال ایضاً[علہ۲] تحت قولہ روی الخطیب بسندہ ایضاح فھو عندھم مدلول روی[3] اھ واذا انتھی الکلام بنا الی ھنا واستقر عرش التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی علی ماھو مرادنا فلنعد الی ماکنا فیہ حامدین للہ تعالٰی علی مننہ الجزیلۃ الی کل نبیہ ومصلین علی نبیہ الکریم وآلہ وصحبہ وسائر محبیہ۔

ثالثاً: اگر سند بیان مراد ہی ہو تو بیان کے بغیر کوئی حدیث مروی ہی نہ ہوگی کیونکہ روایت میں سند تو ضروری ہے، تدریب میں ہے کہ حقیقت روایت سنّت وغیرہ کا نقل کرنا اور اس بات کی سند کا ذکر کرنا ہے کہ یہ فلاں نے بیان کی یا فلاں نے اس کی اطلاع دی ہے وغیرہ ذلک اھ زرقانی نے مواہب کی عبارت "روی عبدالرزاق بسندہ الخ" کے تحت کہا کہ بسندہ کا لفظ صرف وضاحت کے لیے ہے ورنہ وہ "روی" کا مدلول ہے اھ اور مواہب کی عبارت "روی الخطیب بسندہ" کے تحت یہی بات زرقانی نے کہی کہ "بسندہ" وضاحت ہے تو ان کے ہاں لفظ "روی" کا مدلول بھی یہی ہے اھ جب ہماری یہ گفتگو مکمل ہوچکی تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کا اعلٰی درجہ پختہ ہوگیا اس طورپر جو ہماری مراد تھی، اب ہم واپس اس مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہمارا موضوع تھا اللہ تعالٰی کی بے بہا نعمتوں پر حمد کرتے ہوئے جو اس نے اپنے ہر نبی کو عطا کی ہیں اور صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے نبی کریم اور آپ کی آل واصحاب اور باقی محبین پر۔ (ت)

افادۂ بست و دوم[۲۲] (ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا دربارۂ احکام آسے

[علہ۱] اوائل الکتاب عند ذکر خلق نورہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

[علہ۲] فی ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح التقریب خطبۃ المؤلف/ وفیہا فوائد/ حد علم حدیث مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۴۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۵۵

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ذکر تزوج عبداللہ آمنہ ″ ″ ″ ″ ۱/ ۱۳۳

حجت بنانا نہیں، جس نے افادات سابقہ کو نظرِ غائر و قلب حاضر سے دیکھا سمجھا اُس پر بے حاجت بیان ظاہر و عیاں ہے کہ حدیثِ ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال و حرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ قواعد قطعیہ شرعیہ وارشاد اقدس "کیف وقد قیل" وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقاً زیورِ گوش سامعان ہوئی حدیث ضعیف اس نظر سے کہ ضعف سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید و احتیاط پر باعث ہوئی، آگے حکم استحباب و کراہت اُن قواعد و صحاح نے افادہ فرمایا اگر شرع مطہر نے جلب مصالح و سلب مفاسد میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہرگز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت جو کچھ ثابت کی دلائل صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے **اقول** تاہم ازانجا کہ ورودِ ضعیف وہ بھی نہ لذاتہ بلکہ بملاحظہ امکان صحت ترجی واحتیاط کا ذریعہ ہوا ہے اگر اُس کی طرف تجوزاً نسبت اثبات کردیں بجا ہے اور ثبوت بالضعیف میں بایں استعانت تو ادنی مداخلت سے صادق، ہاں اگر دلائل شرعیہ سے ایک امر کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیث ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بلائے مثلاً کسی حدیث مجروح میں خاص طلوع و غروب یا استوا کے وقت بعض نماز نفل کی ترغیب آئی تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی اب اگر ہم اُس کا استحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیث ضعیف سے ثابت کریں گے اور صحاح اثبات نہیں یونہی اگر دلائل شرعیہ مثبت ندب یا اباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفید حرمت نہ ہوگی مثلاً مقرر اوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیث ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے بحمداللہ یہ معنی ہیں کلامِ علماء کے کہ حدیث ضعیف دربارۂ احکام حلال و حرام معمول بہ نہیں۔

ثم اقول اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاجِ اثبات ہوگا ولہذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دماء و فروج و مضار و خبائث تمام اشیا میں اصل اباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیث ضعیف سے استناد کرنا حلت غیر ثابتہ کا اثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے،

هذا تحقيق ما اسلفنا فی الافادة السابقة عن المحقق الدوانی، وهذا هو معنی ما نص علیه الامام ابن دقیق العید و سلطن العلماء عزالدین بن عبد السلام و تبعهما شیخ الاسلام الحافظ ونقله تلمیذه السخاوی

یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے افادۂ سابقہ میں محقق دوانی کے حوالے سے بیان کی اور یہ وہ حقیقت و معنی ہے جس کی تصریح امام ابن دقیق العید اور سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام نے کی اور شیخ الاسلام حافظ نے ان دونوں کی اتباع کی اور ان کے شاگرد سخاوی نے

فی فتح المغیث وفی قول البدیع والسیوطی فی التدریب والشمس محمد الرملی فی شرح المنهاج النووی، ستتھم من الشافعیة، ثم اثرہ عن الرملی العلامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام والمحقق المدقق العلائی فی الدر المختار واقراہ ھما ومحشو الدر الحلبی والطحطاوی والشامی فیھا وفی منحة الخالق خمستھم من الحنفیة، من اشتراط العمل بالضعیف باندراجه تحت اصل عام، وھو اذا حققت لیس بتقیید زائد بل تصریح بمضمون ما نصوا علیه ان العمل به فیما وراء العقائد والاحکام، کما اوضحناہ لك وبه ازداد انزھاقا بعد انزھاق ما ظن الظان ان مرادہ الکلام فی الاعمال الثابتة بالصحاح، کیف ولو کان کذلك لما احتیج الی ھذا الاشتراط کما لا یخفی واللہ الھادی الی سوی الصراط۔

فتح المغیث اور القول البدیع میں، سیوطی نے تدریب میں شمس الدین محمد رملی نے شرح المنہاج النووی میں اسے نقل کیا ہے یہ چھ شوافع میں سے ہیں، پھر رملی سے علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں اور محقق و مدقق العلائی نے درمختار میں اسے نقل کیا اور اسے ان دونوں نے اور درمختار کے محشین حلبی، طحطاوی اور شامی نے اپنے اپنے حواشی اور منحۃ الخالق میں ثابت رکھا یہ پانچ حنفی ہیں (اور وہ یہ ہے) کہ حدیث ضعیف پر عمل کے لیے شرط یہ ہے کہ کسی عمومی ضابطہ کے تحت داخل ہو اور جب تو اس کی تحقیق کرے تو یہ کوئی زائد قید نہیں بلکہ اسی مضمون کی وضاحت ہے جس کی انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس پر عمل عقائد و احکام کے علاوہ میں کیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے پہلے اسے واضح کر دیا ہے اور اس سے ان دو علما کا خوب رد ہو گیا جو یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ ان اعمال کے بارے میں کلام ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور یہ مطلب اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اگر معاملہ یہ ہوتا تو یہ شرط لگانے کی محتاجی نہ تھی جیسا کہ واضح ہے، اور اللہ تعالٰی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ (ت)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ بعض متکلمین طائفہ جدیدہ کا زعم باطل کہ ان احادیث سے جواز تقبیل ابہامین پر دلیل لانا احکام حلال وحرام میں انہیں حجت بنانا ہے اور وہ بتصریح علماء ناجائز محض مغالطہ فریب دہی عوام ہے ذی ہوش نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہی علماء جو حدیث ضعیف کو حلال وحرام میں حجت نہیں مانتے صدہا جگہ احادیث ضعیفہ سے افعال کے جواز واستحباب پر دلیل لاتے ہیں جس کی چند مثالیں افادۂ سابقہ میں گزریں کیا معاذ اللہ علمائے کرام اپنا لکھا خود نہیں سمجھتے یا اپنے مقررہ قاعدہ کا آپ خلاف کرتے ہیں کیا افادۂ ہفدہم میں امام ابن امیر الحاج کا ارشاد نہ سنا کہ جمہور علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قابلِ عمل ہے تو کسی فعل کی اباحت قائم رکھنا بدرجۂ اولٰی ولکن الوھابیة لا یسمعون واذا سمعوا لا یعقلون رب انی اسألك العفو و

العافیۃ اٰمین (وہابی تو سُنتے ہی نہیں، سُنتے ہیں تو سمجھتے نہیں، اے میرے رب! میں تجھ سے عفو و معافی کا سوال کرتا ہوں، آمین ۔ ت)

افادۂ بست و سوم (ایسے مواقع میں ہر حدیث ضعیف غیر موضوع کام دے سکتی ہے)

اقول اولاً جمہور علماء کے عامہ کلمات مطالعہ کیجئے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیت عمل کے لیے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو فتح القدیر[1] والفیۂ عراقی و شرح الفیۃ للمصنف میں ماغیر الموضوع (موضوع کے علاوہ ہو ۔ ت) مقدمہ ابن الصلاح[2] و تقریب میں ماسوی الموضوع (موضوع کے سوا ہو ۔ ت) مقدمہ سید شریف[3] میں دون الموضوع (موضوع نہ ہو ۔ ت)، حلیہ[4] میں الذی لیس بموضوع (ایسی روایت جو موضوع نہ ہو ۔ ت)، اذکار[5] میں ان الفاظ سے اجماع ائمہ نقل فرمایا کہ مالم یکن موضوعا (وہ جو کہ موضوع نہ ہو ۔ ت) یونہی امام ابن عبدالبر[6] نے اجماع محدثین ذکر کیا کہ یروونھا عن کل (محدثین ان کو تمام سے روایت کرتے ہیں ۔ ت) یہ سب عبارات باللفظ یا بالمعنی افادات سابقہ میں گزریں، زرقانی شرح مواہب[7] میں ہے عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد مالم یکن موضوعا[عہ1] (محدثین کی عادت ہے کہ غیر احکام و عقائد میں تساہل کرتے ہیں اس میں جو موضوع نہ ہو) یونہی علامہ حلبی سیرۃ الانسان العیون[عہ2] میں فرماتے ہیں:

عہ۱ ذکر رضاعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تحت حدیث مناغاۃ القمر لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر رضاعت میں اس حدیث کے تحت جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلی کے اشارے سے چاند کے ساتھ کھیلنے (جھک جانے) کا بیان ہے، وہاں اس کا ذکر ہے دیکھو ۔ (ت)

عہ۲ نقل ھذا وما سیاتی عن عیون الاثر بعض الاثریین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

عیون الاثر کی یہ عبارت اور وہ جو عنقریب ذکر کی جائیگی ان کو بعض معاصرین نے نقل کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثانی والعشرون معرفۃ المقلوب مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۴۹

[3] مقدمہ سید شریف

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار فصل قال العلماء الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۷

[6] کتاب العلم لابن عبدالبر

[7] شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۱۴۲

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم و الضعیف والبلاغ والمرسل و المنقطع و المعضل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا[1]۔

واضح رہے کہ اصحاب سِیر ہر قسم کی روایات جمع کرتے ہیں صحیح، غیر صحیح، ضعیف، بلاغات، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ، لیکن موضوع روایت ذکر نہیں کرتے۔ امام احمد اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ جب ہم حلال و حرام کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو شدت کرتے ہیں اور جب ہم فضائل وغیرہ کے بارے میں روایات لاتے ہیں تو ان میں نرمی برتتے ہیں۔ (ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ اگر ضعف حدیث بجہت سوئے حفظ بعض رواۃ یا اختلا یا تدلیس بود باوجود صدق و دیانت منجبر میکردد بتعدد طرق و اگر از جہت اتہام کذب راوی باشد یا شذوذ بمخالفت احفظ و اضبط یا بقوت ضعف مثل فحش خطا اگرچہ تعدد طرق داشتہ باشد منجبر نگردد و حدیث محکوم بضعف باشد و در فضائل اعمال معمول[2] الخ

محدثین نے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی حدیث میں ضعف بعض راویوں کے سُوئے حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہو جبکہ صدق و دیانت موجود ہو تو یہ کمی تعدد طرق سے پُوری ہو جاتی ہے اور اگر ضعف راوی پر اتہام کذب کی وجہ سے ہو یا احفظ و اضبط راوی کی مخالفت کی جگہ ہو یا ضعف نہایت قوی ہو مثلاً فحش غلطی ہو تو اب تعدد طرق سے بھی کمی کا ازالہ نہیں ہوگا اور حدیث ضعیف پر ضعیف کا ہی حکم ہوگا اور فضائل اعمال میں ہے الخ (ت)

ثانیاً کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذاب وضاع ہی کا درجہ ہے ائمہ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا کذبہ ابن حبان والجوزجانی وقال البخاری ترکہ یحیٰی وابن مھدی وقال الدارقطنی وجماعۃ متروك (ابن حبان اور جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ اسے یحیٰی اور ابن مہدی نے ترک کر دیا، دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا متھم بالکذب و رمی بالرفض[3] (اس پر کذب کا اتہام ہے اور اسے روافض کی

---

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳
[2] شرح صراط مستقیم دیباچہ شرح سفر السعادت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۱۲
[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۲۹۸

طرف منسوب کیا گیا ہے۔ت) بااینہمہ عامۂ کتب سیر وتفاسیر اس کی اور اس کی امثال کی روایات سے مالامال ہیں علمائے دین ان امور میں اُنھیں بلانکیر نقل کرتے رہے ہیں، میزان میں ہے:

قال ابن عدی وقد حدث عن الکلبی سفین وشعبة وجماعة ورضوه فی التفسیر واما فی الحدیث فعندہ مناکیر[1]

ابن عدی نے کہا کہ کلبی سے سفیان، شعبہ اور ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے اور ان روایات کو پسند کیا ہے جس کا تعلق تفسیر کے ساتھ ہے اور حدیث سے متعلقہ روایات انکے نزدیک مناکیر ہیں۔(ت)

امام ابن سید الناس سیرۃ عیون الاثر میں فرماتے ہیں:

غالب مایروی عن الکلبی انساب واخبار من احوال الناس وایام العرب وسیرھم وما یجری مجری ذلك مما سمح کثیر من الناس فی حملہ عمن لایحمل عنہ الاحکام وممن حکی عنہ الترخیص فی ذلك الامام احمد[2]

کلبی سے اکثر طور پر لوگوں کے انساب و احوال، عرب کے شب و روز اور ان کی سیرت یا اسی طرح کے دیگر معاملات مروی ہیں جو کثرت کے ساتھ ایسے لوگوں سے لے لیے جاتے ہیں جن سے احکام نہیں لیے جاتے اور جن لوگوں سے اس معاملہ میں اجازت منقول ہے وہ امام احمد ہیں۔(ت)

ثالثاً (امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں) امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا: متروك مع سعة علمہ[3] (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے۔ت) اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے کما افادہ الامام المحقق فی فتح القدیر[4] (جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) بااینہمہ یہ جرح شدید ماننے والے

عبد حیث قال فی باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء عن الواقدی قال کان نتن بئر بضاعة

جہاں انہوں نے "باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء" میں واقدی سے نقل کیا کہ بضاعة (باقی برصفحۂ آئندہ)

---

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۵۷۴، ترجمہ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۵۵۸
[2] عیون الاثر ذکر الاجوبہ عما رمی بہ مطبوعہ دارالحضارۃ بیروت ۱/۲۴
[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۳۱۲-۱۳
[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹

بھی انھیں سیر و مغازی و اخبار کا امام مانتے اور سلفاً و خلفاً ان کی روایات سیر میں ذکر کرتے ہیں کما لا یخفی علی من طالع کتب القوم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ ت) میزان میں ہے:

کان الی حفظه المنتھی فی الاخبار والسیر والمغازی والحوادث وایام الناس والفقه وغیر ذلک[1]۔

یہ اخبار و احوال، علم سیر و مغازی، حوادثاتِ زمانہ اور اس کی تاریخ اور علم فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں۔ (ت)

رابعاً ہلال بن زید بن یسار بصری عسقلانی کو ابن حبان نے کہا روی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه اشیاء موضوعة (انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے موضوع روایات نقل کی ہیں۔ ت) حافظ الشان نے تقریب میں کہا متروک۔ باوصف اس کے جب انھیں ہلال نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث فضیلت عسقلان روایت کی جسے حافظ ابو الفرج نے بعلتِ مذکورہ درج موضوعات کیا اُس پر حافظ الشان ہی نے وہ جواب مذکور افادہ دہم دیا کہ حدیث فضائل اعمال کی ہے سوا اُسے طعن ہلال کے باعث موضوع کہنا ٹھیک نہیں امام احمد کا طریق معلوم ہے کہ احادیثِ فضائل میں تساہل فرماتے ہیں' اور یہ بھی افادہ نہم میں حافظ الشان ہی کی تصریح سے گزر چکا کہ متروک ایسا شدید الضعیف ہے جس کے بعد بس متہم بالوضع و وضاع ہی کا درجہ ہے اب یہ بات خوب محفوظ رہے کہ خود امام الشان ہی نے ہلال کو متروک کہا خود ہی متروک کو اتنا شدید الضعف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

طریقاً للماء الی البساتین وھذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدی اما عند المخالف فلا لتضعیفه ایاہ اھ[2] وقال فی فصل فی الاٰثار قال فی الامام جمع شیخنا ابو الفتح الحافظ فی اول کتابه المغازی والسیر من ضعفه ومن وثقه ورجح توثیقه وذکر الاجوبة عما قیل فیه اھ[3] ۱۲ منہ (م)

کے کنویں سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا ہمارے نزدیک حجت کے لیے یہی کافی ہے کیونکہ ہم نے واقدی کی توثیق کردی ہے باقی مخالف کے نزدیک حجت نہیں کیونکہ وہ اس کی تضعیف کا قائل ہے اھ اور "فصل فی الآثار" میں کہا کہ امام ۔۔۔ کے بارے میں ہمارے شیخ ابو الفتح حافظ نے اپنی پہلی کتاب المغازی والسیر میں ان روایات کو جمع کیا ہے جن کی توثیق کی گئی یا ان کو ضعیف کہا گیا اور ان کی توثیق کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے اھ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۹۹۳ ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۶۶۳

[2] و [3] فتح القدیر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر ۱/ ۶۹ و ص ۹۶

بتایا خود ہی ایسے شدید الضعف کی روایت کو دربارۂ فضائل مستحق تساہل رکھا اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ ضعف کیسا ہی شدید ہو جب تک سرحد کذب ووضع تک نہ پہنچے حافظ الشان کے نزدیک بھی فضائل میں قابلِ نرمی وگوارائی ہے وللہ الحجۃ السامیہ۔

خامسًا اور سُنیے وضو کے بعد اِنَّا انزلنا پڑھنے کی حدیثوں کا ضعف نہایت قوت پر ہے، سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسے بے اصل محض کہا، امام جلیل ابواللیث سمرقندی نے اپنے مقاصد میں ان حدیثوں کو ذکر فرمایا، امام الشان سے اس بارہ میں سوال ہُوا وہی جواب فرمایا کہ فضائلِ اعمال میں ضعاف پر عمل روا ہے۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قد سئل شیخنا حافظ عصرہ قاضی القضاۃ شہاب الدین الشہیر بابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی من ھذہ الجملۃ فاجاب بما نصہ الاحادیث التی ذکرھا الشیخ ابواللیث نفع اللہ تعالٰی ببرکتہ ضعیفۃ والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل بہ فی فضائل الاعمال ولم یثبت منھا شئ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامن قولہ ولا من فعلہ[1] اھ

ہمارے شیخ حافظ العصر قاضی القضاۃ شہاب الدین المعروف ابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی سے ان روایات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ وُہ احادیث جن کو امام ابواللیث "اللہ تعالٰی ان کی برکت سے نفع عطا فرمائے" نے ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہیں اور علماء حدیث ضعیف کے ذکر کرنے اور فضائل اعمال میں اس پر عمل کرنے میں نرمی برتتے ہیں اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کے متعلق کوئی قول وعمل ثابت نہ ہو اھ (ت)

سادسًا یہ حدیث کہ چاند گہوارہ میں عرب کے چاند عجم کے سورج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، انگشت مبارک سے جدھر اشارہ فرماتے اُسی طرف جُھک جاتا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ، امام ابوعثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی نے کتاب المائتین، خطیب نے تاریخ بغداد، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی اُس کا مدار احمد بن ابراہیم حلبی شدید الضعف پر ہے، میزان میں ہے امام ابوحاتم نے کہا: احادیثہ باطلۃ تدل لہ علی کذبہ[2] (اس کی احادیث باطلہ اس کے کذب پر دال ہیں۔ ت) باوجود اس کے امام صابونی نے فرمایا: ھذا حدیث غریب الاسناد

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۸۷ احمد بن ابراہیم حلبی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۸۱

والمتن وھو فی المعجزات حسن[1] (اس حدیث کی سند بھی غریب اور متن بھی غریب بایںہمہ معجزات میں حسن ہے) اُن کے اس کلام کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی، امام احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

سابعاً حدیث الدیك الابیض صدیقی وصدیق صدیقی وعدو عدو اللہ وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یبیتہ معہ فی البیت[2] (مرغ سپید میرا خیر خواہ اور میرے دوست کا خیر خواہ، اللہ تعالٰی کے دشمن کا دشمن ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے شب کو مکان خوابگاہ اقدس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے) کہ ابوبکر برقی نے ابوزید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا: باسنادفیہ کذاب[3] (اس کی سند میں کذاب ہے) باوصف اس کے فرمایا، فیندب لنا فعل ذلك تاسیا[4] جبکہ حدیث میں ایسا وارد ہوا تو ہمیں باقتدائے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرغ سپید کو اپنی خوابگاہ میں ساتھ رکھنا مستحب ہے۔ مثالیں اس کی اگر تتبع کیجئے بکثرت لیجے وھذا الاخیر قد بلغ الغایۃ وفیما ذکرنا کفایۃ لاھل الدرایۃ (یہ آخری انتہا پر ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر دیا وہ اہلِ فہم کے لیے کافی ہے۔ت)

ثامناً احادیث و دلائل مذکورہ افادات سابقہ بھی اسی اطلاق کے شاہد عدل ہیں خصوصاً حدیث وان کان الذی حدثہ بہ کاذبا (اگرچہ جس نے اسے بیان کیا کاذب ہو۔ت) ظاہر ہے کہ احتمال صدق و نفع بے ضرر ہر ضعیف میں حاصل تو فرق زائل بالجملہ یہی قضیہ دلیل ہے اور یہی کلام و عمل قوم سے مستفاد مگر حافظ الشان سے منقول ہوا کہ شرط عمل عدم شدت ضعف ہے نقلہ تلمیذہ السخاوی وقال سمعتہ مرارا یقول ذلك (اسے ان کے شاگرد امام سخاوی نے نقل کیا اور کہا کہ میں نے ان سے یہ کئی مرتبہ کہتے سُنا ہے۔ت)

اقول (بحث قبول شدید الضعف) یہاں شدتِ ضعف سے مراد ہیں حافظ سے نقل مختلف آئی، شامی[عہ] نے فرمایا طحطاوی نے فرمایا امام ابن حجر نے فرمایا،

عہ فی مستحبات الوضوء ۱۲ منہ (م) (شامی نے مستحبات الوضو میں فرمایا ۱۲ منہ۔ت)

[1] المواہب اللدنیۃ بحوالہ کتاب الماتین حدیث غریب الاسناد والمتن المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۵۴

[2] کتاب الموضوعات لابن الجوزی باب فی الدیک الابیض دارالفکر بیروت ۳/۴

[3] تیسیر شرح جامع صغیر للمناوی، حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/۱۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/۱۵

شدید الضعف ھو الذی لایخلو طریق من طرقہ عن کذاب او متھم بالکذب[1]

شدید الضعف وُہ حدیث ہے جس کی اسنادوں سے کوئی اسناد کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو۔

یہاں صرف انھیں دُو کو شدّتِ ضعف[عہ] میں رکھا امام سیوطی نے تدریب میں فرمایا حافظ نے فرمایا:

ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ[2]

وہ ضعف شدید نہ ہو پس اس سے وہ نکل گیا جو کذاب اور متہم بالکذب میں منفرد ہو یا جو فحش الغلط ہو۔ (ت)

یہاں ان دُو کے ساتھ فحش غلط کو بھی بڑھایا نسیم الریاض میں قول البدیع سے کلام حافظ بایں لفظ نقل کیا:

ان یکون الضعف غیر شدید کحدیث من انفرد من الکذابین والمتھمین ومن فحش غلطہ[3]

حدیث میں ضعف شدید نہ ہو مثلاً اس شخص کی حدیث جو کذابین اور متہمین سے ہو یا وہ فحش الغلط ہو۔ (ت)

عہ وھٰکذا اعزا بعض العصریین وھو المولوی عبد الحی اللکنوی فی ظفر الامانی الی التدریب والقول البدیع حیث قال الشرط للعمل بالحدیث الضعیف ثلٰث شروط علی ما ذکرہ السیوطی فی شرح تقریب النووی والسخاوی فی القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع وغیرھما الاول عدم شدۃ ضعفہ بحیث لایخلو طریق من طرقہ من کذاب او متھم بالکذب الخ **اقول** لکن ستسمعك نصی التدریب والقول البدیع فیظھر لك ان وقع ھٰھنا فی النقل عنھما تقصیر شنیع فلیتنبہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

معاصرین میں سے مولوی عبد الحی لکھنوی نے "ظفر الامانی" میں "التدریب" اور "القول البدیع" کی طرف ایسے ہی منسوب کیا جہاں انہوں نے کہا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں جیسا کہ نووی نے "شرح تقریب النووی" اور سخاوی نے "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا، پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو بایں طور کہ اس کے تمام طرق کذاب اور متہم بالکذب سے خالی نہ ہوں الخ **اقول** ابھی بعد میں ہم آپ کو ان دونوں کتابوں کی عبارت سنائیں گے جس سے آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ اس نقل میں ان دونوں سے انتہائی کوتاہی سرزد ہوئی ہے غور کرنا چاہئے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] ردالمحتار مستحبات الوضوء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۹۵

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۸

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۴۳

یہاں کاف نے زیادتِ توسیع کا پتا دیا، تحدید اول پر امر سہل وقریب ہے کہ ایک جماعت علما حدیث کذابین ومتہمین پر اطلاق وضع کرتے ہیں تو غیر موضوع سے انھیں خارج کرسکتے ہیں مگر ثانی تصریحات ومعاملات جمہور وعلما وخود امام الشان سے بعید اور ثالث بظاہرہ ابعد ہے ہم ابھی روشن بیان سے واضح کرچکے ہیں کہ خود حافظ نے متروک شدید الضعف راوی موضوعات کی حدیث کو بھی فضائل میں محتمل رکھا مگر بحمد اللہ تعالٰی ہمارا مطلب ہر قول پر حاصل ہم افاداتِ سابقہ میں مبرہن کر آئے ہیں کہ تقبیلِ ابہامین کی حدیثیں ہرگز نہ ضعف شدید سے پاک ومنزّہ ہیں اُن پر صرف انقطاع یا جہالتِ راوی سے طعن کیا گیا یہ ہیں بھی تو ضعفِ قریب نہ ضعف شدید والحمد للہ العلی المجید "ھذا" (اسے یاد رکھو۔ت)

ورأیتنی کتبت ھھنا علی ھامش فتح المغیث کلامًا یتعلق بالمقام احببت ایرادہ اتمامًا للمرام، فذکرت اولا ما عن الشامی عن الطحطاوی عن ابن حجر ثم ایدتہ باطلاق العلماء ثم اوردت ما عن النسیم عن السخاوی عن الحافظ ثم قلت ما نصہ۔

اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس مقام پر فتح المغیث کے حاشیہ میں ایسی گفتگو کی ہے جو اس مقام پر مناسب ہے میں اتمامِ مقصد کی خاطر اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، پہلے میں وہ ذکر کروں گا جو امام شامی نے طحطاوی سے اور انہوں نے ابنِ حجر سے نقل کیا ہے پھر اسے مزید قوی کروں گا علماء کے اطلاق سے پھر وہ نقل کروں گا جو نسیم نے سخاوی سے انہوں نے حافظ سے نقل کیا۔ پھر میرا قول یہ ہے:

اقول وھذا کما تری مخالف لاطلاق ما مر عن النووی عن العلماء قاطبۃ، ولتحدید ما مر عن الطحطاوی عن شیخ الاسلام نفسہ لکن یظھرلی دفع التخالف عن کلامی شیخ الاسلام بانہ ھھنا ذکر التفرد وفیما سبق قال "لا یخلو طریق من طرقہ"، فیکون الحاصل ان شدید الضعف بغیر الکذب والتھمۃ لایقبل عندہ فی الفضائل حین التفرد، اما اذا کثرت طرقہ فیبلغ درجۃ یسیر الضعف فی خصوص قبولہ فی الفضائل، بخلاف شدید الضعف بالکذب والتھمۃ فانہ وان کثرت طرقہ التی لاتقوّیہ بان لایخلو

اقول جیسا کہ تمھیں معلوم ہے یہ بات علامہ نووی کے نقل کردہ تمام علماء کے اطلاق اور خود شیخ الاسلام سے امام طحطاوی کی گزشتہ نقل کردہ تعریف کے خلاف ہے۔ لیکن شیخ الاسلام کی دونوں کلاموں میں مخالفت کو ختم کرنے کی وجہ مجھ پر ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ کہ یہاں انہوں نے راوی کے تفرد کی بات کی ہے اور پہلے انہوں نے کہا ہے کہ طُرق میں سے کوئی طریق بھی (کذاب ومتہم سے) خالی نہ ہو، پس حاصل یہ ہوا کہ کذب وتہمت کے بغیر شدید ضعف ہو تو ان کے ہاں تفرد کی صورت میں فضائل میں قابلِ قبول نہیں لیکن جب وہ کثرتِ طرق سے مروی ہو تو اس صورت میں وہ شدید ضعف سے خفیف ضعف کے درجہ میں

شئ منها عن كذاب او متهم لايبلغ تلك الدرجة، ولايعمل به فى الفضائل، وهذا هو الذى يعطيه كلام السخاوى فيما مرحيث جعل قبول ما فيه ضعف شديد مطلقا ولو بغير كذب فى باب الفضائل موقوفا على كثرة الطرق، لكنه يخالفه فى خصلة واحدة، وهو حكمه بالقبول بكثرة الطرق فى الضعف بالكذب ايضا كما تقدم، وهو كما ترى مخالف لصريح مانقل عن شيخ الاسلام وعلى كل فلم يرتفع مخالفة نقل شيخ الاسلام عن العلماء جميعا لنقل الامام النووى عنهم كافة، فانهم لم يشرطوا للقبول فى الفضائل فى شديد الضعف كثرة الطرق ولا غيرها سوى ان لايكون موضوعا، فصريح مايعطيه كلامهم قبول مااشتد ضعفه لفسق او فحش غلط، مثلا وان تفرد ولم يكثر طرقه، فافهم، وتأمل، فان المقام مقام خفاء وزلل، والله المسئول لكشف الحجاب، وابانة الصواب اليه المرجع واليه المآب اھ، ما اردت نقله مما علقته على الهامش۔

آجائیگی پس اب وُہ صرف فضائل میں مقبول ہو جائیگی، اس کے برخلاف جوکذب اور تہمت کی وجہ سے شدید ضعف والی ہو تو بیشمار کثرتِ طرق کے باوجود وہ مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی فضائل میں قابلِ عمل ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے ہر طریق میں کوئی نہ کوئی کذاب اور متہم ضرور ہوتا ہے۔ یہی بات علامہ سخاوی کے گزشتہ کلام سے حاصل ہوتی ہے جہاں انہوں نے شدید ضعف والی حدیث کے فضائل میں مقبول ہونے کو کثرتِ طرق پر موقوف کیا وہاں شدتِ ضعف مطلق مراد ہے خواہ وُہ کذب کے علاوہ ہی ہو، لیکن یہ بات ان کو ایک جگہ آڑے آئے گی۔ جہاں انہوں نے ضعف بالکذب پر بھی کثرتِ طرق کی بنا پر مقبول ہونے کا حکم کیا ہے جیسا کہ گزرا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بات شیخ الاسلام سے نقل کردہ کے صراحۃً خلاف ہے، بہرصورت شیخ الاسلام کا تمام علماء سے نقل کردہ مؤقف اور امام نووی کا نقل کردہ انہی تمام علماء کا مؤقف مختلف ہے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوسکتا، کیونکہ علمائ نے فضائل میں شدید ضعف والی حدیث کو قبول کرنے کے لیے کثرتِ طرق وغیرہا کی شرط نہیں لگائی صرف یہ کہا ہے کہ وُہ موضوع نہ ہو۔ ان کے کلام کا صریح ماحصل یہ ہے کہ مثلاً فسق یا فحشِ غلطی کی بنا پر جس حدیث کا ضعف شدید ہو خواہ اس کا راوی متفرد ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث کے طرق کثیر بھی نہ ہوں تب بھی یہ حدیث (فضائل میں) مقبول ہے، غور و تأمل کرو، کیونکہ یہ مقام خفی ہے اور غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے، پردوں کو کھولنے اور درستی کو ظاہر کرنے کا سوال صرف اللہ تعالٰی سے ہے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی جائے پناہ ہے۔ فتح المغیث کے حاشیہ میں سے جو میں نقل کرنا چاہتا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

فان قلت هذا قيد زائد افاده

اگر اعتراض کے طور پر کہیے کہ امام شیخ الاسلام

امام فليحمل اطلاقاتهم عليه دفعًا للتخالف بين النقلين **قلت** نعم لولا ان ما ذكروا من الدليل عليه لا يلائم سريان التخصيص اليه، وكيف نصر، بما نشاهدهم يفعلون يرون شدة الضعف ثم يقبلون، وبالجملة فالاطلاق هو الاوفق بالدليل والالصق بقواعد الشرع الجميل فهو ان يكون عليه التعويل والعلم بالحق عند الملك الجليل۔

کے بیان میں ایک زائد قید ہے جس پر علماء کے اطلاقات کو محمول کیا جا سکتا ہے اس سے دو نقل کردہ کلاموں میں اختلاف ختم ہو سکتا ہے **قلت** (تو میں جواباً کہتا ہوں) ہاں اگر علماء کے ذکر کردہ پر کوئی دلیل نہ ہو تب بھی ان کے کلام کو اس قید سے خاص کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ ان کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ وہ شدید ضعف پا کر بھی قبول کرنے پر عمل پیرا ہیں جس کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ (شدید ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لیے کثرتِ طرق) کی قید نہ لگانا دلیل کے زیادہ موافق اور قواعدِ شرحِ جمیل کے زیادہ مناسب ہے، ہماری خواہش ہے کہ یہی قابلِ اعتماد ہو اور حق کا علم اللہ جل جلالہٗ کے ہاں ہے۔ (ت)

فائدة جليلة (فائدة جليلة في احكام انواع الضعيف وانجبار ضعفها)

هذا الذي اشرت اليه من كلام السخاوي انما المتقدم هو قوله مع متنه في بيان الحسن، ان يكن ضعف الحديث لكذب او شذوذ بان خالف من هو احفظ او اكثر او قوي الضعف بغيرهما، فلم يجبر ولو كثرت طرقه لكن بكثرة طرقه يرتقي عن مرتبة المردود المنكر الى مرتبة الضعيف الذي يجوز العمل به في الفضائل وربما تكون تلك الطرق الواهية بمنزلة الطريق التي فيها ضعف يسير بحيث لو فرض مجيئ ذلك الحديث باسناد فيه ضعف يسير كان مرتقيا بها الى مرتبة الحسن لغيره[1] اهـ ملخصا۔

فائدہ جلیلہ (ضعیف حدیثوں کے احکام، اقسام اور ان کی کمی کو پورا کرنے کے بیان میں)

امام سخاوی کے جس گزشتہ کلام کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ بمع متن، حدیث حسن کے بارے میں ہے کہ حدیث کا ضعف کذب یا شذوذ یعنی وہ حدیث احفظ راوی یا کثیر رواۃ کی روایت کے خلاف ہو، یا یہ ضعف قوی ہو جو ان دو مذکورہ (کذب اور شذوذ) کے علاوہ کسی اور وجہ سے پیدا ہوا ہو، یہ ضعف کثرتِ طُرق سے بھی ختم نہیں ہو سکتا، لیکن کثرتِ طرق کی بنا پر یہ حدیث مردود منکر کے مرتبہ سے ترقی کرکے ایسے ضعف کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے جس سے فضائل میں عمل کے لیے مقبول ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے متعدد کمزور طُرق ایک

---

[1] فتح المغيث شرح الفية الحديث الحسن دار الامام الطبري بيروت ١/٨٣

معمولی کمزور طریقے جیسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ حدیث کسی معمولی ضعف والی سند کے ساتھ مروی فرض کرلی جائے تو یہ درجہ حسن لغیرہ پر فائز ہوجاتی ہے، ملخصاً۔ (ت)

ورأیتنی علقت علیہ ھھنا ما نصہ **اقول** حاصل ما تقرر وتحرر ھھنا مع زیادات نفیسۃ منا ان الموضوع لایصلح لشیئ اصلا ولایلتئم جرحہ ابدا ولو کثرت طرقہ ماکثرت، فان زیادۃ الشر لایزید الشیئ الا شرا، وایضا الموضوع کالمعدوم والمعدوم لایقوی ولایتقوی، ومنہ عند جمع منہم شیخ الاسلام ما جاء بروایۃ الکذابین وعند آخرین منہم خاتم الحفاظ ما اتی من طریق المتہمین، وسوّٰھما السخاوی بشدید الضعف الاٰتی لذھابہ الی ان الوضع لایثبت الا بالقرائن المقررۃ ان تفرد بہ کذاب او وضاع کما نص علیہ فی ھذا الکتاب، وھو عندی مذھب قوی اقرب الی الصواب، اما الضعف بغیر الکذب والتہمۃ من ضعف شدید مخرج لہ عن حیز الاعتبار کفحش غلط الراوی فھذا یعمل بہ فی الفضائل علی مایعطیہ کلام عامۃ العلماء، وھو الاقعد بقضیۃ الدلیل والقواعد، لاعند شیخ الاسلام علی احدی الروایات عنہ ومن تبعہ کالسخاوی الا اذا کثرت طرقہ الساقطۃ عن درجۃ الاعتبار فح یکون مجموعہا کطریق واحد صالح لہ فیعمل بہا فی الفضائل

اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے اس مقام پر حاشیہ لکھا ہے جو یہ ہے **اقول** ہماری زائد ابحاث کے ساتھ جو یہاں ثابت اور واضح ہوچکا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ موضوع حدیث کسی طرح کارآمد نہیں ہے، اور کثرتِ طُرق کے باوجود اس کا عیب ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شر کی زیادتی سے شر مزید بڑھتا ہے، نیز موضوع، معدوم چیز کی طرح ہے اور معدوم چیز نہ قوی ہوسکتی ہے اور نہ قوی بنائی جاسکتی ہے، موضوع کی ایک قسم وُہ ہے جس کو ایک جماعت نے "جس میں شیخ الاسلام بھی ہیں" نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ جس کو کذاب لوگ روایت کریں، اور ایک دوسری جماعت جس میں سے "خاتم الحفاظ" "بھی ہیں" نے بیان کیا ہے کہ "موضوع" وُہ ہے جس کو متہم بالکذب روایت کریں۔ امام سخاوی نے ان دونوں بیان کردہ قسموں کو "شدید الضعف" کے مساوی قرار دیا ہے، جس کو عنقریب بیان کرینگے، امام سخاوی کا خیال ہے کہ موضوع کی پہچان مقررہ قرائن ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ روایت کرنے والا کذّاب یا وضّاع اس روایت میں متفرد ہو، جیسا کہ امام سخاوی نے اس کتاب میں بیان کیا ہے میرے نزدیک یہی مؤقف قوی اور اقرب الی الصواب ہے، مگر کذب اور تہمتِ کذب کے بغیر کوئی بھی شدید ضعف جس کی بنا پر حدیث درجہ اعتبار سے خارج ہوجاتی ہے مثلاً راوی کی انتہائی فحش غلطی ہو، ضعیف کی یہ قسم فضائل میں

ولکن لا یحتج بها فی الاحکام ولا تبلغ بذلك
درجة الحسن لغیرہ الا اذا انجبرت مع ذلك
بطریق اخری صالحة للاعتبار فان مجموع
ذلك یکون کحدیثین ضعیفین صالحین
ما ضدین فحد ترتقی الی الحسن لغیر فتصیر
حجة فی الاحکام ، اما مطلقا علی ماھو ظاھر
کلام المصنف اعنی العراقی او بشرط تعدد
الجابرات الصالحات البالغة مع ھذہ الطرق
القاصرة المتکثرة القائمة مقام صالح واحد
حد الکثرة فی الصوالح علی ما فھمہ السخاوی
من کلام النووی وغیرہ الواقع فیہ لفظ
الکثرة مع نزاع لنا فیہ مؤید بکلام شیخ
الاسلام فی النزھة والنخبة المکتفیین

کار آمد ہو سکتی ہے جیسا کہ عام علماء کے کلام سے حاصل ہے
اور یہی موقف دلیل و قواعد سے مطابقت رکھتا ہے ۔ مگر
شیخ الاسلام سے ایک روایت ہیں اور امام سخاوی
کی طرح ان کے پیروکار حضرات کے ہاں یہ قسم فضائل میں
معتبر نہیں ہے تاوقتیکہ اس کے کمزور طرق کثیر نہ ہوں
اور یہ طرق کثیر ہوں تو ان سب کے مجموعہ کو وہ ایک طریقہ
صالحہ کے مساوی قرار دے کر فضائل میں قابلِ عمل
قرار دیتے ہیں ، تاہم اس قسم کی ضعیف حدیث کو
احکام کے لیے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی یہ
درجہ "حسن لغیرہ" کو پا سکتی ہے ۔ ہاں اگر ان متعدد طرق کے
ساتھ ساتھ کسی دوسرے صالح طریقے سے اس کی کمزوری زائل
ہو جائے تو اور بات ہے ، کیونکہ کمزور متعدد طرق اور
ایک صالح طریق کی بنا پر وہ حدیث دو ایسی ضعیف

عہ حیث قال متی توبع السیئ الحفظ بمعتبر
کان یکون فوقه او مثله لا دونه وکذا المختلط
الذی لا یتمیز والمستور والاسناد المرسل وکذا المدلس اذا
لم یعرف المحذوف منه صار حدیثهم حسنا لا لذاته
بل وصفه بذلك باعتبار المجموع لانه کل واحد منهم (ای
ممن ذکر من السیئ الحفظ والمختلط الخ) باحتمال
کون روایته صوابا او غیر صواب علی حد سواء
فاذا جاءت من المعتبرین روایة موافقة
لاحدهم رجح احد الجانبین من الاحتمالین
المذکورین ودل ذلك علی ان الحدیث محفوظ

ان کے الفاظ یہ ہیں ، جب راوی سوءِ حفظ کا متابع معتبر
راوی بن جائے جو اس سے اوپر ہو یا اس کی مثل اس سے
کم نہ ہو اور اسی طرح وہ مختلط جو امتیاز نہیں کرتا ، مستور ،
اسناد مرسل اور اسی طرح مدلس جبکہ محذوف منہ کو نہ پہچانتا ہو تو ان
کی حدیث حسن ہو جائے گی ہاں لذاتہٖ نہیں بلکہ باعتبار
المجموع ہوگی کیونکہ ہر ایک ان میں سے (یعنی سوءِ حفظ
اور مختلط جن کا ذکر ہوا الخ) برابر احتمال رکھتا ہے کہ اس
کی حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح ، پس جب معتبر راویوں میں سے
کسی ایک کے موافق روایت آجائے تو مذکورہ دونوں
احتمالوں میں سے ایک کو ترجیح حاصل ہو جائے گی اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

بوحدة الجابر مع جواز ان تكون الكثرة فی کلام النووی بمعنی مطلق التعدد، وھو الاوفق بما رأینا من صنیعھم فی غیر مقام والضعیف بالضعف الیسیر اعنی مالم ینزلہ عن محل الاعتبار یعمل بہ فی الفضائل وحدہ، وان لم ینجبر فان انجبر ولو بواحد صار حسنا لغیرہ، و احتج بہ فی الاحکام علی تفصیل وصفنا لک فی الجابر، فھذہ ھی انواع الضعیف، اما الذی لا نقص فیہ عن درجۃ الصحیح الا القصور فی ضبط الراوی غیر بالغ الی درجۃ الغفلۃ فھو الحسن لذاتہ المحتج بہ وحدہ حتی فی

حدیثوں کی طرح بن جاتی جو آپس میں مل کر تقویت کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ ضعیف حدیث "حسن لغیرہ" کے مرتبہ کو پہنچ کر احکام میں حجت بن جاتی ہے، اب یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے کہ صرف اسی قدر سے مقبول ہے جیسا کہ مصنف یعنی علامہ عراقی کے کلام سے عیاں ہے یا بشرطیکہ بمع متعدد وصالح طرق جن کی بنا پر کمزوری زائل ہو سکے ان متعدد وصالح وجوہ اور کمزور طرق، جو ایک صالح طرق کے مساوی ہیں، مل کر کثرت طرق صالحہ بن جاتے ہیں جیسا کہ امام سخاوی نے امام نووی وغیرہ کے کلام سے سمجھا جن میں لفظ کثرت استعمال ہوا ہے، باوجودیکہ ہمارا اس میں اختلاف ہے جو کہ شیخ الاسلام کے اس کلام سے مؤید ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فارتقی من درجۃ التوقف الی درجۃ القبول و اللہ اعلم[1] اھ وانظر کیف اجتزئ فی المتن بتوحید معتبر وفی الشرح بافراد روایۃ وحکم بالارتقاء الی درجۃ القبول وما المراد بہ ھھنا الا القبول فی الاحکام فانہ جعل الضعیف صالحا للاعتبار والرد و مع انہ مقبول فی الفضائل بالاجماع ویظھر لی ان الوجہ معھما اعنی العراقی و شیخ الاسلام لما بین فی النزھۃ من الدلیل لھما منقولا مما علقتہ علی فتح المغیث ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور درجہ توقف سے درجہ قبول پر فائز ہو گئی ہے اھ واللہ اعلم، ذرا غور کرو متن میں محض ایک معتبر کے ساتھ اور شرح میں کئی افراد کے ساتھ موافقت روایت پر اکتفا کیسے کیا اور اسے قبول کا درجہ دیا ہے اور یہاں قبول سے مراد احکام میں قبولیت مراد ہے کیونکہ انہوں نے حدیث ضعیف کو صالح للاعتبار و الرد کہا ہے کیونکہ حدیث ضعیف فضائل میں تو بالاجماع مقبول ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی دوسری روایت نہ ہو اور میرے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وجہ ان دونوں عراقی اور شیخ الاسلام کے ساتھ ہے، اس بنا پر جو نزہۃ میں ان دونوں کی دلیل بیان کی گئی ہے یہ فتح المغیث پر میری تعلیق سے منقول ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] حاشیہ شرح نخبۃ الفکر بحث سوء الحفظ مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۷

الاحکام، وھذا اذا کان معہ مثلہ ولو واحدا صار صحیحا لغیرہ او دونہ ممایلیہ فلا الا بکثرۃ انتہی ما کتبت بتلخیص۔

جو انہوں نے "النزھۃ" اور "النخبۃ" میں کیا ہے۔ دونوں کتابوں میں ایک جابر (کمزوری کو زائل کرنے والا امر) کا بیان ہے (نیز اپنی تائید میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں) کہ امام نووی کے کلام میں لفظِ کثرت سے مطلق تعدد ہے اور یہی احتمال ان کی عادت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ہم نے متعدد جگہ یہ استعمال پایا ہے اور ضعیف کی ایسی قسم جس میں معمولی ضعف ہو یعنی جس سے حدِ اعتبار ساقط نہ ہو یہ فضائل میں تنہا معتبر ہے خواہ کوئی مؤید بھی نہ ہو، اور اگر کوئی ایک ایسا مؤید پایا جائے جو اس کے ضعف کو زائل کردے تو یہ "حسن لغیرہ" بن جاتی ہے اور اس کو احکام میں حجت قرار دیا جائے گا جس کی تفصیل ہم نے کمزوری کو زائل کرنیوالے امور میں بیان کردی ہے۔ یہ تمام ضعیف کی انواع ہیں۔ اگر صحیح حدیث کے شرائط میں ماسوائے ضبط راوی کی کمزوری کے اور کوئی کمزوری نہ ہو تو یہ حدیث "حسن لذاتہ" ہوگی بشرطیکہ ضبط راوی کی یہ کمزوری غفلت کے درجہ تک نہ پہنچتی ہو، تو یہ "حسن لذاتہ" واحد حدیث بھی احکام کے لیے حجت ہوسکتی ہے اگر حسن لذاتہ کے ساتھ اس کی ہم مثل ایک بھی مل جائے تو یہ حدیث "صحیح لغیرہ" بن جاتی ہے اور اگر اس سے کم درجہ کی کوئی مؤید اس سے مل جائے تو "صحیح لغیرہ" نہ بنے گی تاوقتیکہ اس سے کم درجہ کی متعدد روایات جمع نہ ہوجائیں میری لکھی ہوئی تعلیق ختم ہوئی، ملخصاً۔ (ت)

یہ چند جملے لوحِ دل پر نقش کر لینے کے ہیں کہ بعونہٖ تعالٰی اس تحریر نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں، و باللہ التوفیق و لہ الحمد، الحمد للہ القادر القوی علم ما علم وصلی اللہ تعالٰی علی ناصر الضعیف و اٰلہ وسلم، قبول ضعیف فی فضائل الاعمال کا مسئلہ جلیلہ ابتداءً مسودۂ فقیر میں صرف دو افادہ مختصر میں تین صفحے مقدار تھا اب کہ ماہِ مبارک ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں رسالہ بعونہٖ تعالٰی بمبئی میں چھپنا شروع ہوگیا اثنائے تبییض میں بارگاہِ مفیض علوم و نعم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بحمد اللہ تعالٰی نفائس جلیلہ کا اضافہ ہوا افادۂ شانزدہم سے یہاں تک آٹھ افاداتِ نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القا ہوئے قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے، امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیل جلیل و تفصیل جزیل اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے، مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلۂ خاص میں جدا رسالہ قرار دیئے جائیں اور بلحاظ تاریخ **الھاد الکاف فی حکم الضعاف**[۱۳] (ضعیف حدیثوں کے حکم میں کافی ہدایت۔ ت) لقب پائیں وباللہ التوفیق ولہ المنۃ علی ما رزق من نعم تحقیق ماکان لعشر معشار عشرھا نلیق والصلاۃ والسلام علی الحبیب الکریم واٰلہ وصحبہ ھداۃ

عہ منقوص محلی باللام سے بھی حذفِ یا فصیح کلام میں شایع و ذایع ہے یوم التلاق یوم التناد الکبیر المتعال الی غیر ذلک

امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۱۲ منہ (م)

الطریق امین۔

افادہ بست وچہارم (۲۴) (حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائے ضعفِ شدید) وباللہ استعین کسی حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اختلاط و عدم بیان کہ عادت جمہور محدثین ہے ہر حدیث میں احتمال ضعف قدیم لہذا غیر ناقد کو بے مطالعۂ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد و احکام میں احتجاج نہیں پہنچتا، قولِ شاہ عبدالعزیز صاحب "این احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود"[1] (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ وعمل میں استدلال کیا جاسکے۔ت) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں جتنی حدیثیں ہیں سب واہی ساقط ہیں یا موضوع و باطل اور اصلاً در بارۂ فضائل بھی ایراد و استناد کے ناقابل کوئی ادنٰی ذی فہم و تمیز بھی ایسا ادعا نہ کرے گا نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل، ہاں متکلمانِ طائفہ وہابیہ اپنی جہالتیں جس کے سر چاہیں دھریں۔

اوّلاً خود شاہ صاحب اثباتِ عقیدہ وعمل کا انکار فرما رہے ہیں اور وہ فضائل اعمال میں تمسک کے منافی نہیں، ہم افادہ ۲۲ میں روشن کر آئے کہ در بارہ فضائل کسی حدیثِ ضعیف سے استناد کسی عقیدہ یا عمل کا اثبات نہیں، تو اس بات کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق!

ثانیاً تصانیفِ خطیب و ابونعیم بھی طبقۂ رابعہ میں ہیں اور شاہ صاحب بستان المحدثین میں امام ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں:

از نوادر کتب او کتاب حلیۃ الاولیا ست کہ نظیر آں در اسلام تصنیف نشدہ[2]۔	ان کی تصانیف میں سے حلیۃ الاولیا ایسے نوادرات میں سے ہے جس کی مثل اسلام میں آج تک کوئی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔(ت)

اسی میں ہے:

کتاب اقتضاء العلم والعمل از تصانیف خطیب است بسیار خوب کتابے است در باب خود[3]۔	خطیب بغدادی کی کتب میں اقتضاء العلم والعمل اپنے فن میں بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔(ت)

---

[1] عجالہ نافعہ فصل اول بحث طبقہ رابعہ مطبع نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵

[2] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵

[3] " " کتاب اقتضاء العلم والعمل للخطیب " " " " " ۱۶۹

اُسی میں تصانیف امام خطیب کو لکھا :

التصانیف المفیدۃ التی ھی بضاعۃ المحدثین و عروتھم فی فنھم[1] ۔

فائدہ بخش تصنیفیں کہ فنِ حدیث میں محدثین کے بضاعت و محل تمسک ہیں ۔

پھر امام حافظ ابوطاہر سلفی سے اُن تصانیف کی مدح جلیل نقل کی ، سبحان اللہ کہاں شاہ صاحب کا یہ حُسنِ اعتقاد اور کہاں اُن کے کلام کی وُہ بیہودہ مراد کہ وہ کتب سراسر مہمل و ناقابلِ استناد ۔

ثالثاً جناب شاہ صاحب مرحوم کے والد شاہ ولی اللہ صاحب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس تقریر طبقات کے موجد اُسی حجۃ بالغہ میں اسی طبقہ رابعہ کی نسبت لکھتے ہیں :

اصلح ھذہ الطبقۃ ماکان ضعیفا محتملا[2] ۔

یعنی اس طبقہ کی احادیث میں صالح تر وہ حدیثیں ہیں جن میں ضعف قلیل قابلِ تحمل ہو ۔

ظاہر ہے کہ ضعیف محتمل ادنٰی انجبار سے خود احکام میں حجت ہوجاتی ہے اور فضائل میں تو بالاجماع تنہا ہی مقبول و کافی ہے پھر یہ حکم بھی بلحاظ انفراد ہوگا ورنہ ان میں بہت احادیث منجبرہ حسان ملیں گی اور عند التحقیق یہ بھی باعتبار غالب ہے ، ورنہ فی الواقع ان میں صحاح حسان سب کچھ ہیں کما ستسمع بعونہ تعالٰی (جیسے کہ تُو عنقریب سُنے گا ۔ ت)

رابعاً یہی شاہ صاحب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین[عه] میں لکھتے ہیں :

چوں نوبت علم حدیث بطبقہ دیلمی و خطیب و ابن عساکر رسید ایں عزیزاں دیدند کہ احادیث صحاح و حسان را متقدمین مضبوط کردہ اند پس مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ و مقلوبہ کہ سلف آنرا دیدہ و دانستہ گزاشتہ بودند و غرض ایشاں ازیں جمع آں بود کہ بعد جمع حفاظ محدثین دراں احادیث تامل کنند و موضوعات را

جب علمِ حدیث دیلمی ، خطیب اور ابنِ عساکر کے طبقہ تک پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ متقدمین علماء نے ایسی احادیث جو صحیح اور حسن تھیں کو محفوظ کردیا ہے لہذا انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جو ضعیفہ و مقلوبہ تھیں جنہیں اسلاف نے عمداً ترک کیا تھا ان کے جمع کرنے سے غرض یہ تھی کہ حفاظ محدثین ان میں غور و تأمل کرکے

عه قسم دوم از فصل دوم در شبہات و راقان ۱۲ منہ

دوسری فصل کی قسم دوم جو کاتبین کے شبہات سے متعلق ہے کے تحت اس کا بیان ہے (ت)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ تاریخ بغداد للخطیب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۸

[2] حجۃ اللہ البالغۃ باب طبقات کتب حدیث ، الطبقۃ الرابعۃ " المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/۱۳۵

ازحسان لغیرہا ممتاز نمایند چنانکہ اصحاب مسانید طرق احادیث جمع کردند کہ حفاظ صحاح وحسان وضعیف از یکدگر ممتاز سازند ظن ہر دو فریق را خدا تعالٰی محقق ساخت بخاری ومسلم وترمذی وحاکم تمیز احادیث وحکم بصحت و حسن ومتاخران بہ احادیث خطیب وطبقۂ او تصرف نمودند ابن جوزی موضوعات را مجرد ساخت وسخاوی در مقاصد حسنہ حسان لغیرہا از ضعاف ومناکیر ممیز نمود خطیب وطبقۂ او در مقدمات کتب خود بایں مقاصد تصریح نمودہ اند جزاھم اللہ تعالٰی عن امۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرا اھ ملتقطا۔

موضوعات کو حسن لغیرہ سے ممتاز کردیں گے جیسا کہ اصحابِ مسانید نے تمام طرقِ حدیث کو جمع کیا تاکہ حفاظِ حدیث صحیح، حسن اور ضعیف کو ایک دوسرے سے ممتاز کردیں دونوں فریقوں کو اللہ تعالٰی نے توفیق اور کامیابی عطا فرمائی، بخاری، مسلم، ترمذی اور حاکم احادیث میں امتیاز کرتے ہوئے ان پر صحیح، حسن ہونے کا حکم لگایا اور متاخرین نے خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں کی احادیث میں تصرف کیا وحکم لگایا، ابن جوزی نے موضوعات کو الگ کیا، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حسن لغیرہ کو ضعیف اور منکر سے ممتاز کیا۔ خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے اپنی کتب کے مقدمات میں ان مقاصد کی تصریح کی ہے اللہ تعالٰی ان تمام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اھ ملتقطا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریح ہے کہ کتب طبقۂ رابعہ میں نہ صرف ضعیف محتمل بلکہ حسان بھی موجود ہیں اگرچہ لغیرہا کہ وہ بھی بلاشبہہ خود احکام میں حجت نہ کہ فضائل۔

خامسًا انھیں شاہ صاحب نے اسی حجۃ میں سنن ابی داؤد وترمذی ونسائی کو طبقۂ ثانیہ اور مصنف عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ وتصانیف ابی داؤد طیالسی وبیہقی وطبرانی کو طبقۂ ثالثہ اور کتب ابونعیم کو طبقۂ رابعہ میں گنا، امام جلیل جلال سیوطی خطبۂ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں:

رمزت للبخاری خ ولمسلم م ولابن حبان حب وللحاکم فی المستدرك ك وللضیاء فی المختارۃ ض وجمیع ما فی ھذہ الکتب الخمسۃ صحیح سوی ما فی المستدرك من المتعقب فانبہ علیہ، ورمزت لابی داؤد د فما سکت علیہ فھو صالح وما بین ضعفہ فی الاصل الذی وقفت علیہ بین

میں نے حوالہ جات کے لیے یہ رموز وضع کیے ہیں، خ سے بخاری، م سے مسلم، حب سے ابن حبان، ک سے مستدرک حاکم، ض سے مختارہ للضیاء، ان پانچوں کتب میں صحیح احادیث ہیں ماسوائے حاکم کے جن پر اعتراض کیا گیا ہے اس پر توجہ رکھو، د سے ابوداؤد جس پر وہ خاموش رہیں وہ صالح ہے اور جس کا ضعف وہ اصل کتاب جس پر میں نے واقفیت

(باقی برصفحۂ آئندہ)

ل قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم از شبہات الخ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۲۸۲

نقلته عنه، وللترمذی ت وانقل کلامه علی الحدیث وللنسائی ن ولابن ماجة ہ ولابی داؤد الطیالسی ط ولاحمد حم ولعبد الرزاق عب ولابن ابی شیبة ش ولابی یعلی ع وللطبرانی فی الکبیر طب و الاوسط طس وفی الصغیر طص ولابی نعیم فی الحلیة حل وللبیهقی ق وله فی شعب الایمان ھب وھذہ فیها الصحیح والحسن والضعیف فابینه غالباً [1] اھ مختصرا۔

انہوں نے بیان کیا ہے میں نے اسے نقل کردیا ہے، ت سے ترمذی میں ان کا حدیث پر تبصرہ بھی نقل کروں گا، ن سے نسائی، ہ سے ابن ماجہ، ط سے ابوداؤد طیالسی، حم سے احمد، عب سے عبدالرزاق، ش سے ابن ابی شیبہ، ع سے ابو یعلی، طب سے طبرانی کی معجم کبیر، طس سے معجم اوسط، طص سے معجم صغیر، حل سے حلیۃ ابو نعیم، ق سے سنن بیہقی، ھب سے شعب الایمان للبیہقی مراد ہوگا، ان تمام کتب میں احادیث صحیح بھی ہیں حسن اور ضعیف بھی اور میں اکثر طور پر ان کے بارے میں نشان دہی بھی کروں گا اھ مختصراً۔ (ت)

دیکھو امام خاتم الحفاظ نے ان طبقات ثانیہ وثالثہ ورابعہ سب کو ایک ہی شق میں گنا اور سب پر یہی حکم فرمایا کہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف سب کچھ ہے۔

سادساً خود جناب شاہ صاحب کی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثنا عشریہ وغیرہما میں جابجا احادیثِ طبقۂ رابعہ سے بلکہ اُن سے بھی اُتر کر استناد موجود، اب یا تو شاہ صاحب معاذ اللہ خود کلام اپنا نہ سمجھتے یا یہ سفہا ناحق تحریفِ معنوی کرکے احادیثِ طبقۂ رابعہ کو مہمل ومعطل ٹھہرانا اُن کے سر کیے دیتے ہیں، تمثیلاً چند نقول حاضر، عزیزی آخر تفسیر فاتحہ میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لفظی فما وعلیه کلمة لم تتبین فی الکتابة فکتبت مکانها لفظة سکت اذ هو المراد واذ کان لابد من التنبیه نبهت علیه ۱۲ منه (م)

حاصل کی ہے اس میں لفظ فما اور علیہ کے درمیان ایک کلمہ ہے جو کتابت میں واضح نہیں تو میں نے اس کی جگہ لفظ سکت لکھ دیا ہے اور چونکہ اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا تو میں نے آگاہ کردیا، ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جامع الاحادیث بحوالہ جمع الجوامع خطبۂ کتاب، دارالفکر، بیروت ۱/ ۱۸، ۱۹

ابونعیم و دیلمی از ابوالدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت مے کند از انچہ ہیچ چیز از قرآن کفایت نمیکند[1] الحدیث۔

ابونعیم اور دیلمی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں قرآن کی دوسری سورۃ کافی نہ ہو وہاں فاتحہ کافی ہے الحدیث (ت)

یہیں اور روایات بھی ابن عساکر و ابوالشیخ و ابن مردویہ و دیلمی وغیرہم سے مذکور رہیں یہیں ہے:

ثعلبی از شعبی روایت کردہ است کہ شخصے نزد او آمد و شکایت درد گردہ کرد شعبی باو گفت کہ ترا لازم است کہ اساس القرآن بخوانی و بر جائے درد دم کنی او گفت کہ اساس القرآن چیست شعبی گفت فاتحۃ الکتاب[1]۔

ثعلبی نے شعبی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے شعبی کے پاس آکر شکایت کی کہ مجھے درد گردہ ہے، انہوں نے فرمایا تو اساس القرآن پڑھ کر جائے درد پر دم کر، اس نے عرض کیا کہ اساس القرآن کہاں ہے؟ فرمایا سورۃ الفاتحہ۔ (ت)

عزیزی سورۂ بقرہ ذکر بعض خواص سور و آیات میں ہے:

ابن النجار در تاریخ خود از محمد بن سیرین روایت کردہ

ابن نجار نے اپنی تاریخ میں محمد بن سیرین سے روایت

عہ و دریں بعض روایات اقتران دارقطنی یا طبرانی یا وکیع مخالف را سود ندہد زیرا کہ ازیں چنانکہ احتمال ایں معنے رونماید کہ اسنادیا سہا مقرون بطبقہ ثالثہ است ہمچناں ایں امر بر منصۂ ثبوت نشیند کہ ہمہ احادیث طبقہ رابعہ ساقط از درجۂ اعتبار نیست باز احتمال مذکور بملاحظہ روایات دیگر کہ تنہا از طبقہ رابعہ ست ازل باشد زعم مخالف را ہیچ کن باشد فافہم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اور اس میں بعض روایات کے دارقطنی یا طبرانی یا وکیع کے ساتھ اقتران سے مخالف کو سودمند نہیں کیونکہ اس طرح سے یہ معنی پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسناد سے طبقہ ثالثہ سے مقرون ہیں اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ طبقۂ رابعہ کی تمام احادیث درجۂ اعتبار سے ساقط نہیں پھر احتمال مذکور دیگر روایات کے ملاحظہ سے کہ جو صرف طبقۂ رابعہ سے ہیں یہ بھی زعمِ مخالف کو زیادہ زائل کرنے والا ہے، مخالف کا جو بھی زعم ہو، اسے اچھی طرح سمجھو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی سورۃ الفاتحہ فضائل ایں سورۃ الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۵۹

[2] ؍؍ ؍؍ آخر سورہ فاتحہ شیطان را چہار بار در عمر خود نوحہ الخ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۵۹

کہ حدیثی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شنیدہ بودم کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند ہر کہ در شب سی وسہ آیت بخواند اورا درآں شب درندہ و دزدے ایذا نرساند الحدیث اھ مختصراً۔

کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سُنی جس میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو تینتیس۳۳ آیات پڑھے گا اسے کوئی درندہ اور ڈاکو نقصان نہیں دے گا الحدیث اھ مختصراً۔ (ت)

اسی [2] میں ہے:

روی[2] ابن جریر عن مجاھد قال سأل سلیمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن اولئك النصارٰی الحدیث۔

ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان نصارٰی کے بارے میں سوال کیا الحدیث (ت)

عزیزی آخر والیل میں ہے:

حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت میکند کہ روزے بخدمت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے مے آید کہ حق تعالٰی بعد از من کسے را بہتر ازو پیدا نکردہ است

حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر

عــہ۱ زیر آیہ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی ۱۲ منہ (م)

اس آیت کے تحت ہے ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲ شاہ صاحب در عجالہ نافعہ جائیکہ ذکر طبقات اربعہ کردہ است تفسیر ابن جریر را ازہمیں طبقہ رابعہ شمردہ است کما ذکرہ فی السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں جہاں چار طبقات کا ذکر کیا ہے وہاں تفسیر ابن جریر کو بھی چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے جیسا کہ السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ خواص وفضائل سورۃ فاتحہ وسی وسہ آیت الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۹۴

[2] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ زیر آیت ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی " " " " ص ۲۷۱

وشفاعتِ اُو روزِ قیامت مثل شفاعتِ پیغمبران باشد جابر گوید کہ مہلتے نہ گزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر تشریف آوردند۔

شخص اللہ تعالٰی نے پیدا نہیں فرمایا اس کی شفاعت روزِ قیامت اللہ تعالٰی کے پیغمبروں کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔(ت)

تحفہ (اثنا عشریہ) میں ہے:

درروایات شیعہ وسُنی صحیح وثابت است کہ ایں امر خیلے برابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ شاق آمد وخود رابدرسرائے زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حاضر آورد وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ راشفیع خود ساخت تا آنکہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ازو خوشنود شد اما روایات اہلسنت پس در مدارج النبوۃ وکتاب الوفا بیہقی وشروح مشکوٰۃ موجود است بلکہ در شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق نوشتہ است کہ ابوبکر صدیق بعد ازیں قصہ بخانہ فاطمہ رفت ودر گرمی آفتاب بردر بایستاد وعذر خواہی کرد وحضرت زہرا ازو راضی شد ودر ریاض النضرۃ نیز ایں قصہ بہ تفصیل مذکورست ودر فصل الخطاب بروایت بیہقی از شعبی نیز ہمیں قصہ مروی ست وابن السمان در کتاب الموافقۃ از اوزاعی روایت کردہ کہ گفت بیرون آمد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ بردر فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا در روز گرم الخ۔

شیعہ اور سُنی دونوں کے ہاں روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوبکر پر نہایت شاق گزرا، لہٰذا آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر کے دروازے پر حاضر ہوئے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سفارشی بنایا تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان سے راضی ہوجائے، روایاتِ اہلسنت مدارج النبوۃ، الوفاء، بیہقی اور شروحِ مشکوٰۃ میں موجود ہیں بلکہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر اس واقعہ کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے باہر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور معذرت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔ ریاض النضرۃ میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً درج ہے اور فصل الخطاب میں بروایت بیہقی، شعبی بھی یہی واقعہ منقول ہے اور ابن السمان نے الموافقۃ میں اوزاعی سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ گرمی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر آئے الخ۔(ت)

عہ در طعن سیزدہم از مطاعن ملاعنہ بر حضرت افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

ملعون لوگوں کے ان اعتراضات میں سے تیرھویں طعن میں ہے جو انھوں نے افضل الصدیقین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر کیے ہیں ۱۲ منہ (ت)

۱؎ تفسیر عزیزی آخر سورۃ اللیل پارہ عم مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۳۰۶

۲؎ تحفہ اثنا عشریہ طعن سیزدہم از مطاعن ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۷۸

سابعًا طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیفِ حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشبہہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح و حسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں برشرطِ بخاری و مسلم صحیح ہیں قطع نظر اس سے کہ تصانیفِ شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء و قرۃ العینین میں تو مستدرک سے تودہ تودہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور کما لا یخفی علی من طالعھما (جیسے کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ت) لطیفہ تر یہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابو عبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار بر شرط ایں ہر دو بزرگ یافتہ میشود یا بشرط یکے ازینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد، و بقدر ربع کتاب ازآں جنس است کہ بظاہرع اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہر دو نیست و بقدر ربع باقی واہیات و مناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست چنانچہ من در اختصارِ آں کتاب کہ مشہور بتلخیص ذہبی است خبردار کردہ ام[1] انتہی

انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری و مسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریبًا نصف کتاب اسی قبیل سے ہے اور تقریبًا اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان دو (بخاری و مسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لیے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ تلخیص ذہبی سے مشہور ہے، میں اس بارے میں خبردار کیا ہے، انتہی (ت)

ع لفظ بظاہر در آنچہ امام خاتم الحفاظ در تدریب از ذہبی آوردہ نیست لفظش ہمیں است کہ فیہ جملۃ وافرۃ علی شرطھما و جملۃ کثیرۃ علی شرط احدھما لعل مجموع ذٰلک نحو نصف الکتاب و فیہ نحو الربع مما صح سندہ، و فیہ بعض الشیئ اولہ علۃ وما بقی وھو نحو الربع فھو مناکیر او واھیات لا یصح وفی بعض ذٰلک موضوعات[2] ۱۲ منہ (م)

لفظ "بظاہر" وہ جو امام خاتم الحفاظ نے تدریب میں امام ذہبی سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں بہت سی احادیث شیخین کی شرائط پر ہیں اور بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں، شاید اس کا مجموعہ تقریبًا آدھی کتاب ہو اور اس میں چوتھائی ایسی احادیث ہیں جن کی سند صحیح ہے بعض ایسی ہیں جن میں کوئی شیئ یا علت ہے اور جو بقیہ چوتھائی ہے وہ مناکیر یا واہیات ہیں جو صحیح نہیں، اور بعض اس میں موضوع بھی ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوع کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴
[2] تدریب الراوی عدد احادیث مسلم و تساہل الحاکم فی المسقط دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۰۶

5/5

تنبیہ بحمد اللہ ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنی اسی قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے اُنھوں نے احتراز کیا انھوں نے درج کیں نہ یہ کہ انھوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدم ذکر کو اس معنے پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افراد بخاری متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کہ تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں کما بینہ شیخ الاسلام فی فتح الباری شرح صحیح البخاری (جیسا کہ شیخ الاسلام نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں بیان کیا ہے۔ ت)

ثامنًا شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

ولہذا علمائے حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر بعد از دیدن تلخیص ذہبی[1]۔

اسی لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا ہے کہ مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔ (ت)

اور اس سے پہلے لکھا:

ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتیکہ تعقبات و تلخیصات مرا نہ بیند و نیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست بلکہ بعضے از احادیث موضوعہ نیز ہست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشتہ[2]۔

امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے تاوقتیکہ اس پر میری تعقبات و تلخیصات کا مطالعہ نہ کرلے، اور یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی احادیث مستدرک میں شرط صحت پر موجود نہیں بلکہ بعض اس میں موضوعات بھی ہیں جس کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی ہے۔ (ت)

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ بے اعتمادی یہی اختلاط صحیح و ضعیف ہے اگرچہ اکثر[عہ] صحیح ہی ہوں جیسے

عہ اسی طرح عدم اعتبار کثرت وقلت کی دلیل واضح امام الشان کا یہ ارشاد منقول تدریب ہے:

قال شیخ الاسلام غالب ما فی کتاب ابن الجوزی موضوع والذی ینتقد علیہ بالنسبۃ الی

شیخ الاسلام نے کہا کہ ابن جوزی کی کتاب میں اکثر روایات موضوع ہیں، جن روایات (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوعہ کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۰۹

مستدرک جس میں تین ربع کتاب کی قدر احادیث صحیحہ ہیں نہ کہ سب کا ضعیف ہونا چہ جائے ضعف شدید یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا ادعا نہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنی اگر خود لیاقت نقد رکھتا ہو آپ پرکھے ورنہ کلام ناقدین کی طرف رجوع کرے بے اس کے حجت نہ سمجھ لے اب انصافاً یہ حکم نہ صرف کتب طبقہ رابعہ بلکہ ثانیہ ثالثہ سب پر ہے کہ جب منشا اختلاط صحیح وضعیف ہے اور وہ سب میں قائم تو یہی حکم سب پر لازم آخر نہ دیکھا کہ ائمہ دین نے صاف صاف یہی تصریح سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ و مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق وغیرہا سنن و مسانید کتب طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی نسبت بھی فرمائے جس کی نقل امام الشان و علامہ قاری سے افادہ ۲۱ میں گزری، یونہی امام شیخ الاسلام عارف باللہ زکریا انصاری و امام سخاوی نے تنصیص[1] کی، امام خاتم الحفاظ کا قول ابھی سن چکے کہ اُنھوں نے ان سب کتب کو ایک سلک میں منسلک فرمایا اب شاید منکر کج فہم ان نصوص ائمہ کو دیکھ کر سنن ابی داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کی نسبت بھی یہی اعتقاد کرے گا کہ وہ بھی معاذ اللہ محض مہمل و بیکار و اصلاً ناقابل استناد و اعتبار رہیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بالجملہ حق یہ کہ مدار اسناد و نظر و انتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ فلاں کتاب میں ہونے فلاں میں نہ ہونے پر قلم ضراعت رقم جب اس محل پر آیا فیض کرم و کرم قدم نے خوش فرمایا اس مقام و مرام طبقات حدیث کی تحقیق جزیل و تدقیق جمیل فقیر ذلیل غفر لہ المولی الجلیل پر فائض ہوگی کہ اگر یہاں ایراد کرتا اطناب کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالاینتقد قلیل جدا قال وفیہ من الضرر ان یظن مالیس بموضوع موضوعا عکس الضرر بمستدرک الحاکم فانہ یظن مالیس بصحیح صحیحا قال ویتعین الاعتناء بانتقاد الکتابین فان الکلام فی تساھلھما اعدم الانتفاع بھما الا لعالم بالفن لانہ ما من حدیث الا ویمکن ان یکون قد وقع فیہ تساھل اھ ۱۲ منہ (م)

پر انہوں نے تنقید کی وہ ان سے بہت کم ہیں جن پر تنقید نہیں کی، اور کہا کہ اس میں تکلیف دہ امر یہ ہے کہ وہ غیر موضوع کو موضوع گمان کرتے ہیں یہ اس کا عکس ہے جو مستدرک حاکم کا ضرر ہے کیونکہ وہ غیر صحیح کو بھی صحیح گمان کرتے ہیں، کہا کہ ان دونوں کتابوں کی کاٹ چھانٹ ضروری ہے کیونکہ کلام ان دونوں میں تساہل کی وجہ سے ان سے نفع حاصل کرنے کو معدوم کردیتا ہے مگر اس شخص کے لیے جو اس فن کا ماہر ہو، کیونکہ ان کی کوئی ایسی روایت نہیں ہوئی جس میں تساہل نہ ہو اھ ۱۲ منہ (ت)

[1] ذکرنا نصھما فی رسالتنا مدارج طبقات الحدیث ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ہم نے ان دونوں کی عبارتوں کو اپنے رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی نقد کتاب موضوعات ابن الجوزی۔ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۷۹

وابعاد مرام سامنے تھا لہذا اسے بتوفیقہ تعالٰی رسالہ مفردہ اور بلحاظ تاریخ[13] **مدارج طبقات الحدیث**[1] لقب دیا وللہ المنۃ فیما الھم ولہ الحمد علی ما علّم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلّم۔

افادہ بست و پنجم[25] (کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں)

اقول کتابیں کہ بیانِ احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو[2] قسم ہیں، ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی و اباطیل جوزقانی و موضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنف میں موضوع ہے بہ نظرِ واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیثِ ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان و صحاح بھر دی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگا دیا ہے جسے ائمہ محققین و نقادِ منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح و تقریب امام نووی و الفیہ امام عراقی و فتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیفِ علماء سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی تعقبات و لآلی مصنوعہ و القول الحسن فی الذب عن السنن و امام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بنہایت تفصیل واضح و روشن مطالعہ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستہ و مسند امام احمد کی چوراسی[84] حدیثوں کو موضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے، مسند امام احمد[38]، صحیح بخاری شریف[1] بروایت حماد بن شاکر، صحیح مسلم شریف[1]، سنن ابی داؤد[9]، جامع ترمذی[23]، سنن نسائی[1]، سنن ابن ماجہ[16]، دوم وہ جن کا

---

[1] الحمد للہ یہ عربی رسالہ مختصر عجالہ باوصف وجازت فوائدِ نفیسہ پر مشتمل اس میں:

اوّلاً طبقات اربعہ حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ کا کلام نقل کیا۔

ثانیاً ایک مسلسل بیان میں اس کی وہ تقریر ادا کی جس سے کلام منتظم ہوکر بہت شبہات کا ازالہ ہوگیا۔

ثالثاً پھر بہت ابحاث رائقہ مؤلفہ ذائقہ ایراد کیں جن سے روشن ہوگیا کہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع نہ مانع نہ ناقد کے کام کی نہ مقلد کو نافع۔

رابعاً اپنی طرف سے ایک عام و شامل تام و کامل ضابطہ وضع کیا جس سے ہر گونہ ناقد و غیر ناقد متوسط و عامی ہر قسم کے آدمی کو حدِ استناد و طریقِ احتجاج واضح ہوگیا آخر میں اُسے کلماتِ علماء سے مؤید کیا اُس کے ضمن میں صحاح ستہ وغیرہا کتبِ حدیث کا مرتبہ اور باہمی تفاوت اور بعض دیگر کتب صحاح کا شمار اور نیز یہ کہ ائمہ و علماء میں کن کن کو دربارۂ تصحیح احادیث تساہل اور کہیں درباب حکم وضع تشدد یا معاملہ جرح رجال میں تعنت تھا بیان کیا جو کچھ دعوٰی کیا ہے اُس کا روشن ثبوت دیا ہے وللہ الحمد ۱۲ منہ (م)

قصد صرف ایراد موضوعاتِ واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق و تنقیح جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر و تنقید کے لیے اُن احادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکمِ وضع کیا جیسے انھیں کا ذیل اللآلی امام ممدوح خطبہ مصنوعہ میں فرماتے ہیں :

ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعیف بل والحسن بل والصحیح کما نبہ علی ذلك الائمۃ الحفاظ و بالی ما اختلج فی ضمیری انتقاؤہ و انتقادہ فاورد الحدیث ثم اعقب بکلامہ ثم ان کان متعقبا بنہت علیہ اھ ملخصا[1]۔

ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اور اُس کے حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا بتاؤں گا۔

اُسی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں :

واذ قد اتینا علی جمیع ما فی کتابہ فنشرع الاٰن فی الزیادات علیہ فمنہا ما یقطع بوضعہ و منہا ما نص حافظ علی وضعہ ولی فیہ نظر فاذکرہ لینظر فیہ[2]۔

اب کہ ہم تمام موضوعاتِ ابن الجوزی بیان کرچکے تو اب اُس پر زیادتیں شروع کریں ان میں کچھ وہ ہیں جن کا موضوع ہونا یقینی ہے اور کچھ وُہ جنھیں کسی حافظ نے موضوع کہا اور میرے نزدیک اس میں کلام ہے تو میں اُسے نظرِ غور کے لیے ذکر کروں گا۔

پُر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضوعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند یا متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً "لایصح" (یہ صحیح نہیں۔ ت) یا "لم یثبت" (یہ ثابت نہیں۔ ت) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر "رفعہ" کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلٰی ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر و تنقیح رہے گا کما لایخفٰی شوکانی کی کتاب موضوعات مسمّٰی بہ فوائد مجموعہ بھی اسی قسمِ ثانی کے ہے خود اُس نے خطبہ کتاب میں اس معنٰی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وُہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنھیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اصلاً ضعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہوجائے، عبارت اُس کی یہ ہے :

---

[1] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ خطبۂ کتاب مطبع ادبیہ مصر ۲/۱

[2] ؎ " خاتمۂ کتاب " ۲/۲۵۱

وقد اذکر مالا یصح اطلاق اسم الموضوع علیہ بل غایۃ مافیہ انہ ضعیف بمرۃ وقد یکون ضعیفا ضعفا خفیفا، وقد یکون اعلی من ذلک والحامل علی ذکر ماکان ھٰکذا التنبیہ علی انہ قد عد ذلک بعض المصنفین موضوعا کابن الجوزی فانہ تساھل فی موضوعاتہ حتی ذکر فیھا ماھو صحیح فضلا عن الحسن فضلا عن الضعیف وقد تعقبہ السیوطی بما فیہ کفایۃ وقد اشرت الی تعقباتہ[1] الخ

کبھی میں اس کتاب میں وہ احادیث ذکر کروں گا جن پر موضوع کا اطلاق درست نہیں بلکہ وہ ضعیف ہوں گی اور بعض کے ضعف میں بھی خفت ہوگی بلکہ بعض میں ضعف ہی نہیں ان کے ذکر کا سبب یہ ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ بعض مصنفین نے انہیں موضوع قرار دیا ہے جیسے ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں تساہل سے کام لیا ہے۔ حتی کہ صحیح روایات کو موضوعات میں ذکر کیا چہ جائیکہ حسن اور ضعیف، امام سیوطی نے ان کا تعاقب کیا ہے، میں نے بھی ان کے تعقبات کی طرف اشارہ کیا ہے الخ (ت)

تو متکلمین طائفہ کا یہ سفیہانہ زعم کہ حدیث تقبیل ابہامین شوکانی کے نزدیک موضوع نہ ہوتی تو کتاب موضوعات میں کیوں ذکر کرتا، کیسی جہالتِ فاحشہ ہے۔

تنبیہ ہرچند یہ افادہ اُن گیارہ افاداتِ سابقہ سے زیادہ متعلق تھا جن میں حضرات طائفہ کے زعمِ موضوعیت کا ابطال ہوا مگر ازانجا کہ ایسی بے تکی بات سے توہم موضوعیت کسی ذی علم کا کام نہ تھا لہذا ان افادات کے ساتھ منسلک کیا کہ واضح ہو کہ ذکر فی الموضوعات ضعفِ شدید کو بھی مستلزم نہیں جو ایک مسلک پر قبول فی الفضائل میں مخل ہو بلکہ حقیقۃً نفس ذکر بے ملاحظۂ حکم تو مفید مطلق ضعف بھی نہیں کہ دونوں قسم میں صحاح وحسان تک موجود ہیں کما تبین۔

لطیفہ **اقول** حضرات وہابیہ کے پچھلے متکلم اگر موضوعات شوکانی کو موضوع نہ سمجھے تو کیا عجب کہ خود ان کے امام شوکانی کی سمجھ بھی ایسی ہی ناقص وناکافی تھی یہیں خطبۂ موضوعات میں علمائے نافیانِ کذب کی دو قسمیں کیں ایک وہ جنھوں نے رواۃ ضعفاء، وکذابین وغیرہم کے بیان میں تصنیفیں کیں جیسے کامل ومیزان وغیرہما وقسم: جعلوا مصنفاتھم مختصۃ بالاحادیث الموضوعۃ[2] دوسرے وہ جنھوں نے اپنی تصانیف احادیثِ موضوعہ سے خاص کیں جیسے ابن جوزی وصغانی وغیرہما اور اسی قسم دوم میں مقاصد حسنہ امام سخاوی کو گن دیا حالانکہ وہ ہرگز تصانیف

عہ افادہ ۴۴ میں شاہ ولی اللہ کا قول گزرا کہ ابن جوزی موضوعات را مجرد ساخت وسخاوی در مقاصد حسنہ حسان لغیرہا از ضعاف ومناکیر ممیز نمود، یہیں سے ظاہر کہ مقاصد حسنہ کتب موضوعات سے کتنے جدا ہیں ۱۲ منہ (م)

---

[1] الفوائد المجموعۃ خطبۃ الکتاب دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم شبہات الخ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۲۸۲

مختصہ بہ موضوعات سے نہیں بلکہ اُس کا مقصود ان احادیث کا حال بیان کرنا ہے جو زبانوں پر دائر ہیں عام ازیں کہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف یا بے اصل یا باطل ولہذا اُس میں بہت احادیث کو ذکر کرکے فرماتے ہیں: یہ صحیح بخاری میں ہے یہ صحیح مسلم کی ہے یہ صحیحین دونوں کے متفق علیہ ہے، بھلے مانس نے اُس کے نام کو بھی خیال نہ کیا المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ[1] (مقاصد حسنہ زبانوں پر دائر بہت سی مشہور حدیثوں کے بیان میں۔ت) نہ اُسی کو آنکھ کھول کر دیکھا اس کے پہلے ہی ورق کی چوتھی حدیث ہے حدیث آیۃ المنافق ثلث متفق علیہ[2] (منافق کی تین علامات ہیں، بخاری ومسلم۔ت) وہیں ساتویں حدیث ہے حدیث ابدأ بنفسك مسلم فی الزکوٰۃ من صحیحہ[3] (اپنے آپ سے ابتدا کرو، اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں زکوٰۃ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ت)

طرفہ تریہ کہ انھیں میں تخریج الاحیاء للعراقی بھی گن دی سبحان اللہ کہاں تخریج احادیث کتاب کہاں تصنیف فی الموضوعات، اسی فہم پر ابوحنیفہ وشافعی سے دعوٰی مساوات ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نتیجۃ الافادات الحمدللہ کلام اپنے ذروہ اعلٰی کو پہنچا اور احقاقِ حق حدِ اقصٰے کو، ان چودہ افادوں نے ماہِ شبِ چہاردہ کی طرح روشن کردیا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں اگر تعددِ طرق وعملِ اہل علم سے متقوی نہ بھی ہوں تو انتہا درجہ ضعیف بضعفِ خفیف اور فضائلِ اعمال میں باجماعِ علماء محدثین وفقہاء مقبول وکافی اور ثبوتِ استحبابِ عمل کے لیے مفید ووافی ہیں منکرین کی ساری چہ میگوئیاں کہ اُن کے ابطال واہمال کے لیے تھیں بعونہٖ تعالٰی اپنی سزائے کردار کو پہنچ گئیں والحمدللہ رب العالمین، اب پھر دستِ استعانت قائد توفیق کے ہاتھ میں دیجئے اور بعنایتِ الٰہی واعانتِ حضرت رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیرالمتناہی تحقیق مرام میں اس سے بھی وسیع تر تنزلی کلام اور آخر میں ازالہ واز باق بقیہ اوہام منکرین لیام کیجئے وباللہ التوفیق۔

افادہ بست وششم[26] (ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی ہے) **اقول** بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جوبات اس میں مذکور ہوئی وہ علماء وصلحاء کے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذب واقعی کو مستلزم نہ تھا، حاکم نے بطریق عمر بن ہارون بلخی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نماز قضائے حاجت کے لئے

---

[1] المقاصد الحسنۃ	مقدمۃ الکتاب	مطبوعہ دار الکتاب العلمیۃ بیروت	ص ۴
[2] 〃 〃 〃	حرف الھمزۃ	〃 〃 〃 〃	ص ۶
[3] 〃 〃 〃	〃	〃 〃 〃 〃	ص

ایک ترکیب عجیب مرفوعاً روایت کی جس کے آخر میں ہے:

ولا تعلموھا السفہاء، فانہ یدعون بہا فیستجابون[1]۔ بیوقوفوں کو یہ نماز نہ سکھاؤ کہ وہ اس کے ذریعے جو چاہیں گے مانگ بیٹھیں گے اور قبول ہوگی۔

ائمہ جرح وتعدیل نے عمر بن ہارون کو سخت شدید الطعن متروک بلکہ متہم بالکذب تک کہا۔ امام احمد و امام نسائی و امام ابوعلی نیشاپوری نے فرمایا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی و امام دارقطنی نے کہا: سخت ضعیف ہے۔ صالح جزرہ نے کہا: کذاب ہے۔ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا، محض لاشی کذاب خبیث[2] ہے۔ (بالکل کوئی شے نہیں کذاب وخبیث ہے۔ ت) کل ذٰلک فی المیزان (یہ سب میزان میں ہے۔ ت) لاجرم حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا، متروك وکان حافظاً[3] (یہ متروک ہے اور حافظ تھا۔ ت) ذہبی نے میزان میں کہا:

کان من اوعیۃ العلم علی ضعفہ، وکثرۃ مناکیرہ وما اظنہ ممن یتعمد الباطل[4]۔ اس ضعف وکثرت مناکیر کے باوجود وہ علم کا ذخیرہ تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی باطل کا ارادہ کرتا ہو۔ (ت)

تذکرۃ الحفاظ میں آخر کہا: لاریب فی ضعفہ[5] (اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں۔ ت)

امام اجل ثقہ حافظ عبدالعظیم زکی منذری نے کتاب الترغیب[عہ] میں یہ حدیث بروایت حاکم نقل کرکے عمر بن ہارون کے متروک ومتہم ہونے سے اُسے معلول کیا،

حیث قال قد تفرد بہ عمر بن ھارون البلخی و جہاں کہا کہ اس کے بیان کرنے میں عمر بن ہارون بلخی متفرد ہے

عہ فی الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ۱۲ منہ (م) (ترغیب میں نماز حاجت کے تحت اس کو بیان کیا ہے۔ ت)

---

[1] الترغیب والترہیب فی صلاۃ الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

نصب الرایۃ الحدیث الثانی والاربعون من کتاب الکراہیۃ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۲۷۳

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۸

[3] تقریب التہذیب حرف العین " مطبع فاروقی دہلی ص ۱۹۲

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ عمر بن ہارون مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۹

[5] تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السابعہ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۳۱۲

وھو متروك متھم اثنی علیه ابن مھدی وحدہ فیما اعلمه اھ قلت بل اختلف الروایة عن ابن مھدی ایضا فقال فی المیزان قال

اور وہ متروک و متہم ہے میرے علم کے مطابق ابن مہدی نے فقط اسے بہتر قرار دیا ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) کہ ابن مہدی سے بھی روایت مختلف ہے، میزان میں ہے

عہ اقول ھذا عجیب من مثل الحافظ مع قول نفسه فی خاتمة الکتاب ضعفه الجمھور ووثقه قتیبة وغیرہ اھ فی تذکرة الحفاظ عن الابار عن ابی غسان عن بھز بن اسد انه قال اری یحیٰی بن سعید حسدہ قال وساق الخطیب باسنادہ عن ابی عاصم انه ذکر عمر بن ھارون فقال عمر عندنا احسن اخذ للحدیث من ابن المبارك وقال المروزی سئل ابو عبد اللہ عن عمر بن ھارون فقال ما اقدر ان اتعلق علیه بشیئ کتبت عنه کثیرا فقیل له قد کانت له قصة مع ابن مھدی فقال بلغنی انه کان یحمل علیه وقال احمد بن سیار کان کثیر السماع کان قتیبة یطریه ویوثقه الخ ثم ذکر تکذیبه وترکه وجرحه عن ابن معین وآخرین ثم قال قلت لاریب فی ضعفه وکان لما حافظا فی حروف القرأت مات سنة اربع وتسعین وثلث مائة اھ ۱۲ منه (م)

اقول حافظ جیسے لوگوں پر تعجب ہے کہ خود انہوں نے خاتمہ کتاب میں کہا کہ اسے جمہور نے ضعیف کہا اور قتیبہ وغیرہ نے اسکی توثیق کی اھ اور تذکرۃ الحفاظ میں از ابار از ابن غسان از بہز بن اسد ہے وہ کہتے ہیں میں نے یحیٰی بن سعید کو دیکھا وہ ان پر حسد کرتے تھے کہا اور خطیب اپنی سند سے ابو عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عمر بن ہارون کا ذکر کیا تو کہا کہ عمر ہمارے نزدیک حدیث اخذ کرنے میں ابن المبارک سے احسن ہے، اور مروزی نے کہا ابو عبد اللہ سے عمر بن ہارون کے متعلق پوچھا گیا تو کہا میں ان کے بارے میں کوئی شئ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا میں نے ان سے بہت روایات لکھی ہیں ان سے کہا گیا کہ ان کا ابن مہدی کے ساتھ فلاں معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ وہ اس پر حملہ کرتا تھا، اور احمد بن سیار نے کہا کہ وہ کثیر السماع تھا، قتیبہ اس کی تعریف و توثیق کرتا تھا الخ، پھر اس کی تکذیب، ترک اور جرح ابن معین وغیرہم سے ذکر کرنے کے بعد کہا میں کہتا ہوں اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں، اور وہ قراآتِ حروف میں امام و حافظ تھے ان کا وصال ۲۹۴ھ میں ہوا اھ ۱۲ منه (ت)

لہ الترغیب والترھیب فی صلاۃ الحاجۃ و دعائھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

ابن مہدی واحمد والنسائی متروك الحدیث ثم قال وقال ابن حبان کان ابن مہدی حسن الرای فی عمر بن ھارون[1] اھ فالله تعالٰی اعلم۔

کہ ابنِ مہدی، احمد اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے، پھر کہا کہ ابنِ حبان کہتے ہیں کہ ابن مہدی عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اھ فاللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بایں ہمہ ازانجا کہ مستدرک میں تھا:

قال احمد بن حرب قد جربتہ فوجدتہ حقا، وقال ابراھیم بن علی الدیبلی[عہ1] قد جربتہ فوجدتہ حقا، وقال الحاکم قال لنا ابو زکریا قد جربتہ فوجدتہ حقا قال الحاکم قد جربتہ فوجدتہ حقا۔[2]

احمد بن حرب نے کہا میں نے اس نماز کو آزمایا حق پایا، ابراہیم بن علی دیبلی نے کہا میں نے آزمایا حق پایا ہم سے ابوزکریا نے کہا میں نے آزمایا حق پایا، حاکم کہتے ہیں خود میں نے آزمایا تو حق پایا[عہ2]۔

لہذا امام حافظ منذری نے فرمایا: الاعتماد فی مثل ھذا علی التجربۃ لا علی الاسناد[3] (ایسی جگہ اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے نہ کہ اسناد پر) امام ابن امیر الحاج حلیہ[عہ3] میں حدیث کا وہ ضعف شدید اور امام ابن جوزی کا اُسے

عہ1: نسبۃ الٰی دیبل بفتح الدال المھملۃ وسکون الیاء المثناۃ من تحت وضم الباء الموحدۃ والاٰخر لام قصبۃ بلاد السند کما فی القاموس ۱۲ منہ (م)

یہ دَیْبُلْ کی طرف منسوب ہے۔ دیبل دال مہملہ کے فتح کے ساتھ، یاء مثنّٰی کے سکون باء موحدہ کے پیش کے ساتھ اور آخر میں لام ہے کہ بلادِ سندھ میں ایک قصبہ ہے قاموس میں ایسے ہی ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ2: اقول بحمد اللہ تعالٰی اس فقیر نے بھی کئی بار آزمایا حق پایا بعض قریب تر اعزّہ کو سخت ناسازی تھی طول ہوا یہاں تک کہ ایک روز حالت مثل نزع طاری ہوئی سب رونے لگے فقیر مشغولِ نماز مذکور ہوا پڑھ کر آیا تو عزیز مذکور بیٹھا باتیں کرتا پایا وللہ الحمد بیس سال ہونے کو آئے جب سے بحمد اللہ فضلِ الٰہی سے ہے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ ۱۲ منہ (م)

عہ3: اٰخر الکتاب فی الفضائل الثالث عشر فی صلاۃ الحاجۃ من فصول تکمیل الکتاب ۱۲ منہ (م)

یہ کتاب کے آخر میں فضائل کے بیان میں جو تیرھویں فصل نمازِ حاجت کے بیان میں تکمیلِ کتاب کی فصول میں سے ہے (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۲ عمر بن ہارون مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۳/ ۲۲۸ و ۲۲۹
[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الحاکم الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

بایقین موضوع کہنا[1] ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ومشی علی ھذا فی الحاوی القدسی فانہ ذکر ھذہ الصلٰوۃ للحاجۃ علی ھذا الوجہ من الصلٰوۃ المستحبۃ[2]۔

حاوی قدسی میں اسی پر عمل کیا کہ انہوں نے حاجت کیلئے اس ترکیب کو مستحب نمازوں میں ذکر فرمایا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے امام اجل سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ الشریف کا ارشاد و لطیف افادہ ۱۵ میں گزرا کہ میں نے صحتِ حدیث کو اس جوان کی صحتِ کشف سے پہچانا یعنی جب اس کے کشف سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو وعدہ آیا تھا ٹھیک اُترا معلوم ہوا کہ حدیث صحیح ہے اب صدر رسالہ میں امام سخاوی کے نقول دیکھ لیجئے کہ اس تقبیلِ ابہامین کے کتنے تجربے علما و صلحاسے منقول ہوئے ہیں لاجرم علامہ طاہر فتنی نے فرمایا روی تجربۃ ذلك عن کثیرین[3] (اس کا تجربہ بہت سے لوگوں سے روایت کیا گیا) تو عزیزو! اگر بفرض غلط سند کسی قابل نہ سمجھو تاہم تجربہ علما کو سند کافی جانو۔

افادۂ بست و ہفتم (بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلاسند مذکور رہنا ہی بس ہے) **اقول** بھلایاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقۂ رابعہ وغیرہا

عہ ھو اٰخر حدیث من باب الصلاۃ فی الموضوعات قال المخرج موضوع عمر بن ھارون کذاب قال خاتم الحفاظ عمر روی لہ الترمذی وابن ماجۃ وقال فی المیزان کان من اوعیۃ العلم الی اٰخرما نقلنا قال وجدت للحدیث طریقا اٰخر فذکرما اسند ابن عساکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ نحوہ وسکت علیہ خاتم الحفاظ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

نماز کے باب میں موضوعات میں یہ آخری حدیث ہے تخریج کرنے والے نے کہا یہ موضوع ہے عمر بن ہارون کذاب ہے، خاتم الحفاظ نے کہا عمر سے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت لی ہے، میزان میں "کان من اوعیۃ العلم الی آخرما نقلنا" (وہ علم کا ذخیرہ تھا آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے) کہا اور کہا کہ اس حدیث کی ایک اور سند بھی میں نے دیکھی ہے پھر وہ سند ذکر کی جو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اس پر خاتم الحفاظ نے سکوت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] خاتمہ مجمع بحار الانوار نولکشور لکھنؤ ۵۱۱/۳

کسی طبقہ حدیث میں اُس کا نام نہ نشان نہ ہو، حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصالِ اقدس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حضور والا کو ندا کرکے بابی انت وامی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ کہہ کر حضور کے فضائلِ جلیلہ وشمائلِ جمیلہ عرض کرنا، یہ حدیث امام ابو محمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علماء سے تھے ۴۶۶ھ میں انتقال کیا اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار اور ابو عبداللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی مالکی نے کہ آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے ۷۳۰ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی دونوں نے محض بلاسند ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتا نہ پایا کُتبِ حدیث میں اصلا نشان نہ ملا مگر ازانجا کہ مقام مقامِ فضائل تھا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان ناوانوں گُندحواسوں فرقِ مراتب ناشناسوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی اُنہیں اُس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا علامہ ابو العباس قصار نے اسے شرح قصیدۂ بردہ شریف میں ذکر کیا اور انھیں رشاطی کا حوالہ دیا، پھر امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ[عہ۱] میں بصیغۂ جزم ذکر کی، اسی شرح قصارہ ومدخل کی سند دی، اسی مواہب شریف ونسیم الریاض[عہ۲] علامہ شہاب خفاجی مصری و مدارج النبوۃ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا میں علمائے کرام نے اس حدیث کو زیر بیان آیہ کریمہ لا اقسم بھذا البلد ۝ وانت حل بھذا البلد[1] (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور اے محبوب! تو اس میں جلوہ افروز ہے۔ت) جس میں رب العزت جل وعلا نے شہرِ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسم یاد فرمائی ہے محلِ استناد میں ذکر کیا کہ قرآنِ عظیم نے حضور پُرنور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان پاک کی بھی قسم کھائی کہ لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون[3] (تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور حضور کے شہر مکہ معظمہ کی بھی قسم کھائی کہ لا اقسم بھذا البلد[4] مگر اس قسم میں اُس قسم سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے جس طرح امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ عرض کرتے ہیں میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ، اللہ عزوجل کے نزدیک حضور کا مرتبہ اس حد کو پہنچا کہ حضور کے خاکِ پا کی قسم یاد فرمائی لا اقسم بھذا البلد ۝ نسیم[1] کی دلکشا عبارت یہ ہے:

عہ۱: الفصل الاول من المقصد العاشر ۱۲ منہ (م) دسویں مقصد کی پہلی فصل میں دیکھو۔(ت)

عہ۲: الفصل الرابع من الباب الاول ۱۲ منہ (م) باب اول کی چوتھی فصل میں دیکھو۔(ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمہ تعالٰی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] القرآن ۹۰/ ۲ [3] القرآن ۱۵/ ۷۲ [4] القرآن ۹۰/ ۱

قد قالوا ان هذا القسم ادخل فی تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من القسم بذاتہ وبحیاتہ کما اشار الیہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بقولہ بابی انت وامی یارسول اللہ قد بلغت من الفضیلۃ عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال لا اقسم بھذا البلد[1]

مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے شہر کی قسم، آپ کی ذات اور عمر کی قسم سے زیادہ تعظیم پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اس کی طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا، یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں آپ اللہ تعالٰی کے ہاں اتنے عظیم المرتبت ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے مبارک قدموں کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا ہے: لا اقسم بھذا البلد (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں)۔ (ت)

مواہب[عہ] میں ہے:

علی کل حال فھذا متضمن للقسم ببلد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولایخفی مافیہ من زیادۃ التعظیم وقد روی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بابی انت وامی یارسول اللہ لقد بلغ من فضیلتك عند اللہ ان اقسم بحیاتك دون سائر الانبیاء ولقد بلغ من فضیلتك عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال لا اقسم بھذا البلد[2]

ہر حال میں یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر کی قسم کو متضمن ہے اور اس قسم میں جو عظمتِ مرتبہ ہے وہ مخفی نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی فضیلت اللہ تعالٰی کے ہاں اتنی بلند ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کی ہی اس نے قسم اٹھائی ہے نہ کہ دوسرے انبیاء کی اور آپ کی عظمت و مرتبت اس کے ہاں اتنی عظیم ہے کہ اس نے "لا اقسم بھذا البلد" کے ذریعے آپ کے مبارک قدموں کی خاک کی قسم اٹھائی ہے۔ (ت)

عہ المقصد السادس النوع الخامس الفصل الخامس ۱۲ منہ (م) دسویں مقصد کی نوع خامس سے پانچویں فصل دیکھو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمہ تعالٰی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی الفصل الخامس من النوع الخامس الخ مطبعۃ عامرہ مصر ۶/ ۲۷۰

مدارج میں اسے نقل کرکے فرمایا :

یعنی سوگند خوردن بلد کہ عبارت است کہ از زمینے کہ پے سپر میکند، آنرا (پائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سوگند بخاک پائے خوردن ست ، و ایں لفظ درظاہر نظر سخت مے درآید ، نسبت بجناب عزت چوں گویند کہ سوگند میخورد بخاک پائے حضرت رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و نظر بحقیقت معنی صاف و پاک ست کہ غبارے براں نہ ، و تحقیق ایں سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرت رب العزت جل جلالہ بچیزے غیر ذات و صفات خود برائے اظہار شرف و فضیلت و تمیز آں چیز ست نزد مردم و نسبت بایشاں تا بدانند کہ آں امرے عظیم و شریف است نہ آنکہ اعظم است نسبت بوے تعالیٰ الخ

یعنی شہر کی قسم کھانے سے مراد یہی ہے کہ اس کے خاکِ پا کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ شہر سے مراد وہ زمین اور جگہ ہے جہاں حضور پاؤں رکھ کر چلتے ہیں ، بظاہر یہ الفاظ سخت معلوم ہوتے ہیں کہ باری تعالیٰ حضور کے خاکِ پا کی قسم اٹھائے ، لیکن اگر اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی پوشیدگی و غبار نہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی ذات و صفات کے علاوہ کسی شَے کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ شَے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سے عظیم ہے بلکہ حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کو وہ شرف و عظمت نصیب ہو جائے جس کی وجہ سے عام لوگوں پر اس کا امتیاز قائم ہو اور لوگ محسوس کریں کہ یہ شے بنسبت دوسری چیزوں کے نہایت عظیم ہے نہ کہ وہ معاذ اللہ بنسبت اللہ تعالیٰ کے عظیم ہے

میں ایک اسی حدیث بے سند کو کیا ذکر کرتا کہ اس کی تو صد ہا نظیریں کتبِ علماء میں موجود ہیں زیادہ جانے دیجئے یہ پچھلے زمانے کے بڑے محدث شاہ ولی اللہ صاحب بھی جابجا اپنی تصانیف میں ایسی کتب کی حدیثوں سے سند لاتے ہیں جو نہ کسی طبقۂ حدیث میں داخل نہ اُن میں سند کا نام و نشان ، قرۃ العینین میں روایات مذکورۂ تاریخ یافعی و روضۃ الاحباب و شواہد النبوۃ مولانا جامی قدس سرہ السامی سے استناد موجود، مثلاً لکھا :

اما اتصاف شیخین بصفات کاملہ تلبیہ[2] پس بطریق شیخین (صدیق و فاروق) صفات کاملہ مشہودہ

عہ قسم اول باب سوم فصل دوم ۱۲ منہ (م)

[1] مدارج النبوۃ وصل مناقب جلیلہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

نوٹ : مدارج النبوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر کے نسخہ میں خط کشیدہ عبارت نہیں ہے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی عبارت اس نسخے میں کسی وجہ سے رہ گئی اور اعلیٰحضرت کی عبارت میں جو اضافہ ہے وہ درست ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بصفات کاملہ الخ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۹۲

اتم بود و ظہور خرقِ عوائد و تربیتِ الٰہی ایشاں را بروٴیا و مانند آں از ایشاں بسیار مروی شدہ حدیثی چند ازیں جملہ نیز روایت کنیم[1] در شواہد النبوۃ از ابومسعود انصاری منقول است کہ گفتہ است اسلام ابوبکر شبیہ بوحی است زیرا کہ وے گفتہ است کہ شبی پیش از بعثت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در خواب دیدم کہ نورے عظیم از آسماں فرود آمد و بربامِ کعبہ افتاد الخ[2] ونیز در شواہد مذکور است کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق گفتہ است کہ روزے در ایام جاہلیت در سایہ درختے نشستہ بودم ناگاہ میل بمن کرد بجانب من کرد آوازے ازاں درخت بگوش من آمد کہ پیغمبرے در فلاں وقت بیروں خواہد آمد مے باید کہ تو سعادت مندترین مردمان باشی بوے الخ ونیز در شواہد از ابوبکر صدیق منقول است کہ در مرض آخر خود گفت کہ امشب در تفویض امر خلافت بتکرار استخارہ کردم[3] الخ ملتقطاً۔

کے ساتھ بطریق اتم متصف تھے اور اُن سے خرقِ عادت اور تربیتِ الٰہیہ کے طور خواب وغیرہ جیسے معاملات کا اظہار بھی احادیث میں مروی ہے ان میں سے ایک حدیث کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں، شواہد النبوۃ میں ابومسعود انصاری سے مروی ہے کہا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر کا اسلام مشابہ بالوحی ہے کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم نور آسمان سے نیچے آیا اور کعبہ کی چھت پر اترا ہے الخ شواہد النبوۃ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دورِ جاہلیت میں ایک دن ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اچانک وہ درخت میری طرف جھک گیا اور اس درخت سے میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ فلاں وقت اللہ کا پیغمبر آئے گا تو ان کے ساتھیوں میں نہایت ہی سعادت مند ہوگا الخ اور یہ بھی شواہد میں حضرت ابوبکر صدیق سے منقول ہے کہ آپ نے آخری مرضِ وصال میں فرمایا کہ آج میں نے خلافت کے معاملات کو سپرد کرنے کے لیے بار بار استخارہ کیا ہے الخ ملتقطاً (ت)

اُسی میں ہے:

چو نوبت خلافت بفاروق رسید سیاستی بر دست او واقع شد کہ غیر نبی بر آں قادر نباشد و اگر عقل سلیم را اعمال نمایم در امورے کہ خلافتِ انبیاء را می شاید

جب خلافت حضرت فاروقِ اعظم کے سپرد ہوئی تو آپ نے سیاست کو اس طرح بہتر انداز میں نبھایا کہ کسی غیر نبی سے ایسا ممکن نہ تھا اگر عقلِ سلیم کو امورِ خلافت

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین انصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۹۴

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۹۵

بہتر از حال وے متصور نگردد زیرا کہ حضرت پیغامبر
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدو چیز مشغول بودند یکے
تعلیم علم و فاروق اعظم مسائل را تفحص کرد و ترتیب
کتاب و سنت و اجماع و قیاس آورد و سد مداخل
تحریف نمود چنانکہ علمائے صحابہ ہمہ گواہی دادند کہ وے
اعلم زمان خود است دیگر جہاد کفار و فاروق تحمل اعبائے
جہاد بوجہے نمود کہ خوب تر ازاں صورت نگیرد و قال
الیافعی فی السنۃ الرابعۃ عشر فتحت دمشق الخ
در روضۃ الاحباب مذکور است کہ در زمان خلافت وے
ہزار و سی و شش شہر با توابع و لواحق آں فتح شد
چہار ہزار مسجد ساختہ گشت و چہار ہزار کنیسہ خراب گردید
و یک ہزار و نہ صد منبر بنا کردند اھ بالالتقاط۔

میں بروئے کار لایا جائے تو محسوس ہوگا کہ انبیاء کی خلافت کا
کام ان سے بہتر نبھایا نہیں جا سکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم جن دو معاملات کی طرف بہت ہی زیادہ
توجہ دیتے تھے ان میں سے ایک تعلیم علم ہے اور فاروق اعظم
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسائل میں کھود کرید کرکے اور نہایت
ہی محنت و کوشش کے ساتھ کتاب و سنت، اجماع و
قیاس کی ترتیب کو قائم فرما کر تحریف کے تمام راستے بند
کر دئے، چنانچہ تمام صحابہ نے اس بات کی گواہی دی ہے
کہ وُہ اپنے دور میں سب سے زیادہ عالم تھے۔
دوسرا معاملہ جہاد کا تھا اور فاروق اعظم نے اس معاملہ
کو اس طرح نبھایا کہ اس سے بہتر تصور نہیں کیا جا سکتا۔
یافعی کہتے ہیں کہ ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوگیا الخ اور
روضۃ الاحباب میں ہے کہ فاروق اعظم کے دور میں ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) شہر مع مضافات فتح ہوئے، چار ہزار
(۴۰۰۰) مساجد کی تعمیر ہوئی، چار ہزار (۴۰۰۰) کنیسے تباہ کیے گئے، ایک ہزار نو سو (۱۹۰۰) منبر تیار ہوئے
اھ بالالتقاط۔ (ت)

یونہی تفسیر عزیزی وغیرہ تصانیف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب میں ایسے بہت اسناد ملیں گے اس کا
گننا ہی کہا تھا مجھے تو یہاں یہ نص قاہر و باہر سنانا ہے کہ حدیث مذکور فاروقی یا بی انت و امی یا رسول اللہ کا ایک
پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا اُس پر امام خاتم الحفاظ
جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا پھر اُن کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم میں

عہ احادیث الفصل السابع من الباب الاول ۱۲ منہ (م)

۱؎ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مآثر جمیلہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۳۰
۲؎ " " " " " " " " ص ۱۳۱
۳؎ " " " " " " " " ص ۱۳۲

ارشاد کیا:

لم اجده فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلك سند المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام[1]

میں نے یہ حدیث کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی، مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں ایک حدیث طویل اسے ذکر کیا، ایسی حدیث کو اتنی ہی سند بہت ہے کہ وہ کچھ احکام سے تو متعلق نہیں۔ (ت)

فقیر بعون رب قدیر جل وعلا تنزل پر تنزل کرکے روشن تر سے روشن تر کلام کرے مگر حضرات منکرین کی آنکھیں خدا ہی کھولے۔

افادۂ بست و ہشتم (حدیث اگر موضوع بھی ہو تو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں)، **اقول** اچھا سب جانے دیجئے اپنی خاطر پورا تنزل لیجئے بالفرض حدیث موضوع و باطل ہی ہو تاہم موضوعیت حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیثِ عدم، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہ ہوا نہ یہ کہ انکار و منع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعد شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحت اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن و مستحسن ہوجائے گا۔

کماھو شان المباحات جمیعا کما نص علیہ[2] فی الاشباہ من القاعدۃ الاولٰی اما المباحات فانھا تختلف صفتھا باعتبار ما قصدت لاجلہ[2] وعنہا نقل فی اوائل نکاح رد المحتار وفیہ ایضا من کتاب الاضحیۃ فی مسئلۃ العقیقۃ وان قلنا انھا مباحۃ لکن یقصد الشکر تصیر قربۃ فان النیۃ تصیر العادات عبادات والمباحات طاعات[3] اھ وکلام الانموذج مر فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین ۱۲ منہ (م)

جیساکہ تمام مباحات کا معاملہ ہے جیساکہ اس پر اشباہ میں قاعدہ اولٰی میں ہے کہ مباحات صفت کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں اس اعتبار کے ساتھ جس کا ارادہ کیا گیا ہو الخ اس عبارت کو رد المحتار کی کتاب النکاح کے اوائل میں نقل کیا گیا ہے، رد المحتار کی کتاب الاضحیۃ میں بھی عقیقہ کے مسئلہ کے متعلق ہے کہ ہم کہتے ہیں یہ اگرچہ مباح ہے لیکن شکر کے ارادہ سے عبادت بن جاتا ہے کیونکہ نیت عادت کو عبادت میں اور مباحات کو عبادت و فرمانبرداری میں بدل دیتی ہے اھ اور انموذج العلوم کا کلام اکیسویں افادہ میں گزر چکا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء باب اول الفصل السابع فیما اخبرہ اللہ تعالٰی الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۸
[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول النیۃ فی العبادات الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴
[3] رد المحتار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

الاشباہ وردالمحتار وانموذج العلوم وغیرھا من معتمدات الاسفار۔ و ردالمحتار اور انموذج العلوم اور ان جیسی دیگر معتمد کتب میں تصریح کی ہے (ت)

حدیث کے موضوع ہونے سے فعل کیوں ممنوع ہونے لگا موضوع خود باطل ومہمل وبے اثر ہے یا نہی وممانعت کا پروانہ لاجرم علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی واما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال[1] فرماتے ہیں:

ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعۃ واما لوکان داخلا فی اصل عام فلامانع منہ لا لجعلہ حدیثا بل لدخولہ تحت الاصل العام[2]۔ یعنی جس فعل کے بارہ میں حدیث موضوع وارد ہوا اُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی نہ اس لیے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لیے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔

اقول فقد افاد رحمہ اللہ تعالٰی بتعلیلہ ان المراد جواز العمل بما فی موضوع لالکونہ فی موضوع وسنلقی علیک تحقیق المقام بتوفیق الملک العلام فانتظر۔ **اقول** سید احمد طحطاوی نے اس تعلیل کے ذریعے یہ ضابطہ بیان فرمادیا کہ مراد یہ ہے اگر موضوع حدیث کے مفہوم میں جو شرعی قاعدہ کے موافق ہے اس پر عمل ہے نہ کہ موضوع حدیث پر عمل ہے، عنقریب ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے پس آپ انتظار کریں۔ (ت)

یہ تو تصریح کلی تھی اب جزئیات پر نظر کیجئے تو وہ بھی باعلٰی ندا شہادت جواز دے رہے ہیں جس نے کلمات علمائے کرام حشرنا اللہ تعالٰی فی زمرتہم کی خدمت کی وہ جانتا ہے کہ ورود موضوعات واباطیل اُن کے نزدیک موجب منع فعل نہ تھا بلکہ باوصف اظہار وضع بطلان حدیث اجازت افعال کی تصریح فرماتے یہاں بنظرِ اختصار چند امثلہ پر اقتصار۔

(۱) امام سخاوی مقاصدِ حسنہ میں فرماتے ہیں:

حدیث لبس الخرقۃ الصوفیۃ وکون الحسن البصری لبسھا من علی قال ابن دحیۃ و خرقہ پوشی صوفیۂ کرام کی حدیث اور یہ کہ حضرت حسن بصری قدس سرہ السری نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷۵

ابن الصلاح انه باطل وكذا قال شيخنا، انه ليس فی شئ من طرقها مايثبت ولم يرد فی خبر صحيح ولا حسن ولا ضعيف ان النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم البس الخرقة علی الصورة المتعارفة بين الصوفية لاحد من اصحابه ولا امر احدا من اصحابه بفعل ذلك وكل ما يروی فی ذلك صريحا فباطل، ثم ان ائمة الحديث لم يثبتوا للحسن من علی سماعا فضلا عن ان يلبسه الخرقة ولم يتفرد شيخنا بهذا بل سبقه اليه جماعة حتی من لبسها والبسها كالدمياطی والذهبی والهكاری وابی حيان والعلائی ومغلطائی والعراقی وابن الملقن والابناسی والبرهان الحلبی وابن ناصر الدين هذا مع الباسی اياها الجماعة من اعيان المتصوفة امتثالا لالزامهم لی بذلك حتی تجاه الكعبة المشرفة تبركا بذكر الصلحين واقتفاء لمن اثبته من الحفاظ المعتمدين[1] اھ بتلخيص۔

وجہہ الکریم سے خرقہ پہنا امام ابن دحیہ و امام ابن الصلاح نے فرمایا باطل ہے، ایسا ہی ہمارے استاد امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اس کی کوئی سند ثابت نہیں نہ کسی خبر صحیح نہ حسن نہ ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت معمولۂ صوفیۂ کرام پر کسی کو خرقہ پہنایا یا اس کا حکم فرمایا جو کچھ اس بارہ میں صریح روایت کیا جاتا ہے سب موضوع ہے پھر ائمہ حدیث تو حضرت حسن کا حضرت مولٰی سے حدیث سُننا بھی ثابت نہیں کرتے خرقہ پہنانا تو بڑی بات ہے اور یہ بات کچھ ہمارے شیخ ہی نے نہ فرمائی بلکہ اُن سے پہلے ایک جماعت ائمہ محدثین ایسا ہی فرما چکی یہاں تک کہ وہ اکابر جنھوں نے خود پہنا پہنایا جیسے امام دمیاطی امام ذہبی امام شیخ الاسلام سید ناہکاری امام ابوحیان امام علاء الدین علائی امام مغلطائی امام عراقی امام ابن ملقن امام ابناسی امام برہان حلبی امام ابن ناصر الدین دمشقی یہ باآنکہ میں نے خود ایک جماعت عمدۂ متصوفین کو خرقہ پہنایا کہ مشائخ کرام نے مجھ پر لازم فرمایا تھا یہاں تک کہ خاص کعبہ معظمہ کے سامنے پہنایا ذکر اولیائے کرام سے برکت لینے اور حفاظ معتمدین کی پیروی کو جو اسے ثابت کرگئے۔ (ت)

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، دیکھو یہ جماعت کثیرہ ائمہ دین و حملۂ شرع مبین باآنکہ احادیث خرقہ کو باطل محض جانتے پھر بھی خرقہ پہنتے پہناتے اور اسے باعث برکات مانتے۔

تنبیہ: یہ انکار محدثین اپنے مبلغ علم پر ہے اور وہ اُس میں معذور مگر حق اثبات سماع ہے محققین نے اُسے بسند صحیح ثابت کیا امام خاتم الحفاظ جلال سیوطی نے خاص اس باب میں رسالہ اتحاف الفرقۃ تالیف فرمایا اُس میں

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف اللام مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت ص ۳۳۱

رت ہیں،

اثبتہ جماعۃ وھو الراجح عندی لوجوہ وقد رجحہ ایضا الحافظ ضیاء الدین المقدسی فی المختارۃ وتبعہ الحافظ ابن حجر فی اطراف المختارۃ۔

حضرت حسن کا حضرت مولیٰ سے سماع ایک جماعت محدثین نے ثابت فرمایا اور یہی متعدد دلیلوں سے میرے نزدیک راجح ہے اسی کو حافظ ضیاء الدین مقدسی نے تلخیص صحیح مختارہ میں ترجیح دی اور امام الشان ابن حجر عسقلانی نے اطراف مختارہ میں ان کی تبعیت کی (ت)

پھر دلائل ترجیح لکھ کر فرماتے ہیں، امام ابن حجر نے فرمایا، مسند ابی یعلیٰ میں ایک حدیث ہے کہ،

حدثنا جویریۃ بن اشرس قال اخبرنا عقبۃ بن ابی الصھباء الباھلی قال سمعت الحسن یقول سمعت علیا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مثل امتی مثل المطر الحدیث[2]

جویریہ بن اشرس نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عقبہ بن ابی صہبا باہلی نے ہمیں خبر دی کہ میں نے حسن بصری سے سنا وہ کہتے تھے میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے الحدیث (ت)

ہمارے شیخ المشائخ محمد بن حسن بن صیرفی نے فرمایا یہ حدیث نص صریح ہے کہ حسن کو مولیٰ علی سے سماع حاصل ہے اس کے رجال سب ثقات ہیں جویریہ کو ابن حبان اور عقبہ کو امام احمد و یحیٰی بن معین نے ثقہ کہا انتہی۔

اقول یہ تو بطور محدثین ثبوت صریح و صحیح ہے اور حضرات صوفیۂ کرام کی نقل متواتر تو موجب علم قطعی و یقینی ہے جس کے بعد حصول سماع و لبس خرقہ میں اصلاً محل سخن نہیں وللہ الحمد۔

(۲) علامہ طاہر فتنی آخر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں،

من شم الورد ولم یصل علی فقد جفانی ھو باطل وکذب وکذا من شم الورد الاحمر الخ ذ[*] وقد کتبت فی شان الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی

یہ حدیث کہ جس نے پھول سونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اس نے مجھ پر ظلم کیا باطل وکذب ہے ایسی ہی وہ حدیث جو گلاب کا پھول سونگھنے میں آئی الخ ذ، میں نے

---

[*] عن الفتنی یکتب ذ علی ما یزید من عند نفسہ فلعلھا رمز للزیادۃ ۱۲ منہ (م)

علامہ فتنی جو اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں تو "ذ" لکھ دیتے ہیں غالباً اس "ذ" سے اس اضافہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الحاوی للفتاوٰی رسالہ اتحاف الفرقۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۲

[2] " " " " ۲/ ۱۰۳

علیہ وسلم عند الطیب لشیخنا الشیخ علی المتقی قدس سرہ ھل لہ اصل فکتب الجواب عن شیخنا الشیخ ابن حجر قدس سرہ او غیرہ بما نصہ اما الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ذلک ونحوہ فلا اصل لھا ومع فی ذلک فلا کراھۃ عندنا[1] اھ ملخصا۔

اس باب میں اپنے شیخ حضرت شیخ علی متقی مکی قدس سرہ الملکی کو لکھا کہ خوشبو سونگھتے وقت درود پاک کی کچھ اصل ہے؟ انھوں نے ہمارے استاذ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی یا کسی اور عالم کے حوالہ سے جواب تحریر فرمایا کہ ایسے وقت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی کچھ اصل نہیں تاہم ہمارے نزدیک اس میں کوئی کراہت بھی نہیں اھ ملخصاً۔

پھر امام مذکور بعد اس تحقیق کے کہ اُس وقت غافلانہ بے نیتِ ثواب درود نہ پڑھنا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں:

اما من استیقظ عند اخذ الطیب او شمہ الی ماکان علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من محبتہ للطیب واکثارہ منہ فتذکر ذلک الخلق العظیم فصلی علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حینئذ لما وقر فی قلبہ من جلالتہ واستحقاقہ علی کل امتہ ان یلحظوہ بعین نہایۃ الاجلال عند رؤیۃ شیئ من اٰثارہ اومایدل علیھا فھذا لاکراھۃ فی حقہ فضلا عن الحرمۃ بل ھواٰت بما فیہ اکمل الثواب الجزیل والفضل الجمیل وقد استحبہ العلماء لمن رای شیأ من اٰثارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا شک ان من استحضر ما ذکرتہ عند شمہ الطیب یکون کالرأی لشیئ من اٰثارہ الشریفۃ فی المعنی فلیس لہ الاکثار من الصلاۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ مختصرا۔

ہاں خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت متنبہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے دوست رکھتے اور بکثرت استعمال فرماتے تھے اس خلق عظیم کو یاد کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجے کہ حضور کی عظمت اور تمام امت پر حضور کا یہ حق ہونا اُس کے دل میں جما کہ جب حضور کے آثار شریفہ یا اُن پر دلالت کرنے والی کوئی چیز دیکھیں تو نہایت تعظیم کی آنکھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور کریں تو ایسے کے حق میں حرمت چھوڑ کراہت کیسی، اس نے تو وہ کام کیا جس پر ثواب کثیر و فضل جمیل پائے گا کہ زیارتِ آثار شریفہ کے وقت درود پڑھنا علما نے مستحب رکھا ہے اور شک نہیں کہ جس نے خوشبو سونگھتے وقت یہ تصور کیا وہ گویا معنًی بعض آثار شریفہ کی زیارت کر رہا ہے تو اُسے اس وقت حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود و سلام کی کثرت سنت ہے اھ مختصراً۔

---

[1] و [2] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الالسن، نولکشور لکھنؤ ۲/۵۱۲، ۵۱۲

دیکھو باآنکہ احادیث موضوع تھیں اور خاص فعل کی اصلا سند نہیں پھر بھی علما نے جائز رکھا اور بہ نیت نیک باعث اجر عظیم و فضلِ کریم قرار دیا۔

(۳) فتح الملک المجید کے باب ثامن عشر میں بعد ذکر احادیث ادعیہ و اذکار صبح و شام ہے:

یشبہھا مایتداولہ السادۃ الصوفیۃ من قول لا الٰہ الا اللّٰہ سبعین الف مرۃ یذکرون اللّٰہ تعالٰی یعتق بہا رقبۃ من قالہا واشتری بہا نفسہ من النار ویحافظون علیہا لانفسہم ولمن مات من اھالیھم واخوانہم وقد ذکرھا الامام الیافعی والعارف الکبیر المحی الدین ابن العربی و اوصی بالمحافظۃ علیہا وذکروا انہ قد ورد فیہا خبر نبوی لکن قال بعض المشایخ لم ترد بہ السنۃ فیما اعلم وقد وقفت علی صورۃ سؤال للحافظ ابن حجر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن ھذا الحدیث وھو من قال لا الٰہ الا اللّٰہ سبعین الفا فقد اشتری نفسہ من اللّٰہ وصورۃ جوابہ الحدیث المذکور لیس بصحیح ولا حسن ولا ضعیف بل ھو باطل موضوع اھ ھکذا قال النجم الغیطی وعقبہ بقولہ لکن ینبغی للشخص ان یفعل ذلک اقتداء بالسادۃ و امتثالا لقول من اوصی بہا و تبرکا بافعالہم[1] اھ ملخصا

انھیں دعاؤں کا مشابہ ہے وہ جو ساداتِ صوفیہ کرام میں ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللّٰہ کا رواج ہے اور بیان کرتے ہیں کہ جو ایسا کہے گا اللہ عزوجل اُسے آزاد فرمائے گا اُس نے اپنی جان دوزخ سے بچالی اور اُس پر اپنی اور اپنے اموات اقارب و احباب کے لیے محافظت فرماتے ہیں اسے امام یافعی اور عارف کبیر سید محی الدین ابن عربی قدس سرہما نے ذکر کیا اور شیخ اکبر نے اس پر محافظت کی تاکید فرمائی صوفیہ کرام اس باب میں حدیثِ نبوی کا آنا بیان فرماتے ہیں، لیکن بعض مشائخ نے کہا میری دانست میں کوئی حدیث اس میں وارد نہ ہوئی اور میں نے ایک فتوٰی دیکھا کہ امام ابنِ حجر سے اس حدیث کی نسبت سوال ہوا تھا کہ جو کوئی ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللّٰہ کہے اُس نے اپنی جان اللہ عزوجل سے خرید لی، امام نے جواب لکھا کہ یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن نہ ضعیف بلکہ باطل و موضوع ہے، علامہ نجم الدین غیطی نے اس فتوے کو ذکر کرکے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ اس عمل کو بجالائے کہ اولیائے کرام کی پیروی اور اس کے وصیت فرمانے والوں کا حکم ماننا اور اُن کے افعال سے برکت لینا حاصل ہو اھ ملخصا۔

یہ علامہ نجم الدین محمد بن محمد غیطی امام شیخ الاسلام فقیہ محدث عارف باللہ زکریا انصاری قدس سرہ الشریف کے تلمیذ اور حافظ الشان ابنِ حجر عسقلانی کے تلمیذ التلمیذ اور شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب کے استاد

---

[1] فتح الملک المجید

سلسلۂ حدیث میں دیکھو انھوں نے امام ابن حجر کا وہ فتوٰی نقل کرکے حدیث کے باطل وموضوع ہونے کو برقرار رکھا پھر بھی فعل کی وصیت فرمائی کہ اولیائے کرام کا اتباع اور اُن کے حکم کا امتثال اور اُن کے افعال سے تبرک نصیب ہو وباللہ التوفیق اسی طرح جناب شیخ مجدد صاحب نے بھی اس کی ہدایت فرمائی جلد ثانی مکتوبات میں لکھتے ہیں:

یاران ودوستان فرمایند کہ ہفتاد وہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرۂ او ام کلثوم بخوانند وثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند وہفتاد ہزار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستان دعا وفاتحہ مسئول است۔[1]

دوست واحباب سے فرمایا کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ خواجہ محمد صادق مرحوم کی روحانیت کے واسطے اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم کی روح طیبہ کے واسطے پڑھیں اور ستر ہزار ایک رُوح کو اور ستر ہزار دوسرے کی رُوح کو ایصالِ ثواب کریں اور دوستوں سے دُعا و فاتحہ کا سوال ہے (ت)

باقی اس باب میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ[عہ] کی عبارت افادہ ۱۵ اور احادیث کریمہ حضرات اولیائے کرام کی تحقیق افادہ ۱۹ میں دیکھئے۔

(۴) مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعات کبیر میں فرمایا:

احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلہا باطلۃ[2] جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں فلاں فلاں عضو دھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔

عہ: شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی روایت کہ مرقاۃ سے گزری فتح الملک المجید میں بھی نقل کی طرفہ یہ کہ وہابیہ نانوتہ و دیوبند کے امام مولوی قاسم صاحب نے بھی اسے نقل کیا اور حضرت شیخ کی جگہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک لکھا اور ستر ہزار کا لاکھ یا پچھتر ہزار بنایا شاید یہ دھوکا انھیں سوم کے چنوں سے لگا ہو۔ تحذیر الناس میں لکھتے ہیں: "حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا سبب پُوچھا تو بروئے مکاشفہ کہا اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہُوں، حضرت جنید نے لاکھ یا پچھتر ہزار کلمہ پڑھا تھا یُوں سمجھ کر بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے جی ہی جی میں اس کو بخش دیا بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وُہ جوان بشاش ہے کہا اب والدہ کو جنت میں دیکھتا ہُوں آپ نے فرمایا اس جوان کے مکاشفہ کی صحت مجھ کو حدیث سے معلوم ہُوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی اھ[3] بتلخیص ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۸ بمولانا برکی الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱

[2] الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۵

[3] تحذیر الناس خلاصۂ دلائل دار الاشاعت کراچی ص ۴۴، ۴۵

باینہمہ فرمایا :

ثم اعلم انه لایلزم من کون اذکار الوضوء غیر ثابتة عنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ان تکون مکروهة او بدعة مذمومة بل انها مستحبة استحبها العلماء الاعلام و المشایخ الکرام لمناسبة کل عضو بدعاء یلیق فی المقام[1]

پھر یہ جان رکھ کہ ادعیۂ وضو کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں بلکہ مستحب ہیں علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے مستحب مانی ہے۔

اس عبارت سے روشن طور پر ثابت ہُوا کہ اباحت تو اباحت موضوعیت حدیث استحباب فعل کی بھی منافی نہیں اور واقعی ایسا ہی ہے کہ موضوعیت عدم حدیث ہے اور ورود حدیث بخصوص فعل لازم استحباب نہیں کہ اس کے ارتفاع سے اس کا انتفا لازم آئے کما لایخفی۔

تنبیہ اس بارہ میں سب احادیث کا موضوع ہونا ابن القیم کا خیال ہے اسی سے مولانا علی قاری نے نقل فرمایا اور ایسا ہی ذہبی نے ترجمہ عباد ابن صہیب میں حسب عادت حکم کیا مگر عند التحقیق اُس میں کلام ہے اس باب میں ایک مفصل حدیث ابوحاتم اور ابن حبان نے تاریخ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انصافاً غایت کی ضعف ہے اور مقام مقام فضائل،

راجع الحلیة شرح المنیة للامام ابن امیر الحاج تجد ما یرشدك الی الحق بسراج وهاج فی لیل داج۔

امام ابن امیر الحاج کی کتاب حلیہ شرح منیہ کا مطالعہ کرو اس میں تو اندھیری رات میں روشن چراغ کے ساتھ حق کو پالے گا۔ (ت)

(۵) سب سے طرفہ تر یہ کہ حدیث مسلسل بالاضافہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی اجازت مع ضیافت آب وخرما اپنے شیخ علامہ ابوطاہر مدنی سے لی اور اسی طرح مع ضیافت اپنے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور انھوں نے اپنے نواسے میاں اسحاق صاحب کو دی اُس کا مدار عبداللہ بن میمون قداح متروک پر ہونے کے علاوہ خود الفاظ متن ہی سخت منکر واقع ہوئے ہیں باینہمہ اکابر محدثین کرام آج تک اس سے برکت تسلسل چاہا کئے ہیں ان کے اسمائے کرام سلسلۂ سند سے ظاہر شیخ شیخنا فی الحدیث مولانا عابد سندی مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے ثبت حصر الشارد میں اُسے ذکر کرکے فرماتے ہیں :

---

[1] الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۳۴۵

هذا بما تفرد به عبد اللہ بن میمون القداح وصرح غیر واحد بانہ متھم بالکذب والوضع قال السخاوی لایباح ذکرہ الامع ذکر وضعہ لکن المحدثین مع کثرۃ کلامھم فیہ ومبالغتھم فیہ ورمیہ بالوضع لایزالون یذکرونہ تبرکون بالتسلسل[1]

یہ حدیث صرف بروایت قداح آئی اور متعدد ائمہ نے اُس کے متہم بکذب و وضع ہونے کی تصریح فرمائی، امام سخاوی فرماتے ہیں اُس کا ذکر بے بیان موضوعیت روا نہیں مگر محدثین کثرت سے کلام اور مبالغہ آرائی کرتے رہے اور اُس پر وضع حدیث کا طعن کرتے رہے پھر بھی ہمیشہ اس حدیث کو ذکر کرتے اس سے مسلسل برکت چاہتے رہے ہیں اھ (ت)

اقول یہ حدیث ہمیں اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دو طریق سے پہنچی، اول بطریق شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی،

بسندہ الی الامام ابی الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری بسندہ الی ابی الحسن الصیقلی بطریقہ الی القداح عن الامام جعفر الصادق عن آبائہ الکرام عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اپنی سند سے امام ابوالخیر شمس الدین ابن جزری تک وہ اپنی سند سے ابوالحسن الصیقل تک وہ اپنی سند سے قداح تک امام جعفر صادق سے وہ اپنے آباءِ کرام سے وہ حضرت علی کرم اللہ وجوہہم سے وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (ت)

دوسری بطریق شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی،

بسندہ الی ابی الحسن الی القداح الی امیر المؤمنین عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اپنی سند سے ابوالحسن تک وہ قداح تک وہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (ت)

قداح رجال جامع ترمذی سے ہے متروک سہی حدِ وضع تک منتہی نہیں متن طریق دوم میں مبالغاتِ عظیمہ میں اس پر حکمِ بطلان نہیں شاہ ولی اللہ صاحب کی روایت وہی ہے اور اُسی میں ہمارا کلام مگر طریق اول میں صرف اتنا ہے کہ

من اضاف مؤمنا فکانما اضاف آدم ومن اضاف اثنین فکانما اضاف آدم وحواء ومن اضاف ثلثۃ فکانما اضاف جبرائیل ومیکائیل واسرافیل[2]

وہ شخص جس نے کسی ایک مومن کی ضیافت کی گویا اس نے آدم کی ضیافت کی اور جس نے دو کی ضیافت کی اس نے آدم وحوا کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی گویا اس نے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کی مہمان نوازی کی۔ (ت)

---

[1] ثبت حصر الشارد

[2] کنز العمال کتاب الضیافۃ من قسم الافعال حدیث ۲۵۹۷۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۲۶۹

اس میں کوئی ایسا امر نہیں کہ قلب خواہی نخواہی وضع پر شہادت دے ولہذا امام الجزری نے اسی قدر فرمایا کہ حدیث غریب لم یقع لنا بھذا الوجه الا بھذا الاسنادؔ (یہ حدیث غریب ہے ہمیں اس طور پر صرف اسی سند کے ساتھ معلوم ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ تفرد متروک مستلزم وضع نہیں،

کمابیناه فی الافادة التاسعة اما ما اعله الشیخ ابو محمد محمد بن الامیر المالکی المصری المدرس بالجامع الازھر بعد ایراده فی ثبته بالمتن الثانی المذکور فیه الاضافة الی تمام العشرة بذکر الملئکة فی الضیافة وھم لا یاکلون ولا یشربون قال فان صح فھو خارج مخرج الفرض والتقدیرؔ اھ کما انبأنا به فی جملة مرویاتہ شیخنا العلامة زین الحرم السید احمد بن زین بن دحلان المکی عن الشیخ عثمٰن بن حسن الدمیاطی عن مؤلفه الشیخ الامیر المالکی **فاقول** لیس باعجب مما **انبأنا** السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی عن الشیخ محمد عابد السندی المدنی بسنده المشھور الی صحیح مسلم بسنده المعلوم الی ابی ھریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ان اللّٰہ عزوجل یقول یوم القیٰمة یا ابن اٰدم مرضت فلم تعدنی الحدیث وفیه یا ابن اٰدم استطعمتك فلم تطعمنی قال یارب کیف

جیسا کہ ہم نے اسے نویں افادہ میں بیان کر دیا ہے لیکن شیخ ابو محمد محمد بن امیر مالکی مصری جو جامع ازہر کے مدرس بھی ہیں انھوں نے اس کو اپنے ثبت میں متن ثانی مذکور کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد جو علت بیان کی ہے اس متن میں ضیافۃ میں ذکرِ ملائکہ کے ساتھ دس مومنوں تک کا اضافہ ذکر ہے حالانکہ نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ تمثیل بطور فرض وتقدیر ہے اھ جیسا کہ اس کی خبر ہمیں ان کی جملہ مرویات میں ہمارے شیخ علامہ زین الحرم سید احمد بن زین بن دحلان مکی نے شیخ عثمان بن حسین دمیاطی سے اس کے مؤلف شیخ امیر مالکی سے دی ہے **فاقول** یہ اس سے کوئی زیادہ عجیب نہیں جس کی خبر ہمیں سید حسین بن صالح جمل اللیل المکی نے شیخ محمد عابد سندھی مدنی سے اپنی مشہور سند کے ساتھ دی جو کہ صحیح مسلم تک ہے وہ اپنی سند معلوم سے حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تھا تُو نے میری عیادت نہ کی" الحدیث" اور اسی میں ہے کہ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا

لے کنز العمال بحوالہ ابن الجزری حدیث ۲۵۹۰۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۶۹

کے ثبت ابو محمد محمد بن امیر مالکی مصری

اطعمك وانت رب العلمین قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندی یاابن اٰدم استسقیتك فلم تسقنی الحدیث المعروف[1]

تُو نے مجھے نہیں کھلایا وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا حالانکہ تُو تمام جہانوں کا رب ہے، فرمایا کیا تُو نہیں جانتا تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا اور تُو نے نہیں دیا تھا کیا تُو نہیں جانتا کہ اگر تُو اسے کھلا دیتا تو اسے آج میرے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تُو نے مجھے نہیں پلایا۔ حدیث معروف ہے۔ (ت)

ثمّ اقول تحقیق مقام یہ ہے کہ عمل بموضوع وعمل بما فی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے کما یظھر مما قدمناہ فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ ظاہر ہے اسے ہم اکیسویں فائدے میں بیان کر آئے ہیں۔ ت) ثانی مطلقاً ممنوع نہیں ورنہ ایجاب وتحریم کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہو جائے لاکھوں فعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کر دیں حرام ہو جائے جس ترہیب میں گھڑ لیں وہ واجب ہو جائے کہ تقدیر اول پر فعل ثانی پر ترک مستلزم موافقت موضوع ہوگا اور وہ ممنوع لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنادیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنا دیں نہ کرتے بن پڑے نہ چھوڑتے فاعلم وافھم ان کنت تفھم (جان لے سمجھ لے اگر تُو سمجھ سکتا ہے۔ ت) اور اول میں بھی حقیقۃً محذور نفس فعل میں نہیں بلکہ نظر امتثال واعتقادِ ثبوت میں تو بفرض وضع اس نظر سے منع ہے نہ اصل فعل سے، سفہائے وہابیہ ہمیشہ ذات وعارض میں فرق نہیں کرتے ع

ما علی مثلھم یعد الخطاء

افادہ بست ونہم[29] (اعمالِ مشایخ محتاجِ سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشایخ کو ہمیشہ گنجائش)

بالفرض کچھ نہ سہی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشایخ سے ایک عمل سمجھئے کہ بغرض روشنائی بصر معمول ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت، صیغۂ اعمال میں تصرف واستخراجِ مشایخ کو ہمیشہ گنجایش ہے ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سند خاص نہیں مانگتا کتبِ ائمہ وعلما ومشایخ واساتذۂ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا

---

[1] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض مطبوعہ مطبع اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۸

باتوں سے مالا مال ہیں اُنھیں کیوں نہیں بدعت وممنوع کہتے ، خود شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں[1] ،

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبا نسخہائے قرابادین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت اول طلوع صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم را بآں نور دوختن و"یانور" را مکرر گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد و احادیث نفس می نشاند[2] اھ ملخصا۔

اعمالِ تصریفیہ میں نئی نئی ایجاد کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ایسے ہی ہے جیسے اطباء قرابادین سے نسخوں کا استخراج کرلیتے ہیں اس فقیر کو معلوم ہے کہ اول صبح صادق سے سفیدی تک صبح کے مقابل بیٹھنا اور آنکھ کو اس کے نور والے کی طرف لگانا اور "یانور" کا لفظ بار بار ایک ہزار تک پڑھنا کیفیت ملکیہ کو قوت دیتا ہے اور وسواس سے نجات دلاتا ہے۔ اھ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے[3] ،

چند نوع کرامت از ہیچ ولی الا ماشاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ فراست صادقہ وکشف واشراف بر خواطر و از انجملہ ظہور تاثیر در دعا ورقے واعمال تصریفیہ او تا عالم بفیض نفس او منتفع شود[3] اھ ملتقطا۔

چند کرامات تو ایسی ہیں جو کسی ولی سے الاماشاء اللہ جُدا نہیں ہوتیں ان میں سے بعض یہ ہیں فراستِ صادقہ، کشفِ احوال ، دلوں کے رازوں سے آگاہی اور ان ہی میں سے دُعا و تعویذ، دَم اور اعمالِ تصرفیہ میں برکت یہاں تک کہ سارا جہان ان کے اس فیض سے مستفید ہوتا ہے اھ ملتقطا (ت)

عزیزو! خدارا انصاف ، ذرا شاہ ولی کے "قول الجمیل" کو دیکھو اور اُن کے والد ومشایخ وغیرہم کے اختراعی اعمال تماشا کرو ، دردِسر کے لیے تختہ پر ریتا بچھانا کیل سے ابجد ہوز لکھنا ، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا ، پھونک پھونک کر گرہیں لگانا ، اسمائے اصحابِ کہف سے استعانت کرنا انھیں آگ ، لُوٹ ، چوری سے امان سمجھنا ، دیواروں پر اُن کے لکھنے کو آمدِ جن کی بندش جاننا ، دفعِ جن کو چار کیلیں گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا ، عقیقہ کے لیے

عـــہ۱ : ہامعہ عاشرہ از ہوامع مقدمہ ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲ : ہامعہ خامسہ تحت قول شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وہب لنا من لدنک ریحا طیبۃ الخ (م)

---

[1] و [3] ہوامع شاہ ولی اللہ

گلاب اور زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا، یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، اسقاطِ حمل کو کسم کا رنگا گنڈا ڈالنا، عورت کے قد سے ناپنا، گن کر گرہیں لگانا، دردِ زہ کو آیاتِ قرآنی لکھ کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا، فرزند نرینہ کے لیے ہرن کی کھال اور وہی گلاب و زعفران کا خیال، بچہ کی زندگی کو اجوائن اور کالی مرچیں لینا اُن پر ٹھیک دوپہر کو قرآن پڑھنا، لڑکا نہ ہونے کو عورت کے پیٹ پر دائرے کھینچنا، ستر سے کم شمار نہ ہونا، دفعِ نظر کو چھری سے دائرہ کھینچنا، کنڈل کے اندر چھری رکھنا، عائن و ساحر کا نام لے کر پکارنا، ناپ کر تین گز ڈورا لینا اُس پر شہت بہت کیا کیا الفاظ غیر معلوم المعنٰے پڑھنا، قنطاع التجا خدا جانے کون ہے اُسے ندا کرنا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا، یٰسٓ پڑھ کر لوٹا گھمانا، بخار کو عیسٰی و موسٰی و محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسمیں دینا، مصروع کو تانبے کی تختی پر دو اسم کھدوانا، پھر تعیین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو اُس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کار ہو۔ اُس کے سوا صدہا باتیں ہیں ان میں کون سی حدیث صحیح یا حسن یا ضعیف ہے مارے یہ قرونِ ثلاثہ میں کب تھیں، اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں، شاہ صاحب اور ان کے والد ماجد و فرزندار جمند و اساتذہ و مشایخ معاذ اللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے، یہ سب تو بے سند حلال و نفائس اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا اُس سے روشنیِ بصر کی اُمید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور علما و صلحا کا دستور کُتبِ فقہ میں مسطور، یہ معاذ اللہ حرام و وبال و موجبِ ضلال، تو کیا بات ہے یہاں نامِ پاک حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درمیان ہے لہٰذا وہ دلوں کی دبی آگ بحیلۂ بدعت شعلہ فشاں ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

یہ سب درکنار شاہ صاحب اور ان کے اسلاف و اخلاف یہاں تک کہ میاں اسمٰعیل دہلوی تک نے امرِ اعظم دین تقرب رب العٰلمین یعنی راہِ سلوک میں صدہا نئی باتیں نکالیں طرح طرح کے ایجاد و اختراع کی طرحیں ڈالیں اور آپ ہی صاف صاف تصریحیں کیں کہ ان کا پتا سلف صالح میں نہیں خاص ایجاد بندہ ہیں مگر نیک و خوب و خوش آئندہ ہیں محدثات کو ذریعۂ وصول الی اللہ جانا یا باعث ثواب تقرب رب الارباب مانا اس پر ان حضرات کو نہ کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) کا کلیہ یاد آتا ہے نہ من احدث فی امرنا مالیس منه (وہ شخص جس نے ہمارے دین میں کچھ ایجاد کیا جو دین میں سے نہ ہو۔ت) یہاں فھو رد (پس وہ مردود ہے۔ت) کا خلعت پاتا ہے، مگر شریعت اپنے گھر کی ٹھہری کہ جو

من کنم آنچہ من خواستم تو مکن آنچہ خواستے

(میں جو چاہوں گا کروں گا تو جو چاہے نہ کر)

ان امور کی قدرے تفصیل اوران صاحبوں کی تصریحات جلیل فقیر کے رسالہ انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار[۱۳] میں مذکور اور عدم ورود کو ورود وعدم جاننے کا قلع کافی وقمع وافی کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد وکتاب لاجواب اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیرہما تصنیفات شریفہ وتالیفات منیفہ اعلحضرت تاج المحققین الکرام سراج المدققین الاعلام حامی السنن السنیہ ماحی الفتن الدنیہ بقیۃ السلف المصلحین سیدی ووالدی ومولای ومقصدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی رضی اللہ تعالٰی عنہ واجزل قربہ منہ اور بقدر حاجت باجمال ووجازت رسالہ اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ وغیرہا رسائل ومسائل فقیر میں مسطور والحمد للہ العزیز الغفور والصلاۃ والسلام علے المنیر النور وعلٰی آلہ وصحبہ الٰی یوم النشور آمین۔

افادہ سی ویکم (ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنت ہے) **اقول** ہمیں تو اس عمل تقبیل ابہامین کا جواز واستحباب ہی ثابت کرنا تھا کہ بعونہ عزوجل باحسن وجوہ نقش مراد کرسی نشین اور عرش تحقیق مستقر ومکین ہوا وللہ الحمد علی ما اولی من نعم لاتحصی (اللہ ہی کے لیے تعریف جو غیر محدود نعمتوں کا مالک ہے۔ت) مگر حضرات وہابیہ اپنے نئے اماموں کی خبر لیں ان کے طور پر یہ فعل جائز کہاں کا مستحب کیسا خاص سنت سنیہ بلند وبالا ہے اور اُس کا منکر سنت مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رد کرنے والا بات بظاہر بہت چونکنے کی ہے کہ کہاں وہابی کہاں یہ انکھی مذہب بھر کی خرابی مگر نہ جانا کہ تو ہب واضطراب وتقلب وانقلاب دونوں ایک پستان سے دودھ پیئے ہیں رفاقت دائم کا عہد کیے ہیں ؎

گر براندتر و دور برود باز آید
ناگزیر است تناقض سخن نجدی را

(اگر دُور کرے تو دُور نہ ہوگا اور اگر چلا جائے تو واپس آجائے گا
نجدی کے کلام سے تناقض جدا نہیں رہ سکتا)

طائفہ جدیدہ کے استاد رشید نے اپنی کتاب عجاب براہین قاطعہ ما امر اللہ بہ ان یوصل میں مسئلہ قبول ضعاف فیما دون الاحکام کے اگرچہ بکمال سلیم القلبی وبصیر العینی وعجیب وغریب معنے تراشے کہ جدت کی لہریں حدث کے تماشے ایک ایک ادا پر ہزار ہزار مکابرے اپنی جانیں واریں عقل وہوش وچشم وگوش اپنے عدم ملکہ کو صدقے اتاریں خادمانِ شریعت چاکرانِ ملت صالحہ تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم (جو تم نے اور تمہارے

آبا و اجداد نے کبھی نہیں سُنیں۔ ت) پکاریں حضرت کی تمام سعی باطل تطویل لاطائل کا یہ حاصل بے حاصل کرارشاداتِ[ع۱] علما کی یہ مراد کہ صرف[۱] وُہ حدیث ضعیف قابل قبول جس میں کسی عمل صالح کی فضیلت اور اس پر ثواب مذکور اگرچہ خاص اس عمل میں حدیث صحیح نہ آئی ہو جیسے روزہ ماہِ رجب وغیرہ اس کے بغیر اگرچہ حدیث میں عمل کی طلب نکلے جب کوئی خاص ثواب وفضیلت مذکور نہ ہو مقبول نہیں کہ یہ تو حدیثِ عمل کی ہوئی نہ فضائلِ عمل کی پھر بشرطِ مذکور حدیث اگرچہ مقبول ہوگی مگر وہ عمل باوصف قبول حدیث وتسلیم فضیلت مستحب ہرگز نہ ٹھہرے گا جب تک حدیث حسن لغیرہ نہ ہوجائے، حدیث ضعیف سے ثبوتِ استحباب محض اختراع وخلافِ اجماع ہے علمانے جتنے اعمال کو بہ نظرِ ورودِ احادیث مستحب مانا اُن سب میں حدیث حسن لغیرہ ہوگئی ہے دلیل یہ کہ احادیث ادعیہ وضو کو علامہ طحطاوی نے کہہ دیا کہ حسن لغیرہ ہیں بس معلوم ہوگیا کہ سب جگہ ایسے ہی ہیں آخر دیگ میں ایک ہی چاول دیکھتے ہیں یہ تو ان کا حکم تھا جو حدیثیں افعال

ع۱ اقوال قبول ضعیف کو کہا سب کا یہی مدعا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے بھلا لیلۃ الجمعہ شب برأت عیدین کے صدقہ میں کون سی فضیلت وثواب عظیم مذکور ہے جس پر عمل جائز ہو روایات میں کوئی ثواب مذکور نہیں فقط روح کا آنا اور حسرتناک بات کرنا اور طلب صدقہ کرنا ہے یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے' ہاں اعلام اُن کے آنے کا ہے یہ باب علم کا ہے نہ فضل عمل کا کیونکہ ان روایات میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف عمل تسلیم بھی کرے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل ہاں حدیث صوم رجب وصلاۃ الاوابین میں فضل عمل ہے اھ ملتقطا ۱۲ منہ (م)

ع۲ انوار ساطعہ میں تھا فقہا اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہو مستحسن لکھتے ہیں چنانچہ صلاۃ الاوابین، گردن کا مسح، رجب کا روزہ اس پر کہا یہ سرتاپا غلط ہے کسی نے یہ نہ کہا محض ایجاد ناصواب ہے مستحب کا ثبوت صحیح یا حسن سے ہوتا ہے ضعاف کہ ان امور میں ہیں تعدد طرق سے حسن لغیرہ ہوگئے ہیں۔

قال فی الدر المختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق فی رد المحتار فارتقی الی مرتبۃ الحسن[ط] اقول لکن ھذا اذا کان ضعفہ لسوء ضبط الراوی الصدوق الامین او لارسالہ او تدلیس او جہالۃ الحال اما لو کان لفسق الراوی او کذبہ فلا انتہی[ط] ملتقطا۔

درمختار میں کہا اس کو ابن حبان وغیرہ نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے، ردالمحتار میں ہے اس طرح حدیث مرتبۂ حسن تک ترقی کرتی ہے طحطاوی۔ اقول لیکن یہ اس وقت ہے جب حدیث کا ضعف صدوق امین راوی کے سوءِ ضبط یا ارسال یا تدلیس یا جہالتِ حال کی وجہ سے ہو۔ اگر وہ ضعف فسق راوی یا کذب راوی کی وجہ سے ہو تو وہ ترقی نہ کرے گا' انتہی۔ (ت)

پس جس قدر نظائر مؤلف نے لکھے اور جس قدر کتبِ فقہ میں ہیں سب حسن لغیرہ سے ثابت ہوئے ہیں ۱۲ منہ (م)

---

[۱] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھورہ ص ۹۸

متعلقہ بجوارح میں آئیں اور[8] جو کچھ متعلق بجوارح نہیں وہ اگرچہ سیر[9] ہوں خواہ مواعظ[10] خواہ معجزات خواہ فضائل[11] صحابہ واہلبیت وسائر رجال جن میں قبول ضعاف کی علماء برابر تصریحیں فرماتے چلے آئے ہیں خواہ کسی اور خبر زائد کا بیان جس میں کسی طرح کا اعلام واخبار ہو اگرچہ وہ نفیاً واثباتاً عقائد میں اصلاً داخل نہ ہو یہ سب کا سب باب عقاید سے ہے جس میں ضعاف درکنار بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک متواتر وقطعی الدلالۃ نہ ہوں مثلاً یہ حدیث کہ رُوحیں شب جمعہ اپنے مکانوں پر آتی اور صدقات چاہتی ہیں باب عقائد سے ہے اور بنظر طلب صدقہ اگر ہو تو باب عمل سے کہ یہاں کوئی فضیلت صدقہ تو مذکور نہ ہوئی خلاصہ یہ کہ جو متعلق بجوارح نہیں اُس میں صحاح آحاد بھی بے اعتبار اور متعلق بجوارح بے ذکر ثواب مخصوص میں خاص صحاح درکار، ہاں ثواب بھی مذکور ہو تو ضعاف قبول اور یہی مراد علما مگر مستحب نہ ٹھہرے گا جب تک حسن لغیرہ نہ ہو شروع صفحہ ۸۱ سے وسط صفحہ ۸۹ تک

ان محدث نے یہی قاعدہ حادثہ احداث کیا ہے ان خرافات بے سروپا کے ابطال میں کیا وقت ضائع کیجئے جس نے افادات سابقہ میں ہمارے کلمات رائقہ دیکھے وہ اس تار و پود عنکبوت کو بعونہٖ تعالٰی نیم جنبش نظر میں تار تار کر سکتا ہے معہذا ہم نے یہاں بھی تلخیص تقریر میں اس کے اجمالی ابطال کی طرف اشارے کئے اور مواقع مواخذات پر ہندسے لگا دیئے خیر یہ تو اُن کا نہیں اُن کی سمجھ کا قصور ہے جب خدا فہم نہ دے بندہ مجبور ہے مگر یہیں یہاں یہ کہنا ہے کہ تقبیل ابہامین کی سنیت ثابت ہو گئی کہ اگر بہ نظر تعدد طرق اس کی حدیث کو حسن لغیرہ کہئے فبہا ورنہ یہ تو آپ کی تفسیر پر بھی باب فضائل سے ہے کہ متعلق بفعل جوارح بھی اور اس میں ثواب خاص بھی مذکور تو احادیث مفید استحباب نہ سہی جواز تو ضرور ثابت کریں گے قبول ضعاف فی الفضائل کا اجماعی مسئلہ یہاں تو آپ کو بھی جاری ماننا ہو گا اب اس جواز کو خواہ اس حدیث سے مستفاد مانیے کہ جو حدیث جس باب میں مقبول لاجرم وہ اس میں دلیل شرعی ہے خواہ اجماع علما سے کہ ایسی جگہ ایسی حدیث معمول بہ خواہ قرآن عظیم وحدیث صحیح کیف وقد قیل" وحدیث صحیح ارتقائے شبہات واحادیث مذکورہ افادہ ۱۰ وغیرہا سے کہ قبول وعمل کی طرف ہدایت فرماتے ہیں خواہ قاعدہ مسلمہ شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ یعنی اخذ بالاحتیاط سے ہر طرح ایک دلیل شرعی اُس پر قائم اور آپ کے نزدیک جس فعل کے جواز پر کوئی دلیل شرعی صراحۃً ولالۃً کسی

---

[1] شب جمعہ وغیرہ ارواح کے آنے اور صدقہ چاہنے کی احادیث کو کہاں روایات میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے صہ ۹۷ عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہے یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے، یہ صہ ۹۶ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شب جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقاد میں قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیات صحاح کا ۱ھ بالالتقاط ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م) [1] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھور صہ ۱۹

طرح دال ہو اگرچہ وہ فعل خاص بلکہ اُس کے جنس کا بھی کوئی فعل قرونِ ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو سب سنّت ہے تو اب اس کی سنیت میں کیا کلام رہا۔ اسی براہین کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ پر ارشاد ہوتا ہے :

"مؤلف اپنی خوبیٔ فہم سے معنی قرون ثلٰثہ میں نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر جزئی خاص نے اُن قرون میں وجود خارجی نہ پایا اگرچہ دلیل جواز کی موجود ہو تو وہ بدعت سیئہ ہے مگر یہ بالکل غلط فاحش اور کور علمی اور کج فہمی ہے بلکہ معنے یہ ہیں کہ جو شے بوجود شرعی قرون ثلٰثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وُہ بدعت ہے، وجودِ شرعی اس کو کہتے ہیں کہ بدون شارع کے بتلانے کے معلوم نہ ہو سکے پس اس شے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا وہ شے وجود شرعی میں آگئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو پس جس کے جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہو گیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالہ ہے اس قاعدہ کو خُوب سمجھ لینا ضرور ہے مولف اور اس کے اشیاع نے اس کی ہوا بھی نہ سونگھی اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اسی جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاید ہدایت ہو[1] اھ ملخصاً۔"

اقول ماشاء اللہ کیا چمکتا جوہر کتاب میں رکھا ہے کہ آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی، نجدیت بیچاری کے دو رکن ہیں شرک و بدعت، رکن پسین پر قیامت گزر گئی، کبرائے طائفہ کی برسوں کی مالا جپے جپتی بیتی جس کا لقب بحمد اللہ اب آپ ہی کی زبان سے غلط و فاحش و کور علمی و کج فہمی کہ فلاں فعل صحابہ نے نہ کیا تابعین نے نہ کیا فلاں صدی میں شائع ہوا فلاں شخص بانی تھا تم کیا صحابہ و تابعین سے بھی محبت و تعظیم میں زیادہ کہ انھوں نے نہ کیا تم کرنے پر آمادہ، بہتر ہوتا تو وہی کر گزرتے فعل میں اتباع ہے ترک میں کیوں نہیں کرتے نیم شوخی میں ساری بکھر گئی صحابہ و تابعین نے ہزار نہ کیا ہو بلکہ اُس جنس کا بھی کوئی کار نہ کیا ہو کچھ ضرر نہیں اشارۃً و دلالۃً جزئیۃً کلیۃً کسی طرح ارشاد شارع سے جواز نکلے پھر سنّت ماننے سے مفر نہیں ؎

طائفہ بھر کے خلاف آپ سبق کہتے ہیں   للہ الحمد اسے ہیبت حق کہتے ہیں

طرفہ یہ کہ اب قرونِ ثلٰثہ کی وہ ہٹ، نئے طائفہ کی پُرانی رٹ جسے یہاں بھی نباہ رہے ہو مہمل رہ گئی لفظ کا سوا رپڑا کیجئے، معنی کی بنا اُس پار بہہ گئی جب اُن میں وجود سے سود نہ عدم سے زیاں پھر اُن کا قدم

---

[1] براہینِ قاطعہ قرون ثلاثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ مطبع لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۹-۲۸

کیا درمیاں۔ خود کہتے ہو کہ وجود خارجی درکار نہیں اور وجود شرعی بے ارشاد شارع محال تو کیا صحابہ تابعین پر کوئی نئی شریعت اُترے گی کہ اُن کے قرون میں وجود نو کا خیال ارشاد شارع سے جس کا جواز مستفاد وہ ہر قرن میں بوجود شرعی موجود اور جس کا منع مقتضائے ارشاد وہ ہر قرن میں شرع مطہر سے معدوم ومفقود، پھر قرن دون قرن سے کیا کام رہا، محض ارشاد اقدس میں کلام رہا یعنی فعل کبھی حادث ہوا ہو قواعد شرعیہ پر عرض کریں گے اباحت سے وجوب یا ترک اولیٰ سے حرمت تک جس اصل میں داخل ہو وہی فرض کریں گے یہی خاص مذہب مہذب ارباب حق ہے، صاف نہ کہہ دو شرم نباہنے کو اگلی رٹ کا ناحق سبق ہے تم سمجھنا کہ اب تو جو کہنی تھی کہہ گئے ہم جانیں گے تم جمے کے ایسے ہی تھے چلوت

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پُونچھیے اپنی جبیں سے

طرفہ تر یہ کہ جس کا جواز دلیل شرع میں موجود وہ سب سنّت، جس کا معدوم وہ سب بدعت ضلالت، اب تیسری شق کی کون سی صورت؟ تمام افعال انھیں دو حکموں میں محصور ہوگئے خصوصاً اباحت واستحباب وکراہت تنزیہ تین حکم شرع تو کافور ہوگئے،[1] اساتذہ جہابذہ نے سُجھائی تو اچھی کہ دونی اُلجھی گئی سلجھائی لچھی اسی ہستی پر یہ ناز وغرور کہ لوگ تو اس کی ہوا سے دُور، حضرت یہ اپنی ہوا خود آپ ہی سُونگھیں۔ اہل حق کو معاف ہی رکھیں، اچھی تعلیم بھلے تلامذہ زہے تلقین خہے اساتذہ ع

گر ہمیں مکتب وہمیں مُلّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

خیر یہ تو وہابیہ جدیدہ کا نامعتقد عقیدہ کہ تقبیل ابہامین سنّت مجیدہ، پُرانوں کی سُنیے تو وہ اور ہی ہوا پر کہ یہ فعل معاذ اللہ زنا وربا وقذف محصنہ وقتل ناحق نفس مومنہ سب سے بدتر بلکہ عیاذاً باللہ شرک کے انداز اصل ایمان میں خلل انداز کہ آخر باجماع طائفہ بدعت حالقہ اور تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ فولاقہ شرک وبدعت سے بہت بچے کہ یہ دونوں چیزیں اصل ایمان میں خلل ڈالتی ہیں اور باقی گناہ ان سے نیچے ہیں کہ وہ اعمال میں خلل ڈالتے ہیں۔ اب خدا جانے انہوں نے سنت کو کفر سے ملایا انھوں نے قریب بہ کفر کو سنّت بنایا خیر طویلے کے لتیاؤ میں ہمیں کیا مقال،

کفی اللّٰہ اھل الحق القتال والحمد للّٰہ المھیمن المتعال والصلوۃ والسلام علٰی ذی الافضال	اہل حق کی طرف سے قتال میں اللہ کافی ہے اور تمام تعریف اس باری تعالٰی کے لیے جو محافظ وبلند ہے

---

[1] ظاہر ہے کہ ضلالت کا ادنٰی درجہ کراہت تحریم ہے مکروہ تنزیہی ہرگز ضلالت نہیں، دلیل واضح یہ کہ ہر ضلالت میں باس ہے اور مکروہ تنزیہی لاباس بہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

وآلہ وصحبہ خیر صحب وآل آمین۔ اور صلوٰۃ وسلام اس ذات پر جو صاحب فضل واکرام ہے اور آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو بہترین ہیں آمین (ت)

حکم اخیر و خلاصہ تحریر بالجملہ حق اس میں اس قدر کہ فعل مذکور بحکم احادیث وبہ تصریح کتب فقہیہ مستحب ومندوب وامیدگاہ فضل مطلوب وثواب مرغوب جو کتب علما وعمل قدما وترغیب وارد پر نظر رکھ کر اُسے عمل میں لائے اُس پر ہرگز کچھ مواخذہ نہیں بلکہ ثواب مروی کی اُمیدوار حسن ظن وصدق نیت باعث فضل جاوید اور جو اُسے مکروہ وممنوع وبدعت بتائے مبطل وخاطی علمائے کرام مقتدایان عام جب کسی منکر کو دیکھیں اُس کے سامنے ضرور ہی کریں کہ بدمذہب کارد اور اُس کے دل پر غیظ اشد ہو جس طرح ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو نہر سے افضل مگر معتزلی[1] منکر حوض کے سامنے حوض سے بہتر[1] کما بینہ المولی المحقق فی فتح القدیر وغیرہ فی غیرہ[2]۔ جب ترک افضل اس نیت سے افضل تو مستحب ومندوب تو آپ ہی افضل،

والحمدللہ ولی الانعام وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی سید الختام قمر التمام وآلہ وصحبہ الغر الکرام آمین۔ تمام تعریف اللہ کے لیے جو انعام کا مالک ہے اور افضل صلاۃ اور اکمل سلام ہو انبیا کے خاتم وسربراہ پر، جو چودھویں کا کامل چاند ہیں، اور آپ کی آل واصحاب پر جو نہایت ہی روشن اور مکرم ہیں آمین!

خاتمہ فوائد منثورہ میں ایہا المسلمون اس مسئلہ کا سوال فقیر کے پاس بلاد نزدیک ودُور سے بار بار آیا ہر دفعہ بمقتضائے حال کبھی مختصر کبھی کچھ مطول کبھی دو ایک صفحہ کبھی دوچار ہی سطر جواب لکھتا رہا بار آخر قدرے زیادہ تفصیل کی کہ ایک جزو تک پہنچ کر صورت رسالہ میں جلوہ گر ہُوئی سائل نے علمائے اعلام بدایوں وبریلی دامو موقیین عن الشرور وبقین بالسرور (جو شر سے دُور سرور سے معمور رہتے ہیں۔ ت) سے مُہریں کرائیں تصدیقیں لکھائیں اصل رسالہ منیر العین اُسی قدر تھا اب کہ بفرمائش سید معظم مولانا مولوی غلام حسین صاحب جُونا گڈھی نزیل بمبئی حفظہ اللہ عن شر کل بشر ورقی (اللہ تعالٰی انہیں ہر بشر اور نظر بد کے شر سے محفوظ رکھے۔ ت) واہتمام تمام نام مولانا المکرم مولوی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی جعلہ اللہ کاسمہ عمر الدین

عہ۱ یہ لفظ یہاں عجب لطیف واقع ہوا کہ معتزلہ حوض سے وضو ناجائز بتاتے ہیں یہاں یہی معنی مراد اور وہ اشقیا حوضِ کوثر کے بھی منکر ہیں ۱۲ منہ (م)

عہ۲ کلہ روحواشیہ وآخرین کلھم فی المیاہ ۱۲ منہ (م)

---

[1] فتح القدیر باب ماء الذی یجوز بہ الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۲

وعمربه عمران الدین المتین (اللہ تعالٰی انھیں ان کو نام کی طرح دین کی خدمت کرنے والا بنائے اور ان کے ذریعے اپنے دین متین کو آباد فرمائے۔ ت) وعلوہمت سیٹھ حاجی محمد بن حاجی محمد عبداللطیف لطف بھما المولٰی اللطیف (لطف فرمانے والا مولٰی ان دونوں پر لطف فرمائے۔ ت) ماہ مبارک اشرف وافضل شہر ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں چھپنا آغاز ہوا سرکار مفیض سے مضامین کثیرہ کا القا و افادہ دلنواز ہوا اور اُدھر کاپی کی تیاری اِدھر تصنیف جاری، جو جز لکھا روانہ کیا یہاں تک کہ ایک جز کا رسالہ دس جز تک پہنچا الحمد ﷲ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها[1] (تمام تعریف اللہ کے لیے جو ایک نیکی پر دس اجر عطا فرماتا ہے۔ ت) جس میں سے رسالہ عربیہ مدارج طبقات الحدیث جُدا کرلیا اُدھر یہ تعجیل اِدھر رد و فتاوٰی سے فرصت قلیل، نظر ثانی کی بھی فرصت نہ ملی، بعض فوائد حاضرہ کی تحریر رہ گئی، بعض نے نظریا خاطر میں وقت غابر میں تجلی کی ہنوز کہ سیارۂ طبع بذریعۂ حرکت بمعنے القطع مبدء کا تارک منتہی کا طالب ہے نہ الحاق باقی مواقع ماضیہ سے متیسر نہ اُس کا ترک ہی مناسب ہے اور ائمۂ تصنیف کا داب شریف کہ آخر کتاب میں کچھ مسائل تازہ کچھ متعلق بابواب سابقہ تحریر اور انھیں مسائل شتی یا مسائل منثورہ سے تعبیر فرماتے ہیں لہذا اقتفاءً بہم یہ فوائد منثورہ بعونہ تعالٰے سلک تحریر میں انتظام پاتے ہیں۔

فائدہ ۱: نفیسہ جلیلہ (فضیلت و افضلیت میں فرق ہے دربارۂ تفضیل حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں) فضیلت و افضلیت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں بالاجماع مردود و نامقبول۔

اقول جس نے قبول ضعاف فی الفضائل کا منشا کہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزرا ذہن نشین کرلیا ہے وہ اس فرق کو بنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبول ضعاف صرف محل نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یا تحریم یا اضاعت حق غیر غرض مخالفت شرع کا بوجہ من الوجوہ اندیشہ نہ ہو فضائل رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کا فضل تفصیلاً خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبت خاصہ جیسے صحاح و ثوابت سے معارضت نہ ہو اگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کا قبول تو آپ ہی ظاہر کہ اُن کا فضل تو خود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطا کرے گی اور اگر تنہا ضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہو وہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تو نہیں بخلاف افضلیت کے کہ اس کے معنی ایک کو دوسرے سے عنداللہ بہتر و افضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت و محقق ہوجائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگا دینے میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس ہو تو افضل کو مفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان ہے اور وہ حرام تو مفسدۂ تحلیل حرام و تضییع حق غیر دونوں درپیش کر افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضلیت معلوم نہ ہو۔ پھر وہاں

[1] القرآن ۶/ ۱۶۰

کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقہ میں ایک جانب کی تفضیل محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث سقام وضعاف سے استناد کیا جائے، جس طرح آج کل کے جہال حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تفضیلِ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم میں کرتے ہیں۔ یہ تصریح مضادتِ شریعت ومعاندتِ سنّت ہے۔ ولہذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا کما بیناہ فی کتابنا المبارک **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی مبارک کتاب "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے۔ ت) بلکہ انصافاً اگر تفضیلِ شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی آئے قطعاً واجب التاویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفضیلِ شیخین متواتر واجماعی ہے کما اثبتنا علیہ عرش التحقیق فی کتابنا المذکور (جیسا کہ ہم اپنی اس مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ ت) اور متواتر واجماع کے مقابل احاد ہرگز نہ سُنے جائیں گے ولہذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیرِ حدیث عرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فما اولت ذلک یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قال الدین (مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؛ فرمایا دین۔ ت) فرماتے ہیں:

لئن سلّمنا التخصیص بہ (ای بالفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ) فھو معارض بالاحادیث الکثیرۃ البالغۃ درجۃ التواتر المعنوی الدالۃ علی افضلیۃ الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فلا تعارضھا الاحاد، ولئن سلمنا التساوی بین الدلیلین لکن اجماع اھل السنۃ والجماعۃ علی افضلیتہ وھو قطعی فلا یعارضہ ظنی۔[1]

اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماعِ اہلسنت وجماعت افضلیتِ صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے، تو ظن اس کا معارض کیسے ہوسکتا ہے! (ت)

بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ مواقف وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نامسموع،

حیث قالا لیست ھذہ المسألۃ یتعلق بھا

ان دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/ ۱۰۶

عمل فیکتفی فیھا بالظن الذی ھو کاف فی الاحکام العملیۃ بل ھی مسألۃ علمیۃ یطلب فیھا الیقین[1]

میں دلیل ظنی کافی ہوجائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اس کے لیے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔ (ت)

فائدہ ۲: مہمۂ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہوچکا ہے کہ کتب سیر میں کیسے کیسے مجروحوں مطعونوں شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر و تواریخ میں جنھیں علما اُسی سے روایت کرلیتے ہیں وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف وسقیم وبے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافاً یہ بھی انھوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلاً کسی کام کے نہیں اُنھیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب اباطیل بھرے ہیں کما لایخفی بہرحال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بدمذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لیے ہے اُس حد سے تجاوز نہیں کرسکتے اُس کی روایات مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابۂ کرام حضور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضادِ حق مبین آج کل کے بد مذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر و خرافات تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المؤمنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش و مہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب و واحض اور بہت الحاقات ملعونۂ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشادات مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجماع اُمت واساطین ملت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ اُنھیں سن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنی مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کے لیے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ اُن محبوبان خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق

کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام

---

[1] شرح مواقف المرصد الرابع از موقف سادس فی السمعیات مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۷۲

نعم یجوز ان یقال ان ابن ملجم قتل علیا فان ذلک ثبت متواترا[1]

ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم شقی خارجی اشقی الآخرین نے امیرالمومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ بتواتر ثابت ہے۔ (ت)

حاش للہ اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنٰی قابلِ التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضرات عالیہ انبیاء ومرسلین وملئکہ مقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سعادا تنا ومولٰینا آدم صفی اللہ و داؤد خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ سے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذ اللہ اصل ایمان کو رو بیٹھنا ہے ان ہولناک اباطیل کے بعض تفصیل مع ردجلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی حکایات پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا وشروح شفا ومواہب وشرح مواہب ومدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا جسے میں صرف مدارج النبوۃ سے نقل کروں کہ عبارت فارسی ترجمہ سے غنی اور کلمات ائمہ مذکورین کا خود ترجمہ ہے فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی:

از جملہ توقیر و بر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توقیر اصحاب و بر ایشاں است وحسن ثنا و رعایت ادب بایشاں و دُعا واستغفار مر ایشاں را وحق است مرکسے را کہ ثنا کردہ حق تعالٰی بر وے و راضی ست از وے کہ ثنا کردہ شود بروے وسب وطعن ایشاں اگر مخالف ادلہ قطعیہ است، کفر والا بدعت وفسق، وہمچنیں امساک وکف نفس از ذکر اختلاف و منازعات ووقائع کہ میان ایشاں شدہ وگزاشتہ است و اعراض واضراب از اخبار مورخین وجہلہ رواۃ وضلال شیعہ وغلاۃ ایشاں ومبتدعین کہ ذکر

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واحترام درحقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اور ان کے ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہئے اور ان کیلئے دعا وطلب مغفرت کرنی چاہیے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالٰی نے تعریف فرمائی ہے اور اس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگر ان پر طعن وسب کرنیوالا دلائل قطعیہ کا منکر ہے تو کافر ورنہ مبتدع و فاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا واقعات ہوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے

---

[1] احیاء علوم الدین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ: اللعن مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۳/ ۱۲۵

قوادح وزلات ایشاں کنند کہ اکثر آں کذب وافتراست وطلب کردن درآنچہ نقل کردہ شدہ است از ایشاں ازمشاجرات ومحاربات باحسن تاویلات واصوب خارج وعدم ذکر ہیچ یکے ازایشاں بہ بدی وعیب بلکہ ذکر حسنات وفضائل وعمائد صفات ایشاں ازجہت آنکہ صحبت ایشاں باآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقینی ست وماورائے آں ظنی است وکافیست دریں باب کہ حق تعالٰی برگزید ایشاں را برائے صحبت حبیبہ خود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طریقۂ اہل سنّت وجماعت دریں باب ایں است درعقائد نوشتہ اند لاتذکر احدا منهم الابخیر ف وآیات واحادیث کہ در فضائل صحابہ عموماً وخصوصاً واقع شدہ است دریں باب کافی است [۱] اھ مختصراً۔

اور ان اخبار وواقعات سے اعراض کیا جائے جو مورخین، جاہل راویوں اور گمراہ وغلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردئے اور ان کے ڈگمگا جانے سے، کیونکہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اور ان کے درمیان جو محاربات ومشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ وتاویل کی جائے، اور ان میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اور اس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالٰی نے انھیں اپنے حبیب علیہ السلام کی محبت کیلیے منتخب کرلیا ہے اہل سنت وجماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لیے عقائد میں تحریر ہے کہ صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات واحادیث عموماً یا خصوصاً وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں اھ مختصراً (ت)

امام محقق سنوسی وعلامہ تلمسانی پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: مانقلہ المؤرخون قلّۃ حیاء وادب [۲] (مؤرخین کی نقلیں قلت حیا وادب سے ہیں) امام اجل ثقہ مثبت حافظ متقن قدوہ یحیٰی بن سعید قطان نے کہ اجلّۂ ائمہ تابعین سے ہیں عبید اللہ قواریری سے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا وہب بن جریر کے پاس سیر لکھنے کو، فرمایا: تکتب کذبا کثیرا [۳] (بہت سا جھوٹ لکھو گے) ذکرہ فی المیزان عــہ (اس کا ذکر میزان میں

عــہ فی ترجمۃ محمد بن اسحٰق حیث قال   اس کا ذکر محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں ہے جہاں (باقی اگلے صفحہ پر)

ف مدارج النبوۃ مطبوعہ سکھر میں "وآیات" کا لفظ نہیں ہے

---

[۱] مدارج النبوۃ وصل در توقیر حضور واصحاب وے صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۳

[۲] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۲۰۴

[۳] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۱۹، محمد بن اسحاق مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

ہے۔ت) تفصیل اس مبحث کی اُن رسائل فقیر سے لی جائے کہ مسئلہ حضرت امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تصنیف کیے، یہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ سے یاد رکھنے کی ہے مطاعن افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طعن سوم تخلف جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے رَد میں فرماتے ہیں :

جملۂ لعن اللہ من تخلف عنہا ہرگز در کتب اہل سنت موجود نیست قال الشہرستانی فی الملل والنحل ان ھذہ الجملۃ موضوعۃ ومفتراۃ و بعضے فارسی نویسان کہ خود را محدثین اہل سنت شمردہ اند و در سیر خود ایں جملہ را اوردہ برائے الزام اہل سنت کفایت نمی کند زیراکہ اعتبار حدیث نزد اہل سنت بیافتن حدیث در کتب مسندۂ محدثین است مع الحکم بالصحۃ و حدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلاً گوش بآں نمی نہند[1]

جملہ "لعن اللہ من تخلف عنہا" کتب اہل سنت میں ہرگز موجود نہیں، شہرستانی نے الملل والنحل میں کہاکہ یہ جملہ موضوع اور جھوٹا ہے، اور بعض فارسی لکھنے والوں نے خود کو محدثین اہلسنت ظاہر کیا ہے اور اہل سنت کو الزام دینے کے لیے اپنی کتب میں اس جملہ کو شامل کردیا لیکن یہ قابلِ اعتبار نہیں، اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جوکہ ہرگز قابلِ سماعت نہیں۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالہ عندی ذنب الا ماقمعشا فی السیرۃ من الاشیاء المنکرۃ المنقطعۃ والاشعار المکذوبۃ، قال الفلاس سمعت یحیی القطان یقول لعبید اللہ القواریری الی این تذھب، قال الی وھب بن جریر اکتب السیرۃ قال تکتب کذبا کثیرا[2] ۱۲ منہ (م)

انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی گناہ نہیں ماسوائے اس کے کہ انہوں نے سیرت میں منکر ومنقطع روایات اور جھوٹے اشعار شامل کردیے ہیں، فلاس نے کہا میں نے یحیٰی قطان کو عبیداللہ قواریری سے یہ کہتے ہُوئے سنا کہ کہاں جارہے ہو، انہوں نے کہا وہب بن جریر کی طرف سیرت لکھنے کے لیے، اس نے کہا تو وہاں بہت زیادہ جھوٹ لکھے گا ۱۲ منہ (ت)

عـــہ اقول یعنی در امثال باب تا باب احکام فاما دون او کہ باب تساہل ست نقل معتمدی بسند است

اقول یعنی یہ مثالِ مقام تا باب ہیں ہے اس کے علاوہ جو باب تساہل ہے کوئی ایک معتمد نقل سند کے ساتھ ہو

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم طعن سوم از مطاعن ابی بکر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق دارالمعرفۃ بیروت ۴۶۹/۳

فائدہ ۳۰ : (اظہر یہی ہے کہ تفردِ کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں) افادہ دہم دیکھیے جو حدیث اُن پندرہ قرائن وضع سے منزہ ہو ہم نے اُس کے بارہ میں کلمات علما تین طرز پر نقل کیے اصلًا موضوع نہ کہیں گے تفردِ کذاب ہو تو موضوع تفردِ متہم ہو تو موضوع' اور افادہ ۲۳ میں اشارہ کیا کہ ہمارے نزدیک مسلک اول قوی واقرب بصواب ہے افادہ ۱۰ میں امام سخاوی سے اُس کی تصریح اور کلام علی قاری سے نظیر صریح ذکر کی دوسری نظیر صاف و سفید حدیث مرغ سپید کہ کلام علامہ مناوی سے افادہ ۲۳ میں گزری وہیں دلیل ثامن میں بشہادت حدیث حکم عقل اس کی تقویت کا ایما کیا۔

والاٰن اقول یہی مذہب فقیر نے کلام امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج سے استنباط کیا، فائدہ تاسعہ میں آتا ہے کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا ابان بن ابی عیاش حدیث میں جھوٹ بولتا ہے پھر خود ابان سے حدیث سنی، اس پر پُوچھا گیا، فرمایا اس حدیث سے کون صبر کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ مطعون بالکذب کی ہر حدیث موضوع نہیں ورنہ اس کی طرف ایسی رغبت اور وُہ بھی ایسے امام اجل سے چہ معنی

ثم اقول اور فی الواقع یہی اظہر ہے کہ آخر الکذوب قد یصدق (جھوٹ بولنے والا بھی کبھی سچ کہتا ہے۔ ت) میں کلام نہیں اور یہ بھی مسلم کہ ایک شخص واحد کا روایت حدیث سے تفرد ممکن یہاں تک کہ غریب فرد میں صحیح حسن ضعیف بضعف قریب وضعف شدید سب قسم کی حدیثیں مانی جاتی ہیں تو یہ کیوں نہیں ممکن کہ کبھی موسوم بتکذیب بھی تفرد کرے اور اس حدیث خاص میں سچا ہو اس کے بطلان پر کیا دلیل قائم، لاجرم یہی مذہب مہذب مقتضائے ارشادات امام ابن الصلاح و امام نووی و امام عراقی و امام قسطلانی وغیرہم اکابر ہے ان سب ائمہ نے موضوع کی یہی تعریف فرمائی کہ وُہ حدیث کہ جو نری گھڑت اور افترا اور نبی صلی اللہ تعالٰی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دگر چند بے سند است چنانکہ در افادہ بست وہفتم تحقیق نمودیم خود شاہ صاحب درچنیں مقام بہ بسیارے از روایات بے سند استناد کردہ است کما لایخفی علی من طالع کتبہ و سرانجام است کہ بکمال تحقیق ایں معنی در فائدہ اخیر کردیم ۱۲ منہ (م)

دوسری چاہے بے سند ہوں، چنانچہ ستائیسویں افادہ میں ہم نے تحقیق کی ہے کہ خود شاہ صاحب نے اس جیسے مقام میں بہت روایات بے سند ذکر کی ہیں جیسا کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے آخر کار اس معنی کی مکمل تحقیق ہم نے آخری فائدہ میں کر دی ہے ۱۲ منہ (ت)

عـه بناء علی ان ما وضع علی غیرہ صلی اللہ

اس بنا پر کہ اگر اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(باقی اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم پر جھوٹ بنائی گئی ہو، علوم الحدیث امام ابوعمرو وتقریب میں ہے: الموضوع ھو المختلق المصنوع[1] (موضوع وہ حدیث ہے جو من گھڑت اور بناوٹی ہو۔ ت)

الفیہ میں ہے : ؎

شر الضعیف الخبر الموضوع
الکذب المختلق المصنوع[2]

(ضعیف کی بدترین قسم خبر موضوع ہے، جو جھوٹ ہو گھڑی گئی ہو اور بناوٹی ہو۔ ت)

ارشاد الساری میں ہے :

الموضوع ھو الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسمی المختلق[3]۔

موضوع وہ حدیث ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑا گیا ہو اسے مختلق بھی کہتے ہیں۔ (ت)

ہاں اس میں کلام نہیں کہ حکمِ وضع کبھی قطعی ہوتا ہے کبھی ظنی، جیسا کہ ہم نے شمار قرائن میں تبدیل اسلوب عبارت سے اُس کی طرف اشارہ کیا اور حدیث مطعون بالکذب کو موضوع کہنے والے بھی اس کی موضوعیت بالیقین کا دعوٰی نہیں فرماتے بلکہ وضع ظنی میں رکھتے ہیں کما صرح بہ شیخ الاسلام فی النزھۃ (جیسا کہ شیخ الاسلام نے نزہۃ النظر میں اس کی تصریح کی ہے۔ ت)، شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی مقدمہ لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

حدیث المطعون بالکذب یسمی موضوعا و

ایسے راوی کی حدیث جس پر کذب کا طعن ہو موضوع کہلاتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تعالٰی علیہ وسلم فیقال لہ الموضوع علی فلان و مطلقہ لا یراد بہ الا الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہ یبتنی ما فی الارشاد وان طلقت فانت فی سعۃ منہ کما ھو ظاھر کلام اٰخرین ۱۲ منہ (م)

کے علاوہ کسی دوسرے پر جھوٹ گھڑا ہو تو اسے "موضوع علی فلاں" کہا جاتا ہے اور جب مطلقًا ذکر ہو تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ہی جھوٹ مراد ہوگا جو ارشاد میں ہے اس کی بنا اسی پر ہے اگر آپ اس کو مطلق ذکر کریں تو آپ کو اس میں گنجائش ہے جیسا کہ دوسروں کے کلام سے ظاہر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تقریب النواوی مع شرح تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۲۷۴

[2] الفیۃ الحدیث مع فتح المغیث بحث الموضوع دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۲۹۳

[3] ارشاد الساری شرح البخاری الفصل الثالث فی نبذۃ لطیفۃ الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ ۱/ ۱۳

من ثبت عنه تعمد الكذب فی الحدیث و وانکان وقوعه مرة لم یقبل حدیثه ابدا، فالمراد بالموضوع فی اصطلاح المحدثین هذا لا انه ثبت کذبه وعلم ذلك فی هذا الحدیث بخصوصه، والمسألة ظنیة والحکم بالوضع والافتراء بحکم الظن الغالب اھ ملخصا[1]

ہے اور ایسا شخص جس سے حدیث میں عمداً جھوٹ ثابت ہوجائے خواہ وُہ ایک ہی دفعہ ہو اس کی حدیث ہمیشہ قبول نہیں کی جائے گی، تو اصطلاحِ محدثین میں موضوع سے مراد یہی ہے، یہ نہیں کہ اس خاص حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت ومعلوم ہو، اور چونکہ مسئلہ ظنی ہے لہذا وضع وافترا کا حکم ظنِ غالب کی بنا پر ہوگا اھ ملخصاً (ت)

اقول مگر محلِ تامل یہی ہے کہ مجرد کذب فی بعض الاحادیث سے کہ معاذ اللہ کسی طمع دنیا یا تائید مذہب فاسد یا غضب ورنجش وغیرہا کے باعث ہو ظن غالب ہوجائے گا کہ اب جتنی حدیثوں میں یہ متفرد ہو سب میں وضع وافترا ہی کرے گا اگرچہ وہاں کوئی طمع وغیرہ غرض فاسد نہیں ہوا، دیکھو اگر کسی طمع یا عداوت سے ایک جگہ غلط گواہی دی تو اس کی سب گواہیاں مردود ضرور ہوں گی کہ فاسق ہے مگر بے لاگ جگہ میں خواہی نخواہی یہ ظن غالب نہ ہوگا کہ یہاں بھی جھوٹ ہی کہہ رہا ہے وجدان صحیح اس پر شہادت کو بس ہے اور اگر سند ہی چاہئے تو امام ائمۃ الشان محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری کا ارشاد سُنئے محمد بن اسحاق صاحب سیرت ومغازی کو ہشام بن عروہ پھر امام مالک پھر وہب پھر یحیٰی بن قطان نے کذاب کہا،

اخرجه ابن عدی عن ابی بشر الدولابی ع و

ابن عدی نے ابوبشر دولابی سے اور

ع حال التفصی عن هذا فی المیزان بقوله قلت ومایدری هشام بن عروة، فلعله سمع منها فی المسجد اوسمع منها وهو صبی او دخل علیها فحدثته من وراء حجاب، فای شیئ فی هذا وقد کانت امرأة قد کبرت واسنت اھ[2]۔

اس سے خلاصی میزان میں ان کے اس قول سے ہوجاتی ہے: میں کہتا ہوں ہشام بن عروہ کیا جانے شاید انہوں نے اس سے مسجد میں سنا، یا اس وقت اس سے سنا جب وُہ بچے تھے یا وہ اس کے پاس گئے ہوں تو اس خاتون نے پردے کے پیچھے سے بیان کیا ہو، کیا معلوم کہ ان میں سے کون سی صورت ہے حالانکہ وہ خاتون بُوڑھی اور سن والی ہوچکی تھی (صاحبِ فتنہ نہ تھی) اھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لمعات التنقیح شرح المشکوٰۃ فصل فی العدالۃ الخ مطبوعہ المعارف العلمیۃ لاہور ١/ ٢٧

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ٧١٩٧ محمد بن اسحاق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ٣/ ٤٧٠

محمد بن جعفر بن یزید عن ابی قلابۃ الرقاشی

محمد بن جعفر بن یزید نے ابو قلابہ رقاشی سے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم قال افبمثل ھذا یعتمد علی تکذیب رجل من اھل العلم ھذا مردود ثم قد روی عنھا محمد بن سوقۃ الخ[1]

اقول لقائل ان یقول ان الحفاظ الناقدین ربما یعرفون کذب الرجل بقرائن تلوح لھم ولقد نری قوما من الائمۃ یکذبون رجلا ولا یذکرون من السبب الا ماھو قاصر عندنا لعدم علمنا بالقرائن فتبدو لنا احتمالات شتی لعل الامر کذا عسی ان کذا وھی جمیعا مندفعۃ عندھم نص علی ذلک الامام النووی فی مواضع من شرحہ صحیح مسلم فقال ھنا قاعدۃ ننبہ علیھا ثم نحیل علیھا فیما بعد ان شاء اللہ تعالٰی وھی ان عفان رحمہ اللہ تعالٰی قال انما ابتلی ھشام (ھو ابن زیاد الاموی) یعنی انما ضعفوہ من قبل ھذا الحدیث کان یقول حدثنی یحیی عن محمد ثم ادعی بعد انہ سمعہ من محمد وھذا القدر وحدہ لا یقتضی ضعفا لانہ لیس فیہ تصریح بکذب لاحتمال انہ سمعہ من محمد

پھر کہا، کیا اس طرح کی صورت میں اہلِ علم شخص کو جھوٹا قرار دینا درست ہے یہ مردود ہے (درست نہیں)، پھر اس سے محمد بن سوقہ نے بھی روایت لی ہے[1]

اقول (میں کہتا ہوں)، قائل کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ حفاظ ناقدین بعض اوقات کسی آدمی کا جھوٹ قرائن کی وجہ سے جانتے ہوتے ہیں اور ہم ائمہ کی ایک ایسی جماعت کا علم رکھتے ہیں جس نے کسی شخص کو جھوٹا کہا مگر سبب ذکر نہ کیا صرف وہ ہے جو ہمارے نزدیک قاصر ہے کیونکہ ان قرائن کو نہیں جانتے، تو ہمارے لئے متعدد احتمالات ظاہر ہوں گے، شاید یوں ہو یا یہ ہو اور وُہ تمام ان کے ہاں مدفوع ہوں، اس پر امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں کئی جگہ تصریح کی ہے اور کہا کہ یہاں ایک قاعدہ ہے جس پر ہم تنبیہ کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا اس پر حوالہ دیں گے اور وُہ یہ ہے کہ عفان رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا کہ ہشام (ابن زیاد اموی) مبتلا ہوئے، یعنی اس حدیث کی وجہ سے ان کو لوگوں نے ضعیف کہا جس کے متعلق وہ کہتے تھے مجھے یحیٰی نے محمد سے بیان کیا پھر دعوٰی کیا کہ اس نے یہ محمد سے روایت سنی ہے اور صرف یہ چیز ضعف کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ اس میں کذب صراحۃً نہیں ہے ممکن ہے اس نے محمد سے سُنا ہو

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷، محمد بن اسحاق مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۱

ثنی ابوداود سلیمٰن بن داود قال قال یحیی القطان

وہ کہتے ہیں مجھے ابوداود سلیمٰن بن داود نے بیان کیا کہ یحیٰی القطان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم نسیہ فحدث عن یحیی عنہ ثم ذکر سماعہ من محمد فرواہ عنہ ولکن انضم الی ھذا قرائن وامور اقتضت عند العلماء بھذا الفن الحذاق فیہ المبرزین من اھلہ العارفین بدقائق احوال رواتہ انہ لم یسمعہ من محمد فحکموا بذلک لما قامت الدلائل الظاھرۃ عندھم بذلک وسیاتی بعد ھذا اشیاء کثیرۃ من اقوال الائمۃ فی الجرح بنحو ھذا وکلھا یقال فیھا ما قدمنا ھنا واللہ تعالٰی اعلم۔

پھر بھول گیا ہو پھر ہشام نے یحیٰی سے حدیث بیان کی ہو پھر یحیٰی کو محمد سے سماع یاد آیا تو دونوں نے محمد کے حوالے سے روایت بیان کی ہو، لیکن اس فن کے ماہرین اور اس کے راویوں کے دقیق اصول پہچاننے والوں پر ایسے قرائن آشکار ہوئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محمد سے نہیں سُنا، جب ان کے ہاں اس پر دلائل ظاہری تام ہو گئے تو اب انہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہشام نے محمد سے نہیں سُنا، اور اس کے بعد عنقریب ائمہ کے اقوال میں اسی طرح سے کثرت کے ساتھ جرح کا ذکر آئے گا ان سب میں وہی بات کہی جائے گی جو ہم نے یہاں کہہ دی ہے واللہ تعالٰی اعلم اھ۔

وقال بعد ذلک معنی ھذا الکلام ان الحسن بن عمارۃ کذب فروی ھذا الحدیث عن الحکم عن یحیی عن علی وانما ھو عن الحسن البصری من قولہ وقد قدمنا ان مثل ھذا وان کان یحتمل کونہ جاء عن الحسن وعن علی لکن الحفاظ یعرفون کذب الکاذبین بقرائن وقد یعرفون ذلک بدلائل قطعیۃ یعرفھا اھل ھذا الفن فقولھم مقبول فی کل ھذا اھ۔

اور اس کے بعد کہا کہ اس کلام کا معنٰی یہ ہے کہ حسن بن عمارہ نے جھوٹ بولتے ہوئے اس حدیث کو حکم از یحیٰی از علی روایت کیا حالانکہ وہ حسن بصری سے ان کے قول سے مروی ہے اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس کی مثل میں اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ حسن سے اور علی سے ہو، لیکن اس فن کے حفاظ قرائن سے جھوٹوں کے جھوٹ سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس کو وہ ایسے دلائل قطعیہ سے جان لیتے ہیں جن کو صرف اہل فن ہی پہچانتے ہیں لہٰذا ان کا فیصلہ ان تمام میں مقبول ہوگا اھ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] شرح الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴
[2] " " " " " " " ۱/۱۷

اشهد ان محمد بن اسحٰق کذاب، قلت وما یدریك قال قال لی وهیب فقلت لوهیب وما یدریك قال قال لی مالك بن انس فقلت لمالك وما یدریك قال قال لی هشام بن عروة قلت لهشام بن عروة وما یدریك قال حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر، وادخلت علی وهی بنت تسع وما رأها رجل حتی لقیت الله تعالٰی۔[1]

نے بیان کیا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے، میں نے عرض کیا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ کہا مجھے وہیب نے بتایا میں نے وہیب سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے مالک بن انس نے بتایا تھا، تو میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا تھا۔ میں نے ہشام بن عروہ سے کہا کہ آپ کو اس بات کا کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا اس نے میری اہلیہ فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کی ہے اور ان کی شادی میرے ساتھ نو سال کی عمر میں ہوئی اور اس نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اس کا وصال ہوگیا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اما قولك افبمثل هذا یعتمد الخ **اقول** افترأ علی هٰؤلاء الائمة الجلة الاعاظم یشهدون جزافا من دون ثبت ثم هذا کله انما ذکرناه لیعرف ان الذهبی کیف یحتال للذب عن قدری امره قد ظهر واذا وقع بسنی اشعری او ولی الله صوفی صار لایبقی ولایذر کما بینه تلمیذه الامام تاج الدین السبکی رحمه الله تعالٰی فی الطبقات والا فالراجح عند علمائنا ایضا هو توثیق ابن اسحٰق کما ستذکره ان شاء الله تعالٰی والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

رہا یہ قول افبمثل هذا یعتمد الخ **اقول** یہ ان عظیم ائمہ پر اس بات کا افترا ہے کہ وہ اندازے سے کام لیتے ہیں تحقیق نہیں کرتے، یہ تمام اس لیے ہم نے ذکر کیا ہے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ذہبی نے کس حیلے سے قدری سے کذب کیا، جس کا معاملہ واضح تھا اور جس وقت یہ معاملہ کسی سنی اشعری یا کسی ولی اللہ صوفی کو درپیش ہو تو وہ نہ چھوڑے نہ باقی رہنے دے جیسے کہ ان کے شاگرد امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے طبقات میں اس کو بیان کیا ہے ورنہ ہمارے ہاں بھی راجح یہی ہے کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحٰق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۴۷۱

الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ محمد اسحاق دارالفکر بیروت ۷/۲۱۱۷

امام بخاری[1] جزء القراءۃ خلف الامام میں توثیق ابن اسحٰق[2] ثابت فرمانے کو اُس سے جواب دیتے ہیں:

رأیت علی بن عبداللہ یحتج بحدیث ابن اسحاق وقال علی عن ابن عیینۃ ما رایت احدا یتھم محمد بن اسحاق (الی ان قال) ولو صح عن مالک

میں نے علی بن عبداللہ کو حدیث ابن اسحاق سے استدلال کرتے ہوئے پایا ہے اور علی ابن عیینہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو

عــه نقلہ زیلعی فی نصب الرایۃ قبیل کتاب الخنثی ۱۲ منہ (م)

جیسے کہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں کتاب الخنثی سے تھوڑا پہلے اس کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

عــه ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے محقق علی الاطلاق فتح میں زیر مسئلہ استحب تعجیل المغرب فرماتے ہیں:

توثیق ابن اسحاق ھو الحق الابلج وما نقل عن کلام المالک فیہ لایثبت ولو صح لم یقبلہ اھل العلم کیف وقد قال شعبۃ فیہ ھو امیر المؤمنین فی الحدیث وروی عنہ مثل الثوری وابن ادریس وحماد بن زید ویزید بن زریع وابن علیۃ وعبدالوارث وابن المبارک واحتملہ احمد وابن معین وعامۃ اھل حدیث غفر اللہ تعالٰی لھم وقد اطال البخاری فی توثیقہ فی کتاب القراءۃ خلف الامام لہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحاق واصطلح معہ وبعث الیہ ھدیۃ ذکرھا[1] ۱۲ منہ (م)

ابن اسحاق کی توثیق ہی واضح اور حق ہے اور امام مالک کا ان کے بارے میں جو قول منقول ہے وُہ ثابت نہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تب بھی اہل علم کے ہاں قابل قبول نہیں، ایسا کیونکر ہو حالانکہ شعبہ نے ان کے بارے میں امیر المومنین فی الحدیث کہا اور ان سے ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن علیہ، عبدالوارث اور ابن مبارک جیسے محدثین نے روایت لی ہے، اور احمد، ابن معین اور اکثر محدثین (رحمہم اللہ تعالٰی) نے ان کے بارے میں (عدم توثیق کا) احتمال غیر یقینی طور پر بیان کیا۔ امام بخاری نے اپنی کتاب القراءۃ خلف الامام میں ان کی توثیق کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحٰق کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرلیا، ان کے ساتھ متفق ہوگئے اور ان کے پاس ہدیہ ارسال کیا جس کا انھوں نے تذکرہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حاشیہ فتح القدیر فصل فی استحباب التعجیل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

تناولہ عن ابن اسحاق فلربما تکلم الانسان فیرمی صاحبہ بشیئ واحد ولایتھمہ فی الامور کلھا[1] الخ

محمد بن اسحٰق پر اتہام کرتا ہو (آگے چل کر کہا) اور اگر امام مالک سے ابن اسحاق کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ صحیح ہو تو اکثر ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے پر کسی ایک بات میں طعن کرتا ہے اور باقی تمام امور میں اس پر تہمت نہیں لگاتا الخ (ت)

دیکھو صاف تصریح ہے کہ ایک جگہ کاذب پانے سے ہر جگہ متہم سمجھنا لازم نہیں، لاجرم امام ابن عراق تنزیہ الشریعۃ میں فرماتے ہیں:

قال الزرکشی فی نکتہ علی ابن الصلاح بین قولنا موضوع وقولنا لایصح بون کبیر فان الاول اثبات الکذب والاختلاق والثانی اخبار عن عدم الثبوت ولایلزم منہ اثبات العدم وھذا یجیئ فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لایصح ونحوہ (قلت) وکان نکتۃ تعبیرہ بذلك حیث عبربہ انہ لم یلح لہ فی الحدیث قرینۃ تدل علی انہ موضوع، غایۃ الامر انہ احتمل عندہ ان یکون موضوعا لانہ من طریق متروك اوکذاب، وھذا انما یتم عند تفرد الکذاب اوالمتھم علی ان الحافظ ابن حجر خص ھذا فی النخبۃ باسم المتروك ولم ینظمہ فی مسلك الموضوع[2]۔

زرکشی نے اپنی نکت علی ابن الصلاح میں لکھا کہ ہمارے قول موضوع اور لایصح میں بہت بڑا فرق ہے، پہلی صورت میں کذب اور گھڑنے کا اثبات ہے اور دوسری صورت میں عدم ثبوت کی اطلاع ہوتی ہے اور اس سے عدم وجود کا اثبات لازم نہیں آتا اور یہ ضابطہ ہر اس حدیث میں جاری ہوگا جس کے بارے میں ابن جوزی نے "لایصح" کہا یا اس کی مثل کوئی کلمہ کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے لیے اس حدیث میں کوئی ایسا ظاہری قرینہ نہیں جس کی بنیاد پر وہ حدیث موضوع ہو، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں موضوع ہونے کا احتمال ہے کیونکہ یہ متروک یا کذاب سے مروی ہے اور یہ بات اس وقت تام ہوگی جبکہ وہ حدیث صرف کذاب یا متہم سے مروی ہو، علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں اسے متروک کا نام دیا ہے، موضوع کی لڑی میں اس کو شامل نہیں کیا۔ (ت)

دیکھئے تفرد کذاب کو صرف احتمال وضع کا مورث بتایا اور ابن الجوزی نے موضوعات میں جہاں موضوع کہنے

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ آخر کتاب الوصایا مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/۴۱۶

[2] تنزیہ الشریعۃ لابن عراق کتاب التوحید فصل ثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۳۰

38
38

لایصح وغیرہ کی طرف عدول کیا اس کا یہی نکتہ ٹھہرایا کہ بوجہ تفرد کذاب یا متہم احتمال وضع تھا اگر غلبۂ ظن ہوتا حکم بالوضع سے کیا مانع تھا کہ آخر تصحیح موضوع وغیرہما تمام احکام میں غلبۂ ظن کافی اور بلاشبہ حجت شرعی ہے۔

اقول والاشارۃ فی قولہ خص ھذا انما تلمح الی الاقرب وھو المتھم فھو الذی خصہ الحافظ باسم المتروک اما ما تفرد بہ الکذاب فھو عین الموضوع عندہ فانما عرفہ بما فیہ الطعن بکذب الراوی فلیتنبہ ھذا کلہ ماظھر لی والحمد للہ الواحد العلی۔

اقول زرکشی کے الفاظ "خص ھذا" میں اشارہ اقرب کی طرف یعنی متہم کی طرف ہے تو یہ وہی ہے جس کے لئے حافظ ابن حجر نے متروک کا نام خاص کیا ہے لیکن جس روایت میں کذاب متفرد ہو وہ حافظ کے نزدیک بھی عین موضوع ہے کیونکہ انہوں نے خود موضوع کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جس میں کذب راوی کا طعن ہو، اس پر توجہ کرو یہ وہ امور تھے جو میرے لیے ظاہر ہوئے اور تمام حمد اللہ کے لیے جو واحد و بلند ہے (ت)

فقیر نے اپنی بعض تحریرات میں اس مسئلہ پر قدرے کلام کرکے لکھا تھا:

ھذا ما یظھر لنا والمحل محل تامل فلیتامل لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

یہ وہ ہے جو ہم پر ظاہر ہوا اور یہ مقام مقام غور و فکر ہے لہذا کوئی غور کرے، شاید اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی دوسرا امر ظاہر فرمادے۔ (ت)

الحمدللہ اب بوجوہ کثیرہ اسے تاکد و تائید حاصل ہوا کلام امام سخاوی کی تصریح کلام علامہ قاری و علامہ مناوی ہیں اس کے نظائر صریح کلام امام اجل شعبہ بن الحجاج سے استنباط صحیح تعریف امام ابن الصلاح و امام نووی و امام عراقی و امام قسطلانی کا اقتضائے نجیح حدیث سے تائید دلیل عقل سے تشیید کلام امام بخاری و علامہ ابن عراق سے تاکید الحمد للہ سرا و جھرا فقد حقق رجائی واحدث امرا (تمام خوبیاں ظاہراً و باطناً اللہ کے لیے ہیں پس اس نے میری امید پوری کی اور نئی راہ پیدا فرمائی۔ ت)

تنبیہ (تنبیہ متعلق افادہ ۲۵ کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک بھی مستلزم موضوعیت نہیں) اس عبارت تنزیہ الشریعۃ سے ایک اور نفیس فائدہ حاصل ہوا کہ کتب موضوعات قسم اول میں بھی لفظ حکم پر لحاظ چاہئے اگر صراحۃً موضوع یا باطل کہہ دیا تو مؤلف کے نزدیک وضع ثابت ہوگی اور اگر لایصح وغیرہ ہلکے الفاظ کی طرف عدول کیا تو آخر یہ عدول بے چیزے نیست ظاہراً خود مؤلف کو اس پر حکم وضع کی جرأت نہ ہوئی صرف احتمال درج کتاب کیا فافھم فلعلہ حسن وجیہ ولم ارہ لغیرہ فلیحفظ (اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے شاید یہ بہتر توجیہ ہو اور میں نے اسے کسی غیر سے نہیں پڑھا پس اسے محفوظ کرلیجئے۔ ت)

فائدہ ۴ : (مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے) افادہ دوم میں گزرا کہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بہت محققین کی طرف نسبت کیا اور امام اجل ابوطالب مکی نے اُسی کو مذہب فقہائے کرام و اولیائے عظام قرار دیا اور یہی مذہب ہمارے ائمۂ اعلام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے :

(لا) جرح (بان لہ راویا) واحدا (فقط) دون غیرہ (وھو مجھول العین باصطلاح) کسمعان لیس لہ راو غیر الشعبی فان المناط العدالۃ و الحفظ لا تعدد الرواۃ وقیل لا یقبل عند المحدثین وھو تحکم[1] اھ مختصرا۔

اس میں جرح (نہیں، کہ (اس کا راوی) (فقط) ایک ہے (اور وُہ اصطلاح میں مجہول العین ہے) مثلاً سمعان کا ان سے راوی شعبی کے علاوہ کوئی نہیں کیونکہ مدار عدالت اور حفظ ہے، راویوں کا متعدد ہونا نہیں، بعض نے کہا کہ محدثین کے نزدیک یہ مقبول نہیں یہ زیادتی ہے اھ مختصراً۔ (ت)

پس دربارۂ مجہول قول مقبول یہ ہے کہ مستور و مجہول العین دونوں حجت، ہاں مجہول الحال جس کی عدالت ظاہری بھی معلوم نہ ہو احکام میں حجت نہیں فضائل میں بالاتفاق وُہ بھی مقبول۔

تنبیہ (غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے)، مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلام محدثین میں غالباً اُس سے مراد مجہول العین ہے، امام سبکی شفاء السقام عہ میں فرماتے ہیں :

جھالۃ العین وھو غالب اصطلاح اھل ھذا الشان فی ھذا الاطلاق[2]۔

محدثین جب مطلقاً مجہول کا لفظ بولیں تو اکثر طور پر اس سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔ (ت)

فائدہ ۵ (فائدہ ۵ متعلق افادہ ۲۱ کہ قبول ضعیف کے لیے ورود صحیح کی حاجت نہیں)، ہم نے افادہ ۲۱ میں روشن دلیلوں سے ثابت کیا کہ مادون الاحکام میں ضعیف محتاج ورود صحیح نہیں اور دلیل ثابت میں اس کے وشش نظائر کے پتے دئے سب سے اجل و اعظم یہ کہ اکابر ائمہ کرام اعاظم محدثین اعلام مثل امام ابن عساکر و امام ابن شاہین و ابوبکر خطیب بغدادی و امام سہیلی و امام محب الدین طبری و علامہ ناصر الدین ابن المنیر و علامہ ابن سید الناس و حافظ ابن ناصر و خاتم الحفاظ و علامہ زرقانی وغیرہم نے حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف تسلیم ضعف دربارۂ فضائل

عہ فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

[2] شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام الحدیث الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۹

ایسامعمول ومقبول ماناکہ اسے احادیث صحاح سے کہ بظاہر مخالف تھیں متاخر ٹھہراکر اُن کا ناسخ جانا تو خود اس باب میں حدیث صحیح کی حاجت درکنار اُس کے مقابل کی صحاح اُس سے منسوخ ٹھہرائیں، شرح مواہب لدنیہ میں ہے :

قال السیوطی فی سبیل النجاۃ مال الی ان اللّٰہ تعالٰی احیاھما حتی اٰمنا بہ طائفۃ من الائمۃ وحفاظ الحدیث واستندوا الی حدیث ضعیف لا موضوع کالخطیب وابن عساکر وابن شاھین والسھیلی والمحب الطبری والعلامۃ ناصر الدین ابن المنیر وابن سید الناس ونقلہ عن بعض اھل العلم ومشی علیہ الصلاح الصفدی، والحافظ ابن ناصر، وقد جعل ھؤلاء الائمۃ ھذا الحدیث ناسخا للاحادیث الواردۃ بما یخالفہ ونصوا علی انہ متاخر عنھا فلا تعارض بینہ وبینھا اھ وقال فی الدرج المنیفۃ جعلوہ ناسخا ولم یبالوا بضعفہ لان الحدیث الضعیف یعمل بہ فی الفضائل والمناقب وھٰذہ منقبۃ ھذا کلام ھذا الجھبذ وھو فی غایۃ التحریر[1] اھ ملخصا۔

امام سیوطی نے سبیل النجاۃ میں فرمایا کہ ائمہ اور حفاظِ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ کی ذاتِ اقدس پر ایمان لائے، یہ قول انہوں نے ایک ایسی حدیث کی بنا پر کیا ہے جو ضعیف ہے موضوع نہیں، وہ ائمہ یہ ہیں مثلاً خطیب بغدادی، ابن عساکر، ابن شاہین، سہیلی، محب طبری، علامہ ناصر الدین بن منیر اور ابن سید الناس۔ اسے بعض اہل علم سے نقل کیا اور اسی پر صلاح الصفدی اور حافظ ابن ناصر چلے ہیں اور ان ائمہ نے اس مذکورہ حدیث کو اس سلسلہ میں وارد مخالف احادیث کے لیے ناسخ قرار دیا اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ان سے موخر ہے لہٰذا اس کے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں اھ اور درج المنیفہ میں فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین نے ناسخ قرار دیتے ہوئے اس کے ضعف کی پروا نہیں کی کیونکہ فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ (والدین کا اسلام لانا) آپ کی منقبت ہے، یہ ان ماہرین حدیث کا کلام ہے اور یہ اس مسئلہ میں انتہائی بہتر رائے اور تحریر ہے اھ ملخصا (ت)

تنبیہ ضروری (وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا) **اقول** جب کسی اصل کا کلمات علماء سے اثبات منظور ہو تو اس کے لیے کافی ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں فروع میں اس پر مشی فرمائی معلوم ہُوا کہ یہ اصل اُن کے نزدیک متاصل ہے اُن کلمات کی نقل سے غرض مستدل اسی قدر امر سے متعلق اگرچہ وہ فرع خاص بنظر کسی اور وجہ کے اس کو مسلّم نہ ہو مثلاً ہم نے افادہ ۲۸ میں اس امر کے استحباب کو کہ موضوعیت مستلزم ممنوعیت نہیں کلام ائمہ سے چند نظائر

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ باب وفات امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/۱۹۷

نقل کیے کہ دیکھو حدیث کو موضوع اور فعل کو مشروع مانا اسی قدر سے استدلال تمام ہوگیا اگرچہ ہمیں ان بعض احادیث کی وضع تسلیم نہ ہو، یونہی یہاں اتنی بات سے کام ہے کہ علمائے کرام نے ضعیف کو صحیح سے اتنا مستغنی مانا کہ ناسخ جانا دعوٰی غنا مؤید و مشید ہوگیا اگرچہ ہم قائل نسخ نہ ہوں اور دوسرے طور پر صحاح کا معارضہ دفع کرکے ان ضعاف کو قبول کریں، یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ متکلمین وہابیہ دھوکے دیتے اور خارج از مبحث اس فرع کے ترجیح و تزییف کی سرت کترا جاتے ہیں۔ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے قاعدہ یازدہم اصول الرشاد شریف میں ان سفہا کے اس کید ضعیف کی طرف ایمائے لطیف فرمایا یونہی فقیر نے آخر نکتہ جلیلہ فصل سیزدہم نوع اول مقصد سوم کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات[۱۳] میں اس کی نظیر پر متنبہ کیا فلیحفظ۔

فائدہ ۶ (فائدہ ۶ متعلق افادہ ۲۰ کہ حدیث ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول) افادہ ۲۰ میں گزرا کہ فضائل تو فضائل بعض احکام میں بھی حدیث ضعیف مقبول ہے جبکہ محل محل احتیاط و نفع بے ضرر ہو اس کی ایک اور نظیر نیز علامہ حلبی کا فرمانا ہے کہ نماز میں سُترہ کو سیدھا اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ دہنی یا بائیں ابرو پر ہو کہ حدیث میں ایسا وارد ہوا اور وہ اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں مقبول۔

حیث قال[عہ] ینبغی ان یجعلها حیال احد حاجبیه لما روی ابوداود من حدیث ضباعۃ بنت المقداد بن الاسود عن ابیها رضی اللہ تعالٰی عنه قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یصلی الی عود ولا عمود ولا شجرۃ الا جعله علی حاجبه الایمن او الایسر ولا یصمد له صمدا، وقد اعل بالولید بن کامل وبجھالۃ ضباعۃ، لکن ھذا الحکم مما یجوز العمل فیه بمثل ھذا، لانه من الفضائل[۱] اھ باختصار۔

الفاظ یہ ہیں مستحب یہ ہے کہ سُترہ دونوں ابروؤں میں سے کسی ایک کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسا کہ ابوداؤد نے ضباعۃ بنت مقداد بن اسود اور انہوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف نماز ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر آپ اس کو اپنی دائیں یا بائیں ابرو مبارک کے سامنے کر دیتے بالکل سیدھا اس کی طرف رُخ نہ ہوتا۔ اس حدیث کو ولید بن کامل اور ضباعۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا، لیکن یہ حکم ان مسائل میں سے ہے جن پر عمل اس طرح کی روایت سے جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ فضائل اعمال سے ہے اھ باختصار۔ (ت)

عہ اواخر کراہۃ الصلاۃ قبیل الفروع ۱۲ منہ (م)

[۱] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

ایک اور اعلیٰ واجل نظیر کلام امام[1] حافظ محدث ابوبکر بیہقی و امام[2] محقق علی الاطلاق و امام ابن امیر الحاج و علامہ ابراہیم حلبی و علامہ حسن شرنبلالی و علامہ سید احمد طحطاوی و علامہ سید ابن عابدین شامی وغیرہم علمائے اعلام رحمہم اللہ تعالٰی سے یہ ہے کہ سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں بطریق ابوعمر یا ابومحمد بن محمد بن حریث عن جدہ حریث رجل من بنی عذرۃ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن الا بی القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دربارہ سترہ نماز مروی ہوا :

فان لم یکن معہ عصا فلیخطط خطا[1]۔

اگر اس کے پاس لکڑی نہ ہو تو اپنے سامنے ایک خط کھینچ لے ۔

امام ابوداؤد نے کہا امام سفین بن عیینہ نے فرمایا :

لم نجد شیأ نشد بہ ھذا الحدیث ولم یجئ الامن ھذا الوجہ[2]۔

ہم نے کوئی چیز نہ پائی جس سے اس حدیث کو قوت دیں اور اس سند کے سوا دوسرے طریق سے نہ آئی ۔

یونہی امام شافعی و امام بیہقی و امام نووی وغیرہم ائمہ نے اس کی تضعیف[عہ] فرمائی بلکہ ائمہ و علمائے مذکورین

عہ قال فی الحلیۃ ثم فی رد المحتار قد یعارض تضعیفہ بتصحیح احمد و ابن حبان وغیرھما لہ و عقبہ فی الحلیۃ بما یاتی عنہما من قولہ و یظھر ان الاشبہ الخ وقال فی المرقاۃ قد اشار الشافعی الی ضعفہ واضطرابہ قال ابن حجر صححہ احمد وابن المدینی و ابن المنذر و ابن حبان وغیرھم و جزم بضعفہ النووی اھ ملخصا قلت وھو وان فرض صحتہ لم یضرنا فیما نحن بصددہ لما قدمنا انفا فی التنبیہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

حلیہ پھر رد المحتار میں ہے کہ اس کی تضعیف کبھی احمد اور ابن حبان وغیرہ کی تصحیح کے معارض آتی ہے اور حلیہ میں اس کا تعاقب ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے جو آگے آرہے ہیں یعنی "وان یظھر ان الاشبہ الخ" اور مرقات میں ہے کہ امام شافعی نے اس کے ضعف اور اضطراب کی طرف اشارہ کیا ہے، ابن حجر نے کہا کہ احمد، ابن مدینی، ابن منذر اور ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام نووی نے اس کے ضعف پر جزم کیا ہے اھ ملخصا۔ میں کہتا ہوں اگر اس کی صحت ہی فرض کر لی جائے تو ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں یہ نقصان دہ نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے تنبیہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] و [2] سنن ابی داؤد باب الخط اذا لم یجد عصا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۰

نے تصریح کی کہ حدیث ضعیف سہی ایسے حکم میں حجت و مقبول ہے کہ اُس میں نفع بے ضرر ہے ، مرقاۃ شرح مشکوۃ امام ابن حجر مکی سے منقول :

قال البیهقی لاباس بالعمل به وان اضطرب اسناده فی مثل هذا الحکم ان شاء الله تعالٰی[1]۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے مگر اس طرح کے مسائل میں اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی ۔ (ت)

حلیہ میں فرمایا :

یظهر ان الاشبه قول البیهقی ولاباس بالعمل بهذا الحدیث فی هذا الحکم ان شاء الله تعالٰی وجزم به شیخنا رحمه الله تعالٰی فقال والسنة اولٰی بالاتباع[2]۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیہقی کا قول اس حکم میں اس حدیث پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اشبہ و مختار ہے ، اور اسی پر ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ کہتے ہُوئے جزم فرمایا کہ سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے ۔ (ت)

غنیہ میں ہے :

من جوزه استدل بحدیث ابی داود وتقدم مافیه لکن قد یقال انه یجوز العمل بمثله فی الفضائل کمامر آنفا ولذا قال ابن الهمام والسنة اولٰی بالاتباع[3] اھ ملخصا۔

جس نے جائز قرار دیا اس کا حدیث ابی داؤد سے استدلال ہے اور اس حدیث میں جو ہے وہ پیچھے بیان ہو چکا، لیکن کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فضائل میں ایسی حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے جیسا کہ ابھی گزرا اور اسی لیے امام ابن الہمام نے فرمایا سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے اھ ملخصاً (ت)

نیز غنیہ پھر امداد الفتاح شرح نور الایضاح پھر حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے :

ان سلوا انه یعنی الخط غیر مفید فلا ضرر فیه مع مافیه من العمل بالحدیث الذی یجوز العمل به فی مثله[4]۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ خط مفید نہیں تو اس میں کوئی ضرر نہیں باوجود اس کے محلِ نظر ہونے کے یہ حدیث ان میں سے ہے جس پر ایسے احکام میں عمل جائز ہوتا ہے ۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ الفصل الثانی من باب السترۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۲۶

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

[4] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۳۶۹

ردالمحتار میں ہے :

یسن الخط کما ھو الروایۃ الثانیۃ عن محمد لحدیث ابی داود فان لم یکن معہ عصا فلیخط خطا وھو ضعیف لکنہ یجوز العمل بہ فی الفضائل ولذا قال ابن الھمام والسنۃ اولی بالاتباع[1] اھ۔

خط کھینچنا مسنون ہے جیسا کہ امام محمد کی روایت ثانیہ ہے انہوں نے ابوداؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا : اگر نمازی کے پاس عصا (لکڑی) نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اسی بنا پر امام ابن ہمام نے فرمایا : سنت زیادہ لائقِ اتباع ہے[1]۔ (ت)

تنبیہ (فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں، نہ صرف ثوابِ اعمال) ان دونوں نظیروں میں علامہ ابراہیم حلبی اور نظیر اخیر میں علامہ شامی کا ان افعال میں سُترہ کو ابرو کے مقابل رکھنے یا خط کھینچنے کو فضائل سے بتانا اُس معنی کی صریح تصریح کررہا ہے جو فقیر نے حاشیہ افادہ ۲۱ میں ذکر کیا تھا کہ فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ فضائل ہیں یعنی وُہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثوابِ اعمال، یہاں سے خیالات باطلہ گنگوہیہ کی تفضیح کامل ہوتی ہے وللہ الحمد

فائدہ ۷ (حدیثِ ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں) عبارت ردالمحتار کہ ابھی منقول ہُوئی بتارہی ہے کہ امثال مقام میں نہ صرف استحباب بلکہ سنیت بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہوسکتی ہے یونہی افادہ ۷ امیں علی قاری کا ارشاد گزرا کہ حدیث ضعیف کے سبب ہمارے علماء نے مسح گردن کو مستحب یا سنت مانا۔

اقول لکن قال الامام ابن امیر الحاج فی الحلیۃ بعد ما ذکر حدیث ابن ماجۃ عن الفاکہ وعن ابن عباس والبزار عن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنہم فی اغتسال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم العیدین وقال ان فی اسانید ھٰذہ ضعفاء ما نصہ، واستنان غسل العیدین ان قلنا بان تعدد الطرق الواردۃ فیہ یبلغ درجۃ الحسن، والا لندب وفی ذلک تأمل اھ[2] فقد اشار رحمہ اللہ تعالٰی

اقول لیکن امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں عیدین کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں حدیث ابن ماجہ، فاکہ، ابن عباس سے اور حدیث بزار ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کرنے کے بعد کہا کہ ان اسانید میں راوی ضعیف ہیں، اور پھر کہا کہ عیدین کے موقعہ پر غسل سنت ہے اگر ہم یہ کہیں کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن کا درجہ پاچکی ہے اور اگر نہیں تو غسل مستحب ہے اور اس میں تامل ہے اھ امام رحمہ اللہ تعالٰی نے اس بات

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ان الضعيف لايفيد الاستنان وللك ان تقول ان السنة ربما تطلق على المستحب كعكسه كما صرحوا بهما فيتجه كلام الشامي و القاری وبه يحصل التوفيق بين الروايتين عن علمائنا في المسألة اعني مسألة الخط فمن اثبت اراد الاستحسان ومن نفى نفى الاستنان وقد كان متأيدا بما في الحلية هل ينوب الخط بين يديه منابها فعن ابي حنيفة وهو احدى الروايتين عن محمد انه ليس بشیٔ ای ليس بشیٔ مسنون اھ ولولا انه زاد بعده بل فعله و تركه سواء[1] انتهى ففيه بعد بعد فافهم۔

کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیثِ ضعیف سنّت کا فائدہ نہیں دیتی، اور تیرے لیے یہ جائز ہے کہ تُو کہے کہ بعض سنّت کا اطلاق مستحب اور مستحب کا سنت پر ہوتا رہتا ہے جیساکہ فقہانے اس کی تصریح کی ہے، لہذا امام شامی اور قاری کے کلام کی توجیہ ہوجائے گی اور اسی سے مسئلہ خط میں ہمارے علماء سے مروی دو روایات میں تطبیق بھی ہوجائے گی پس جس نے اسے ثابت کیا اس نے اس سے استحسان کا ارادہ کیا اور جس نے نفی کی اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنّت نہیں اور اس کی تائید حلیہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ کیا خط سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں ؛ تو امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی شَی نہیں یعنی سنّت نہیں اھ کاش اس کے بعد وہ یہ اضافہ نہ کرتے کہ اس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے انتہی اس میں نہایت ہی بُعد ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ (ت)

فائدہ ۸ (فائدہ ۸ متعلق افادہ ۱۱ کہ وضع یا ضعف کا حکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث) ہم نے افادہ ۱۱ میں بہت نصوص نقل کیے کہ بارہا محدثین کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے۔ اور سُنیے حدیث صحیح زکوٰۃ حلی، مروی سنن ابی داود ونسائی :

امرأة اتت النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال تعطين زكاة هذا قالت لا قال ايسرك ان يسورك الله بهما يوم القيمة سوارين من نار قال فخلعتهما فالقتهما الى النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم

یعنی ایک بی بی خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اُن کی بیٹی ان کے ساتھ تھیں دُختر کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو ؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ عزوجل قیامت میں ان کے

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فقالت هما لله ورسولہ۔[1] | بدلے آگ کے کنگن پہنائے، اُن بی بی نے کڑے اتار کر ڈال دیے اور عرض کی یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جسے امام ابوالحسن ابن القطان و امام ابن الملقن و علامہ سید میرک نے کہا: اسنادہ صحیح[2] (اس کی سند صحیح ہے) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر میں فرمایا: اسنادہ لامقال فیہ[3] (اس کی سند میں کچھ گفتگو نہیں) محقق علی الاطلاق نے فرمایا: لاشبھۃ فی صحتہ[4] (اس کی صحت میں کچھ شبہہ نہیں) امام ترمذی نے جامع میں روایت کرکے فرمایا: لایصح فی ھذا الباب عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شیئ[5] (اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ صحیح مروی نہیں) امام منذری نے فرمایا: لعل الترمذی قصد الطریقین الذین ذکرھما والا فطریق ابی داؤد لامقال فیہ[6] (شاید ترمذی ان دو طریق کو کہتے ہیں جو انہوں نے ذکر کیے ورنہ سند ابی داؤد میں اصلا جائے گفتگو نہیں) ابن القطان نے فرمایا:

انما ضعف ھذا الحدیث لان عندہ فیہ ضعیفین ابن لھیعۃ والمثنی بن الصباح[7]۔ | انھوں نے اس وجہ سے تضعیف کی کہ ان کے پاس اس کی سند میں دو راوی ضعیف تھے ابن لہیعہ اور مثنی بن الصباح۔

ذکرہ الامام المحقق فی الفتح ثم العلامۃ القاری فی المرقاۃ۔ | اسے امام محقق نے فتح القدیر اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ (ت)

اور سُنئے حدیث ردّ شمس کہ حضور پُرنور سید الانوار، ماہِ عرب، مہرِ عجم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے ڈوبا ہُوا آفتاب پلٹ آیا، مغرب ہو کر پھر عصر کا وقت ہوگیا یہاں تک کہ امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

---

[1] سُنن ابی داؤد باب الکنز ماھو و زکوٰۃ الحلی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۸
[2] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطان فصل فی الذہب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۴
[3] " " " " " ۲/۱۶۴
[4] " " " " " ۲/۱۶۵
[5] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۱
[6] فتح القدیر بحوالہ المنذر فصل فی الذہب " نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۴
[7] " بحوالہ ابن القطان " " " ۲/۱۶۴

وجہہ الکریم نے نمازِ عصر ادا کی جسے طحاوی و امام قاضی عیاض و امام مغلطای و امام قطب خیضری و امام حافظ الشان عسقلانی و امام خاتم الحفاظ سیوطی وغیرہم اجلۂ کرام نے حسن و صحیح کہا کما ھو مفصل فی الشفاء و شروحہ و المواھب و شرحہا (جیسے شفا، اس کی شروح اور مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں تفصیلاً مذکور ہے۔ ت) علامہ شامی اپنی سیرت پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

اما قول الامام احمد و جماعۃ من الحفاظ بوضعہ فالظاھر انہ وقع لھم من طریق بعض الکذابین و الا فطرقہ السابقۃ یتعذر معہا الحکم علیہ بالضعف فضلا عن الوضع[1]۔

امام احمد اور حفاظ کی ایک جماعت کا اسے موضوع قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ ان کو یہ روایت ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہوگی جو کذاب تھے ورنہ اس کی سابقہ تمام اسانید پر ضعف کا حکم لگانا متعذر ہے، چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔ (ت)

عام تر نفیس امام شیخ الاسلام عمدۃ الکرام مرجع العلماء الاعلام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی کتاب مستطاب منظہر الصواب مرغم الشیطان مدغم الایمان شفاء السقام فی زیادۃ خیر الانام علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلاۃ والسلام میں فرماتے ہیں:

ومما یجب ان یتنبہ لہ ان حکم المحدثین بالانکار والاستغراب قد یکون بحسب تلک الطریق فلا یلزم من ذلک رد متن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیہ ان الحدیث موضوع فانہ حکم علی المتن من حیث الجملۃ[2]۔

اس سے آگاہ رہنا واجب ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے تو اس سے اصل حدیث کا رد لازم نہیں آتا بخلاف فقیہ کے موضوع کہنے کے کہ وہ بالاجمال اُس متن پر حکم ہے۔

لطیفہ جلیلہ ملیفہ: (لطیفہ جلیلہ نفیسہ جان پر لاکھ من کا پہاڑ) ابوداؤد و نسائی کی یہ حدیث صحیح عظیم جلیل جس میں اُن بی بی نے کڑوں کے صدقہ کرنے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عہ فی الباب الاول تحت الحدیث الخامس من حج البیت فلم یزرنی فقد جفانی ۱۲ منہ (م)

باب اول میں حدیث خامس کے تحت یہ مذکور ہے: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ردّ شمس لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/ ۱۳۲

[2] شفاء السقام الحدیث الخامس مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۹

کا نام پاک بھی ملایا اور حضور نے انکار نہ فرمایا بعینہٖ یہی مضمون صحیح بخاری و صحیح مسلم نے حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں روایت کیا کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی عرض کی :

یارسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔

یارسول اللہ! میری توبہ کی تمامی یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے صدقہ کر دوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا ۔ یہ حدیثیں حضرات وہابیہ کی جان پر آفت ہیں انھیں دُوپر کیا موقوف فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بجواب استفتائے بعض علمائے دہلی ایک نفیس و جلیل و موجز رسالہ مسمّی بنام تاریخی الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء [۱۳] ملقب بلقب تاریخی اکمال الطامۃ علی شرک سوی بالامور العامۃ تالیف کیا اس میں ایسی بہت کثیر و عظیم باتوں کا آیات و احادیث سے صاف و صریح ثبوت دیا مثلاً قرآن و حدیث ناطق ہیں کہ اللہ و رسول نے دولتمند کر دیا ، اللہ و رسول نگہبان ہیں ، اللہ و رسول بے والیوں کے والی ہیں ، اللہ و رسول مالوں کے مالک ہیں ، اللہ و رسول زمین کے مالک ہیں ، اللہ و رسول کی طرف توبہ ، اللہ و رسول کی دوہائی ۔ اللہ و رسول دینے والے ہیں ، اللہ و رسول سے دینے کی توقع ، اللہ و رسول نے نعمت دی ، اللہ و رسول نے عزت بخشی ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی اُمت کے حافظ و نگہبان ہیں ، حضور کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں ، حضور کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں ، حضور ساری زمین کے مالک ہیں ، حضور سب آدمیوں کے مالک ہیں ، حضور تمام امتوں کے مالک ہیں ، ساری دنیا کی مخلوق حضور کے قبضہ میں ہے ، مدد کی کنجیاں حضور کے ہاتھ ہیں ، نفع کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ، جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ، دوزخ کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ، آخرت میں عزت دینا حضور کے ہاتھ ہے ، قیامت میں کل اختیار حضور کے ہاتھ ہیں ، حضور مصیبتوں کو دُور فرمانے والے ، حضور سختیوں کے ٹالنے والے ، ابوبکر صدیق و عمر فاروق حضور کے بندے ، حضور کے خادم نے بیٹا دیا ، حضور کے خادم رزق آسان کرتے ہیں ، حضور کے خادم بلائیں دفع کرتے ہیں ،

عہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عہ تا عہ۱۲ جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عہ۱۳ تا عہ۳۱ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] صحیح البخاری باب قولہ تعالٰی لقد تاب اللہ علی النبی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۵

حضور[1] کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں، حضور[2] کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں، اولیا کے سبب بلا دور ہوتی ہے، اولیا کے سبب رزق ملتا ہے، اولیا کے سبب مدد ملتی ہے، اولیا کے سبب مینہ اُترتا ہے، اولیا کے سبب زمین قائم ہے۔ یہ اور ان جیسی بیسیوں باتیں صرف قرآن وحدیث سے لکھی ہیں، وہابی صاحب شرک وغیرہ جو حکم لگانا چاہیں اللہ ورسول کی جناب میں بکیں یا خدا اور رسول سے لڑیں اگر لڑ سکیں۔ اس میں یہ بھی روشن دلیلوں سے ثابت کردیا ہے کہ وہابی مذہب نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہاں تک کہ خود رب العزت جل جلالہ کسی کو سخت شنیع الزام لگانے سے نہیں چھوڑا۔ ضمناً یہ بھی واضح دلائل سے بتا دیا گیا کہ وہابی صاحبوں کے نزدیک جناب شیخ مجدد صاحب و مرزا جانِ جاناں صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اساتذہ ومشائخ یہاں تک کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی سب کے سب پکے مشرک تھے، غرض وہابی مذہب پر شرک امورِ عامہ سے ہے جس سے معاذ اللہ ملائکہ سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر ربِّ جلیل تک، شاہ ولی اللہ سے لے کر ان کے پیروں اُستادوں، شاہ عبدالعزیز صاحب سے خود میاں اسمٰعیل تک کوئی خالی نہیں، وہابیت کا پھاگ نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے، زور گھنگھور شرائٹوں کا شور، سارا جہان شرابور، پوری قید نہ اماوس پر چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماوس جاری ہے ؎

اشراک بمذہبے کہ تا حق برسد

مذہب معلوم واہلِ مذہب معلوم

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ مختصر رسالہ کہ چار جز سے بھی کم ہے ایک سو تیس[۱۳۰] سے زیادہ فائدوں اور تینتیس[۳۳] آیتوں اور ستّر سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے جو اس کے سوا کہیں مجتمع نہ ملیں گے بحمد اللہ تعالٰی اُس کی نفاست، اُس کی جلالت، اُس کی صولت، اُس کی شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون[1] ۵ رب اوزعنی ان اشکر

یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، اے میرے رب مجھے اس

---

[1] و [2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] القرآن ۱۲/۳۸

نعمتك التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صٰلحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین ۝ والحمد ﷲ رب العٰلمین ۝[1]

بات کی توفیق دے کہ میں ان نعمتوں پر تیرا شکر کروں جو تُو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں، اور مجھے اچھے اعمال کی توفیق دے جن سے تُو راضی ہوجائے اور میری اولاد کی اصلاح فرما، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا اور مسلمانوں میں سے ہُوں، تمام تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے (ت)

فائدہ ۹ : (وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے) ہم نے افادہ ۲۱ میں ذکر کیا کہ محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے شعبہ بن الحجاج و امام مالک و امام احمد، اور افادہ دوم میں یحیٰی بن سعید قطان وعبدالرحمٰن بن مھدی کو گنا، اور انھیں سے ہیں امام شعبی و بقی بن مخلد و حریز بن عثمٰن و سلیمٰن بن حرب و مظفر بن مدرک خراسانی و امام بخاری۔ مقدمہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

حدثنی ابوجعفر الدارمی ثنا بشر بن عمر قال سألت مالك بن انس (فذکر الحدیث قال) و سألته عن رجل اخر نسیت اسمه فقال هل رأیته فی کتبی قلت لا قال لوکان ثقة لرأیته فی کتبی[2]۔

ابوجعفر دارمی نے مجھے حدیث بیان کی کہ ہمیں بشر بن عمر نے بتایا کہ میں نے مالک بن انس سے پُوچھا (پھر تمام حدیث بیان کی اور کہا) اور میں نے ایک دوسرے آدمی کے بارے میں ان سے پُوچھا جن کا نام میں اس وقت بھُول گیا تو انھوں نے فرمایا کیا تُو نے اسے میری کتب میں پایا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اگر وہ ثقہ ہوتے تو میری کتب میں انھیں ضرور پاتا۔ (ت)

منہاج امام نووی میں ہے:

ھذا تصریح من مالك رحمه اللّٰه تعالٰی بان من ادخله فی کتابه فھو ثقة فمن وجدناہ فی کتابه حکمنا بانه ثقة عند مالك وقد لایکون ثقة عند غیرہ[3]۔

یہ امام مالک کی تصریح ہے کہ جسے وہ اپنی کتاب میں ذکر کریں گے وہ ثقہ ہوگا تو اب ہم ان کی کتاب میں جسے پائیں ہم اسے امام مالک کے نزدیک ثقہ سمجھیں گے اور کبھی ان کے غیر کے ہاں وہ شخص ثقہ نہیں ہوگا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۴۶/ ۱۵

[2] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[3] شرح صحیح مسلم النووی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۱۹

میزان میں ہے :

ابراھیم بن العلاء ابوھارون الغنوی وثقہ جماعۃ ووھاہ شعبۃ فیما قیل ولم یصح بل صح انہ حدث عنہ[1]۔

ابراہیم بن العلاء ابوہارون غنوی کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شعبہ نے انھیں کمزور کہا، اور یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ شعبہ نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے :

عبدالاکرم بن ابی حنیفۃ عن ابیہ وعنہ شعبۃ لایعرف لکن شیوخ شعبۃ جیاد اھ[2]

عبدالاکرم بن ابی حنیفہ اپنے والد سے اور ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور وہ معروف نہیں لیکن شعبہ کے تمام اساتذہ جید ہیں اھ (ت)

اقول لکن قال یزید بن ھارون قال شعبۃ داری وحماری فی المساکین صدقۃ ان لم یکن ابان ابن ابی عیاش یکذب فی الحدیث قلت لہ فلم سمعت منہ؟ قال ومن یصبر عن ذا الحدیث۔ یعنی حدیثہ عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ عن امہ انھا قالت رأیت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع کما فی المیزان[3] ولك التفصی عنہ بان السماع شیئ والتحدیث شیئ، والکلام فی الاخیر وان کان اسم الشیخ یتناول الوجھین وسنذکر اٰخر ھذہ الفائدۃ ان

اقول لیکن یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا کہ میرا گھر اور میری سواری مساکین میں صدقہ ہے، اگر ابان ابن ابی عیاش حدیث میں جھوٹا نہ ہو، میں نے انھیں کہا تو پھر آپ نے ان سے کیوں سماع کیا؟ تو اس نے فرمایا کون ہے جو صاحب حدیث سے حدیث لینے سے باز رہے، اس سے انھوں نے ان کی وہ حدیث مراد لی جو ابراہیم سے علقمہ سے عبداللہ سے اور انھوں نے اپنی والدہ سے بیان کی ہے، وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی ہے جیسا کہ میزان میں ہے، اور تیرے لیے اس سے خلاصی کی صورت

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۵۲ ابراہیم بن العلاء مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۴۹

[2] " " " ۴۷۴۴ عبدالاکرم " " " " ۲/ ۵۳۲

[3] " " " ۱۵ ابان ابن ابی عیاش " " " " ۱/ ۱۱

الامام بما حمل عمن شاء ، فاذا حدث تثبت نعم لعل الصواب التقييد بمن حدث عنه فی الاحکام دون ما يتساهل فيه لما تقدم فی الافادة الثالثة والعشرين من قول ابن عدی ان شعبة حدث عن الکلبی ورضيه بالتفسير[1] کما نقله فی الميزان وفيه ايضا فی محمد بن عبد الجبار قال العقيلی مجهول بالنقل قلت شيوخ شعبة نقاوة الا النادر منهم وهذا الرجل قال ابوحاتم شيخ[2] اھ قلت وهذا لا يضر فقد يکون الرجل ثقة عنده وعند غيره مجروح او مجهول حتی ان من شيوخه الذين وثقهم وصرح بحسن الثناء عليهم جابر بن يزيد الجعفی ذاك الضعيف الرافضی المتهم قال الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، ما رأيت فيمن رأيت افضل من عطاء ولا اکذب من جابر الجعفی[3] وکذلك کذبه ايوب وزائدة ويحيٰی والجوزجانی وترکه القطان وابن مهدی والنسائی وآخرون۔

یہ ہے کہ سماع اور شئی ہے اور حدیث بیان کرنا اور ہے، گفتگو دوسرے میں ہے اگرچہ شیخ کا نام دونوں کے لیے مستقل ہے عنقریب ہم اس فائدہ کے آخر میں ذکر کرینگے کہ امام شعبہ کبھی جس سے چاہے روایت لیتا ہے تو جب وہ حدیث بیان کرے تو اس پر ثابت قدم رہ۔ ہاں شاید درست یہ ہو کہ اسے مقید کر دیا جائے اس شخص کے ساتھ جس سے احکام کی احادیث بیان کی گئی ہیں نہ کہ وہ احادیث جن میں نرمی کی جاتی ہے جیسا کہ تئیسویں افادہ میں ابن عدی کا یہ قول گزرا ہے کہ شعبہ نے کلبی سے روایت کی ہے اور باب تفسیر میں اسے پسند کیا ہے میزان میں اسی طرح منقول ہے اور اس میں محمد بن عبد الجبار کے بارے میں بھی ہے کہ عقیلی نے کہا کہ وہ مجہول بالنقل ہے ــــ میں کہتا ہوں کہ شعبہ کے تمام شیوخ جید ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو جید نہ ہوں، اور یہ وہ آدمی ہیں جس کے بارے میں ابوحاتم نے کہا شیخ ہے اھ ــــ قلت یہ نقصان دہ نہیں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی ایک محدث کے ہاں ثقہ ہے دوسرے کے ہاں مجروح یا مجہول ہوتا ہے حتی کہ اس کے شیوخ وہ ہیں جن کو ثقہ کہا گیا اور ان کی تعریف کی تصریح کی گئی ان میں سے جابر بن یزید الجعفی ہے جو ضعیف رافضی اور متہم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں نے جو لوگ دیکھے ان میں عطا سے بڑھ کر سچا کسی کو نہیں پایا اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا، اسی طرح ایوب، زائدہ، یحیٰی اور جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ قطان، ابن مہدی، نسائی اور دیگر محدثین نے اسے ترک کر دیا۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۵۷۴ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۳/۵۵۸

[2] 〃 〃 〃 ۷۸۲۲ محمد بن عبد الجبار 〃 〃 〃 〃 ۳/۶۱۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۴۲۵ جابر بن یزید الجعفی 〃 〃 〃 〃 ۱/۳۸۰

شفاء السقام[1] شریف میں ہے :

احمد رحمه الله تعالیٰ لم یکن یروی الا عن ثقة وقد صرح الخصم (یعنی ابن تیمیة) بذلك فی الکتاب الذی صنفه فی الرد علی البکری بعد عشر کراریس منه قال ان القائلین بالجرح والتعدیل من علماء الحدیث نوعان منهم من لم یروا الا عن ثقة عنده کمالك وشعبة ویحییٰ بن سعید وعبد الرحمٰن بن مهدی واحمد بن حنبل وکذلك البخاری وامثاله اھ

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے اور مخالف (یعنی ابن تیمیہ) نے اس بات کی اپنی اس کتاب میں تصریح کی ہے جو اس نے بکری کے رَد میں اس کے دس رسائل کے بعد لکھی، کہا کہ علماء جرح و تعدیل (حدیث میں) دو اقسام ہیں ایک وہ ہیں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں مثلاً مالک، شعبہ، یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل اور اسی طرح بخاری اور ان کے ہم مثل اھ (ت)

تہذیب التہذیب[2] امام ابن حجر عسقلانی میں ہے :

خارجة بن الصلت البرجمی الکوفی روی عنه الشعبی وقد قال ابن ابی خیثمة اذا روی الشعبی عن رجل وسماه فهو ثقة یحتج بحدیثه[2]

خارجہ بن الصلت برجمی کوفی جن سے شعبی نے روایت کیا ہے اور ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ جب شعبی کسی شخص سے حدیث بیان کریں اور اس کا نام لیں تو وہ ثقہ ہوگا اس کی حدیث سے استدلال کیا جائے گا (ت)

تدریب[3] میں ہے :

من لا یروی الا عن عدل کابن مهدی ویحییٰ بن سعید[3] اھ **اقول** ولا ینکر علیه بما فی المیزان عن عباس الدوری عن یحییٰ بن معین عن یحییٰ بن سعید لو لم ارو الا عمن ارضی ما رویت الا عن خمسة اھ

وہ لوگ جو صرف عادل راویوں سے روایت لیتے ہیں مثلاً ابن مہدی اور یحییٰ بن سعید اھ **اقول** اور اس پر اس بات سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا جو میزان میں عباس دوری نے یحییٰ بن معین سے انہوں نے یحییٰ بن سعید کے حوالے سے روایت

عـہ۱ فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ (م)

عـہ۲ فی ترجمۃ اسرائیل بن یونس ۱۲ منہ (م)

---

[1] شفاء السقام الحدیث الاول مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰

[2] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۱۳۵ خارجہ بن الصلت مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۳/ ۷۵

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ مجہول العدالۃ والمستور دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۱۷

فان رضی یحییٰ غایۃ لا تدرك وکیف یظن بہ ان الخلق کلھم عندہ ضعفاء الا الخمسۃ و انما المرضی لہ جبل ثبت شامخ راسخ لم یزل ولم یتزلزل ولا فی حرف ولا مرۃ ۔

کی ہے کہ اگر میں اس شخص سے روایت کرتا ہُوں جس سے میں راضی ہوتا ہُوں تو میں صرف پانچ سے روایت کرتا ہوں اھ اور یحییٰ کے راضی ہونے کی غایت و مقصد معلوم نہیں اور یہ ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ پانچ کے علاوہ تمام لوگ ان کے نزدیک ضعیف ہوں اور ان کے ہاں پسندیدہ و معتبر وہی شخص ہوگا جو اس فن میں پہاڑ کی مانند ٹھوس، مستحکم اور مضبوط ہو نہ زائل ہوا ور نہ حرکت کرے نہ کسی حرف میں نہ ایک مرتبہ میں (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے :

سلیمٰن بن حرب بن بجیل الاسدی الواشحی قال ابوحاتم امام من الائمۃ کان لا یدلس و قال ابو حاتم ایضا کان سلیمٰن بن حرب قل من یرضی من المشایخ فاذا رأیتہ قد روی عن شیخ فاعلم انہ ثقۃ اھ[1] ملتقطا ۔

سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے امام ہیں اور وہ تدلیس نہیں کرتے تھے اور ابوحاتم نے یہ بھی کہا کہ سلیمان بن حرب بہت کم مشائخ کا اعتبار کرتے تھے لہٰذا جب آپ دیکھیں کہ انھوں نے کسی شیخ سے روایت کی ہے تو یقیناً وہ ثقہ ہی ہوگا اھ ملتقطاً (ت)

تقریب التہذیب میں ہے :

مظفر بن مدرك الخراسانی ابوکامل ثقۃ متقن کان لا یحدث الا عن ثقۃ[2] ۔

مظفر بن مدرک خراسانی ابوکامل ثقہ اور پختہ ہیں اور وُہ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے (ت)

نافعہ جامعہ : امام سخاوی فتح المغیث[عہ] میں فرماتے ہیں :

تتمۃ من کان لا یروی الا عن ثقۃ الا فی النادر الامام احمد وبقی بن مخلد و حریز بن عثمٰن

تتمہ ان لوگوں کے بارے میں جو ثقہ کے علاوہ سے روایت نہیں کرتے مگر شاذ و نادر ۔ وُہ امام احمد ،

عہ فی معرفۃ من تقبل روایتہ ۱۲ منہ (م)

جس کی روایت مقبول ہو اسکی معرفت میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۳۱۱ سلیمٰن بن حرب مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۱۷۸ و ۱۷۹

[2] تقریب التہذیب من اسمہ مظفر مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۲۴۸

وسلیمٰن بن حرب وشعبة والشعبی وعبد الرحمٰن بن مهدی ومالك ويحيٰی بن سعيد القطان و ذلك فی شعبة علی المشهور فانه كان يتعنت فی الرجال ولا يروی الا عن ثبت والا فقد قال عاصم بن علی سمعت شعبة يقول لو لم احدثكم الا عن ثقة لم احدثكم عن ثلثة وفی نسخة ثلثين و ذلك اعتراف منه بانه يروی عن الثقة وغيره فينظر وعلی كل حال فهو لا يروی عن متروك ولا عمن اجمع علی ضعفه، واما سفيٰن الثوری فكان يترخص مع سعة علمه وورعه ويروی عن الضعفاء حتی قال فيه صاحبه شعبة لا تحملوا عن الثوری الا عمن تعرفون فانه لا يبالی عمن حمل وقال الفلاس قال لی يحيٰی بن سعيد لا تكتب عن معتمر الا عمن تعرف فانه يحدث عن كل[1]اھ۔

بقی بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبہ، شعبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک اور یحیٰی بن سعید القطان، اور شعبہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں وہ صرف ثبت سے ہی روایت کرتے ہیں ورنہ عاصم بن علی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہُوئے سنا کہ اگر میں تمہیں ثقہ کے علاوہ کسی سے حدیث بیان نہ کرتا تو صرف تین راویوں (بعض نسخوں میں تیس کا ذکر ہے) سے حدیث بیان کرتا۔ یہ ان کا اعتراف ہے کہ میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے روایت کرتا ہُوں لہٰذا غور و فکر کرلیا جائے، ہر حال میں وہ متروک سے روایت نہیں کرتے اور نہ اس شخص سے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہو، رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع و تقوٰی کے نرمی کرتے ہوئے رخصت دیتے اور ضعفا سے روایت کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ ثوری سے روایت نہ لو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وُہ پروا نہیں کرتے کہ وُہ کس سے حدیث اخذ کر رہے ہیں، فلاس کہتے ہیں کہ مجھے یحیٰی بن سعید نے کہا کہ معتمر سے نہ لکھو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم خود جانتے ہو کیونکہ وُہ ہر ایک سے حدیث اخذ کرتے ہیں اھ (ت)

اقول ماذكر عن عاصم فيجوز بل يجب حمله علی مثل ما قدمنا فی كلام يحيٰی كيف وان للثقة اطلاقا اخر اخص واضيق كما قال فی التدريب ان ابن مهدی قال حدثنا ابو خلدة فقيل له اكان ثقة فقال كان صدوقا

اقول (میں کہتا ہوں) جو کچھ عاصم کے حوالے سے مذکور ہے اس کو اس گفتگو پر محمول کرنا جائز بلکہ واجب ہے جو ہم نے پہلے کلامِ یحیٰی پر کی تھی اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ثقہ کا ایک دوسرا اطلاق نہایت ہی محدود و اخص ہے جیسا کہ تدریب میں ہے کہ ابن مہدی

---

[1] فتح المغیث شرح معرفۃ من تقبل روایتہ ومن ترد دارالامام الطبری بیروت ۲/ ۴۲ و ۴۳

وكان مامونا وكان خير الثقة شعبة و سفين قال وحكى المروزی قال سألت ابن حنبل عبدالوهاب بن عطاء ثقة ؟ قال لا تدری ما الثقة انما الثقة يحيى بن سعيد القطان اھ[1] فعليك بالتثبت فان الامر جلی واضح ۔

کہتے ہیں کہ ہمیں ابوخلدہ نے بیان کیا کہ ان سے کہا گیا کہ کیا وُہ ثقہ ہے تو کہا کہ وہ صدوق اور مامون ہے اور بہتر ثقہ شعبہ اور سفیان ہیں اور کہا کہ مروزی نے بیان کیا کہ میں نے ابن حنبل سے عبدالوہاب بن عطا کے ثقہ ہونے کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا تم ثقہ کو نہیں جانتے ثقہ صرف یحیٰی بن سعید القطان ہے اھ اس پر قائم رہنا کیونکہ معاملہ بڑا ہی واضح ہے ۔ (ت)

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) ہمارے امام اعظم جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگئی، انھیں ائمہ محتاطین سے ہیں علم اعلم امام اعظم سیدنا ابوحنیفۃ النعمان انعم اللہ تعالٰی علیہ بانعام الرضوان ونعمہ بانعم نعم الجنان، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبل التغیر پر محمول ہوگا جس طرح احادیث صحیحین میں کرتے ہیں محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں :

قال محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الاٰثار اخبرنا ابوحنیفۃ ثنا لیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ ولیث کان احد العلماء العباد وقیل اختلط فی اٰخر عمرہ ومعلوم ان اباحنیفۃ لم یکن لیذھب فیاخذ عنہ فی حال اختلاطہ ویرویہ و ھو الذی شدد فی امر الروایۃ مالم یشددہ غیرہ علٰی ماعرف اھ[2]

امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے از لیث بن ابی سلیم از مجاہد از ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں، لیث علمائے عابدین میں سے تھا اور انھیں آخر عمر میں اختلاط ہوگیا اور یہ بات مسلّم ہے کہ امام اعظم ان سے اختلاط کے بعد حدیث اخذ نہیں کرسکتے کیونکہ آپ حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے اھ (ت)

تنبیہ (قلۃ المبالاۃ فی الاخذ قد حدث من زمن التابعین —— اخذ حدیث میں نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہوئی ہے ۔ ت)

قلت ھذا التوسع وقلۃ المبالاۃ فی

قلت (میں کہتا ہوں) اخذ حدیث میں وسعت

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی علم جرح والتعدیل الخ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۱۵

الاخذ قد حدث فی العلماء من لدن التابعین الاعلام اخرج الدارقطنی عن ابن عون قال قال محمد بن سیرین اربعۃ یصدقون من حدثھم فلا یبالون ممن یسمعون الحسن وابو العالیۃ وحمید بن ھلال ولم یذکر الرابع وذکرہ غیرہ فسماہ انس بن سیرین[1] ذکرہ الامام الزیلعی فی نصب الرایۃ وقال علی بن المدینی کان عطاء یاخذ عن کل ضرب، مرسلات مجاھد احب الی من مرسلاتہ بکثیر وقال احمد بن حنبل مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات، ومرسلات ابراھیم النخعی لاباس بھا، ولیس فی المرسلات اضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح فانھما کانا یاخذان عن کل احد[2] وقال الشافعی فی مراسیل الزھری لیس بشئی لانا نجدہ یروی عن سلیمٰن بن الارقم[3] ذکرھا فی التدریب۔

اور نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہوئی ہے، دارقطنی نے ابن عون سے بیان کیا کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں چار ایسے آدمی ہیں جو ان سے حدیث بیان کرے (اساتذہ) اس کو سچا سمجھتے ہیں اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ کس سے سماع کر رہے ہیں، وہ چار یہ ہیں حسن، ابو العالیہ، حمید بن ہلال اور چوتھے کا نام نہیں لیا اور ان کے غیر نے چوتھے کا نام ذکر کیا اور اس کا نام انس بن سیرین بتایا ہے، اس کو امام زیلعی نے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے۔ علی بن مدینی نے کہا کہ عطاء ہر قسم کی روایات لیتا تھا، مجاہد کی مرسلات اس کی کثیر مرسلات سے مجھے بہت زیادہ پسند ہیں۔ اور احمد بن حنبل کا قول ہے مرسلات میں سے سعید بن مسیّب کی مرسلات اصح ہیں اور مرسلات ابراہیم نخعی میں کوئی حرج نہیں، حسن اور عطاء بن رباح کی مراسیل سب سے ضعیف ہیں کیونکہ وہ دونوں ہر ایک سے حدیث اخذ کرلیتے تھے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ زہری کی مراسیل میں کوئی شئی نہیں کیونکہ ہم نے اسے سلیمان بن ارقم سے روایت کرتے ہوئے پایا ہے اس کا ذکر تدریب میں ہے۔ (ت)

قلت ومراسیل الائمۃ الثقات

قلت (میں کہتا ہوں) ثقہ ائمہ کی مراسیل

ع فصل نواقض الوضو ۱۲ منہ

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الطہارۃ واما المراسیل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/ ۵۱

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل " " " لاہور ۱/ ۲۰۳

[3] " " " " " " " " " " " ۱/ ۲۰۵

مقبولۃ عندنا وعند الجماھیر ولاشک ان عطاء والحسن والزھری منھم وقلۃ المبالاۃ عند التحمل لایقتضیھا عند الاداء فقد یاخذ الامام عمن شاء ولایرسلہ الا اذا استوثق وقد وافقنا علی قبول مراسیل الحسن ذالک الورع الشدید عظیم التشدید قدوۃ الشان یحیی بن سعید القطان وذاک الجبل العلی علی بن مدینی الذی کان البخاری یقول ما استصغرت نفسی الا عندہ وذلک الامام الاجل نقاد العلل ابوزرعۃ الرازی وناھیک بھم قدوۃ اما القطان فقال ما قال الحسن فی حدیثہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا وجدنا لہ اصلا الاحدیثا اوحدیثین واما علی فقال مرسلات الحسن البصری التی رواھا عنہ الثقات صحاح ما اقل مایسقط منھا، واما ابوزرعۃ فقال کل شیئ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجدت لہ اصلا ثابتا ما خلا اربعۃ احادیث[1] نقلھا فی التدریب۔

ہمارے اور جمہور علماء کے ہاں مقبول ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عطا، حسن اور زہری ان میں سے ہیں اور اخذ میں نرمی کے لیے لازم نہیں کہ بیان کرتے وقت بھی نرمی ہو، بعض اوقات امام کسی شخص سے حدیث اخذ کرلیتے ہیں مگر ارسال اسی وقت کرتے ہیں جب اسے وہ ثقہ محسوس کرتے ہوں، اور ہمارے ساتھ حسن کی مراسیل کو قبول کرنے میں یحیٰی بن سعید القطان شریک ہیں جو ورع وتقوٰی اور حدیث کے اخذ کرنے میں نہایت ہی سخت ہیں، اور اس فن کا عظیم شخص علی بن مدینی بھی جن کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے میں نے اپنے آپ کو ان کے سوا کسی کے سامنے ہیچ نہیں سمجھا اور امام اجل نقاد العلل ابوزرعہ رازی بھی شریک ہیں اور یہ لوگ اقتدا کے لیے کافی ہیں، لیکن قطان نے کہا ہے کہ جس حدیث کے بارے میں امام حسن یہ کہہ دیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو ہمیں ایک یا دو کے علاوہ ہر حدیث کی اصل ضرور ملی، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ وہ مراسیلِ حسن بصری جو ان سے ثقہ لوگوں نے روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے ساقط ہونے والی کتنی ہیں اور ابوزرعہ کہتے ہیں جس شَے کے بارے میں بھی حسن نے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہا ہے مجھے چار احادیث کے علاوہ ہر ایک کی اصل مل گئی ہے۔ اس عبارت کو تدریب میں نقل کیا ہے۔ (ت)

قلت وعدم الوجدان لایقتضی عدم الوجود فلم یفت یحیی الا واحدا و

قلت (میں کہتا ہوں) عدمِ وجدان عدمِ وجود کو مستلزم نہیں تو یحیٰی کو ایک یا دو احادیث جو

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۰۴

اثنان ولعل غیر یحیی وجد مالم یجدہ و فوق کل ذی علم علیم[1] ونقل فی مسلم الثبوت عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال متی قلت لکم حدثنی فلان فھو حدیثہ ومتی قلت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعن سبعین[2] اھ وفی التدریب قال یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا اباسعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانک لم تدرکہ فقال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیئ ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما تری وکان فی زمن الحجاج کل شیئ سمعتنی اقولہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو عن علی بن ابی طالب غیرانی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

نہ ملیں ممکن ہے کسی اور محدث کو وہ مل گئی ہوں ارشاد باری ہے وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے پر ایک علم والا ہے) اور مسلم الثبوت میں حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے میں جب تم کو یہ کہوں کہ مجھے فلاں نے حدیث بیان کی تو وہ اس کی حدیث ہوتی ہے اور جب میں یہ کہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ ستر سے مروی ہوتی ہے اھ تدریب میں ہے یونس بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے پُوچھا اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا حالانکہ آپ نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی؟ فرمایا اے بھتیجے! تُو نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو تجھ سے پہلے آج تک مجھ سے کسی نے نہیں کیا، اگر تیرا یہ مقام میرے ہاں نہ ہوتا تو میں تجھے اس سوال کا جواب نہ دیتا میں جس زمانے میں ہوں (وہ جیسے تجھے معلوم ہے) اور یہ حجاج کا زمانہ تھا جو کچھ مجھ سے آپ لوگ سنتے ہیں کہ میں کہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے میں نے سُنا ہوتا ہے (یہ نہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات پائی ہے) چونکہ میں ایسے دَور میں ہُوں جس میں حضرت علی کا نام ذکر نہیں کرسکتا (اس لئے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام لیتا ہُوں) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فائدہ ۱۰: (فائدہ ۱۰ متعلق افادہ ۲۴ دربارۂ احادیث طبقۂ رابعہ) سُفہائے زمانہ نے احادیث طبقۂ رابعہ کو مطلقاً باطل و بے اعتبار محض قرار دیا جو شان موضوع ہے جس کا ابطال بین بایں

---

[1] القرآن ۱۲/ ۷۶

[2] مسلم الثبوت تعریف المرسل مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۲

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی، الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۴

وجوہ افادہ ۲۴ میں گزرا، یہاں اتنا اور سُن لیجئے کہ برعکس اس کے مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُن کی روایت کو دلیل عدم موضوعیت قرار دیا ہے، موضوعاتِ کبیر میں زیر حدیث:

من طاف بالبیت اسبوعا ثم اتی مقام ابراھیم فرکع عندہ رکعتین ثم اتی زمزم فشرب من مائھا اخرجہ اللہ من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ[1]

جو سات پھیرے طواف کرکے مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے پھر زمزم شریف پر جاکر اس کا پانی پیے اللہ عزوجل اُسے گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

فرماتے ہیں:

حیث اخرجہ الواحدی فی تفسیرہ والجندی فی فضائل مکۃ والدیلمی فی مسندہ لایقال انہ موضوع غایتہ انہ ضعیف[2]

جبکہ اسے واحدی نے تفسیر اور جندی نے فضائل مکہ اور دیلمی نے مسند میں روایت کیا تو اسے موضوع نہ کہا جائیگا نہایت یہ کہ ضعیف ہے۔

اقول وجہ یہ ہے کہ اصل عدم وضع ہے اور بوجہ خلط صحاح و حسان وثابت موضوع جس طرح وضع ممکن یونہی صحت محتمل تو جب تک خصوص متن و سند کے لحاظ سے دلیل قائم نہ ہو احد الاحتمالین خصوصاً خلاف اصل کو معین کرلینا محض ظلم و جزاف ہے تو اُن کی حدیث قبل تبیین حال جس طرح بسبب احتمال ضعف و سقوط احکام میں مستند و معتبر نہ ہوگی یوں ہی بوجہ احتمال صحت و حسن و ضعف محض موضوع و باطل و ساقط بھی نہ ٹھہر سکے گی لاجرم درجۂ توقف میں رہے گی اور یہی مرتبہ ضعیف محض کا ہے جس طرح وہاں توقف مانع تمسک فی الفضائل نہیں یونہی یہاں بھی کما لا یخفی علی اولی النھی (جیسا کہ اصحابِ فہم پر مخفی نہیں۔ ت) فواتح الرحموت میں ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے:

الراوی ان کان غیر معروف بالفقاھۃ ولا بالروایۃ بل انما عرف بحدیث او حدیثین فان قبلہ الائمۃ او سکتوا عنہ عند ظھور

راوی حدیث اگر فقاہت[عہ] روایت میں معروف نہ ہو بلکہ کسی ایک یا دو احادیث سے معروف ہو اور محدثین نے اسے قبول کرلیا یا ظہور روایۃ کے وقت اس سے خاموشی

عہ فی مسئلۃ معرفۃ العدالۃ ۱۲ منہ (م)

معرفۃ العدالۃ کے بحث میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[2] ایضاً

الروایۃ اواختلفوا کان کالمعروف وان لم یظھر منھم غیر الطعن کان مردودا وان لم یظھر شیئ منھم لم یجب العمل بل یجوز فیعمل بہ فی المندوبات والفضائل والتواریخ۔[1]

اختیار کی ہو یا اس میں اختلاف کیا ہو تو یہ بھی معروف کی طرح ہی ہوگا اگر اس پر محدثین نے طعن کا اظہار ہی کیا ہے تو وہ مردود ہوگا اور اگر محدثین نے کسی شیئ کا اظہار نہیں کیا تو اب عمل واجب نہیں بلکہ جائز ہوگا تو وہ مستحبات، فضائل اور تاریخ میں قابلِ عمل ہے (ت)

فائدہ ۱۱: (تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں) اُن ضروری فوائد سے کہ بوجہ تعجیل ہنگام تبییض تحریر سے رہ گئے تذکرۃ الموضوعات علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی کا حال ہے کہ اس میں مجرد ذکر سے موضوعیت پر استدلال تو بڑے بھاری متکلمین منکرین نے کیا حالانکہ محض جہالت و بے رہی یا دیدہ و دانستہ مغالطہ دہی تذکرہ مذکورہ بھی کتب قسم ثانی سے ہے اس میں ہر طرح کی احادیث لاتے اور کسی کو موضوع کسی کو لم یوجد کسی کو منکر کسی کو لیس بثابت کسی کو لایصح کسی کو ضعیف کسی کو مؤول کسی کو رجالہ ثقات کسی کو لاباس بہ کسی کو صحح فلان کسی کو صحیح فرماتے ہیں، حدیث تقبیل ابہامین اُنھیں میں ہے جنھیں ہرگز موضوع نہ کہا بلکہ صرف لایصح پر اقتصار اور تجربہ کثیرین سے استظہار کیا خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتھرۃ علی الالسن والصواب خلافھا علی نمط ذکرتہ فی التذکرۃ فیہ من عرف نفسہ عرف ربہ لیس بثابت ح رأیت ربی فی صورۃ شاب لہ وفرۃ صحیح محمول علی رؤیۃ المنام او مؤول ح المؤمن غرکریم والمنافق خب لئیم موضوع[عہ] ح ماشھد رجل علی رجل بکفر

فصل، بعض احادیث کی تعیین کے بارے میں جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں حالانکہ صواب اس کے خلاف ہے اس طریقہ پر جس کا ذکر تذکرہ میں میں نے کیا ہے اس میں ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس (آپ) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، یہ ثابت نہیں، حدیث میں نے اپنے رب کو ایسے خوبصورت جوان کی صورت میں دیکھا جس کے بال لمبے و خوب صورت ہوں، صحیح ہے یہ

عہ اقول ھذا عجیب فقد اخرجہ ابوداؤد

اقول یہ عجیب ہے حالانکہ ابوداؤد (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، بذیل المستصفی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

ف۔ یہ عبارت مختصراً اور متعدد صفحات سے نقل کی گئی ہے۔ حوالہ کے لیے ۵۱۰ تا ۵۱۹ ملاحظہ ہو۔

الاباء به احدهما ضعیف[1] فیه طلب العلم فریضة علی کل مسلم طرقها واهیة[2] ح من ادی الفریضة وعلم الناس الخیر کان فضله

خواب پر محمول ہے یا یہ مؤول ہے اور حدیث مومن دھوکا کھانے والا اور شرم والا ہوتا ہے اور منافق دغا باز اور کمینہ ہوتا ہے موضوع ہے۔ حدیث نہیں گواہی دیتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترمذی والحاکم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بلفظ الفاجر مکان المنافق واسنادہ کما قال المناوی جید ۱۲ منه (م)

ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منافق کی جگہ لفظ فاجر روایت کیا ہے اور اس کی سند بقول امام مناوی کے جید ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] **اقول** بل صحیح من اعلی الصحاح فلمالك والصحیحین غیرهما عن ابن عمر رضی اللہ عنهما رفعه اذا قال الرجل لاخیه یا کافر فقد باء بها احدهما وللبخاری عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه رفعه من قال لاخیه یا کافر فقد باء بها احدهما ولابن حبان عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح مرفوعا ما اکفر رجل رجلا قط الا باء بها احدهما وفی الباب غیر ذلك فان اراد خصوص اللفظ فقلیل الجدوی ۱۲ منه (م)

اقول بلکہ یہ اعلٰی درجے کی صحاح میں سے صحیح ہے، امام مالک اور شیخین وغیرہما نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو "یا کافر" (اے کافر) کہا، تو وہ کفران دونوں میں سے ایک پر لوٹ آتا ہے۔ اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ جس نے اپنے بھائی کو "یا کافر" کہا تو وہ کفران میں سے ایک پر لوٹ آئیگا۔ ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً سند صحیح کے ساتھ روایت کیا جب بھی کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو وہ کفر یقیناً ان میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں اگر اس سے مراد خاص الفاظ ہیں تو ایسی روایات تو بہت ہی کم ہیں ۱۲ منہ (ت)

[2] **اقول** والصحیح انه لاینزل عن الحسن کما بینته فی النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

اقول (میں کہتا ہوں کہ) صحیح وہ ہے کہ جو حسن سے نیچے نہ ہو جیسے کہ میں نے "النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب" میں بیان کیا ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

على العابد الحديث ضعيف اسنادہ لکنہم یتساهلون فی الفضائل ح الوضوء على الوضوء نور على نور لم یوجد[1] فیہ مسح العینین بباطن السبابتین بعد تقبیلهما لا یصح وروی تجربۃ ذلک عن کثیرین فیہ الصلاۃ عماد الدین ضعیف وصلاۃ التسبیح ضعیف[2] الدارقطنی اصح شیٔ فی فضل الصلوٰت صلاۃ التسبیح فیہ طعام الجواد دواء وطعام البخیل داء فی المقاصد[3] رجالہ ثقات وفی المختصر منکر فی المقاصد ماء زمزم لما شرب لہ ضعیف[4] لکن لہ شاھد فی مسلم ح ان اللّٰہ یبعث لهذہ الامۃ على رأس کل مائۃ من یجدد لها دینها صححہ[5] الحاکم ح مثل امتی کالمطر

کوئی آدمی دوسرے کے کفر کی مگر کفران میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے، ضعیف ہے۔ اسی میں ہے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔ حدیث "وہ شخص جس نے فرض ادا کیا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دی اس کو عابد پر فضیلت حاصل ہے"، اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن محدثین فضائل عمل میں نرمی برتتے ہیں۔ حدیث "وضو پر وضو نور علی نور ہے"، موجود نہیں۔ اس میں ہے سبابہ انگلیوں کا باطن چومنے کے بعد آنکھوں سے لگانا صحیح نہیں اور بطور تجربہ یہ عمل کثیر علماء سے مروی ہے۔ اس میں ہے نماز دین کا ستون ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ صلاۃ التسبیح (والی حدیث) ضعیف ہے۔ دارقطنی میں ہے فضائل نماز کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں نماز تسبیح

---

[1] بل اخرجہ رزین وان قال المنذری ثم العراقی لم نقف علیہ ۱۲ منہ (م)

بلکہ اس کی تخریج رزین نے کی ہے اگرچہ منذری، پھر عراقی نے کہا کہ ہم اس سے آگاہ نہ ہو سکے ۱۲ منہ (ت)

[2] الحق انہ حدیث حسن صحیح لا شک حسن لذاتہ صحیح لغیرہ ان لم یکن لذاتہ و التفصیل فی اللآلی ۱۲ منہ (م)

حق یہ ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حسن لذاتہ ہے صحیح لغیرہ ہے البتہ صحیح لذاتہ نہیں اور اس کی تفصیل اللآلی میں ہے (ت)

[3] **اقول** کذا قال المناوی وبالغ الذھبی کعادتہ فقال کذب ۱۲ منہ (م)

اقول اسی طرح مناوی نے کہا اور ذہبی نے اپنی عادت کے مطابق مبالغہ کیا اور کہا کہ وہ جھوٹے ہیں ۱۲ منہ (ت)

[4] **اقول** بل نص الحافظ انہ حجۃ بطرقہ وحسنہ المناوی وصححہ الامام سفیٰن بن عیینۃ والدمیاطی والمنذری وابن الجزری ۱۲ منہ (م)

اقول بلکہ حافظ نے تصریح کی ہے کہ یہ اپنی اسناد کی بنا پر حجت ہے، مناوی نے اسے حسن کہا، امام سفیٰن بن عیینہ، دمیاطی، منذری اور ابن جزری نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

[5] ورواہ ابو داود وقال المناوی لاسناد صحیح ۱۲ منہ (م)

اسے ابو داود نے روایت کیا اور مناوی کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (ت)

لایدری اولہ خیر ام اٰخرہ موضوع عہ فی الوجیز انا وابوبکر وعمر خلقنا من تربۃ واحدۃ فیہ مجاھیل قلت لہ طریق اٰخر ولہ شاھد فی اویس حدیث فی ورقتین قال ابن حبان باطل قلت السکوت اولٰی فان لہ طرقا عدیدۃ لاباس ببعضہا ح من اخلص للہ اربعین یوما سندہ ضعیف ولہ شاھد ح یکون فی اٰخر الزمان خلیفۃ لایفضل علیہ ابوبکر ولا عمر موضوع قلت بل مؤول الٰی ھنا ما فی التذکرۃ اھ[1] ملتقطا۔

والی حدیث اصح ہے۔ اس میں ہے سخی کا کھانا دوا ہے بخیل کا کھانا بیماری ہے، مقاصد میں ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اور مختصر میں ہے کہ یہ منکر ہے۔ مقاصد میں ہے زمزم کا پانی اسی کام کے لیے ہے جس کی خاطر اسے پیا گیا، ضعیف ہے لیکن اس کے لیے مسلم میں شاہد ہے۔ حدیث اللہ تعالٰی ہر سو سال کے بعد اس اُمت میں ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کیلئے دین کی تجدید کرتا ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی۔ حدیث میری اُمت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں اس کا اول بہتر ہے یا آخر، موضوع ہے۔ وجیز میں ہے، میں، ابوبکر اور عمر تینوں ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے، اس میں راوی مجہول ہیں، میں کہتا ہوں اس کی ایک اور سند ہے اور اس کے لیے شاہد ہے حدیث اویس جو دو ورقوں پر ہے ابن حبان نے کہا یہ باطل ہے، میں کہتا ہوں سکوت بہتر ہے کیونکہ اس کی متعدد اسناد ہیں اسکی بعض سندیں ہیں۔

عہ اقول ھذا عجیب بل اخرجہ احمد والترمذی فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ وحسنہ وفی الباب عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما اخرجہ البزار قال السخاوی بسند حسن وفیہ عن علی وعن عمار وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم وقال ابن عبدالبر ان الحدیث حسن وقال ابن القطان لا نعلم لہ علۃ قال المناوی اسنادہ جیّد ۱۲ منہ (م)

اقول (میں کہتا ہوں کہ) یہ عجیب ہے، بلکہ اس کو احمد اور ترمذی نے جامع میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور حسن قرار دیا نیز اس بارے میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی مروی ہے اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔ سخاوی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے اور اس بارے میں حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، ابن القطان کی رائے ہے کہ ہمیں اس میں کسی علت کا علم نہیں۔ مناوی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الحسن، نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۰ تا ۵۱۹

میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث جس نے چالیس دن اللہ تعالٰی کے لیے خالص کیے، اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے لیے شاہد ہے۔ حدیث "آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جس سے ابوبکر وعمر افضل نہ ہوں گے"، موضوع ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ اس میں تاویل ہے، یہاں تک ان روایات کا ذکر ہے جو تذکرہ میں تھیں اھ ملتقطاً۔ (ت)

فائدہ ۱۲: (حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زماں کا ابطال وازہاق) **اقول** وباللہ التوفیق اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلام آثرین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہورہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلمات ائمۂ معتمدین میں بصیغۂ جزم مذکور ہوں مطلقاً باطل ومردود وعاطل کہ احکام، مغازی، سِیَر، فضائل کسی باب میں اصلاً نہ سُننے کے لائق نہ ماننے کے قابل حالانکہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہاء دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے، غیر صحابی جو قول یا فعل یا حال حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بے سند متصل نسبت کرے محدثین کے نزدیک باختلاف حالات واصطلاحات مرسل منقطع معلق معضل ہے اور فقہاء واصولیین کی اصطلاح میں سب کا نام مرسل اصطلاح حدیث پر تعلیق واعضال یا اصطلاح فقہ واصول پر ارسال میں کچھ بعض سند کا ذکر ہرگز لازم نہیں بلکہ تمام وسائط حذف کرکے علمائے مصنفین جو قال یا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامثال ذلک کہتے ہیں یہ بھی معضل ومرسل ہے، امام اجل ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:

المعضل عبارۃ عما سقط من اسنادہ اثنان فصاعدا ومثالہ مایرویہ تابعی التابعی قائلا فیہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذلک مایرویہ من دون تابعی التابعی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او عن ابوبکر وعمر وغیرھما، غیر ذاکر للوسائط بینہ وبینھم وذکر ابو نصر السجزی الحافظ قول الراوی "بلغنی" نحو قول مالک "بلغنی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال للمملوک طعامہ وکسوتہ الحدیث وقال اصحاب الحدیث یسمونہ المعضل قلت وقول المصنفین من الفقہاء

معضل حدیث وہ ہوتی ہے جس کے سند سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں مثلاً وہ جسے تبع تابعی یہ کہتے ہوئے روایت کرے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، اور اسی طرح وہ روایت جسے تبع تابعی کے بعد کا کوئی شخص حضور علیہ السلام سے یا ابوبکر وعمر یا دیگر کسی صحابی سے حضور اور صحابہ کے درمیان واسطہ ذکر کیے بغیر روایت کرے، ابو نصر السنجری حافظ بیان کرتے ہیں کہ راوی کا قول "بلغنی" (مجھے یہ روایت پہنچی ہے) مثلاً امام مالک کا قول کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مملوک کے لیے کھانا اور کپڑے ہیں، الحدیث۔ اور فرمایا

فغیرھم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا وکذا" ونحو ذلک کلہ من قبیل المعضل لما تقدم وسماہ الخطیب ابوبکر الحافظ فی بعض کلامہ مرسلا وذلک علی مذھب من یسمی کل مالایتصل مرسلا کما سبق اھ[1] باختصار۔

کہ محدثین ایسی روایت کو معضل کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں فقہاء اور دیگر مصنفین کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا یہ تمام از قبیل معضل ہی ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا، اور خطیب ابوبکر حافظ نے بعض مقامات پر اسے مرسل کا نام دیا ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جنھوں نے ہر اس روایت کو مرسل کہا ہے جو متصل نہ ہو جیسا کہ گزرا اھ اختصار (ت)

توضیح میں ہے:

الارسال عدم الاسناد وھو ان یقول الراوی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من غیر ان یذکر الاسناد[2]۔

ارسال وہ ہے جس میں سند کا ذکر نہ ہو وہ یوں کہ کوئی راوی بغیر سند ذکر کیے کہہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ (ت)

علامہ تفتازانی تلویح پھر مدقق علائی صاحب دُرمختار افاضۃ الانوار علی اصول المنار میں فرماتے ہیں: ان لم یذکر الواسطۃ اصلا فمرسل[3] (اگر راوی اصلاً واسطہ ذکر نہ کرے تو وہ مرسل ہے۔ ت)

مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

(المرسل قول العدل قال علیہ) وعلٰی الہ واصحابہ الصلاۃ (والسلام کذا) وعند اھل الحدیث فالمرسل قول التابعی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وسلم کذا، والمعلق مارواہ من دون التابعی من دون سند والکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول[4] اھ مختصرا۔

مرسل وُہ ہے جس کے متعلق عادل کا قول ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہ فرمایا، اور محدثین کے ہاں مرسل سے مراد تابعی کا یہ قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یوں فرمایا اور حدیث معلق وہ روایت ہے جو بغیر سند کے تابعی کے بعد کوئی شخص روایت کرے، اور اہل اصول کے ہاں یہ تمام مرسل میں داخل ہیں اھ مختصراً (ت)

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث النوع الحادی عشر بالمعضل مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۲۸

[2] توضیح التلویح فصل فی الانقطاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[3] حاشیۃ التوشیح مع التوضیح

[4] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، قم ۲/ ۱۷۴

پھر باجماع علما محدثین وفقہا یہ سب انواع نوعِ موضوع سے بیگانہ ہیں اور مادون الاحکام مثل فضائل اعمال ومناقب رجال وسِیَر واحوال میں سلفاً وخلفاً ماخوذ ومقبول جملہ مصنفین علوم حدیث موضوع کو شر الانواع بتاتے اور اُنھیں اُس سے جُدا شمار فرماتے آئے اور تمام مؤلفین سِیَر بلانکیر منکر مراسیل ومعضلات کا ذکر واثبات کرتے رہے افادہ ۲۳ میں علامہ حلبی کا ارشاد گزرا کہ سیر بلاغ ومرسل ومنقطع ومعضل غرض ماسوائے موضوع ہر قسم حدیث کو جمع کرتی ہے کہ ائمۂ کرام نے ماورائے احکام میں مسامحت فرمائی ہے، یہ عبارت دونوں مطلب میں نص ہے معضل کا موضوع نہ ہونا اور اس کا مادون الاحکام میں مقبول ہونا خود صحیح بخاری وصحیح مسلم وصحیح مؤطا میں معضلات وبلاغات موجود ہیں وسط میں بقلت طرفین میں بکثرت خصوصاً بعض بلاغاتِ مالک وہ ہیں کہ ان کی اسناد اصلاً نہ ملی، تدریب[عہ] میں امام ابوالفضل زین الدین عراقی سے ہے:

ان مالکا لم یفرد الصحیح بل ادخل فیہ المرسل والمنقطع والبلاغات ومن بلاغاتہ احادیث لا تعرف کما ذکرہ ابن عبد البر[1]

امام مالک نے احادیث صحیحہ کو الگ نہیں بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو شامل کردیا ہے حالانکہ ان کی بلاغات میں ایسی احادیث بھی ہیں جو معروف نہیں، جیسا کہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

وہیں امام مغلطائی سے ہے:

مثل ذلك فی کتاب البخاری[2] (اسی کی مثل بخاری کی کتاب میں ہے۔ ت)

وہیں امام حافظ الشان سے ہے:

کتاب مالك صحیح عندہ وعند من یقلدہ علی ما اقتضاہ نظرہ من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغیرھما[3]۔

امام مالک کی کتاب ان کے اور ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں اس بنیاد پر کہ اس کی نظر کا تقاضا ہے کہ مرسل، منقطع وغیرہما سے استدلال درست ہے۔ (ت)

اسناد کے سنّتِ مطلوبہ وفضیلتِ مرغوبہ وخاصۂ امت مرحومہ ہونے میں کیسے کلام ہے محققین قابلین مراسیل و

عہ فی الثانیۃ من مسائل الصحیح ۱۲ منہ (م) — مسائل صحیح کی دوسری قسم میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی الثانیۃ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰
[2] " " " "
[3] " " " "

معاضیل بھی مسانید کو اُن پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے ہیں کما نص علیہ فی المسلم وغیرہ (جیسا کہ مسلم الثبوت وغیرہ میں اسکی تصریح کی ہے۔ ت) تاکید اثرین بجائے خود ہے اور قول بقیہ بن الولید ذاکرت حماد بن زید باحادیث فقال ما اجودھا لوکان لھا اجنحۃ یعنی الاسناد (میں نے حماد بن زید سے بعض احادیث کے متعلق مذاکرہ کیا تو فرمایا بڑی جید ہیں اگر ان کے لیے پر یعنی اسناد ہو۔ ت) قطع نظر اس سے کہ واقعہ عین لا عموم لھا (یہ ایک معین واقعہ ہے اس کے لیے عموم نہیں۔ ت) ممکن کہ وہ احادیث دربارۂ احکام ہوں، یُوں بھی صرف نفی جودت کرے گا وہ بطور محدثین مطلقاً مسلّم کہ معضل ضعیف ہے اور ضعیف جید نہیں، قول امام سفیان ثوری الاسناد سلاح المؤمن فاذا لم یکن معہ سلاح فبای شیئ یقاتل (سند مومن کا اسلحہ ہے جب اس کے پاس اسلحہ نہ ہو تو وہ کس شئے سے لڑے گا۔ ت) صراحۃً دربارۂ عقائد و احکام ہے۔

فان الحاجۃ الی القتال انما ھی فیما یجری فیہ التشدید والتماکس دون ما اجمعوا علی التساھل فیہ۔

لڑائی کی نوبت وہاں آتی ہے جہاں سختی اور باہم جھگڑا ہو نہ کہ وہاں جس میں نرمی پر اجماع ہو۔ (ت)

یُوں ہی ارشاد امام مبارک عبداللہ بن مبارک لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء[2] (اگر سند کا اعتبار نہ ہوتا تو جو کسی کی مرضی ہوتی وہی کہتا۔ ت) کہ جب قبول ضعاف فی الفضائل میں دخول تحت اصل خود مشروط اور امر عمل قواعد مقررۂ شرعیہ مثل احتیاط و اختیار نفع بے ضرر سے منوط تو ضعیف اثبات جدید نہ کرے گی اور من شاء ماشاء (جو کسی کی مرضی ہو کہے۔ ت) صادق نہ آئے گا کما قدمنا بیانہ فی الافادۃ الثانیۃ والعشرین (جیسا کہ ہم اس کا بیان بائیسویں افادہ میں پہلے کر آئے ہیں۔ ت) پُر ظاہر کہ یہ اور اُن کی امثال جتنے کلمات محدثین کرام سے ضرورت اسناد میں ملیں گے سب کا مفاد ضرورت خاص اتصال ہے کہ نا متصل بجمیع اقسامہا اُن کے نزدیک ضعیف اور ضعیف خود مجروح ہے نہ کہ سلاح و صالح قتال، یونہی ایک راوی بھی ساقط ہو تو اُن کے طور پر وہی من شاء ماشاء کا احتیال احتمال ولہذا وہ بالاتفاق منقطع و معضل اور معضل دون معضل میں اصلاً فرق حکم نہیں کرتے، اسی لیے فواتح الرحموت میں اصطلاحات مرسل و معضل و منقطع و معلق بیان کرکے فرمایا:

لم یظھر لتکثیر الاصطلاح والاسامی فائدۃ[1] (کثیر اصطلاحوں اور ناموں کی وجہ سے کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ ت)

بالجملہ جب اتصال نہ ہو تو بعض سند کا مذکور رہونا نہ ہونا سب یکساں، آخر نہ دیکھا کہ انھیں امام ابن المبارک

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، بذیل المستصفی مسئلۃ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/۱۷۴

[2] الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲

رحمہ اللہ تعالٰی نے حدیث ابن خراش عن الحجاج بن دینار قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت کیا فرمایا:

اخرج مسلم فی مقدمۃ صحیحہ قال قال محمد یعنی ابن عبد اللہ بن قُہزاذ، سمعت ابا اسحٰق ابراہیم بن عیسی الطالقانی قال قلت لعبد اللہ بن مبارک یا ابا عبد الرحمٰن الحدیث الذی جاء ان من البر بعد البران تصلی لابویک مع صلاتک وتصوم لہما مع صومک قال فقال عبد اللہ یا ابا اسحٰق عن من ھذا قال قلت لہ ھذا من حدیث شہاب بن خراش فقال ثقۃ عمن قال قلت عن الحجاج بن دینار قال ثقۃ عمن قال قلت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال یا ابا اسحٰق ان بین الحجاج بن دینار وبین النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مفاوز تنقطع فیہا اعناق المطی ولکن لیس فی الصدقۃ اختلاف[1]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ محمد یعنی ابن عبد اللہ بن قہزاذ کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحٰق ابراہیم بن عیسٰی طالقانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک سے کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن! وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے بعد اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے بعد والدین کے لیے روزہ رکھے فرمایا تو عبد اللہ نے کہا اے ابو اسحٰق! یہ حدیث کس سے مروی ہے، فرمایا تو میں نے اسے کہا یہ حدیث شہاب بن خراش سے ہے، فرمایا کیا وہ ثقہ ہیں جس سے انہوں نے روایت کی ہے؟ میں نے کہا یہ حجاج بن دینار سے ہے، فرمایا وہ ثقہ ہیں تو میں نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، تو انہوں نے فرمایا اے ابو اسحٰق! حجاج بن دینار اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان اتنی عظیم مسافت ہے جسے طے کرتے ہوئے سواریوں کی گردن منقطع ہوجائے، لیکن والدین کی طرف سے صدقہ کر دینے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

معنی ھذہ الحکایۃ انہ لایقبل الحدیث الا باسناد صحیح[2]۔

اس حکایت کا معنٰی ومفہوم یہ ہے کہ حدیث کو سند صحیح کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

اب اگر ان کلمات کو عموم پر رکھئے مرسل، منقطع، معلق، معضل ہر نامتصل باطل وملحق بالموضوع ہو جاتی ہے اور وہ بالاجماع باطل افادہ سوم میں ابن حجر مکی شافعی وعلی قاری حنفی سے گزرا المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعاً[3] (منقطع پر فضائل میں اتفاقاً عمل کیا جائے گا۔ ت) لاجرم واجب کہ یہ سبب

[1] و [2] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع ؍؍ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۱۶

عبارات صرف باب اہم و اعظم یعنی احکام میں ہیں اگرچہ ظاہر اطلاق وارسال ہو نہ کہ جب نفس کلام تخصیص پر دال ہو کما قررنا فی الکلمات المذکورۃ (جیسے کہ ہم نے کلماتِ مذکورہ میں گفتگو کی ہے۔ ت) اور واقعی دربارۂ رد و قبول غالب محاورات علما صرف نظر بہ باب احکام ہوتے ہیں کہ وہی اکثر محط انظار رغبہ وترہبہ وغیرہما میں دیکھئے کہ حدیث کی دو قسمیں کیں : مقبول و مردود۔ مقبول میں صحیح وحسن کو رکھا اور تمام ضعاف کو مردود میں داخل کیا حالانکہ ضعاف فضائل میں اجماعاً مقبول ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق اسی طرح کرنی چاہیے اور توفیق دینے والا اللہ تعالٰی ہے۔ ت)

(جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک ائمہ فقہاء کی بے سند حدیثیں دربارۂ احکام بھی حجت ہیں) یہ سب کلام بطور محدثین تھا، اور جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک تو معضلات مذکورہ فضائل درکنار خود باب احکام میں حجت ہیں جبکہ مرسل امام معتمد محتاط فی الدین عارف بالرجال بصیر بالعلل غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہب مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیص قرن غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے کما نص علیہ فی المسلم[ع] وشروحہ[1] وغیرھا (جیسا کہ مسلم الثبوت اور اس کی شروح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت)

ع المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقاً اتفاقاً وان من غیرہ فالاکثر ومنھم الامام ابوحنیفۃ والامام مالک والامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنھم قالوا یقبل مطلقا اذا کان الراوی ثقۃ وقال ابن ابان رحمہ اللہ تعالٰی من مشائخنا الکرام یقبل من القرون الثلثۃ مطلقا ومن ائمۃ النقل بعد ثلث القرون وقال طائفۃ من المتاخرین منھم الشیخ ابن الحاجب المالکی والشیخ کمال الدین بن الھمام منا یقبل من ائمۃ النقل مطلقا من ای قرن کان اعتضد بشیئ ام لا ویتوقف فی المرسل من

مرسل اگر صحابی کی ہو تو مطلقاً اتفاقاً اسے قبول کیا جائے گا اور غیر صحابی کی مرسل کے بارے میں اکثر علماء جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں۔ کی رائے یہ ہے مطلقاً مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، ابن ابان رحمہ اللہ تعالٰی جو ہمارے مشائخ کرام میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ قرون ثلثہ (تین زمانوں) کی مرسل مطلقاً مقبول ہے اور تین قرون کے بعد ائمہ نقل کی مرسل بھی مقبول ہے، متاخرین کی ایک جماعت جن میں ابن حاجب مالکی اور شیخ کمال الدین بن الہمام ہم سے (یعنی احناف سے) کی رائے یہ ہے کہ ائمہ نقل کی مرسل مطلقاً مقبول ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

اقول (تحقیق مصنف کہ غیر ناقد کے لیے ان کا قبول محدثین پر بھی لازم) انصافاً غیر ناقد کے لیے مراسیل مذکورہ سے احتجاج فی الاحکام اثرمین پر بھی لازم، آخر اُس کی سبیل یہی قول ناقد پر اعتماد ہے نہ نقد کہ تکلیف مالایطاق ہے، تو اُس کے لیے ذکر وعدمِ ذکرِ سند دونوں یکساں اور بلاشبہہ قول ناقد محتاط قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تصحیح صریح والتزامی سے اعلٰی نہیں تو کم بھی نہیں، اور جو احتمالات مسابلت وتحسین ظن وخطا فی النظر یہاں ہیں وہاں بھی حاصل بلکہ مجرب ومشاہد بایںہمہ امام ابن الصلاح وامام طبری وامام نووی وامام زرکشی وامام عراقی وامام عسقلانی وامام سخاوی وامام زکریا انصاری وامام سیوطی وغیرہم نے تصریحیں فرمائیں کہ اگر امام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنصیص کی یا کتاب ملتزم الصحۃ میں اُسے روایت کیا اسی قدر اعتماد کے لیے بس ہے اور احتجاج روا،

كماذكرنا نصوصهم فی مدارج طبقات الحديث وقد تقدم نص القاری عن شيخ الاسلام فی الافادة الحادية والعشرين.

جیسے کہ ہم نے مدارج طبقات الحدیث میں ان کی تصریحات کا ذکر کیا ہے اور پہلے اکیسویں افادہ میں ملا علی قاری کے حوالے سے شیخ الاسلام کی تصریح گزر چکی ہے۔ (ت)

تو کیا وجہ کہ یہاں اس پر اعتماد نہ ہو لاجرم جس طرح امام احمد یا یحیٰی کا ھذا الحدیث صحیح (یہ حدیث صحیح ہے۔ ت) فرمانا یا بخاری یا مسلم یا ابن خزیمہ یا ضیا کا صحاح میں لانا، یونہی منذری کا مختصر میں ساکت رہنا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غیرهم وهو المختار قيل وهو مراد الائمة الثلثة والجمهور ولايقول احد بتوثيق من ليس له معرفة فی التوثيق والتجريح وعلى هذا خلاف ابن ابان فی عدم اشتراط هذا الشرط فی القرون الثلثة لزعمه عدم الحاجة الى التوثيق فی تلك القرون لان الرواة فيها كانوا اهل بصيرة فی التوثيق والتجريح اه[1] من مسلم الثبوت وفواتح الرحموت ملخصا ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

خواہ اس کا تعلق کسی قرن سے ہو خواہ اس کی تائید ہو یا نہ ہو، اور ان کے علاوہ کی مرسل میں توقف ہے اور یہی مختار ہے، اور کہا گیا ہے کہ تینوں ائمہ اور جمہور کی مراد بھی یہی ہے اور کوئی ایسے شخص کی توثیق کیسے کرسکتا ہے جو توثیق وتجریح کی معرفت نہ رکھتا ہو، اسی بنا پر ابن ابان نے قرون ثلاثہ میں عدمِ اشتراط کا اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان قرون میں توثیق کی حاجت نہیں اس لیے کہ ان ادوار میں تمام راوی توثیق اور تجریح کے ماہر تھے اھ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت سے ملخصاً بیان ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/۱۷۴

یُوں ہی ابن السکن کا صحیح یا عبدالحق کا احکام میں وارد کرنا، یونہی امام معتمد ناقد محتاط کا کہنا،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی غیر ذٰلک من احکامہ واحوالہ ونعوت جمالہ وشیون جلالہ وصفات کمالہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی اٰلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم وبارک وسلم وشرف ومجد وعظم وکرم اٰمین۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ کیا، اور اس طرح کے آپ کے دیگر احکام واحوال، آپ کے جمال وجلال کی صفات وشانیں اور آپ کے صفات کاملہ ہیں آپ پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام ہو اور آپ کی آل واصحاب پر، آپ پر اور صحابہ پر برکت وسلام، شرافت، بزرگی، عظمت وکرم کی برسات ہو، آمین (ت)

الحمدللہ کہ اس جواب کی ابتدا بھی حضور اقدس واکرم سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک اور حضور پر درود سے ہوئی اور انتہا بھی حضور ہی کے نامِ محمود و درودِ مسعود پر ہُوئی اُمید ہے کہ مولٰی عزوجل اس نام کریم وصلوٰۃ وتسلیم کی برکت سے قبول فرمائے اور انارتِ عیون وتنویرِ قلوب وتکفیرِ ذنوب وسلامتِ ایمان وامن وامان وتنعیم قبر ونجات فی الحشر کا باعث بنائے فانہ تعالٰی بکرمہ یقبل الصلاتین وھو اکرم من ان یدع ما بینھما وکان ذٰلک للیلۃ الثالثۃ یوم الاثنین لعلھا الثامنۃ عشر من الشھر الفاخر شھر ربیع اٰخر من شھور السنۃ الثالثۃ عشر من المائۃ الرابعۃ عشر من ھجرۃ الحبیب سیّد البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وصحبہ واولیائہ اجمعین اٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین، سبحٰنک اللھم وبحمدک، اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

نہج السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامہ

(اقامت کے دوران انگوٹھے چومنے کے حکم میں عمدہ تفصیل ۔ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ (۳۸۷) از اپر برہما شہر مانڈے سورتی مسجد مرسلہ مولوی احمد مختار صاحب قادری رضوی صدیقی میرٹھی

۲۶ جمادی الاخرٰے ۱۳۲۳ ہجری

منقول از فتاوٰی امدادیہ معروف بہ فتاوٰی اشرفیہ جلد چہارم صفحہ ۵۷ و ۵۸

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں "اشہد ان محمدا رسول اللہ" بولے تو سُننے والا دونوں انگوٹھوں کو چُوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں، اگر رکھتا ہے تو آیا جائز یا مستحب یا واجب یا فرض ہے، اور جو شخص اُس کا مانع ہووے اُس کا کیا حکم ہے اور اگر نہیں رکھتا ہے تو آیا مکروہ یا مکروہِ تحریمی یا حرام ہے اور جو مرتکب اس فعل کا ہووے اُس کا اور جو حکم کرے اُس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

جدید یہ کہ اذان پر قیاس کرکے تحریر نہ فرمائیں بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی کتاب معتبر سے عبارت نقل کرکے

تحریر فرمائیں۔

جواب اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں، چنانچہ شامی بعد نقل اُس عبارت کے لکھتے ہیں:

وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ انتھی[1] (جلد اول صفحہ ۲۶۷)

جراحی نے اس بحث کا طویل ذکر کیا ہے پھر کہا ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجۂ صحت کو نہیں پہنچی انتہی۔ (ت)

مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں پس اقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت بے اصل ہے اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے یہ عبارت شامی کی ہے:

ونقل بعضھم ان القھستانی کتب علی ھامش نسختہ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامۃ فلم یوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع[2] (جلد اول ص ۲۶۷)

بعض نے نقل کیا کہ قہستانی نے اپنے ایک نسخہ کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ یہ اذان کے ساتھ مختص ہے، اقامت میں جستجو اور تلاش بسیار کے باوجود ثبوت نہیں ملا۔ (ت)

یہی مفتی صاحب لم یصح فی المرفوع پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قلت واما الموقوف فانہ وان کان منقولا لکن مع ضعف اسنادہ لیس فیہ کون ھذا العمل طاعۃ بل ھو رقیۃ للحفظ عن رمد والعوام یفعلونہ باعتقاد کونہ طاعۃ ۱۲ منہ حاشیہ صاحب فتاوٰی اشرفیہ بر عبارت شامی۔

رہی موقوف حدیث تو وہ اس سلسلہ میں اگرچہ منقول ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہونے کے ساتھ اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ عمل عبادت وطاعت ہے بلکہ یہ صرف آنکھوں کے دُکھنے کا علاج ہے اور عوام اسے عبادت سمجھتے ہوئے بجا لاتے ہیں ۱۲ منہ (ت)

گزارش وموجب تکلیف دہی یہ ہے کہ ہفتہ گزشتہ میں ایک عریضہ دربارہ استفتائے تقبیل ابہامین عند قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابلاغ خدمت کیا ہے آج فتاوائے امدادیہ میں ایک صاحب نے عبارت مرقومہ بالا دکھائی جو بلفظہ ملاحظۂ عالی میں پیش کرکے رفع شکوک کا خواستگار ہوں وھی ھذہ:

---

[1] ردالمحتار علی درالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(۱) علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارہ میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نقل کرکے "لم یصح فی المرفوع" (کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی ۔ ت) یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار ہے یا کلیۃً تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچا، مفتی صاحب کی تحریر و حاشیہ خود غور طلب ہے پھر اُن کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں خواہ بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ یا بہ تعلیم سیدنا خضر علیہ السلام جامع الرموز نے کنز العباد سے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں اثبات استحباب ہے ۔ مجموعہ فتاوٰی جلد سوم صفحہ ۴۲ طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح مصری صفحہ ۱۱۸ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعاً لکھ کر حضرت خضر علیہ السلام سے عملاً روایت بطور تائید بیان کی علٰی ہذا سادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے ۔ اعانۃ الطالبین علٰی حل الفاظ فتح المعین مصری ص ۲۴۷ (فقہ شافعی):

وفی الشنوانی مانصہ من قال حین یسمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ مرحبًا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یقبل ابھا میہ و یجعلھما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد ابدا انتھی۔[1]

شنوانی میں عبارت یہ ہے: جس نے مؤذن کا یہ جملہ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" سن کر کہا "مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" پھر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو وہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی انتہٰی (ت)

کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی فی مذھب سیدنا الامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مصری جلد ۱ ص ۱۶۹

فائدۃ: نقل صاحب الفردوس ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لما سمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ قال ذلک وقبل باطن انملۃ السبابتین ومسح عینیہ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من فعل مثل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی، قال الحافظ السخاوی ولم یصح، ثم نقل عن

فائدہ: صاحب الفردوس نے نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب مؤذن کا یہ جملہ سنا "اشھد ان محمدا رسول اللہ" تو آپ نے یہ دُہرایا اور دونوں شہادت کی انگلیوں کا باطنی حصہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ عمل کیا جو میرے اس دوست نے کیا ہے تو اس کے لیے میری شفاعت

---

[1] اعانۃ الطالبین فصل فی الاذان والاقامۃ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۴۳

الخضر انه علیه الصلاة والسلام قال من قال حین یسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبد الله (صلی الله تعالٰی علیه وسلم) ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یعم ولم یرمد ابدا ونقل غیر ذلك ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیئ[1] والله تعالٰی اعلم۔

ثابت ہوگئی۔ حافظ سخاوی نے کہا کہ یہ صحیح نہیں، پھر حضرت خضر علیہ السلام سے یہ منقول ہے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کا یہ جملہ اشهد ان محمدا رسول الله سن کر یہ کہے مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبد الله (صلی الله تعالٰی علیه وسلم) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی دونوں آنکھوں سے لگائے تو وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی اور اس کے علاوہ نے بھی ذکر کیا، پھر کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع صحیح روایت نہیں ملی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

علامہ الشیخ علی الصعیدی العدوی اسی شرح کے حاشیہ ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

(قوله ثم یقبل الخ) لم یبین موضع التقبیل من الابهامین الا انه نقل عن الشیخ العالم المفسر نور الدین الخراسانی قال بعضهم لقیته وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله قبل ابهامی نفسه ومسح بالظفرین اجفان عینیه من المآق الی ناحیة الصدغ ثم فعل ذلك عند کل تشهد مرة مرة فسألته عن ذلك فقال کنت افعله ثم ترکته فمرضت عینای فرأیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم منا ما فقال لم ترکت مسح عینیك عند الاذان ان اردت ان تبرأ عیناك فعد الی المسح

(قوله ثم یقبل الخ) انگوٹھوں کی کون سی جگہ چومے، اس میں اس کا ذکر نہیں کیا، مگر شیخ العالم المفسر نورالدین خراسانی سے یہ منقول ہے بعض لوگوں نے کہا میں ان سے دوران اذان ملا جب انہوں نے مؤذن سے اشهد ان محمدا رسول الله سنا تو انہوں نے اپنے دونوں انگوٹھے چومے اور ان دونوں کے ناخن اپنی پلکوں پر ناک کی طرف ملے پھر انہوں نے ہر بار ایسا کیا تو میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو وہ کہنے لگے میں پہلے یہ عمل کیا کرتا تھا پھر میں نے اسے چھوڑ دیا تو میری آنکھیں خراب ہوگئیں اور مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو فرمایا: تُو نے اذان کے وقت

---

[1] کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی، مطبوعہ مصر ۱/۱۶۹

فاستیقظت و مسحت فبرئت ولم یعاودنی مرضہما الی الاٰن انتہی فہذا یدل علی ان الاولی التکریر والظاہر انہ حیث کان المسح بالظفرین ان التقبیل لہما[۱] واللہ تعالٰی اعلم۔

آنکھوں پر انگوٹھے لگانے کیوں ترک کرتے اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہوجائیں تو انگوٹھے چومنا دوبارہ شروع کرتے پھر میں بیدار ہُوا اور میں نے انگوٹھے چُومنے کا عمل کیا تو میں صحیح ہوگیا، اس کے بعد آج تک میری آنکھیں کبھی خراب نہیں ہوئیں انتہی،

پس یہ عبارت دلالت کررہی ہے کہ بار بار کرنا بہتر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ جب کبھی آنکھوں پر انگوٹھے لگائے تو چُوما بھی انھیں کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ان تمام عبارات میں کہیں تقبیل ابہامین پر نکیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحباب کا پتا الفاظ صریحہ میں ملتا ہے برخلاف اس کے صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عبارت شامی پر حاشیہ لکھ کر مباح (ص ۲ ملاحظہ ہو) مان رہے ہیں پھر اُس مباح کو بھی بدعت ٹھہرارہے ہیں اس تضاد و اشکال کو رفع فرماکر قاطع فیصلہ فرمایا جائے۔

صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عمل مانحن فیہ کو اپنے حاشیہ مذکورہ میں رقیہ مان کر دعوٰی کرتے ہیں والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ ت) یہاں صرف یہ اشکال ہے کہ اعتقاد قلب سے تعلق رکھتا ہے اُس پر مفتی صاحب مذکور کو کس طرح اطلاع ہوئی اور طرفہ یہ کہ ان کے نزدیک رسول علیہ الصلاۃ و السلام بھی باوصف اعلام علّام مافی الصدور علوم غیبیہ سے بےخبر ہیں (معاذ اللہ) وہ بھی عامہ مومنین کے دلی خیال اور اعتقاد سے اطلاع ہوئی خواہ وہ ہند میں ہوں یا کابل میں، ایران میں ہوں یا عرب شریف میں، غرض شرق میں ہوں یا غرب میں حیث یقول والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ ت) یہاں بعض الناس نے سخت فتنہ برپا کر رکھا ہے مترصد کہ جلد تر جواب باصواب سے اعزاز بخشیں اجرکم اللہ تعالٰی بجاہ طٰہٰ ویٰسٓ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مختار صدیقی

الجواب

اس مسئلہ کی تحقیق بالغ و تنقیح بازغ میں بائیس سال ہوئے فقیر نے منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ لکھی کہ بیس سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر ملک میں مفت تقسیم ہوئی اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اعانت کو بغرض ملاحظہ مرسل ایک نسخہ بھی اور رہتا تو

---

[۱] حاشیہ علی کفایۃ الطالب الربانی الخ مطبوعہ مصر ۱/۱۷۰

ہدیۃً حاضر کردیتا بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں یہ رسالہ باذنہ تعالیٰ دربارۂ حدیث وفقہ منکرین کے خیالات باطلہ عاطلہ کی بیخ کنی وصفرا شکنی کو بس ہے لہٰذا اُن سے زیادہ تعرض کی حاجت نہیں صرف بعض امورِ جہالت فتوائے مذکور کے متعلق اجمالاً گزارش و باللہ التوفیق۔

(ا) دعوٰی یہ کہ اذان میں کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور اس پر دلیل شامی کی جراحی سے نقل کہ ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجۂ صحت کو نہیں پہنچی جو خود مشیر ہے کہ اس کی احادیث موقوفہ پر یہ حکم نہیں ورنہ مرفوع کی تخصیص کیوں ہوتی عبارات کتب میں مفہوم مخالف بلاشبہ معتبر ہے، اسی شامی طابع قسطنطنیہ جلد ۵ ص ۵۲ میں ہے :

فان مفاهیم الکتب حجة ولو مفهوم لقب علی ما صرح به الاصولیون[1]۔

عبارات کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لقبی ہو، علمائے اصول نے یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

نیز جلد اول ص ۱۹۷ :

یفتی به عند السؤال اذ لا مفاهیم الکتب معتبرة کما تقدم[2]۔

سوال کے وقت اسی پر فتوٰی ہوگا کیونکہ عباراتِ کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (ت)

دُرمختار بیان سُننِ وضو میں نہر الفائق سے ہے :

مفاهیم الکتب حجة بخلاف اکثر مفاهیم النصوص[3]

عبارات کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے اور نصوص کے اکثر مفاہیم معتبر نہیں ہوتے (ت)

احادیثِ موقوفہ کیا روایت نہیں لاجرم ملا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں کل ما یروی فی هذا فلا یصح رفعه البتة (اس سلسلہ میں جو کچھ مروی ہے اس کا مرفوع ہونا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ ت) لکھ کر فرمایا :

قلت واذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی اللہ

میں کہتا ہوں جب اس کا مرفوع ہونا صدیقِ اکبر

---

[1] ردالمحتار	باب الاجارۃ الفاسدۃ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۵/ ۳۸
[2] ردالمحتار	کتاب الطہارۃ	" "	۱/ ۱۱۹
[3] درمختار	"	" مجتبائی دہلی	۱/ ۲۱

تعالٰی عنہ فیکفی العمل بہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین"۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت لازم ہے۔" (ت)

(۲) صحیح کی نفی سے معتبر کی نفی جاننا فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی۔ کتبِ رجال میں ہزار جگہ ملے گا یعتبر بہ و لا یحتج بہ (یہ معتبر ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ ت) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

(۳) فقہ میں روایت، روایت فقہیہ بھی ہے بالفرض اگر حدیث معتبر مطلقاً منفی تو اُس سے روایتِ معتبرہ کی نفی یا جہل محض ہے یا نری غیر مقلدی کہ بے ثبوت حدیث روایت فقہیہ معتبر نہ مانی۔

(۴) یہیں یہیں اسی شامی میں قہستانی و فتاوی صوفیہ و کنز العباد سے صراحۃً اس کا استحباب منقول اور بصیغۂ جزم بلا تعقب مذکور و مقبول، تو شامی سے صرف نسبت حدیث ایک کلام نقل کر لانا اور اُسی عبارت میں شامی کے حکم مقرر فقہی کو چھوڑ جانا صریح خیانت ہے۔

(۵) پھر روایت فقہیہ قصداً بچا کر وہ سالبہ کلیہ کہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں صاف اغوائے عوام ہے کیا کتبِ فقہ میں ہزار سے کم اس کے نظائر ملیں گے کہ حکم فقہی پر جو حدیث نقل کی اُس میں کلام کر دیا گیا مگر اس سے روایت فقہی نامعتبر نہ ہوتی، ہاں وہی غیر مقلدی کی علت پیچھے ہو تو کیا علاج!

(۶) اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہ ہونے پر شامی کا کلام نقل کیا کہ بعض نے قہستانی سے نقل کیا کہ اُنھوں نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر لکھا کہ دربارۂ اقامت بعد تلاش کامل روایت نہ ملی اورانہیں شامی کا کلام نہ دیکھا کہ ایسی نقل نقلِ مجہول اور نقلِ مجہول محض نامقبول، جلد دوم ص ۵۱۲:

قول المعراج ورأیت فی موضع الخ (ای معزوا الی المبسوط) لایکفی فی النقل

معراج کا قول اور میں نے ایک جگہ دیکھا ہے الخ (یعنی مبسوط کی طرف منسوب ہے) جہالت کی وجہ سے

۱؎ الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعہ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۲۱۰

لجهالتہ[1] نقل میں وہ ناکافی ہے۔(ت)

وہاں بواسطۂ مجہول ناقل امام قوام الدین کاکی شارح ہدایہ تھے یہاں شامی، وہاں منقول عنہ بلاواسطہ امام شمس الائمہ سرخسی تھے یا خود محرر المذہب امام محمد اور یہاں قہستانی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(اتنا بڑا فرق کہاں وہ کہاں یہ)

جب وُہ بوجہ جہالت واسطہ مقبول نہ ہُوئی اس کی کیا ہستی، مگر کیا کیجئے کہ ع

عقل بازار میں نہیں بکتی

(۷) لم یوجد (روایت نہیں پائی گئی۔ت) اور "موجود نہیں" میں جو فرق ہے عاقل پر مخفی نہیں، مگر عقل بھی ہو، یہ تو خالی نایافت کی نقل ہے کہ شہادت علی النفی سے زائد نہ ٹھہرے گی آکد الفاظ فتوے سے فتوٰی منقول ہوا اور بوجہ جہالت نامقبول ہُوا، انھیں علامہ شامی کا کلام سُنئے عقود الدریہ جلد ۲ ص ۱۰۹ :

نقل الزیلعی ان الفتوی علی قولھما فی جوازھا قال الشیخ قاسم فی تصحیحه مانقلہ الزیلعی شاذ مجهول القائل اھ[2]۔	زیلعی نے نقل کیا ہے کہ فتوٰی ان دونوں کے قول پر اس کے جواز میں ہے، شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں کہا کہ زیلعی سے جو منقول ہے وہ شاذ ہے کیونکہ قائل مجہول ہے اھ(ت)

دُرمختار میں ہے :

علیہ الفتاوٰی زیلعی وبحر معزیا للمغنی لکن ردہ العلامة قاسم فی تصحیحه بان ما فی المغنی شاذ مجهول القائل فلا یعول علیہ[3]۔	اس پر زیلعی اور بحر کا فتوٰی ہے انھوں نے مغنی کی طرف منسوب کیا، لیکن علامہ قاسم نے اسے اپنی تصحیح میں بایں طور رَد کیا کہ مغنی میں جو کچھ ہے وُہ شاذ ہے کیونکہ اس کا قائل مجہول ہے لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

شامی نے اسے مقرر رکھا۔

(۸) اس پر یہ ادعا کہ اسی واسطے فقہاء نے اُس کا بالکل انکار کیا ہے صریح کذب ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الولی من کتاب النکاح مطبوعہ مصطفے البابی مصر ۲/۳۳۹

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۳۶

[3] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۱۷۷

(۹) اس پر کہنا کہ یہ عبارت شامی کی ہے بکف چراغی ہے شامی میں قہستانی سے بنقل مجہول یہ منقول کہ اس کی روایت نہ ملی اگر بفرض غلط یہ نقل مجہول مقبول بھی ہو اور عدمِ وجدان روایت عدم وجود روایت بھی ہو تو نفیِ روایت روایتِ نفی نہیں، ہذا کا اشارہ جانب نقل ہے نہ جانے حکم فقہا نے بالکل انکار کیا کس گھر سے لائے۔

(۱۰) اینہم بر علم تو غایت درجہ یہ قہستانی کا اپنا انکار ہوگا نہ کہ وہ فقہا سے کوئی قول نقل کر رہے ہیں اور قہستانی کا بایں معنی فقہا میں شمار کہ اُن کا اپنا قول بلا نقل مسلّم ہو یقیناً باطل ہے بلکہ نقل میں بھی اُن کی وہ حالت جو خود یہی علامہ شامی عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۹۷ میں بتاتے ہیں کہ:

القہستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصا واستنادہ الی کتب الزاہدی المعتزلی[1] قہستانی بہالے جانے والے سیلاب اور رات کو لکڑی اکٹھی کرنے والے کی طرح ہے خصوصاً جبکہ اس کا استناد زاہدی معتزلی کتب کی طرف۔ (ت)

اور کشف الظنون حرف النون میں علامہ عصام اسفرائنی کا قول نہ دیکھنا کہ اس ادعائے باطل کی لگی نہ رکھے گا اور بالکل کشف ظنون بلکہ علاج جنون کردے گا ہم نے پتا بتادیا نہ ملے تو پیش بھی کردیں گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۱۱) یہ بھی سہی تو کیسا ظلم شدید و تعصب عنید ہے کہ مسئلہ اقامت میں قہستانی کا اپنا قول بلانقل بلکہ صرف روایت نہ پانا سند میں پیش کیا جائے اور اسے اخیں ایک فقیہ نہیں بلکہ فقہا کا انکار ٹھہرا دیا جائے اور یہیں یہیں مسئلہ اذان میں جو یہی قہستانی خاص روایت فقہی نقل فرما کر حکم استحباب بتا رہے ہیں وہ مردود و نامعتبر قرار پائے، غرض بڑی امام اپنی ہوائے نفس ہے وبس۔

(۱۲) اقامت میں اذان سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے یعنی بدعت و بے اصل اذان میں بھی ہے یہ وہی مرضِ غیر مقلدی ہے کہ فقہا اگرچہ صراحۃً مستحب فرمائیں مگر اُن کا قول مردود اور بدعت مذمومہ ہونا غیر مسدود۔

(۱۳) نہیں نہیں نری غیر مقلدی نہیں بلکہ اجماعِ اُمت کا رَد اور غیر سبیل المؤمنین کا اتباعِ بد ہے جس پر قرآن عظیم میں نصلہ جہنم وساءت مصیرا[2] کی وعید مؤکد ہے، احادیث یہاں قطعاً مروی مرفوع بھی اور موقوف بھی اور غایت اُن کا ضعف جس کا بیان قطعی منیر العین میں ہے جس سے حق کی آنکھیں پُرنور اور باطل کی ظلمتیں دُور بلکہ خود اسی قدر عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اُس میں صرف لم یصح (صحیح نہیں۔ ت) کہا اور وُہ بھی فقط احادیث مرفوعہ تو اگر سب کو کہتے جب بھی نفی صحت سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

ضعیف تعددِ طرق سے حسن ہوجاتی اور مسائل حلال و حرام میں بھی حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعاً باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع مردود و مخذول، اربعین امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال[1]

علماء محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے (ت)

(۱۴) اجماعِ اُمت کا خلاف وہاں دشوار نہ تھا مصیبت یہ ہے کہ جمہور وہابیہ کی بھی مخالفت ہوئی کہ تخصیص عدم صحت باحادیث مرفوعہ نے صحت بتائی، ملا علی قاری کی عبارت گزری تو قرونِ ثلثہ میں اصل متحقق ہوئی پھر بدعت و بے اصل کہنا اصولِ وہابیت پر بھی چھری پھیرنا ہے۔

(۱۵) وہابیت بجہنم سخت تر آفت یہ ہے کہ دیوبندیت کے امام اعظم جناب گنگوہی صاحب سے چل گئی اور وہ بھی بہت بُری طرح کہ ان کی سنت اُن کی بدعت، ان کی ہدایت، اُن کی ضلالت یہ فاعل کو بدعتی گمراہ ٹھہرائیں وُہ ان کو منکر سنت ضال بدراہ بتائیں پھر یہ کیا اُنھیں چھوڑ دیتے ہیں یہ کہیں گے کہ وہ بدعت ضلالت کو سنت بتا کر سخت گمراہ بے دین ہُوئے کفی اللہ المؤمنین القتال (لڑائی میں مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ت) اس کا مفصل بیان منیر العین افادہ ۳۰ میں ملاحظہ ہو محل یہ کہ یہ احادیث تقبیل گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی فضائل اعمال کی ہیں کہ اس پر ترغیب و ثواب اُن میں مذکور ہے، مسند الفردوس کی حدیث میں بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ انہوں نے اذان میں نام سُن کر انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دے کر آنکھوں پر پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من فعل مثل ما فعل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی[2]

جو ایسا کرے جیسا میرے اس پیارے نے کیا اُس پر میری شفاعت حلال ہوجائے گی۔

جامع الرموز و کنز العباد وغیرہما میں ہے:

فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکون قائدا لہ الی الجنۃ[3]

جو ایسا کرے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اسے جنت میں لے جائیں گے۔

اور یہ تو روایات عدیدہ میں ہے جو ایسا کرے کبھی اندھا نہ ہوگا نہ اُس کی آنکھیں دُکھیں، یہ کیا فضیلت و

---

[1] شرح متن اربعین نوویہ قبیل حدیث اول مطبوعہ امیر دولت قطر ص ۶

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۸۴

[3] جامع الرموز باب الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

ترغیب نہیں بہرحال یہ حدیثیں فضائلِ اعمال کی ہیں، اور گنگوہی صاحب براہینِ قاطعہ طبع دوم ص ۹۶ میں فرماتے ہیں: "سب کا یہ مدعا ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے۔"[1] ظاہر ہے کہ درست یہاں بمعنی جائز ہی ہے خصوصاً جبکہ امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثبوت لیں جیسا کہ عبارتِ علی قاری میں گزرا، جب تو اس مسئلہ قبول ضعاف کی بھی حاجت نہ ہوگی کہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تقلید کا خود احادیث صحیحہ میں حکم فرمایا، حدیث خلفا کلام قاری میں گزری، دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔[2]

ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد والی اُمت ہوں گے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

رواہ احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجۃ والرویانی والحاکم وصححہ وابن حبان فی صحیحہ عن حذیفۃ والترمذی والحاکم عن ابن مسعود وابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اسے احمد نے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا، ابن ماجہ، رویانی اور حاکم نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا، ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن مسعود سے اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ان سب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے (ت)

بلکہ تقلیدِ عام صحابہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ کا مذہب ہے بلکہ وہابیہ کے نزدیک تین قرن تک حکم تقلید بلکہ منصب تشریع جدید ہے کما بیناہ فی کتبنا فی الرد علیھم (جیسے کہ ہم نے اپنی کُتب میں ان کا رد کرتے ہوئے واضح کیا ہے۔ ت) بہرحال اس عمل کی دلیل جواز قرونِ ثلٰثہ میں متحقق ہوئی اور گنگوہی صاحب ص ۲۸ میں کہتے ہیں:

"جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو وہ سب سنّت ہے اھ"[3]

تو روشن ہُوا کہ جناب گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا سنّت ہے اور حدیث سے ثابت کہ منکرِ سنّت پر لعنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] براہین قاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ مسئلہ فاتحہ اعتقادیہ ہے الخ مطبوعہ بلاسا واقع ڈھور ص ۹۶

[2] جامع الترمذی مناقب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[3] براہین قاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی مطبوعہ بلاسا واقع ڈھور ص ۲۸

ستة لعنتهم لعنهم الله وكل نبی مجاب (الی قولہ) والتارك لسنتی رواہ الترمذی عن ام المؤمنین والحاکم عنها وعن علی والطبرانی بلفظ سبعة لعنتهم وكل نبی مجاب[2] عن عمرو بن سغواء رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند حسن۔

چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ ان پر لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہے ازاں جملہ ایک وہ کہ میری سنّت کا منکر ہو، اس کو ترمذی نے ام المؤمنین سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت علی سے روایت کیا اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں "سات آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ہر نبی کی دُعا مقبول ہے"۔ یہ حضرت عمرو بن سغوی رضی اللہ تعالٰی سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے۔ (ت)

اب صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ اپنا حکم گنگوہی صاحب سے دریافت کریں یا گنگوہی صاحب کے حق میں خود کوئی حکم فرمائیں۔

(۱۶) اب اقامت کی طرف چلیے شامی نے بحوالہ مجہول قہستانی کا روایت نہ پانا تو نقل کر لائے اور اس سے یہ نتیجہ کہ فقہا نے اُس کا بالکل انکار کیا حالانکہ فقہائے کرام کا مسلک وہ ہے جو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر ص ۲۰ میں فرمایا:

عدم النقل لاینفی الوجود[3] (عدم نقل، وجود کے منافی نہیں۔ ت)

(۱۷) عدم نقل کو نقل عدم ٹھہرانے کا رد خود اسی شامی میں جابجا موجود، ازانجملہ جلد اول ص ۴۰ میں بعد ذکر احادیث فرمایا:

قال العلماء هذه الاحادیث من قواعد الاسلام وهو ان كل من ابتدع شیأ من الخیر كان له مثل اجر كل من یعمل به الی یوم القیٰمة[4]

یعنی علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیثیں دین اسلام کے قواعد سے ہیں، ان سے یہ قاعدہ ثابت ہُوا کہ جو شخص کوئی اچھا کام نیا نکالے کہ پہلے نہ تھا قیامت تک جتنے مسلمان اس پر عمل کریں سب کے برابر ثواب اُس ایجاد کرنے والے کو ہو۔

(۱۸) بدعت و بے اصل کی بھی حقیقت سُن لیجئے، فتح اللہ المعین جلد ۳ ص ۴۰۲:

---

[1] المستدرک کتاب الایمان ستۃ لعنتھم اللہ ۔ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۶

[2] المعجم الکبیر ترجمہ عمرو بن سغواء حدیث نمبر ۸۹ المکتبۃ الفیصلۃ بیروت ۱۷/ ۴۳

[3] فتح القدیر کتاب الطہارت " نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰

[4] ردالمحتار مطلب یجوز تقلید المفضول الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳

لا اصل لہا لا یقتضی الکراھۃ ولذا قال فی الدر ما قیل انہا بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ[1]۔

یعنی بے اصل ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا اسی لیے دُرمختار میں فرمایا کہ اسے جو بدعت کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نوپیدا جائز اچھی بات ہے (ت)

(۱۹) فرض کر دم کہ اس سے بوجہ عدم نقل انکار مطلق ہی مقصود ہو تو بحال عدم نقل احکام فقہا جن کا نمونہ ہم نے ذکر کیا اس کے معارض ہوں گے اور ترجیح و توفیق و توجیہ و تحقیق کہ ہمارے رسائل رَدِّ وہابیہ میں ہے اس کی مؤنت جناب گنگوہی صاحب نے کم دی اور منکرین کو کسی عبارت خلاف سے شبہہ ڈالنے کی گنجائش نہ رکھی کہ اس سے غایت درجہ مسئلہ عدم نقل میں اختلاف ثابت ہوگا اور گنگوہی صاحب براہین ص ۱۳۷ میں فرماتے ہیں:

"اُس کی کراہت مختلف فیہ ہوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یُوں بھی بلاضرورت جائز ہو جاتا ہے[2]۔"

یہ وہاں کہی اور پُوری غیر مقلدی بلکہ بہوائے نفس اتباع رُخص حلال کر دینے کی داد دی ہے جہاں ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے تو جہاں خود علمائے حنفیہ کے قول دونوں طرف ہوں وہ تو بدرجہ اولٰی بلاضرورت مطلقاً جائز رہے گا اور منکر کہ قول خلاف سے سند لائے احمق کج فہم ٹھہرے گا۔

(۲۰) نہیں نہیں فقط جائز نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کے دھرم میں وقتِ اقامت بھی تقبیل مذکور سنت اور تھانوی صاحب کا اُس پر انکار گمراہی و ضلالت اور بحکم حدیث موجب لعنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں اقامت احکام میں مثل اذان ہے سوا مستثنیات کے، بلکہ ہدایہ میں ہے:

یروی انہ لاتکرہ الاقامۃ ایضا لانہا احدی الاذانین[3]۔

اور یہ مروی ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں کیونکہ یہ بھی ایک اذان ہے۔ (ت)

اور عند التحقیق تنقیح مناط انتفائے خصوص کرے گی تو اُس کی دلیل جواز بھی متحقق ہوئی اور سنت ٹھہری، گنگوہی صاحب کے نزدیک تو سنت ہونے کے لیے اثر فعل کی جنس بھی قرونِ ثلثہ میں موجود ہونے کی حاجت نہیں یہاں تو اُس کی جنس یعنی تقبیل اذان خود موجود ہے براہین گنگوہی ص ۸ ۱ میں ہے:

"جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اُسکی

---

[1] فتح المعین فصل فی الاستبراء وغیرہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۰۲

[2] براہین قاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ تحقیق مسئلہ اجرۃ تعلیم القرآن الخ مطبوعہ بلاسا واقع ڈھور ص ۱۳۷

[3] الہدایۃ باب الاذان مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۴۴

جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنّت ہے[1]۔

یہ اُس چار سطری تحریر تلٰث عشرون کاملۃ (یہ مکمل بیس دلائل ہیں۔ت) وہ بھی بنہایت اختصار، اب ڈیڑھ سطری منہیہ کی طرف چلئے وباللہ التوفیق۔

(۲۱) علمائے کرام نے کہ نفی صحت میں مرفوع کی تخصیص فرمائی بکمال حیا اُس کا مطلب یہ گھڑا کہ اس بارہ میں حدیث موقوف اگرچہ منقول ہے مگر ضعیف الاسناد ہے، کیا علما نے یہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں حدیث مرفوع کوئی منقول ہی نہیں یا یہ فرمایا تھا کہ جو منقول ہے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے یا یہ فرمایا تھا کہ ضعیف بھی نہیں بلکہ موضوع ہے انھیں تین صورتوں میں اُس اختراعی مطلب پر مرفوع و موقوف کا تفرقہ اور تخصیص کا فائدہ صحیح رہتا مگر ہر ذرا سے فہم والا بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ بہر وجہ علماء پر افترا ہے علما نے یہی بتایا ہے کہ اس بارہ میں احادیث مرفوعہ اگرچہ منقول ہیں مگر درجۂ صحت پر نہیں بلکہ ضعیف ہیں یہی اس بے معنی منہیہ نے حدیث موقوف میں کہا تو فرق کیا رہا صراحۃً تخصیص مرفوع باطل کرنے کو تخصیص مرفوع کا مطلب ٹھہرانا جنون نہیں تو شدید مکاری ڈھٹائی ہے مکاری نہیں تو سخت جنون و بے عقلی ہے۔

(۲۲) بفرض باطل یہی مطلب سہی مگر یُوں بھی کال نہ کٹا امام الطائفہ گنگوہی صاحب ایمان لاچکے کہ یہاں مقبول ہے اگرچہ ضعیف حدیث اور طائفہ بھر کا دھرم قرون کی ستیٹ پھر حدیث موقوف وضعیف موجود مان کر بدعت و بے اصل کہنا کیسا قول خبیث!

(۲۳) ایک بھاری دیانت یہ دکھائی کہ حدیث سے اس عمل کا طاعت ہونا نہیں نکلتا بلکہ رمد سے بچنے کا ایک منتر ہے الحق حیا و ایمان متلازم ہیں یہ اعتراض اگر چل سکتا تو نہ موقوف وضعیف بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد صحیح اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہوتا اُسے بھی اڑا دیتا، حدیثوں میں تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے اُسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اور منہیہ کہتا ہے کہ یہ کوئی طاعت ہی نہیں کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جس پر یہ عظیم جلیل ثواب موعود ہوں وہ سرے سے طاعت ہی نہیں ایک منتر ہے۔

(۲۴) حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے یوں پڑھے:

رضیت باللہ ربّا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبیا[2]۔

میں اللہ تعالٰی کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی اور خوش ہوں۔ (ت)

---

[1] براہین قاطعۃ الخ قرون ثلثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۸

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتاب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴

حدیثِ خضر علیہ الصلاۃ والسلام میں ہے یُوں کہے :

مرجبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]	اے میرے حبیب ! مرحبا ، آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ۔ (ت)

اسی طرح حدیثِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے ۔

چوتھی روایت میں ہے یُوں کہے :

صلی اللہ تعالٰی علیك یا رسول اللہ قرۃ عینی بك یا رسول اللہ اللھم متعنی بالسمع والبصر[2] ۔	اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلاۃ (رحمت) ہو ، یا رسول اللہ ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں ، اے اللہ ! میری سماعت وبصارت کو اس کی برکت سے مالامال فرما ۔ (ت)

پانچویں میں ہے درود پڑھے ۔

چھٹے میں ہے یُوں کہے :

صلی اللہ علیك یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی[3]	یا سیّدی یا رسول اللہ ، اے میرے دل کے حبیب ، اے میری آنکھوں کے نور وسرور ، اور اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ پر اللہ تعالٰی رحمت فرمائے (ت)

ساتویں میں ہے یُوں کہے :

اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونورھما[4] ۔	اے اللہ ! میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور انہیں منوّر فرما نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں اور ان کے نور کی برکت سے ۔ (ت)

منہیہ کے نزدیک یہ اللہ ورسول کے ذکر ، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود ، اللہ عزوجل سے دُعا

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴
[2] جامع الرموز باب الاذان ” مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵
[3] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ ” دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴
[4] ” ” ” ” ” ” ” ” ص ۳۸۵

کچھ طاعت ہی نہیں حالانکہ ذکر ہی روحِ طاعت ہے اور دُعا مغزِ عبادت، اور درود کو مسلمان ایمان کا چین چین کا ایمان جانتے ہیں اگرچہ منہیہ منتر مانے۔

(۲۵) اس عمل مبارک کے فوائد میں ایک فائدہ جو یہ فرمایا گیا کہ جو ایسا کرے گا اُس کی آنکھیں نہ دُکھیں گی نہ کبھی اندھا ہو، اس جرم پر وہ ذکرِ الٰہی و درود و دُعا سب طاعت سے خارج ہو کر رد کا منتر رہ گئے نامِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس عداوت کی کوئی حد ہے، صدہا حدیثیں ہیں جن میں تلاوتِ قرآن عظیم و تسبیح و تہلیل و حمد و تکبیر و لاحول وغیرہا اذکارِ جلیلہ پر منافعِ جسمانیہ و دُنیاویہ ارشاد ہوئے ہیں جسے شوق ہو صحاح ستہ و ترغیب و ترہیب امام منذری و جوامع امام جلیل سیوطی و حصن حصین امام جزری وغیرہا کتبِ حدیث مطالعہ کرے منہیہ کے دھرم میں یہ اسلامی ایمانی کلمے اور خود قرآن عظیم سب منتر ہیں جنھیں طاعت سے کچھ علاقہ نہیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۶) اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر حکیم سے بڑھ کر حکیم ہیں اُن کی رعایا میں ہر قسم کے لوگ ہیں ایک وُہ عالی ہمت کہ اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ و رسول کے لیے یاد کریں اپنی کوئی منفعت دنیوی تو دنیوی اُخروی بھی مقصود نہ رکھیں یہ خالص مخلص بندے ہیں جن کی بندگی میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہیں ان کے لیے وصلِ ذات ہے جن کو فرمایا:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1]	جو ہماری یاد میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم یقیناً ان کے لیے اپنے تمام راستے کھول دیتے ہیں۔ (ت)

دوسرے وُہ جن کو کسی طمع کی چاشنی اُبھارے مگر نفعِ فانی کے گرویدہ نہیں باقی کی تلاش ہے قرآن و حدیث میں نعیم جنت کے بیان ان کی نظیر سے ہیں جن کو فرمایا:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ۔[2]	اللہ تعالٰی نے مومنوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے (ت)

تیسرے وُہ جن کو نفعِ عاجل کی امید دلانا زیادہ مؤید ہے جن کو فرمایا:

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا۔[3]	میں کہتا ہُوں تم اپنے رب سے معافی مانگو وہ یقیناً معافی دینے والا ہے وہ آسمان سے تم پر زوردار بارش بھیجے گا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲۹/ ۶۹ [2] القرآن ۹/ ۱۱۱
[3] القرآن ۷۱/ ۱۰

اور فرمایا :

قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء[1]۔

فرما دیجئے یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے (ت)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

اغزوا تغنموا وصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا[2] و فی حدیث حجوا تستغنوا[3]۔

جہاد کرو غنیمت پاؤ گے اور روزہ رکھو تندرست ہوجاؤ گے اور حج کرو غنی ہوجاؤ گے۔

روی الاول الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والاٰخر عبد الرزاق عن صفوان بن سلیم مرسلا ووصلہ فی مسند الفردوس۔

پہلی کو طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا اور دوسری کو عبدالرزاق نے صفوان بن سلیم سے مرسلاً روایت کیا، اور مسند الفردوس میں یہ متصلاً مروی ہے (ت)

چوتھے وہ پست فطرت دون ہمت کہ امید نفع پر بھی نہ سرکیں جب تک تازیانہ کا ڈر نہ دلائیں قرآن وحدیث میں عذاب نار کے بیان ان کی نظر سے ہیں جن کو فرمایا :

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطٰنا فھو لہ قرین وانھم لیصدونھم عن السبیل ویحسبون انھم مھتدون o حتی اذا جاءنا قال یٰلیت بینی وبینک بعد المشرقین فبئس القرین ولن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم انکم فی العذاب مشترکون[4]۔

جسے رتوند آئے رحمان کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان متعین کردیں گے کہ وہ اس کا ساتھی رہے اور بیشک وُہ شیطان ان کو راہ سے روکتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئے گا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں تجھ میں پورب پچھم (مشرق ومغرب) کا فاصلہ ہوتا تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔ اور ہرگز تمہارا اس (حسرت) سے بھلا نہ ہوگا آج جبکہ (دنیا میں) تم نے ظلم کیا تو تم سب عذاب میں شریک ہو (ت)

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

من لم یدع اللہ غضب علیہ[5] رواہ ابن ابی شیبۃ

وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن ۴۱/۴۴

[2] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۸۳۰۸ مکتبۃ المعارف ریاض سعودیہ ۹/۱۴۴

[3] المصنف لعبد الرزاق باب فضل الحج " المکتب الاسلامی بیروت ۵/۱۱

[4] القرآن ۴۳/۳۶ تا ۴۰

[5] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵۰۷۷) فی فضل الدعاء حدیث ۹۲۱۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/۲۰۰

فی المصنف عن ابی ھریرۃ وبلفظ من لم یسأل اللہ یغضب علیہ[1] احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ و البزار وابن حبان والحاکم وصححاہ و للعسکری عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المواعظ بسند حسن عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال قال اللہ تعالٰی من لا یدعونی اغضب علیہ[2] اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ابدا اٰمین۔

ناراض ہوتا ہے، اسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں: وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالٰی اس پر ناراض ہوتا ہے اسے احمد اور بخاری نے "الادب المفرد" میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم سب نے روایت کیا ہے اور آخری دو نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور عسکری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی "المواعظ" میں سند حسن کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص مجھ سے دعا نہیں کرتا میں اس پر ناراض ہوتا ہوں۔ اللہ تعالٰی ہمیشہ رحمتِ کاملہ اور سلامتی بھیجے آپ پر، آپ کی آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ سب پر، آمین (ت)

صاحبِ منہیہ اللہ عزوجل کی حکمتوں کو باطل کرتا اور طاعت کو صرف قسم اول میں منحصر کرنا چاہتا اور حدیث و قرآن کے تمام اذکار جنت و نار ترغیب و ترہیب کو لغو و فضول بلکہ اغوا و اضلال بتاتا ہے کہ بندوں کو مقصود سے دور کرکے منتر جنتر میں لا ڈالا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[3] (عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت)

(۲۷) عوام پر غیظ ہے کہ وہ یہ ذکر خدا و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باعتقاد طاعت کرتے ہیں الحمدللہ مسلمانوں کے عوام آپ جیسے خواص سے عقل و فہم و فضل و علم میں بدرجہا زائد ہیں وہ اپنے رب عزوجل کے ذکر و دعا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر و محبت و تعظیم و توسل کو طاعت نہ جانیں تو کیا آپ کی طرح ذکر و تعظیم مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہر حیلۂ ممکنہ باطل کرنے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہینوں کو عبادت مانیں۔ وہ بدچشم کا عمل ہی سہی، فرض کیجئے ایک دیوبندی اپنی آنکھوں کے علاج کو جالینوس کا شیاف یا ابن سینا کی سلائی لگاتا ہے اور ایک مسلمان سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی و اسم الٰہی نور و صلٰوۃ نور سے علاج کرتا ہے آپ کے دھرم میں دونوں برابر

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الدعاء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۷۳/۲
[2] کنز العمال، بحوالہ العسکری الباب الثامن فی الدعاء الخ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۶۲/۲
[3] القرآن ۲۲۷/۲۶

ہیں کہ ایک فعل مباح کر رہے ہیں، طاعت نہ یہ نہ وہ، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ کہاں جالینوس وابن سینا پر بھروسا اور کہاں کلام اللہ نورِ ہدٰی وشفاء، واسمائے الٰہیہ سے توسل والتجایٔ ضرور طاعت اور اس کے حسن ایمان کی علامت ہے ولکن النجدیۃ لایعلمون (لیکن نجدی نہیں سمجھتے ۔ ت) بات یہ ہے کہ وعیدوں یا جسمانی دنیاوی بلکہ اُخروی منفعتوں ثوابوں کے وعدے سے بھی حاشا یہ مراد خدا اور رسول نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اُن وعیدوں سے بچنا یا اُن منافع کا ملنا ہی مقصود بالذات بنا کر اسی غرض ونیت سے ذکرِ خدا ورسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرو کہ یہ تو قلب موضوع وعکس مقصود ہے جو عبادت جنت کی نیت سے کرے کہ وہی اُس کی مقصود بالذات ہو ہرگز عابد خدا نہیں عابد جنت ہے، توراتِ مقدس سے منقول اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے کیا اگر میں جنت ونار نہ بناتا مستحقِ عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس سے مراد صرف اُبھارنا ہے کہ اس طمع وخوف کے لحاظ سے عمل لوجہ اللہ کریں مضرت سے بچنا یا منفعت جسمانی خواہ روحانی دنیوی خواہ اُخروی کا ملنا مقصود بالعرض ہو جیسے حج میں تجارت کہ جہاد میں غنیمت، روزے میں صحت، نماز میں کسرت، بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے عوام اپنے رب کی مراد سمجھے اور اس عمل میں بھی وہی اُن کا مقصود ہوا کہ اپنے رب جل وعلا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نامِ اقدس پر براہِ محبت و تعظیم بوسہ دیتے ہیں اور یہ سب قطعاً طاعت ومرادِ شریعت ہے اسی کی برکت اس کے طفیل اس کے صدقہ سے ہمیں یہ جسمانی فائدہ بھی ملے گا کہ آنکھیں نہ دُکھیں گی اندھے نہ ہوں گے یہ عین وہی نیت ہے جو شارع کو ایسے وعدوں میں مقصود ہوتی ہے مگر خائب وخاسر احمق وغادر وہ کہ ایسے وعدوں پر پھُول کر اصل مقصود خدا ورسول کو بھُول جائے اور ان کے ذکر وتعظیم ومحبت کو نرا منتر بتائے نسوا اللّٰہ فانسٰھم انفسھم[1] (جو بھول گئے اللہ تعالٰی کو تو اس نے انھیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں۔ ت)

(۲۸) غنیمت ہے کہ ردکا منتر مان کر منتر کے نام سے محض عدم روایات یا ضعف مروی بدعت بدعت کا بھُوت تو اُترا اور یہ عمل مباح ٹھہرا اور نہ عدمِ ورود پر بدعت وبے اصل ہونے کے جو معنی آپ حضرات کے یہاں ہیں اُن کا مصداق کسی طرح مباح نہیں ہوسکتا اگرچہ اعتقادِ طاعت نہ ہو۔

(۲۹) یہ تو او پر گزرا کہ اسی فعل کو اذان میں ہو خواہ اقامت میں محض مباح جاننا شریعتِ گنگوہیہ کے بالکل خلاف ہے کہ اُس میں یہ عمل سنت ہے تو عوام ہی ٹھیک سمجھے اور طاعت کے طاعت اعتقاد کرنے کو بدعت بتا کر تمھیں بدعتی بدمذہب ہوئے اگرچہ دیوبندیت کی معراج ترقی فی المراق من الدین کے بعد بدعت کی کیا گنتی ؏

---

[1] القرآن ۵۹/ ۱۹

ما علی مثلہ بعد الخطاء
(بعد از خطا اس کی مثل پر کیا لازم آئے)

مگر یہاں یہ گزارش ہے کہ مباح بمعنی شامل فرض جس طرح امکان عام شامل وجوب ہے قطعاً یہاں مراد نہیں ورنہ فرض کو بھی طاعت سمجھنا گمراہی و بدعت ہو، لاجرم مباح بمعنی مساوی الطرفین نظیر امکان خاص مراد ہے یعنی وہ فعل نہ محمود نہ مذموم، آپ نے اُسے ردِ چشم کا منتر بنا کر ایسا ہی مباح سمجھا اور یہ شریعت گنگوہیہ سے کفر ہے عالی جناب گنگوہی صاحب کے دھرم میں کوئی فعل ایسا مباح نہیں اُسی صفحہ ۲۸ پر بولتے ہیں:

"جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہوا یا نہ ہوا وہ سب سنت ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہُوا وہ سب بدعت ضلالت ہے۔"[1]

ظاہر ہے کہ کوئی فعل ہو یا اُس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہوگی یا نہیں، تیسری شق نا ممکن ہے کہ یہ حصر عقلی دائر بین النفی والاثبات ہے اور گنگوہی صاحب دو کلیہ دے گئے کہ شق اول کے سب سنت ہیں اور شق دوم کے سب ضلالت۔ اب وہ کون سا رہا کہ دونوں سے خارج ہو کر نرا مباح ہو بلکہ نہ ایک مباح کہ مکروہ تنزیہی و خلاف اولٰی و مستحب یہ سب احکامِ شرعیہ یکسر اُڑ گئے یہ ہے وہ گنگوہی شریعت کا تازہ جوہر جس پر صفحہ ۲۹ میں یہ ناز ہیں کہ "اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے اس عاجز کو اساتذہ جادہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے"۔[2] اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں۔ کیا نفیس جوہر ہے کہ ادھر تو شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آدھے احکام اُڑ گئے اُدھر آدھی وہابیت اپنا جوہر کرگئی جس کا بیان منیر العین افادہ مذکور میں ہے منیر العین نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر بھی تنبیہ نہ ہوا اور کیوں ہوتا کہ حضور اقدس عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث صحیح بخاری شریف میں فرما چکے ہیں ثم لا یعودون فیہ[3] (پھر وہ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے۔ ت)

(۳۰) مباح کا اعتقادِ طاعت سے بدعت ہو جانا اگر اس سے یہ مراد کہ جو شے مباح محض ہے جس کے فعل و ترک شرعاً دونوں مساوی اُسے فی نفسہ مامور بہ و مطلوب شرع اعتقاد کرنا اُسے بدعت کر دیتا ہے تو منہیہ والے کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ فعل مساوی الطرفین ہے اور عام عوام فی نفسہ اس کو مامور بہ یا مطلوب من جہۃ الشرع اعتقاد کرتے ہیں اب یہاں وہ علم غیب کا مسئلہ جانگزائے اہلِ منہیہ ہوگا جو ہمارے سائل فاضل سلمہ نے ایراد کیا اور اگر یہ مراد کہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے بدعت کر دیتا ہے تو شریعت مطہرہ پر محض افترا ہے بلکہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے

---

[1] براہین قاطعہ علی ظلام انوار الساطعہ قرونِ ثلثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کا معنی مطبوعہ بلا ساواقع ڈھور ص ۲۸
[2] " " " " " " " " " ص ۲۹
[3] صحیح البخاری آخر کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۱۱۲۸

اور ہر قربت طاعت ہے تو اُس میں اعتقادِ طاعت ضرور حق اور اُسے بدعت بتانا جہل مطلق، اشباہ والنظائر و ردالمحتار میں ہے،

اما المباحات فتختلف صفتها باعتبار ما قصدت لاجله فاذا قصد به التقوی علی الطاعات او التوصل الیها کانت عبادۃ۔[1]

باقی مباحات کا معاملہ نیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اگر ان سے مقصود طاعات پر تقوٰی یا ان تک پہنچنا ہو تو پھر یہ عبادت ہے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

کل قربۃ طاعۃ ولا تنعکس۔[2] (ہر قربت طاعت ہے اور ہر طاعت قربت نہیں ہوتی۔ ت)

یہ اس ڈیڑھ سطری منہیہ پر ثلث عشرۃ کاملۃ (دس مکمل دلائل ہیں۔ ت) ہیں۔

بالجملہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ادعائے بے دلیل سے بدتر کوئی شے ذلیل نہیں دربارۂ اذان تو احادیث وارد اور اس کا استحباب کتبِ فقہ میں مصرح تو انکار نہیں مگر جہل مبین اور دربارۂ اقامت اگر ورود نہیں کہیں منع بھی نہیں اور بے منع شرعی منع کرنا ظلم مبین ادنٰی درجۂ منع کراہت ہے اور کراہت کے لیے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افتراء وتہمت ہے، ردالمحتار جلد ۱ ص ۶۸۳:

لایلزم منہ ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بدلہ من دلیل۔[3]

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو مگر کسی نہی خاص کے ساتھ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

البحرالرائق جلد ۲ ص ۱۶۳:

لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لہا من دلیل خاص۔[4]

ترکِ مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے (ت)

وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لیے ورود خاص مانگیں اور منع کے لیے دلیل خاص کی کچھ حاجت نہ جانیں اس اوندھی الٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا، مگر علت وہی شریعتِ مطہرہ پر افتراء اٹھانا۔ ردالمحتار جلد ۵ ص ۴۵۵:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات

احتیاط نہیں کرتے اللہ تعالٰی پر افتراء میں حرمت و

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی من الفن الاول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[2] شرح غمز عیون البصائر مع الاشباہ " " " " " ۱/۳۲

[3] ردالمحتار مطلب بیان السنۃ والمستحب الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۳

[4] البحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۳

الحرمة اوالکراھة اللذین لابد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحة التی ھی الاصل[1]

کراہت ثابت کرنے میں جن کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے البتہ اباحت کا قول کرنے میں احتیاط کرتے ہیں جو کہ اصل ہے (ت)

ظاہر ہے کہ نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا عرفاً دلیلِ تعظیم و محبت ہے اور امورِ ادب میں قطعاً عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

فیحال علی المعھود حال قصد التعظیم[2]

تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائے گا۔ (ت)

اور تعظیم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقاً مامور بہ۔

قال اللہ تعالٰی لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ[3]

اللہ تعالٰی کا ارشادِ مبارک ہے: تم اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر بجالاؤ (ت)

اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا جب تک کسی خاص فرد سے منع شرعی نہ ثابت ہو جیسے سجدہ زیادات امام عتابی پھر جامع الرموز پھر رد المحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ میں ہے:

ان المطلق یجری علٰی اطلاقہ الا اذا قام دلیل التقیید نصا او دلالة فاحفظہ فانہ للفقیہ ضروری[4]

مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب تقیید پر کوئی صراحۃً یا دلالۃً دلیل قائم ہوا سے اچھی طرح محفوظ کرلو کیونکہ یہ فقیہ کے لیے ضروری قاعدہ ہے۔ (ت)

مگر ہے یہ کہ اشقیا کے نزدیک تعظیمِ حضور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقاً شرک وظلم ہے شریعت نے برخلاف قیاس بعض مواضع میں خدا جانے کس ضرورت سے ناچاری کو مقرر کر دی ہے لہذا مورد پر مقتصر رہے گی باقی اُسی اصل حکم پر شرک و بدعت حرام ٹھہرے گی فلہذا جہاں وارد ہوئی خدا کا دھرا سرپر، قہرِ درویش بجانِ درویش

---

[1] رد المحتار کتاب الاشربة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۲۶
[2] فتح القدیر باب صفة الصلوٰة ؍ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹
[3] القرآن ۴۸/۹
[4] رد المحتار فصل فی البیع من کتاب الحظر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۷۲

ماننی پڑی وہ بھی فقط ظاہراً نہ دل سے جیسے التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غائبانہ ندا کرنے کا شریعت نے حکم دیا خدا جانے شریعت کو کیا ہوگیا تھا کہ عین نماز میں یہ غیر خدا کی تعظیم اور اس پر دُور ونزدیک سے پکارنا رکھ دیا، خیر قہراً جبراً التحیات کے لفظ تو پڑھ لو مگر انشائے معنی کا ارادہ نہ کرنا وہ دیکھو امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صراطِ مستقیم میں حکم لگا رہے ہیں کہ :

"صرف ہمت در نماز بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر ست از استغراق در خیال گاؤ و خرِ خود"[1] الی آخر الکلمۃ الملعونۃ لعن اللہ قائلہا وقابلہا۔

نماز میں اپنے شیخ یا بزرگوں میں سے کسی دوسرے بزرگ حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ صرف کرنا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہوجانے سے کئی درجے بدتر ہے" آخر کلام ملعون تک۔ اللہ تعالٰی اس کلام کے قائل اور قبول کرنے والے کو اپنی رحمت سے دُور رکھے۔ (ت)

ولہذا وہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ تشہد میں السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے حکایتِ لفظ کا ارادہ کرے قصدِ معنی نہ کرے تصریح کرتے ہیں کہ دُور سے یارسول اللہ کہنا شرک ہے مگر بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے ایمان میں تعظیمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین ایمان کی جان ہے اور علی الاطلاق مطلوبِ شرع، تو جو کچھ بھی جس طرح بھی جس وقت بھی جس جگہ بھی تعظیمِ اقدس کے لیے بجالائے خواہ وہ بعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو سب جائز ومندوب ومستحب ومرغوب ومطلوب وپسندیدہ وخوب ہے جب تک اُس خاص سے نہی نہ آئی ہو جب تک اُس خاص میں کوئی حرجِ شرعی نہ ہو، وہ سب اس اطلاق ارشادِ الٰہی وتعزروہ وتوقروہ میں داخل اور امتثال حکم الٰہی کا فضل جلیل اسے شامل ہے ولہذا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب وتعظیم حبیب رب العالمین جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں زیادہ مداخلت رکھے اُسی قدر زیادہ خوب ہے، فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنسک متوسط وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے :

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔[2]

جس قدر بھی ادب وعزت میں کامل ہو اتنا ہی زیادہ اچھا ہے۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکی جوہرِ منظم میں فرماتے ہیں :

---

[1] صراطِ مستقیم ہدایت نامہ در ذکر مخلات مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ص ۸۶

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیادۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم۔[1]

وہ لوگ جنھیں اللہ تعالٰی نے آنکھوں کا نور عطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام و صورتوں کو امر مستحسن تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہرگز باری تعالٰی کے ساتھ شرکت کا کوئی پہلو نہیں۔ (ت)

تو مسلمان اگر وقتِ اقامت بھی تقبیل کرے ہرگز کوئی وجہِ ممانعت نہیں، اور اسے شرعاً ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر افترا کرتا یا نام و اکرام سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام سے جلتا ہے۔ اسی طرح نماز و استماع قرآن مجید و استماع خطبہ جن میں حرکت منع ہے اور ان کے امثال مواضع لزوم محذور کے سوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بنظرِ تعظیم و محبت حضرت رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ ہو جیسا کہ بعض محبان سرکار سے مشہور ہے بہرحال محبوب و محمود ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الجوہر المنظم الفصل الاول مطبوعہ ادارۃ المرکزیۃ واشاعۃ القرآن گلبرگ لاہور ص ۱۲

ایذان الاجر فی اذان القبر[۱۳]

(دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کے جواز پر مبارک فتوٰی)

مسئلہ (۳۸۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفن کے وقت جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الاذان علم الایمان وسبب الامان وسکینۃ الجنان ومنفاۃ الاحزان ومرضاۃ الرحمٰن والصلاۃ والسلام الاتمان الاکملان علی من رفع اللہ ذکرہ واعظم قدرہ فبذکرہ زان کل

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے جس نے اذان کو ایمان کی علامت، سببِ امان، دلوں کا سکون، غموں کا ازالہ اور رحمان کی رضا کا ذریعہ بنایا، صلاۃ و سلام کاملہ تامہ ہو اس ذات پر جس کا ذکر اللہ تعالٰی نے بلند کردیا اور اس کے مرتبہ کو عظیم کیا چنانچہ ان کے ذکر سے ہر خطبہ اور اذان کو

خطبة و اذان وعلی اٰله وصحبه الذاکرین ایاه
مع ذکر مولاه فی الحیٰوة والموت والوجدان
والفوت وکل حین وأن وأشهد ان لا اله الا الله
الحنان المنان وان محمدا عبده ورسوله سید
الانس والجان صلی الله تعالٰی علیه وعلٰی اٰله
وصحبه المرضیین لدیه ما اَذِنَ اُذُنٌ لصوت
اذان قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا
المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی
سقاه المجیب من کاس الحبیب عذبا فراتا
وجعله من الذین هم اهل الایمان والصلاة
والاذان احیاء واموا تا اٰمین اله الحق اٰمین۔

زینت بخشی اور آپ کی آل واصحاب پر جو موت وحیات،
وجدان وفوت غرضیکہ ہر وقت اپنے رب کریم کے ذکر کے
ساتھ اپنے آقا کا ذکر کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ
اللہ حنّان ومنّان کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور انس وجن
کے سردار نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے برگزیدہ
بندے اور رسول ہیں آپ پر اور آپ کی آل پاک اور صحابہ
کرام پر جو کہ پسندیدہ ہیں سب پر اس وقت تک اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں
جب تک کان اذان کی آواز سنتے رہیں، فقیر
عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی
دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی اسے اپنے حبیب کے حوض کوثر
سے سیراب کرے اور اسے ان لوگوں میں سے کرے جو موت وحیات
میں ایمان، نماز اور اذان والے ہیں آمین الٰہ الحق آمین (ت)

الجواب

بعض علمائے دین نے میّت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، امام ابن حجر مکی وعلامہ خیر الملۃ و
الدین رملی استاذ صاحب درمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا:

اما المکی ففی فتاواه وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیة البحر الرائق و مرض۔

مکّی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحرالرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔ (ت)

حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر
سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ
سے اپنا دعوٰی ثابت کرے پھر بھی مقامِ تبرع میں آکر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہر سے
نکال سکتا ہے جنھیں بقانونِ مناظرہ اسانید سوال تصور کیجئے فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی
ذری التحقیق۔

دلیل اوّل وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوالِ نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم (کہ اللہ عزوجل

صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد وزن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کرتے ہیں :

اذا سئل المیت من ربک ترأی لہ الشیطان فی صورۃ فیشیر الی نفسہ ای انا ربک[1] فلھذا ورد سوال التثبیت لہ حین یسئل۔

یعنی جب مُردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی مَیں تیرا رب ہُوں اس لیے حکم آیا کہ میت کے لیے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ (ت)

امام ترمذی فرماتے ہیں :

ویؤیدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند دفن المیت اللھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناک سبیل ما دعا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذلک[2]۔

یعنی وُہ حدیثیں جو اس کی مؤید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے الٰہی ! اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ دُعا کیوں فرماتے ۔ (ت)

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان ولہ حصاص[3]۔

جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے۔ (ت)

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے[4]۔ اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وُہ دفع ہو جائے گا[5] اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد

---

[1] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳
[2] " " " " " " " " " "
نوٹ : یہ دونوں عبارتیں اعلٰیحضرت نے بالمعنی نقل کی ہیں اس لئے الفاظ میں کافی تغیر و تبدل ہے، پہلی عبارت درست کر دی ہے دوسری عبارت اس طرح ہے : فلو لم یکن للشیطان ھناک سبیل ما کان لیدعو لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان یجیرہ من الشیطان ۔
[3] و [4] الصحیح لمسلم باب فضل الاذان و ہرب الشیطان عند سماعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۷
[5] معجم اوسط حدیث نمبر ۷۴۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۲۱۰

الطبرانی فی اوسط معاجیمه عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه (اسے امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)، ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا (صبح کی خوشگوار ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وبا دُور ہوجاتی ہے۔ ت) میں اس مطلب پر بت احادیث نقل کیں، اور جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہُوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اُس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہُوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالامال۔

دلیل دوم امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال لما دفن سعد بن معاذ (زاد فی روایة) وسوی علیه سبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وسبح الناس معه طویلا ثم کبر وکبر الناس ثم قالوا یارسول اللہ لم سبحت (زاد فی روایة) ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا الرجل الصالح قبره حتی فرج اللہ تعالٰی عنه[1]۔

یعنی جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ دفن ہوچکے اور قبر درست کر دی گئی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہُوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے وہ تکلیف اُس سے دُور کی اور قبر کشادہ فرما دی۔ (ت)

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ای ما زلت اکبر وتکبرون واسبح وتسبحون حتی فرجه اللہ[2] اھ

یعنی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اُس تنگی سے انھیں نجات بخشی اھ (ت)

اقول اس حدیث سے ثابت ہُوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لیے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنّت ہُوا، غایت یہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۷۷ - ۳۶۰

[2] مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح الفصل الثالث من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۱۱

کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں سو اُن کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید و مؤید مقصود ہے کہ رحمتِ الٰہی اُتارنے کے لیے ذکرِ خدا کرنا تھا، دیکھو یہ بعینہٖ وہ مسلک نفیس ہے جو دربارہ تلبیہ اجلہ صحابہ عظام مثل حضرت امیر المومنین عمر و حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت امام حسن مجتبٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمہ کرام نے اختیار فرمایا، ہدایہ میں ہے:

لا ینبغی ان یخل بشیئ من ھذہ الکلمات لانہ ھو المنقول فلا ینقص عنہ ولو زاد فیھا جاز لان المقصود الثناء واظھار العبودیۃ فلا یمنع من الزیادۃ علیہ[1] اھ ملخصا۔

یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں تو اُن سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالٰی کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں اھ ملخصا (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین [۱۳۰۶ھ] وغیرہا رسائل میں اس مطلب کی قدرے تفصیل کی۔

دلیل سوم بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میّت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اُسے سن کر یاد ہو حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ[2] (اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ)

رواہ احمد و مسلم و ابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ھریرۃ وکالنسائی عن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

اسے احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے مسلم کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نسائی کی طرح حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مُردہ ہے اور اُسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالٰی خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بُھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہوچکا حقیقۃً مُردہ ہے اور اُسے بھی کلمۂ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالٰی جواب یاد ہوجائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں

---

[1] الہدایۃ — باب الاحرام — مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی — ۲۱۷/۱

[2] سنن ابی داود — باب فی التلقین — " آفتاب عالم پریس لاہور — ۸۸/۲

یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اُس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں ان کے سوال تین ہیں من ربک[1] تیرا رب کون ہے؛ مادینک تیرا دین کیا ہے؛ ماکنت تقول فی ھذا الرجل[1] تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؛ اب اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھدان لا الٰہ الا اللہ اشھدان لا الٰہ الا اللہ اور آخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ سوال من ربک کا جواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئیگا کہ میرا رب اللہ ہے اور اشھدان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ سوال ماکنت تقول فی ھذا الرجل کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وُہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین[2] تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا، اب یہ کلام سماعِ موتٰی وتلقینِ اموات کی طرف منجر ہوگا فقیر غفر اللہ تعالیٰ خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمّٰی بحیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات تحریر کرچکا جس میں پچھتر حدیثوں اور پونے چار سَو اقوالِ ائمہ دین وعلمائے کاملین وخود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مُردوں کا سُننا دیکھنا سمجھنا قطعاً حق ہے اور اس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل اور اُسی کی چند فصول میں بحث تلقین بھی صاف کردی یہاں اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دلیل چہارم ابو یعلٰی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اطفؤا الحریق بالتکبیر[3] (آگ کو تکبیر سے بجھاؤ)

ابن عدی حضرت عبد اللہ بن عباس اور وہ اور ابن السنی و ابن عساکر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأیتم الحریق فکبروا فانہ یطفئ النار[4] جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو وُہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۵
[2] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الصلاۃ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۷/ ۲۸۴
[3] معجم اوسط حدیث نمبر ۸۵۶۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۵۹
[4] الکامل فی الضعفاء الرجال از من اسمہ عبد اللہ بن لہیعہ مکتبۃ اثریہ سانگلہ ہل ۴/ ۱۴۶۹

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں :

فکبروا ای قولوا اللہ اکبر اللہ اکبر وکرروہ کثیرا[1]۔

"فکبروا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کثرت کے ساتھ بار بار کہو۔ (ت)

مولٰنا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اُس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے، لکھتے ہیں :

التکبیر علی ھذا لاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا ورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق[2]۔

اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔

وسیلۃ النجاۃ میں حیرۃ الفقہ سے منقول :

حکمت در تکبیر آنست بر اہل گورستان کہ رسول علیہ السلام فرمودہ است اذا رأیتم الحریق فکبروا چوں آتش در جائے افتد واز دست شما بر نیاید کہ بنشانید تکبیر بگوئید کہ آتش بہ برکت آں تکبیر فرو نشیند چوں عذاب قبر بآتش ست ودست شما بآں نرسد تکبیر میباید گفت تا مردگان از آتش دوزخ خلاص یابند[3]۔

اہل قبرستان پر تکبیر کہنے میں حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "اذا رأیتم الحریق فکبروا" یعنی جب تم کسی جگہ آگ بھڑکتی ہوئی دیکھو اور تم اسے بجھانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، تو تکبیر کہو کہ اس تکبیر کی برکت سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی چونکہ عذاب قبر بھی آگ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے تم اپنے ہاتھ سے بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا اللہ کا نام لو (تکبیر کہو) تاکہ فوت ہونے والے لوگ دوزخ کی آگ سے خلاصی پائیں (ت)

یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فرد سنت ہے تو یہ اذان بھی قطعاً سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا تقریر دلیل دوم سے ظاہر۔

دلیل پنجم ابن ماجہ وبیہقی سعید بن مسیب سے راوی :

قال حضرت ابن عمر فی جنازہ فلما وضعہا فی

یعنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے

---

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر زیر حدیث مذکور مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱/۱۰۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب اثبات عذاب القبر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۱

[3] وسیلۃ النجاۃ

اللحد قال بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطٰن ومن عذاب القبر ثم قال سمعتہ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا مختصر۔[1]

ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اُسے لحد میں رکھا کہا بسم اللہ و فی سبیل اللہ جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی! اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے، پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا۔

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسند جید عمرو بن مرہ تابعی سے روایت کرتے ہیں:

کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی اللحد ان یقولوا اللھم اعذہ من الشیطان الرجیم۔[2]

یعنی صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت لحد میں رکھا جائے تو دعا کریں الٰہی! اسے شیطان رجیم سے پناہ دے۔

ابن ابی شیبہ اُستاذ امام بخاری ومسلم اپنے مصنف میں خیثمہ سے راوی:

کانوا یستحبون اذا وضعوا المیت ان یقولوا بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ وعلٰی ملۃ رسول اللّٰہ اللھم اجرہ من عذاب القبر وعذاب النار ومن شر الشیطان الرجیم۔[3]

مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یُوں کہیں "اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر وعذابِ دوزخ اور شیطانِ ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذاً باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اُس کے دفع کی تدبیر سنّت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیث سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان رفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصودِ شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل ششم ابوداؤد وحاکم وبیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

کان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ قال استغفروا

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[3] المصنف ابن ابی شیبہ ما قالوا اذا وضع المیت فی قبرہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/۳۲۹

لاخیکم وسلوا له بالتثبت فانه الاٰن یسأل[1]

کرتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے جواب نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی،

قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقف علی القبر بعد ماسوی علیہ فیقول اللھم نزل بک صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظھرہ اللھم ثبت عند المسألۃ منطقہ ولا تبتلہ فی قبرہ بما لاطاقۃ لہ بہ[2]

یعنی جب مردہ دفن ہو کر قبر درست ہو جاتی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے الٰہی! ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پس پشت چھوڑ آیا، الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

ان حدیثوں اور احادیث دلیل نہم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنت ہے امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانہ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کے لیے حاضر ہوا اور اب قبر پر کھڑے ہو کر دعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے کہ اُسے اُس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے[3] نقلہ المولی جلال الملۃ و الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح الصدور (امام جلال الدین سیوطی نے اسے شرح الصدور میں نقل کیا ہے۔ ت) اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام آجری فرماتے ہیں،

یستحب الوقوف بعد الدفن قلیلا و الدعاء للمیت[4]

مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لیے دُعا کریں۔

اسی طرح اذکار امام نووی وجوہرہ نیرہ ودرمختار وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا اسفار میں ہے طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و

---

[1] سنن ابوداؤد باب استغفار عند القبر للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۳

[2] الدر المنثور زیر آیت یثبت اللہ الذین اٰمنوا الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ، قم ایران ۴/۸۳

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[4]

بحرالرائق و نہرالفائق و فتاوٰی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا سنّت سے ثابت ہے اور برلو بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعاسے ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنّتِ ثابتہ کی ایک فرد ہُوئی پھر سنّیت مطلق سے کراہت فرد پر استدلال عجب تماشا ہے، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

کل دعا ذکر وکل ذکر دعا[1] (ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الدعاء الحمد للہ[2] (سب دعاؤں سے افضل دُعا الحمد للہ ہے)

اخرجه الترمذی وحسنه والنسائی وابن حبان والحاکم وصححه عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔

اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح قرار دیا ہے (ت)

صحیحین میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے بآوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعًا بصیرًا[3] (تم کسی بہرے یا غائب سے دُعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو)

دیکھو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دُعا اور فردِ مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل ہفتم یہ تو واضح ہولیا کہ بعد دفنِ میّت کے لیے دُعا سنّت ہے

اور علماء فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اس سے پہلے کوئی عملِ صالح کرے، امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے:

اٰداب الدعاء منها تقدیم عمل صالح وذکرہ عند الشدۃ[4] م ت د۔

آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہئے مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب التسبیح الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/ ۱۱۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۷۴

[3] الصحیح لمسلم باب خفض الصوت بالذکر ر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۶

[4] حصن حصین آداب الدعاء نولکشور لکھنؤ ص ۱۴

علامہ علی قاری حرز ثمین میں فرماتے ہیں، یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی، ثابت ہے اور شک نہیں کہ اذان بھی عمل صالح ہے تو دُعا پر اُس کی تقدیم مطابق مقصود وسنّت ہُوئی۔

دلیل ہشتم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثنتان لا ترد الدعاء عند النداء وعند البأس[1]

دو دعائیں رَد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں جب کفّار سے لڑائی شروع ہو۔

اخرجه ابوداؤد وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اسے ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نادی المنادی فتحت ابواب السماء واستجیب الدعاء[2]۔

جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔

اخرجه ابویعلی والحاکم عن ابی امامة الباھلی وابوداود الطیالسی وابویعلی والضیاء فی المختارة بسند حسن عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

یہ روایت ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور ابوداؤد طیالسی اور ابویعلی اور ضیاء الدین نے المختارہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ بیان کی ہے (ت)

ان حدیثوں سے ثابت ہُوا کہ اذان اسباب اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلا کو مقصود تو اُس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعاً محمود۔

دلیل نہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یغفر اللہ للمؤذن منتھی اذانه ویستغفر له

اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے مؤذن کے لیے

---

[1] المستدرک علی الصحیحین لایرد الدعاء عند الاذان وعند البأس مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۹۸

[2] " " " اجابة الاذان والدعاء بعدہ " " ۱/۵۴۶

کل رطب و یابس سمع صوتہ[1]۔

اُتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر و خشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لیے استغفار کرتی ہے۔

اخرجہ الامام احمد بسند صحیح و اللفظ لہ والبزار و الطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما و نحوہ عند احمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ و ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وصدرہ عند احمد والنسائی بسند حسن جید عن البراء بن عازب والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ ولہ فی الاوسط عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اسے امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ تخریج کیا اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں اور بزار، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور اس کی مثل احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کا ابتدائی حصہ احمد اور نسائی نے سند حسن اور جید کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بیشک مغفور کی دُعا زیادہ قابلِ قبول و اقرب باجابت ہے، اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دُعا منگوانی چاہئے، امام احمد مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفر لک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفور لہ[2]۔

جب تو حاجی سے ملے اُسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اُس سے اپنے لیے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفنِ میّت اپنے میں کسی بندۂ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکم احادیثِ صحیحہ ان شاء اللہ تعالٰی اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میّت کے لیے دعا کرے کہ مغفور کی دُعا میں زیادہ رجائے اجابت ہو تو کیا گناہ ہُوا بلکہ عین مقاصدِ شرع سے مطابق ہوا۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن مسند عبداللہ بن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۳۶

[2] " " " " " " مرویات " " " " ۲/ ۱۲۸

دلیل دہم اذان ذکرِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ما من شیئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ[1] — کوئی چیز ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والی نہیں۔

رواہ الامام احمد عن معاذ بن جبل و ابن ابی الدنیا و البیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ — اسے امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

اور خود اذان کی نسبت وارد جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اُس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے، طبرانی معاجیم ثلثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اذا اذن فی قریۃ امنہا اللہ من عذابہ فی ذٰلک الیوم[2] و شاھدہ عندہ فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ — جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے اور اس کی شاہد وہ روایت ہے جو معجم کبیر میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے (ت)

اور بیشک اپنے بھائی مسلمان کے لیے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے منجی ہو شارع جل وعلا کو محبوب و مرغوب، مولٰنا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح و دعائے رحمت و مغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں،

فان الاذکار کلہا نافعۃ لہ فی تلک الدار[3] (کہ ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں۔ ت)

امام بدرالدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب موعظۃ المحدث عند القبر فرماتے ہیں،

واما مصلحۃ المیت فمثل ما اذا اجتمعوا — میت کے لیے اس میں مصلحت ہے کہ مسلمان اُس کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات معاذ ابن جبل مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/۲۳۹
نوٹ : ابن ابی الدنیا اور بیہقی کے الفاظ عبداللہ ابن عمر سے یُوں ہی مروی ہیں جبکہ احمد بن حنبل کے الفاظ معاذ بن جبل سے یوں مروی ہیں : ما عمل آدمی عملا قط انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ الخ

[2] المعجم الکبیر مرویات انس بن مالک حدیث ۷۴۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۲۵۷

[3] شرح عین العلم لملا علی قاری مع عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبوعہ امرت پریس لاہور ص ۳۳۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۶۶

عندہ لقراءۃ القراٰن والذکر فان المیت ینتفع بہ[1] قبر کے پاس جمع ہو کر قرآن پڑھیں ذکر کریں کہ میت کو اس سے نفع ہوتا ہے (ت)

یارب مگر اذان ذکرِ محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع ملنا شرعاً مرغوب نہیں۔

دلیل یازدہم اذان ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعثِ نزولِ رحمت۔

اوّلاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام تفسیر قولہ تعالیٰ ورفعنا لك ذکرك[2] میں فرماتے ہیں،

جعلتك ذکراً من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[3] میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔

اور ذکرِ الٰہی بلاشبہہ رحمت اُترنے کا باعث، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں،

حفتھم الملئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ[4] انھیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اُن پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔

رواہ مسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ وابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسے مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے (ت)

ثانیاً ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت ہے، امام سفین بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں،

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[5] (نیکوں کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی اترتی ہے)

ابوجعفر بن حمدان نے ابوعمرو بن نجید سے اسے بیان کرکے فرمایا، فرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأس الصلحین[6] (تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توسب صالحین کے سردار ہیں)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب موعظۃ المحدث عند القبر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۱۸۶

[2] القرآن ۹۴/۴

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء زیر آیت مذکور مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۵

[4] صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوت القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۵

[5][6] اتحاف السادۃ المتقین الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ عن المعاصی الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/۳۵۰، ۶/۳۵۱

پس بلاشبہہ جہاں اذان ہوگی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمان کے لیے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے نہ کہ ممنوع۔

دلیل دوازدہم خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ مُردے کو اُس نئے مکان تنگ و تار میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم[1] (مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے یقیناً میرا رب بخشش فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ت) اور اذان دافعِ وحشت و باعثِ اطمینان خاطر ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب[2] (سُن لو خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل)

ابونعیم و ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نزل ادم بالھند فاستوحش فنزل جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فنادی بالاذان[3] الحدیث۔	جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنّت سے ہندوستان میں اُترے اُنھیں گھبراہٹ ہُوئی تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اُتر کر اذان دی۔ (الحدیث)

پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر و دفع توحش کو اذان دیں تو کیا برا کریں حاشا بلکہ مسلمان خصوصاً ایسے بیکس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو نہایت پسند، حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ[4]۔	اللہ تعالٰی بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد میں ہے۔
رواہ مسلم و ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہ و	جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو اللہ تعالٰی اس کی

---

[1] القرآن ۱۲/۵۳

[2] القرآن ۱۳/۲۸

[3] حلیۃ الاولیاء، مرویات عمرو بن قیس الملائی ۲۹۹ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/۱۰۷

[4] صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن ” قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۵

من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ بھا کربۃ من کرب یوم القیمۃ[1] رواہ الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے اللہ تعالٰی اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس سے دُور فرمائیگا۔ اسے بخاری ومسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

دلیل سیزدہم مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی:

قال رأنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حزینا فقال یا ابن ابی طالب انی اراك حزینا فمر بعض اھلك یؤذن فی اذنك فانہ درء الھم[2]۔

یعنی مجھے حضور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہُوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم وپریشانی کی دافع ہے۔

مولٰی علی اور مولٰی علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا: فجربتہ فوجدتہ کذلك (ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا) ذکرہ ابن حجر کما فی المرقاۃ (اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا، جیسا کہ مرقات میں ہے۔ت) اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میّت اُس وقت کیسے حزن وغم کی حالت میں ہوتا ہے مگر وہ خاص عباد اللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر مرحبا بحبیب جاء علی فاقۃ (خوش آمدید اس محبوب کو جو بہت دیر سے آیا۔ت) فرماتے ہیں تو اس کے دفع غم والم کے لیے اگر اذان سُنائی جائے کیا معذور شرعی لازم آئے حاشاللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی معجم کبیر ومعجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الاعمال الی اللہ تعالٰی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[3]۔

بیشك اللہ تعالٰی کے نزدیك فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری باب لایظلم المسلم المسلم الخ من ابواب المظالم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۰

[2] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاذان " مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۴۹

[3] المعجم الکبیر مرویات عبداللہ ابن عباس حدیث ۱۱۰۷۹ " المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۷۱

اُنھی دونوں میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسن مجتبٰے رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان موجبات المغفرۃ ادخالك السرور علی اخیك المسلم[1]

بیشک موجباتِ مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔

دلیل چہاردہم

قال اللہ تعالٰی:

یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا[2]

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون[3]

اللہ کا ذکر اس درجہ ذکر بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

اخرجہ احمد وابویعلی وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ صححہ الحاکم وحسنہ الحافظ ابن حجر۔

اسے احمد، ابویعلی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور حافظ ابنِ حجر نے حسن قرار دیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذکر اللہ عند کل حجر وشجر[4]۔

ہر سنگ و شجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔

اخرجہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

اسے امام احمد نے کتاب الزہد اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا (ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الا جعل لھا حدا معلوما ثم عذر اھلھا فی حال

اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اُس کے لیے ایک حد معیّن کر دی پھر عذر کی

---

[1] المعجم الکبیر مرویات حسن بن علی حدیث ۲۷۳۱ و ۲۷۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۸۳، ۸۵

[2] القرآن ۳۳/ ۴۱

[3] مسند احمد بن حنبل من مسند ابی سعید الخدری مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۸، ۷۱

[4] المعجم الکبیر مرویات معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ ،، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

العذر غير الذكر فانه لم يجعل له حدا انتهى اليه ولم يعذر احدا فى تركه الا مغلوبا على عقله وامرهم به فى الاحوال كلها۔[1]

حالت میں لوگوں کو اُس سے معذور رکھا سوا ذکر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی حد نہ رکھی جس پر انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔

اُن کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں:

الذکر الکثیر ان لا یتناھی ابدا[2] (ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو)

ذکرھما فی المعالم وغیرھا (معالم وغیرہ میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ ت) تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب مرغوب و مطلوب و مندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہوسکتی جب تک کسی خصوصیتِ خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکرِ خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے، یہی حکم ہے کہ ہر سنگ و درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں، قبرِ مومن کے پتھر کیا اس کے حکم سے خارج ہیں خصوصاً بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمۂ دین مستحب و لہذا امام اجل ابو سلیمان خطابی دربارۂ تلقین فرماتے ہیں:

لا نجد له حدیثا مشهورا ولا بأس به اذ لیس فیه الا ذکر الله تعالیٰ[3] وکل ذلك حسن۔

ہم اس میں کوئی مشہور حدیث نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل پانزدہم

امام اجل ابو زکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں:

یستحب ان یقعد عند القبر بعد الفراغ ساعة قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، ویشتغل القاعدون بتلاوة القرآن والدعاء للمیت والوعظ وحکایات اهل الخیر، واحوال الصالحین۔[4]

مستحب ہے کہ دفن سے فارغ ہو کر ایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اُونٹ ذبح کیا جائے اور اُس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے دُعا اور وعظ و نصیحت اور نیک بندوں کے ذکر و حکایت میں مشغول رہیں۔

---

[1] تفسیر البغوی المعروف بمعالم التنزیل مع تفسیر خازن زیر آیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۶۵

[2] " " " " " " " " " ۵/۲۶۶

نوٹ: تفسیر معالم التنزیل سے حوالہ دیا گیا ہے الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم یہی ہے جو اعلٰحضرت نے بیان کیا ہے۔ نذیر احمد

[3] امام اجل ابو سلیمان خطابی

[4] الاذکار المنتخبة من کلام سید الابرار باب ما یقول بعد الدفن مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۱۴۷

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیرِ حدیث امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم میں ذکر کی، فرماتے ہیں:

قد سمعت عن بعض العلماء انہ یستحب ذکر مسئلۃ من المسائل الفقہیۃ۔ [1] یعنی تحقیق میں نے بعض علما سے سُنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ میں اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ باعثِ نزولِ رحمت ست (نزولِ رحمت کا سبب ہے۔ ت) اور فرماتے ہیں: مناسب حال ذکر مسئلہ فرائض ست (ذکر مسئلہ فرائض مناسب حال ہے۔ ت) اور فرماتے ہیں: اگر ختم قرآن کنند اولیٰ و افضل باشد [2] (اگر قرآن پاک ختم کریں تو یہ اولٰی و بہتر ہے۔ ت) جب علمائے کرام نے حکایاتِ اہلِ خیر و تذکرۂ صالحین و ختم قرآن و بیان مسئلہ فقہیہ و ذکر فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وجہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اور ان امور میں امیدِ نزول رحمت تو اذان کہ بشہادت احادیث موجب نزولِ رحمت و دفعِ عذاب ہے کیونکر جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی۔

بحمد اللہ یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہوئیں ناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراجِ فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّۂ اہلِ سنّت و جماعت رحمہم اللہ تعالٰی کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے تکمیل ترتیب و تسجیل تقریب سے ہر مقدمۂ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکور ضمنی کو مقصود مستقل کردیا والحمد للہ رب العالمین (سب تعریف اللہ تعالٰی کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ت) بالجملہ ع

لا شک ان الفضل للمتقدم

(بیشک بزرگی پہل کرنے والے کے لئے ہے۔ ت)

ع۔ بالجملہ بحمد اللہ تعالٰی ان دلائل جلائل نے کالشمس فی وسط السماء واضح کردیا کہ اس اذان کا جواز بلکہ استحباب یقینی بلکہ بنظرِ عمومات شرع بوجوہ کثیرہ فردِ سنّت ہے شاید وہ بعض علما جنہوں نے اس کے سنّت ہونے کی تصریح فرمائی جن کا قول امام ابن حجر مکی و علامہ خیر رملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے نقل کیا یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ فردِ سنت ہے نہ کہ فردِ سُنّت ولہذا مناسب کہ کبھی کبھی ترک بھی کریں اگر اوہام عوام معنی ثانی کی طرف جاتے سمجھیں واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالٰی (م)

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۱/۲۰۰

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ″ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۱

ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنھوں نے اپنی تلاش وکوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کر دیا جزاھم اللہ عنا وعن الاسلام والسنۃ خیر جزاء وشکر مساعیھم الجمیلۃ فی حمایۃ الملۃ الغراء ونکایۃ الفتنۃ العوراء وھنأھم بفضل رسول نفی علی حمید رضی یوم القضاء وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ الاطائب الکرماء اٰمین۔

تنبیہاتِ جلیلہ ــــــ تنبیہ اوّل: ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمت رحمت الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں اِن شاء اللہ الرحمٰن اُس میّت اور ان احیا کے لیے کتنے منافع ہیں، سات فائدہ میّت کے لیے:

(۱) بحولہ تعالٰی شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔

(۲) بدولت تکبیر عذابِ نار سے امان۔

(۳) جوابِ سوالات کا یاد آجانا۔

(۴) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔

(۵) بہ برکتِ ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزولِ رحمت۔

(۶) بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔

(۷) زوالِ غم وسرور وفرحت۔

اور پندرہ احیا کے لیے، سات تو یہی سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس نیکیاں، پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(۸) میّت کے لیے تدبیر دفعِ شیطان سے اتباعِ سنّت۔

(۹) تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنّت۔

(۱۰) دعا عند القبر سے اتباعِ سنّت۔

(۱۱) بقصدِ نفعِ میّت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنّت۔

(۱۲) مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن وحدیث مالا مال۔

(۱۳) ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔

(۱۴) مطلق دُعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔

(۱۵) مطلق اذان کے برکات ملنا جنھیں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر وخشک کی استغفار وشہادت

اور دلوں کو صبر و سکون و راحت ہے اور لطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ہوتے ہیں میّت کے لیے وہ سات فائدے اور احیا کے لیے پندرہ، انھیں سات اور پندرہ کے برکات ہیں والحمد للہ رب العٰلمین تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میّت و احیا کو ان فوائد جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے ہمیں تو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1] رواہ احمد و مسلم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم و مناسب ہے کہ پہنچائے۔ اسے احمد اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

پھر خدا جانے اس اجازت کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے واللہ الموفق۔

تنبیہ دوم: حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نیۃ المؤمن خیر من عملہ[2]۔ (مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے)

رواہ البیہقی عن انس و الطبرانی فی الکبیر عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اسے بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لیے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے مثلاً جب نماز کے لیے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کر سکتا ہے۔

(۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔

(۲) خانۂ خدا کی زیارت کروں گا۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۲۴

[2] المعجم الکبیر مرویات سہل الساعدی حدیث ۵۹۴۲ " المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۶/۱۸۵

(۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں۔

(۴) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔

(۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔

(۶) مسجد سے خس و خاشاک وغیرہ دور کروں گا۔

(۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرلے انتظار نماز و ادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(۸) امرِ الٰہی خذوا زینتکم عند کل مسجد[1] (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ ت) امتثال کو جاتا ہوں۔

(۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(۱۰) جاہلوں کا مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔

(۱۱) جو علم میں میرے برابر ہو گا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔

(۱۲) علماء کی زیارت۔

(۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار

(۱۴) دوستوں سے ملاقات۔

(۱۵) مسلمانوں سے میل۔

(۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلۂ رحم۔

(۱۷) اہلِ اسلام کو سلام۔

(۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔

(۱۹) اُن کے سلام کا جواب دوں گا۔

(۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(۲۱ و ۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا بسم اللہ الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔

(۲۳ و ۲۴) دخول و خروج میں حضور و آلِ حضور و ازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا اللھم صل علٰی سیدنا

---

[1] القرآن ۷/ ۳۱

محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وعلیٰ ازواج سیدنا محمد۔

(۲۵) بیمار کی مزاج پرسی کروں گا۔

(۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔

(۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا اُسے یرحمك اللہ کہوں گا۔

(۲۸ و ۲۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا۔

(۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(۳۱ و ۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا یا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان و اقامت کا ثواب پاچکا فقد وقع اجرہ علی اللہ (اللہ تعالٰی اسے اجر عطا فرمائے گا۔ ت)

(۳۳) جو راہ بھولا ہو گا راستہ بتاؤں گا۔

(۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔

(۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا۔

(۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔

(۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتی الوسع صلح کراؤں گا۔

(۳۸ و ۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنت کروں گا۔

(۴۰ عہ) راہ میں جو لکھا ہُوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا الٰی غیر ذٰلك من نیات کثیرۃ تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وُہ صرف حسنہ نماز کے لیے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس حسنات کے لیے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس نیکیاں ہوگا۔ اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہیے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جُدا گانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ ہو کہ مجھے میت کے لیے دُعا کا حکم ہے اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہُوں اور نیز اُس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہیے یہ ادب دعا بجا لاتا ہُوں الٰی غیر ذٰلك مما یستخرجہ العارف النبیل واللہ الہادی الٰی سواء السبیل (ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف ذکی استخراج کرسکتا ہے، اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ ت) بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع دینیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے

عہ یہ چالیس نیتیں ہیں جن میں چھبیس علمائے ارشاد فرمائیں اور چودہ فقیر نے بڑھائیں جن کے ہندسوں پر خطوط کھینچے ہیں ۱۲ منہ

لہ القرآن ۴/۱۰۰

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1] (اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت)

تنبیہ سوم: جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کے لیے ہے یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لیے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انھیں کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے از انجملہ گوشِ مغموم میں اور دفعِ وحشت کو کہنا تو یہیں گزرا اور بچے کے کان[ع] میں اذان دینا سنا ہی ہوگا ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبا میں ذکر کی۔

تنبیہ چہارم: شرع مطہر کی اصل کُلّی ہے کہ جو امر مقاصدِ شرع سے مطابق ہو محمود ہے اور جو مخالف ہو مردود، اور حکم مطلق[ع] اس کے تمام افراد میں جاری و ساری، جب تک کسی خاص خصوصیت سے نہیِ شرع وارد نہ ہو تو بعد ثبوت حسن مطلق حسن مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ حسن مطلق ہے اُس پر دلیل قاطع اور بقاعدہ مناظرہ اثباتِ ممانعت ذمۂ مانع، معہذا اصل اشیا میں اباحت تو قائل جواز متمسک باصل ہے کہ اصلا دلیل کی حاجت نہیں رکھتا اجازت خصوصیت کو اجازت خاصہ وارد ہونے پر موقوف جاننا اور منع خصوصیت کے لیے منع خاص وارد ہونے کی ضرورت نہ ماننا صرف تحکم و زبردستی ہی نہیں بلکہ دائرہ عقل و نقل سے خروج اور مطمورہ[2] سفہ و جہل میں کامل دلوج ہے علمائے سنت شکر اللہ تعالٰی مساعیہم الجمیلہ ان سب مباحث کو اعلٰی درجہ پر طے فرما چکے۔ ان تمام اصول جلیلہ رفیعہ و دیگر قواعد نافعہ بدیعہ کی تنقیح بالغ و تحقیق بازغ حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ

ع: بعض احمق جاہل گوشِ مولود کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہو گے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذانِ گوشِ مولود کو نمازِ جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنٰی افعال نماز ہے ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلٰی افعالِ نماز ہے جس دن کشفِ ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گر پڑیں گے منافق سجدہ نہ کر سکیں گے جس کا بیان قرآنِ عظیم سورۂ ق شریف میں ہے قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالٰی۔ (م)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح خطبۃ الکتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۱

[2] بیوقوفی اور جہالت کے گڑھے میں مکمل طور پر داخل ہونا ہے۔

من معجزاتِ سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین سیّد العلما سند الکملا تاج الافاضل سراج الاماثل حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ ورزقنا برّہٗ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد وکتاب لاجواب اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیرہا میں افادہ فرمائی اور فقیر نے بھی بقدر حاجت اپنے رسالہ اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامہ (١٢٩٩ھ) ورسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین (١٣٠١ھ) ورسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا (١٣٠٢ھ) وغیرہا تصانیف میں ذکر کی یہاں ان مباحث کے ایراد سے تطویل کی ضرورت نہیں، حضرات مخالفین باآنکہ ہزارہا بار گھر تک پہنچ چکے۔ اگر پھر ہمت فرمائیں گے ان شاء اللہ العزیز جواب باصواب پائیں گے جس کے انوار باہرہ ولمعاتِ قاہرہ کے حضور باطل کی آنکھیں جھپکیں اور اُس کی سُہانی روشنیوں ودلکشا تجلیوں سے حق وصواب کے نورانی چہرے دیکھیں وباللہ التوفیق وہو المعین۔ والحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین الحمد للہ کہ یہ رسالہ آخر محرم ١٣٠٧ھ سے دو جلسوں میں تمام ہوا واللہ سبحٰنہٗ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تمّت بالخیر

محمدی سنّی حنفی قادری ١٣٠١

عبد المصطفٰی احمد رضا خان

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱- الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲- الاجناس فی الفروع	ابو العباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳- الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴- الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵- ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶- ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷- الارکان الاربع	مولانا عبد العلی بحر العلوم*	۱۲۲۵
۸- الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹- اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰- اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱- الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲- آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳- انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴- امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵- انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶- الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۸- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰ - بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱ - الہدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲ - البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳ - البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	۹۲۲
۲۴ - بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵ - البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶ - البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷ - تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸ - تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹ - تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰ - التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱ - تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲ - تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳ - تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴ - الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵ - التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶ - تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷ - تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸ - تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی ہم	۹۱۱ ـ ۸
۳۹ - تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰ - تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱ - التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۳۶

ج

ح

۶۷ - حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفی ابو سعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸ - حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹ - حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰ - حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۷۱ - حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علامہ سفطی	
۷۲ - الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳ - الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴ - الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵ - حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶ - حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷ - حلیۃ المحلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸ - خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹ - خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰ - خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱ - خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲ - خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳ - خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴ - الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵ - الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۸۶ - الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷ - الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

کتاب	مصنف	سن وفات
٨٨ ۔ ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	٩٠٥
٨٩ ۔ ذخیرۃ الفتاوی	برہان الدین محمود بن احمد	٦١٦
٩٠ ۔ ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	٢٨١

ر

کتاب	مصنف	سن وفات
٩١ ۔ الرحمانیۃ		
٩٢ ۔ ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	١٢٥٢
٩٣ ۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن الدمشقی	٧٨١
٩٤ ۔ رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	٢٣٩
٩٥ ۔ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	٩٧٠
٩٦ ۔ رد علی الجہمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	٢٨٠

ز

کتاب	مصنف	سن وفات
٩٧ ۔ زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی	المتوفی اواخر القرن السادس
٩٨ ۔ زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	٨٦١
٩٩ ۔ زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ١٠١٦
١٠٠ ۔ زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩

س

کتاب	مصنف	سن وفات
١٠١ ۔ السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	٨٠٠
١٠٢ ۔ السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	٢٧٣
١٠٣ ۔ السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	٢٧٣
١٠٤ ۔ السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	٢٧٥
١٠٥ ۔ السنن للنسائی	ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی	٣٠٣
١٠٦ ۔ السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	٤٥٨

۱۰۷ ۔ السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸ ۔ السنن للدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹ ۔ الشافی	شمس الائمۃ عبد اللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰ ۔ شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱ ۔ شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲ ۔ شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳ ۔ شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴ ۔ شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵ ۔ شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶ ۔ شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷ ۔ شرح السنۃ	حسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۱۱۸ ۔ شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹ ۔ شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابو نصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰ ۔ شرح القریبین		
۱۲۱ ۔ شرح المسلم للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲ ۔ شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳ ۔ شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنہ	۹۲۱
۱۲۴ ۔ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵ ۔ شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶ ۔ شرح مواہب اللدنیۃ	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷ ۔ شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸ ۔ شرح المہذب للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹ ۔ شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰ ۔ شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷

١٣١ - شرح الهداية	محمد بن محمد ابن شحنة	٨٩٠
١٣٢ - شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	٥٧٣
١٣٣ - شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	٤٥٨
١٣٤ - شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	٤٨٠
١٣٥ - شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	٥٣٦

ص

١٣٦ - صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	٣٩٣
١٣٧ - صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	٣٥٤
١٣٨ - صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	٣١١
١٣٩ - الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ٦٩٠

ط

١٤٠ - الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
١٤١ - الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
١٤٢ - الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المعروف ببرکلی	٩٨١
١٤٣ - طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	٥٣٧

ع

١٤٤ - عمدة القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	٨٥٥
١٤٥ - العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	٧٨٦
١٤٦ - عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	١٠٦٩
١٤٧ - عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	٣٧٨
١٤٨ - عقود الدریة	محمد امین ابن عابدین الشامی	١٢٥٢
١٤٩ - عدة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	١٠٣٠
١٥٠ -		

غ

کتاب	مصنف	سنہ
۱۵۱ - غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۵۳ - غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۱۵۵ - غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

کتاب	مصنف	سنہ
۱۵۷ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰ - فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱ - فتاوی حجہ		
۱۶۲ - فتاوی خیریہ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳ - فتاوی سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴ - فتاوی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵ - فتاوی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶ - فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷ - فتاوی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸ - فتاوی ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹ - فتاوی ولوالجیہ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰ - فتاوی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۱۷۱ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

١٧٣ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	٩٢٨
١٧٤ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	٦٣٨
١٧٥ - فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	١٢٢٥
١٧٦ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	٤١٤
١٧٧ - فوائد المخیصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	١٢٥٢
١٧٨ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	١٠٣١
١٧٩ - فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	٢٦٧

ق

١٨٠ - القاموس	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	٨١٧
١٨١ - قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	٩٢٨
١٨٢ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	٦٥٨
١٨٣ - القرآن		

ک

١٨٤ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	٣٣٤
١٨٥ - الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	٣٦٥
- الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	٩٧٣
١٨٧ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
١٨٨ - کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	١٨٢
١٨٩ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالعباس محمد بن علی	
١٩٠ - کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	٤٣٠
١٩١ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبدالرحمن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	١٠٥٠
١٩٢ - کتاب الطہور	لابی عبید	
١٩٣ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم محمد الرازی	٣٢٧
١٩٤ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
١٩٥ - کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	

۱۹۶ - كشف الاسرار	علاء الدين عبد العزيز بن احمد البخاری	۳۰
۱۹۷ - كشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸ - كشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدين عبد الوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹ - كنز العمال	علاء الدين علی المتقی بن حسام الدين	۹۷۵
۲۰۰ - الكفایۃ	جلال الدين بن شمس الدين الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱ - كف الرعاع	شہاب الدين احمد بن حجر المكی	۹۷۳
۲۰۲ - كنز الدقائق	عبد اللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳ - الكنى للحاكم	ابو عبد اللہ الحاكم	۴۰۵
۲۰۴ - الكواكب الدراری	شمس الدين محمد بن یوسف الشافعی الكرمانی	۷۸۶
۲۰۵ - كتاب الجرح والتعديل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶ - كتاب المغازی	یحیی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷ - كتاب الصمت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸ - كتاب الزہد	عبد اللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹ - الكشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدين عبد الرحمن بن محمد السیوطی	[illegible]

م

۲۱۲ - مبارق الازہار	الشیخ عبد اللطیف بن عبد العزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳ - مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴ - مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدين علی الباقانی تقریباً	۹۹۵
۲۱۶ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷ - مجموع النوازل	احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ	۵۵۰
۲۱۸ - مجمع الانہر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹ - المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰ - المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱ - مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲ - مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳ - المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۴۳
۲۲۴ - المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵ - مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶ - مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷ - مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸ - مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹ - مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰ - المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱ - المستصفی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲ - مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳ - مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴ - مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵ - مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۲۳۶ - مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷ - مسند البزار	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸ - مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹ - مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰ - مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱ - المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲ - مصنف ابن ابی شیبۃ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳ - مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴ - مصباح الدجی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶	المقدمۃ العشماویۃ	ابو العباس عبد الباری العشماوی المالکی	
۲۵۷	الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰	المنتقی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱	المنتقی فی فروع الحنفیۃ	الحاکم الشہید محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳	منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵	منہاج	شیخ ابو زکریا یحیی بن شرف النواوی	۶۷۶
۲۶۶	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷	المبتغی	شیخ عیسی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹	مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰ ـ المسندالکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱ ـ منیۃ المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲ ـ موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳ ـ موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴ ـ مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۳۲
۲۷۵ ـ مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶ ـ میزان الشریعۃ الکبریٰ	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷ ـ میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸ ـ المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹ ـ مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰ ـ النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱ ـ نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲ ـ نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳ ـ النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴ ـ النہایۃ لابن اثیر	مجدالدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵ ـ النہرالفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶ ـ نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷ ـ نورالعین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸ ـ النوازل فی الفروع	ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹ ـ نوادرالاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵